حق تصنیف محفوظ

قُل یٰاھلَ الکتٰبِ تعالوا الیٰ کلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم
ان لا نعبدَ الا اللہ و لا نُشرکَ بہٖ شیئاً

تعلیم مذہب کے سلسلے کا دوسرا نمبر یعنی کتاب

۱۹۱۱ء

توحید القرآن

سنہ ۱۳۲۹ ہجری القدس

[illegible] مصنفہ عالی جناب [illegible] فی الاقران والاماثل

حسب فرمایش جناب سید ناظر حسین صاحب اڈیٹر و پروپرایٹر ناظم الہند لاہور

در مطبع ناظم الہند واقع شہر لاہور
بازار حکیمان رونق انطباع یافت

بار اول — تعداد جلد ۷۰۰ — قیمت فیجلد [illegible]

DELHI

فہرست ابواب و مضامین کتاب توحید القرآن

نمبر شمار	نام باب مع مضمون	نمبر صفحہ
۱	دیباچہ مصنف	۱
۲	پہلا باب:۔ تفسیر آیات اثبات صانع عالم مع بعض صفات جنپر یہ آیات مشتمل ہیں	۴
۳	دوسرا باب:۔ توحید خدا تعالیٰ میں۔	۱۳۶
۴	تیسرا باب:۔ بتوں ستاروں درختوں وغیرہ کی عبادت کی منع میں۔	۱۶۰
۵	چوتھا باب:۔ اس بیان میں کہ اس کے نہ بیوی ہے نہ بچہ۔	۱۷۲
۶	پانچواں باب:۔ ذات باریتعالیٰ کے معاملے میں غور کرنا کچھہ مفید نہیں۔	۱۷۹
۷	چھٹا باب:۔ دین حنیف اور فطرت اللہ اور صبغۃ۔	۱۸۳
۸	ساتواں باب:۔ قدم باریتعالیٰ کے بیان میں۔	۱۸۶
۹	آٹھواں باب:۔ اس بیان میں کہ خدا تعالیٰ نہ جسم ہے۔ نہ جسمانی۔ نہ مکان ہے نہ مکانی۔ نہ زمانہ ہے اور نہ زمانی۔ نہ صورت ہے۔ نہ مادہ۔ نہ اسپر حلول جائز ہے اور نہ وہ کسی شے سے متحد ہے۔ نہ اسمیں حرکت ہے۔ نہ انتقال۔ اور نہ وہ محل حوادث	۱۸۹
۱۰	نواں باب:۔ رویت خدا تعالیٰ کی ناممکن ہے۔	۲۱۴
۱۱	دسواں باب:۔ علم خدا تعالیٰ کے بیان میں۔	۲۲۶
۱۲	گیارھواں باب:۔ مسئلہ بدا میں۔	۲۴۰
۱۳	بارھواں باب:۔ قدرت۔ و ارادۂ خدا تعالیٰ کے بیان میں۔	۲۶۰
۱۴	تیرھواں باب:۔ خدا تعالیٰ ہر شے کا پیدا کرنیوالا ہے۔	۲۶۵
۱۵	چودھواں باب:۔ کلام خدا تعالیٰ کے بیان میں۔	۲۷۱
۱۶	پندرھواں باب:۔ اسمائے خدا تعالیٰ کے بیان میں۔	۲۷۶
۱۷	سولھواں باب:۔ جوامع توحید۔ اس باب میں وہ آیات درج ہیں جنمیں کئی کئی صفتیں ایک جگہ مذکور ہیں۔	۲۸۸

۱۸۹۲۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ولا عدیل ولا خلف لقولہ ولا تبدیل لھو الحی القیوم بدیع السماوات والارض الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیہا سراجا وقمرا منیرا والذی جعل اللیل والنہار خلفۃ لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا ونشہد ان النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا فی التوراۃ والانجیل محمد رسول اللہ وخاتم النبیین واکرم الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ المیامین المطہرین المعصومین المکرمین من یومنا ھذا الی یوم الدین

اما بعد مخفی نہ رہے کہ بہترین اشیاء عالم علم ہے اور بہترین علوم علم المعرفت۔ یعنی خدا تعالیٰ کی ذات وصفات وکمال وجمال وجلال کی معرفت بقدر امکان طاقت بشریہ حاصل کرنی۔ یہی غایت وجود انسان ہے۔ اور یہی نتیجہ عمر بشر۔ اگر انسان ایک طولانی مدت تک دنیا میں زندہ رہا۔ اور اسنے خدا تعالے کی معرفت حاصل نہ کی۔ تو اس سے بڑا کوئی گناہگار نہیں۔ کیونکہ جسکی نعمتوں میں زندگی بھر اٹھتا بیٹھتا سوتا۔ جاگتا کھاتا پیتا۔ کروٹیں بدلتا رہا جسکی نعمتیں تمام عمر اسکا اوڑھنا بچھونا رہیں۔ ایک ہلکا سا سانس بھی جسکی نعمت سے علیحدہ نہ لے سکا۔ ایک خفیف سی حرکت بھی جسکی نعمت سے باہر نہ کر سکا ایک پلک بھی بغیر جسکی نعمت کے نہ مار سکا۔ ایک قدم بھی جسکی نعمت سے الگ نہ اٹھا سکا اور ایک خیال بھی بغیر جسکی نعمت کے نہ دوڑا سکا۔ اگر اسی کی معرفت نہ حاصل کی۔ تو کیا ایسے محسن کش احسان فراموش ناشکرے۔ خود غرض۔ کمینہ فطرت سے زیادہ کوئی قابل نفرت ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس سے بڑھکر اگر خود ہی محسن ومنعم اپنی معرفت کے اسباب بھی پیدا کر دے۔ دلیلیں بھی قائم فرما دے۔ راہنما بھی بھیجدے۔ نرم سے نرم اور ہلکے سے ہلکے اور سہل سے سہل لفظوں اور دلچسپ سے دلچسپ لہجوں میں ہدایت بھی کر دے۔ تب بھی اگر کوئی شخص اسکی معرفت حاصل کرنیکا ارادہ نہ کرے تو یقیناً انسانی خیال اسکی انتہائی قعر ذلت وخسران تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ اسکی کمینہ فطرتی کے عمق تک کوئی عمیق فکر جا سکتی ہے ٭

پس ہر انسان عاقل کا فرض ہوا کہ اپنا معتدبہ وقت اس کام میں صرف کرے اور جسطرح ہو سکے دلیل وتحقیق کی رو سے اسکی معرفت حاصل کرے۔ رہی یہ بات کہ وہ دلیل یا تحقیق کہاں سے لینی چاہیئے؟ تو اسکے دو مقام ہیں ایک عقل ہے اور دوسری نقل لیکن اگرچہ عقل مقدم ہے پھر بھی ہر شخص میں اتنی دماغی قوت اور ذہنی طاقت نہیں ہے کہ بجائے خود ہر ہر مرحلہ علم المعرفت تک بغیر کسی راہنما کے پہنچ

سکے۔ لہذا ضروری ہوا کہ اس معاملہ میں کسی کو اپنا راہبر بنائے۔ لیکن یہ سوال کہ آخر کس کو رہنما بنائے اسکا جواب صرف اسیقدر کافی ہے کہ اگر تلاش کرنیسے خود اسی کی بنائی ہوئی دلیلیں اور اُسی کے عقلی ارشادات مل جائیں۔ اور اُن ارشادات کی تشریحیں اُسی کے بھیجے ہوئے اور مقرر کیے ہوئے معلم سے مل سکیں۔ تو اس سے بہتر کیا بات ہے۔ مگر یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کے ارشادات اسکی ہدایتیں اور عقلی تعلیمیں کہاں سے ہاتھ آئیں اور کیونکر یہ یقین ہو کہ یہ تعلیمیں واقعی اسی کی ہیں کیونکہ اہل دُنیا نے تو اس معاملہ میں سخت اختلاف آپسمیں پیدا کر رکھا ہے۔ حضرات اہل اسلام فرماتے ہیں کہ اُسکی تعلیمیں قرآن مجید سے مل سکتی ہیں۔ آریہ دھرم اور برہمو سماج فرماتے ہیں کہ اس کا مخزن وید کے چار مجلدات ہیں۔ رگوید یجروید۔ اتھروید۔ شام وید۔ بودھ مذہب کے لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ بودھ جی کی کتابیں اسکا معدن ہیں۔ پارسی صاحبان کا مقولہ ہے کہ زردشت نبی کی کتاب اس کے لئے اچھا ذخیرہ ہے۔ مسیحی حضرات کا یہ قول ہے کہ انجیل مقدس اسکی کان ہے۔ یہودی لوگونکا یہ خیال ہے۔ کہ توریت مقدس یا طالمود سے بہتر کوئی کلام نہیں۔ جس سے اس معاملہ میں سبق لیا جائے اور ہر ایک فریق دوسرے فریق کی بنائی ہوئی کتاب کو غلط کہتا ہے۔ ہندو صاحبان قرآن کو۔ مسلمان صاحبان وید کو۔ پارسی انجیل و توریت کو۔ عیسائی زند پازند اور دساتیر کو۔ علیٰ ہذا القیاس ہر ایک دوسرے کو غلطی پر سمجھتا ہے۔ پھر ایک ابتدائی جستجو کرنیوالے کو ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیئے اور کیونکر اُسے کسی ایک کی نسبت رائے قائم کرنیکا حق حاصل ہو سکتا ہے؟

بیشک یہ سوال ایک حد تک قابل غور ہے لیکن ذرا تامل کرنیسے اس کا جواب خود بخود پیدا ہو جاتا ہے کہ جب کسی ایک امر کے ثبوت کے بعد اسکے انداز و طرق و شان و وقوع میں اختلاف ہو تو اس سے اتنا ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ اصل امر تو واقع ہے لیکن چونکہ بیانات اُسکی نسبت مختلف ہیں لہذا بجائے خود اُن بیانات پر عقل کی گہری نظر سے غور کرنا چاہیئے کہ حقیقت کا زریں لباس اور واقعیت کا مرصع تاج۔ اور راستی کا گوہر آگین خلعت کس کے جسم و سر پر دکھائی دیتا ہے چونکہ عقل ہی تمام امور میں فیصلہ کرنیکے لئے قدرتی قاضی بنائی گئی ہے۔ اس لئے وہ بہت تھوڑے سے تامل میں اسکا فیصلہ کر سکیگی اور چونکہ ایسے قاضی کے فیصلے پر تمام کاموں کا مدار ہی قرار پایا ہے لہذا جو کچھ وہ کہے اُسے تسلیم کرنا چاہیئے بشرطیکہ اسنے تامل کے طریقوں میں غلطی نکی ہو (اسکی تمیز بھی وہ خود ہی کر لیگی جبکہ مقررہ موازین پر اپنے خیالات کو تولیگی)

لہذا انسان کا فرض ہے کہ وہ ان تمام دعووں کو پیش نظر کرلے اسکے بعد ہر ایک کو بالمقابلہ جانچے جو عقل صحیح کے نزدیک بالکل درست معلوم ہو۔ اُسے قبول کرے اور اسی کا نام اسوقت تحصیل معرفت بدلیل و تحقیق، ہو گا

میں نے اس بارہ میں نمونہ کے طور پر برہم مذہب کی توحید اللہ کتاب توحید الائمہ کے دیباچہ میں

بیان کردی ہے جس سے ہر عقل مند اچھی طرح محسوس کرسکیگا کہ اہل مذاہب کی رفتار یں باب المعرفت میں کس کس رستے پر ہیں اور انمیں سے کون سیدھے رستے پر چلا ہے اور کون ٹیڑھے رستے پر۔ اور اس کے بعد مفصل طور پر اسلامی ریفارمر ونکی تعلیمیں بھی دکھادی ہیں۔ تاکہ کسی کو عذر نہ رہے ؛

اس کتاب میں میرا ارادہ یہ ہے کہ جو دلائل معرفت وتوحید قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں اور جنکی نسبت اسلام والونکا یہ دعوے ہے کہ واقعی یہی صحیح ہیں اور باقی سب کے بیانات جو اس کے برخلاف ہیں وہ ناقابل قبول ہیں انہیں حتی الامکان توضیح وتشریح کے ساتھ بیان کرونتا کہ تمام دنیا کے اہل مذاہب۔ کیا ہنود۔ کیا یہود۔ کیا عیسائی۔ کیا مجوسی۔ کیا بدھ مذہب والے۔ کیا نیچری سب لوگ دیکھ لیں۔ کہ اسلام کی اس کتاب کا بیان جسے یہ لوگ آسمانی کتاب کہتے ہیں بمقابلہ ان تمام کتابونکے جنکی نسبت آسمانی ہونیکا دعوی کیا جاتا ہے توحید کی بابت کیسا ہے اور کیا دنیا میں کوئی بھی کتاب اس سے زیادہ علم المعرفت سکھانیوالی ہے یا نہیں۔ اور اگر نہیں ہے تو کیوں اسکی اقتدا نکی جائے اور کیوں ہٹ دھرمی سے کام لیکر انجام کار اپنا خراب کیا جائے۔ قرآن مجید اگرچہ اول سے آخر تک بیشتر الہیات ہی کا سبق سکھاتا ہے اور نیز اسکے علاوہ ان امور کو بھی بیان کرتا ہے۔ جو خدا تعالی اور بندوں کے تعلقات کے متعلق ہیں یا رفاہ خلق کے مفید۔ مثلاً علم طب۔ علم الاخلاق۔ علم التواریخ۔ علم تدبیر المنزل علم سیاست مدن۔ علم ہیئت۔ علم نجوم۔ علم الامثال۔ علم الطبعیات (سائنس)۔ علم التشریح۔ علم الحیوانات علم النباتات۔ علم الجمادات۔ علم النفس اور علم النوامیس باتمہا و اکملہا جنکے متعلق انشاء اللہ بشرط امکان وفرصت مستقل بیانات اپنے اہل وطن کیخدمتمیں حاضر کرونگا۔ لیکن اسوقت صرف معاملہ توحید وذات وصفات ونفی تعدد الہ۔ وغیرہ کے متعلق جو بیشمار آئتیں قرآن مجید کی ہیں انمیں سے چند آیتوں کو منتخب کر کے ترجمہ وتفسیر مختصر کے ساتھ قوم کیخدمتمیں پیش کرتا ہوں اور یہ رسالہ ان تمام مجموعونکی ترتیب کا پہلا حصہ ہے۔ انشاء اللہ ان مجموعوں کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ کہ اسلام کی آسمانی کتاب الہیات وفلکیات وعلم نبوت وعلم طبعیات وغیرہ علوم کا کیسا سبق تعلیم کرتی ہے اور یہ کیسی بے نظیر کتاب ہے جسکی مانند دنیا کوئی کتاب نہیں۔ کیا بحیثیت ادائے مضامین جس سے مراد کمال فصاحت وبلاغت ہے اور کیا بحیثیت مضامین۔ پس اب میں خدا تعالی کی مدد پر بھروسا کرکے تفسیر آیات اس طریقے سے شروع کرتا ہوں جسے علمائے مذہب اسلام نے اختیار کیا ہے اور اسکی تائید انشاء اللہ سچے ہادیان کی تفسیر سے بھی کرتا جاؤنگا۔ وما توفیقی الا باللہ العلیم الخبیر۔

اس کتاب کے چند باب ہیں

باب اول تفسیر آیات اثبات صانع عالم مع بعض صفات جنپر یہ آئتیں مشتمل ہیں

آیہ اولی۔ سورہ بقر رکوع ۳۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۵

اس آیت کی تفسیر کئی بیانوں میں واضح ہوگی۔ **بیان اول تحقیق الفاظ کے متعلق ہے** لفظ
اَلَّذِی اسم موصول ہے جسکے واسطے صلہ کی ضرورت ہے یہ ایک اسم مبہم ہے جو مذکر کے لئے بنایا
گیا ہے اسکے مقابلہ میں اَلَّتِی ہے جو مونث کے لئے ہے جوہری کا بیان ہے کہ اَلَّذِی اصل میں صرف
لَذِی تھا اسپر الف لام تعریف کا داخل کرکے اَلَّذِی کر دیا گیا ہے مگر اب یہ الف و لام جزو کلمہ ہو گیا ہے
بغیر اسکے استعمال اسکا جائز نہیں ہے۔ اکثر استعمال اسکا اسی صورت سے ہوا ہے مگر واقعاً یہ لفظ چار
صورتوں سے استعمال ہوا ہے ۱ اَلَّذِی ۲ اَللَّذِ بغیر حرف یائے تحتانی کے اور مکسور الذال المعجمہ
۳ اَللَّذْ بسکون ذال معجمہ بغیر یائے تحتانی ۴ اَلَّذِیّ بتشدید ذال معجمہ اور بقائے یائے تحتانی
اسکا تثنیہ تین طرح سے استعمال ہوا ہے۔ ۱ اَللَّذَانِ ۲ اَللَّذَا بغیر نون ۳ اَللَّذَانِّ بتشدید
نون جمع اسکی دو صورتوں سے استعمال ہوئی ہے۔ ۱ اَلَّذِیْنَ ہر حالت میں خواہ نصب ہو یا رفع ہو
یا جر ۲ اَللَّذِی بغیر نون کے۔ بعض لوگوں نے حالت رفع میں اَللَّذُوْن بھی پڑھا ہے (مجمع البحرین)
فِرَاش بکسر فا ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو بطور فرش کے بچھائی جائے اسکی جمع فُرُش ہے مہاد
اور بساط و فراش ہم معنی اور ہم وزن ہیں سَمَآء مشتق ہے سمو سے بمعنی بلند ہے اور یہ لفظ
ہر اُس چیز پر بولا جاتا ہے جو بطور سقف کے کسی چیز سے اوپر ہو۔ یہ لفظ مذکر و مونث دونوں صورتوں
سے استعمال ہوا ہے اگرچہ تانیث اکثر ہے جمع اسکی سمٰوٰت اور اسمیہ ہے مَآء اصل میں
مَوَہٌ تھا۔ اسی وجہ سے جمع اسکی امواہ آتی ہے پانی کو کہتے ہیں۔ انداد جمع نِدّ کی
ہے اس کے معنی مثل و ہمسر کے ہیں ندید بھی اسی کا ہم معنی ہے جیسا کہ جریر کہتا ہے

اتیمًا تجعلونَ اِلیَّ ندًا * وما تیمٌ لذی حسبٍ ندیدٌ

بیان دوم متعلق معنی۔ (عبادت کرو تم لوگ اپنے اُس معبود کی) جسنے تمہارے لئے زمین کو
بچھونا بنایا (جسپر تم سو سکتے ہو) اور آسمان کو چھت۔ اور آسمان سے پانی برسایا پھر اسکے ذریعے سے
تمہاری رزق رسانی کیواسطے پھل پیدا کئے پس تم لوگ خدا کیلئے شریک نہ قرار دو حالانکہ تم تو جانتے
ہو کہ (ان شرکاء میں سے کوئی اُن نعمتوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے پھر کیوں اور وں کو
معبود سمجھتے ہو)۔ **بیان سوم** کسی چیز کے ثابت کرنیکے دو طریقے ہیں ایک بطریق نقل۔ دوسرے بطریق عقل
نقلی طریقہ صرف اسوقت کام آسکتا ہے جبکہ شخص مخالف (مقابل) اُسے سچا مانتا ہو جسکا کلام دلیل میں پیش کیا
جائے۔ مثلاً ایک مسلمان کے مقابلے میں کسی مسئلہ کی دلیل ہم حدیث رسول سے پیش کریں تو اس کا نام
دلیل نقلی ہوگا۔ اور اسکا مصرف بھی درست ہوگا۔ یا ایک ہندو کے مقابلے میں کسی دعوے کے ثبوت
کے واسطے وید کی عبارت پیش کریں تو یہ دلیل نقلی کہی جائیگی اور صدور اسکا بر وقت سمجھا جائیگا
بخلاف اس کے اگر ہم کسی عیسائی کے مقابلے میں قرآن مجید کی آیت کو دلیل قرار دیں تو اگرچہ بحیثیت نقل

جیسا تلا ہوا ہے اور ہرگز اسکو خیال بھی نہیں گزرتا کہ یہ مکان آپ سے آپ بنگیا ہوگا۔ لیکن برخلاف مگر نادان
عالم کے کہ اسکی عجیب سے عجیب صنعتیں دیکھتا ہے اور پھر بھی یہی کہتا ہے کہ اسکا کوئی بنانیوالا نہیں
بلکہ آپ سے آپ یہ چیزیں پیدا ہو گئی ہیں کیا ایسے خیال کا نام حماقت نہیں ہے یا کیا اسے جہل مرکب
نہیں کہتے؟

اب اس مطلب کو تین بحثوں میں ادا کیا جاتا ہے جو غالباً ناظرین کے لئے بہت مفید ثابت ہونگی
اور خدائی حکمتوں کا راز بھی معلوم ہوگا۔

تین بحثیں

پہلی بحث۔ جعل لکم الارض فراشا (خدا نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا) دراصل اگر
معنی تو یہ ہیں کہ زمین کو اس قسم سے بنایا ہے کہ اسپر تم سو سکو۔ جیسے اپنے بستر پر سوتے ہو۔ لیکن ابو علی
جبائی صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ فراش سے اور ایک اور آیت میں بساط کے لفظ
سے (یعنی جو زمین کو بساط فرمایا ہے یعنے فرش) یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ منجمیں داخل ہیئت) جو زمین
کی کرویت کے قایل ہیں وہ غلط ہے بلکہ زمین اسی طرح بچھی ہوئی ہے جیسے واقعی بچھونا بچھایا جاتا
ہے۔ اگرچہ یہ خیال عالم مذکور کو قرآن مجید کی کئی آیتوں کی برانگیختگی سے پیدا ہوا ہے۔ مثلاً خدا تعالے
فرماتا ہے فرشناھا فنعم الماھدون[1] اور واللہ جعل لکم الارض بساطا لتسلکوا منھا
سبلا فجاجا[2] (پ ۲۹۔ رکوع ۹) اور جعل لکم الارض فراشا[3]۔ لیکن یہ خیال انکی معرفت وعلم سے
بعید معلوم ہوتا ہے کیونکہ زمین کا گول ہونا اور پھر اسکا فرش یا بساط بھی ہونا کچھ باہم منافات نہیں رکھتا
بہت اچھی طرح ممکن ہے کہ زمین کروی شکل بھی ہو۔ اور فرش کا بھی کام دے کیونکہ جیسا پیمائش سے ثابت
ہوا ہے زمین کا قطر ۸ ہزار میل ہے اور محیط اسکا چوبیس ۲۴ ہزار میل کا ہے اور جیسا کہ رصد قدیم سے معلوم
کیا گیا ہے زمین کا دائرہ عظمی (سب سے بڑا دائرہ) آٹھ ہزار فرسخ کا ہے جسکے چوبیس ہزار میل شرعی ہوئے
اور قطر اسکا دو ہزار پانچسو پینتالیس فرسخ اور نصف فرسخ کا ہے۔ جسکے سات ہزار پانچسو ڈیڑھ میل
شرعی ہوئے اور حاصل ضرب محیط اور قطر کا اسکی سطح کی مقدار ہے جسکی تعداد دو لاکھ تین سو ساٹھ ہزار
فرسخ ہوتے ہیں۔ جس کے میل اکسٹھ لاکھ اسی ہزار میل ہوئے۔ جیسا کہ کتاب السماء والعالم میں علامہ
مجلسی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے۔ ثم انہم استعملوا بزعمہم مسافۃ الارض واجزائھا
ودوائرھا فی زمان المامون وقبلہ فوجدوا مقدار محیط الدائرۃ العظمی من الارض

---

[1] ہم نے زمین کو بچھایا پس ہم اچھے بچھانے والے ہیں ۱۲ [2] اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اسکی
کشادہ راہوں میں چلو ۱۲ [3] بنایا خدا نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا ۱۲

ثمانیہ الاف فرسخ وقطرھا الفین وخمسماۃ وخمسۃ واربعین فرسخاً ونصف فرسخ تقریباً ومضروب القطر فی المحیط مسافۃ سطح الارض وھی عشرون الف الف وثلثماۃ وستون الف فرسخ۔ وربع ذٰلک مساحۃ الربع المسکون واما القدر المعمور من الربع المسکون وھو مابین خط الاستواء والموضع الذی عرضہ تمام المیل الکلی فمساحتہ ثلثۃ الاف الف وسبعماۃ وخمسۃ وستین الفاً واربعماۃ وعشرین فرسخاً (انتھی) یعنی کہ زمانہ مامون عباسی میں زمین کی مسافت کی پیمائش کیگئی اور اُس سے پہلے بھی تو معلوم ہوا کہ دائرہ کبیرہ کے محیط کی مقدار آٹھ ہزار فرسخ ہے اور اسکے قطر کی مسافت دو ہزار پانچسو ساڑھے پینتالیس فرسخ تقریباً ہے اور مضروب قطر فی المحیط اسقدر ہے جو مقدار سطح زمین کی ہے اور وہ دو لاکھ تین سو ساٹھ ہزار فرسخ ہے اور اسکا چوتھائی حصہ ربع مسکون کی مقدار ہے مگر ربع مسکون میں سے جسقدر آباد ہے اور وہ مابین خط استوا اور اس مقام کے ہے جسکا عرض بلد بقدر تمام میل کلی آفتاب کے ہے اُسکی مساحت تیس ہزار سات سو پینسٹھ ہزار اور چار سو بیس فرسخ ہے تو انسان کو اُسکی کرویت کیا مضر ہو سکتی ہے کیونکہ اسکی مقدار اس طول وعرض کی بہ نسبت تو اُس سے بھی کم ہے جو بڑے سے بڑے پہاڑ کو زمین سے حاصل ہے کیونکہ علم ہیئت میں ثابت کیا گیا ہے کہ زمین سے ایسے پہاڑ کو وہی نسبت حاصل ہے جو یابو گھوڑے کے ایک بال کی چوڑائی کو اُس کرہ سے حاصل ہے جسکا قطر ایک ذراع کا ہو تو ایسے بال کے نزدیک اُس ایک ذراع کے قطر والے کرہ کی کرویت کیا محسوس ہو سکتی ہے یا اگر اس سے زیادہ توسعہ دیا جاے تو کہا جا سکتا ہے کہ ایک مکھی یا مچھر یا چیونٹی جسوقت کسی گھڑے یا اور ایسے ہی کسی کروی جسم پر بیٹھی ہو یا چل رہی ہو تو اُسکے نزدیک وہ گھڑا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ہمارے نزدیک زمین۔ نہ چیونٹی کو اسکی کرویت سطحیت سے خلاف معلوم ہوتی ہے اور نہ ہمکو زمین کی کرویت مسطحیت سے الگ محسوس ہوتی ہے لیکن یہ جو کچھ بھی ہے ہمارے صغیر الجثہ ہونے کا نقصان ہے کہ ہم اُسکی کرویت محسوس نہیں کر سکتے نہ یہ کہ زمین میں کرویت ہی نہیں ہے لیکن اگر ہم غور سے کام لینا چاہیں تو علاوہ دلیل عقلی کے دلیل حسی بھی زمین کی کرویت کو ثابت کر سکیگی اور وہ اسطرح سے کہ ہم جسوقت کسی بہت طویل درخت کو مثل درخت خرما کے ایک میل کے فاصلہ سے دیکھتے ہیں تو وہ ہمکو چھوٹا سا دکھائی دیتا ہے گویا کہ وہ صرف ایک دو ہاتھ کا لمبا ہے مگر جسقدر ہم اُس سے قریب ہوتے جاتے ہیں اُسیقدر وہ ہمکو طویل معلوم ہوتا جاتا ہے یہانتک کہ جب ہم بالکل اس کے قریب آجاتے ہیں تو وہ ہمکو اپنے اصلی قامت کو دکھا دیتا ہے۔

پس اگر زمین گول نہیں ہے اور اسکا ابھار ہمارے خط نظر اور درخت خرما کی جڑ کے درمیان حائل نہیں ہے۔ اور زمین بالکل مسطح مثل فرش کے ہے تو آخر ابتدا ہی سے اُسکے نیچے کا حصہ کیوں دکھائی نہیں دیتا۔ معلوم ہوا کہ یہ بلندی جو زمین کی ہے وہ اس درخت کے دو حصے سے زیادہ طول کو ہماری نظر سے چھپائے ہوئے ہے اور جسقدر ہم اُس بلندی پر چڑھتے جاتے ہیں اُسیقدر اُسکا

مخفی حصہ ہمیں دکھائی دیتا جاتا ہے یہانتک کہ ہم اس خاص بلندی پر پہنچ جاتے ہیں جس مقام پر وہ نصب ہے تو پھر کوئی چیز ہماری نظر اور درخت کے درمیان حائل باقی نہیں رہتی۔ اسیوجہ سے سید شریف مرتضی رحمہ اللہ نے عالم مذکور کے قول کو نہیں مانا ہے اور فرمایا ہے کہ "هذا القدر لا يدل لانہ يكفي في النعمة علينا ان يكون في الارض بسائط و مواضع مفروشة و مسطوحة وليس يجب ان يكون جميعها كذلك و معلوم ضرورة ان جميع الارض ليس مسطوحا مبسوطا وان كان مواضع التصرف فيها بهذه الصفة و المنجمون لا يدفعون ان يكون في الارض سطوح يتصرف فيها و يستقر عليها و انما يذهبون المنجمون الى ان جملتها كروية الشكل" یعنی صرف اسقدر سے کہ خدائے تعالے نے زمین کو فراش یا بساط فرمایا ہے اس کا سطح مستوی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ زمین کے ہمارے لئے نعمت ہونے میں اسقدر کافی ہے کہ اسمیں مقامات مفروشہ و مسطحہ ہوں۔ (جنپر ہم اپنے اُن کاموں کو جو ایسی صورت کے ہونے پر موقوف ہیں انجام دے سکیں) اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ تمام زمین ہی مسطح ہو حالانکہ بداہتہ یہ بات معلوم ہے کہ تمام زمین مسطوح نہیں ہے۔ اگرچہ وہ مقدار جسمیں تصرفات حیوان و انسان واقع ہوتے ہیں وہ مسطح ضرور (معلوم ہوتی) ہے اور منجمین اسے غلط بھی نہیں کہتے کہ روے زمین میں ایسے سطوح ہوں جنمیں تصرف واقع ہو سکے اور اسپر قیام کیا جاسکے۔ بلکہ اُنکی رائے تو یہ ہے کہ زمین بہیئت مجموعی کروی الشکل ہے نہ کہ اُس کا ہر حصہ جس سے فراشیتہ و بساطیتہ کو نقصان پہنچے)۔

اور عقلی دلیل اسکی یہ ہے کہ عناصر اور نیز ہر بسیط جسمیں مختلف کیفیتیں نہیں پائی جاتیں اُن کی طبیعت کا مقتضا یہی ہے کہ وہ گول ہوں یعنی کروی الشکل اسلئے کہ مثلث یا مربع یا مخمس وغیرہ شکل پر ہونا اسبات پر دلالت کریگا کہ طبعاً اسکے اجزائے اصلیہ میں باہم نسبت مساوات نہیں ہے اسیوجہ سے بعضے کسی طرف کو نکل گئے ہیں۔ اور بعضے کسی طرف کو اور جبکہ اجزا اُسکے ایک طبیعت کے نہیں تو مرکز سے جو نسبت ایک جزو کو ہے وہی نسبت دوسرے کو بھی ہوگی لہذا جو فاصلہ مرکز سے ایک جزو کو ہوگا۔ وہی فاصلہ دوسرے جزو سے بھی ہوگا اس لئے جسم بسیط ہمیشہ کروی ہوگا۔ شیخ کتاب اشارات میں فرماتے ہیں "ويجب ان يكون الشكل الذي تقتضيه طبيعة البسيط مستديرا والا لاختلف هيأته في مادة واحدة عن قوة واحدة" یعنی واجب و لازم ہے کہ شکل طبیعی بسیط کی گول کروی ہو ورنہ لازم آیگا اسکی شکل ایک ہی مادہ میں ایک قوت سے مختلف ہو۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے کہ باوجود طبیعت واحدہ اور مادہ واحدہ اور فاعل واحد اور قابل واحد ہونے کے اختلاف صورت واقع ہو سکے کیونکہ فاعل واحد کا فعل قابل واحد میں متعدد ہونا عقلاً ناممکن ہے کما ثبت فی محلہ۔

دوسری بحث۔ جملہ جعل لکم الارض فراشا باعتبار ظاہر اسبات کو بھی بتاتا ہے کہ زمین مستقر و ساکن ہے متحرک نہیں ہے اگرچہ اس زمانے کے یورپین فلاسفر حرکت زمین کے قائل ہیں اور کہتے ہیں

کہ زمین آفتاب کے گرد پھرتی ہے اور اسپر چند دلیلیں بھی بیان کرتے ہیں جنکا ذکر آیندہ آئیگا؛

لیکن حق یہ ہے کہ زمین ساکن ہے اور اسپر عقلی اور نقلی دونوں قسم کی دلیلیں موجود ہیں منجملہ نقلی دلیلوں کے ایک یہ بھی آیت ہے جسمیں یہ فرمایا گیا ہے کہ زمین کو ہمنے تمہارے لئے بستر بنایا کیونکہ اسکا مفاد یہ ہے کہ ہمنے زمین کو ایسی صورت میں بنایا ہے کہ تم اُسپر آرام وقرار لے سکو اور ہر طرح کا تصرف کر سکو۔ ورنہ اگر متحرک ہوتی تو استقرار ناممکن ہوتا۔ اور فائدہ فراشیت بھی مرتفع ہو جاتا۔ علاوہ بریں لفظ فراش ہی خود اسبات کو بتا رہا ہے۔ اسیوجہ سے علامہ طبرسی علیہ الرحمۃ نے اسکی تفسیر میں فرمایا ہے اي بساطاً يمكنكم ان تستقروا عليها وتفترشوها وتتصرفوا فيها وذٰلك لايمكن الا بان تكون مبسوطة ساكنة دائمة السكون" یعنی بساط قرار دیا کہ تمکو ممکن ہوسکے کہ اُسپر استقرار کر سکو اور اُسے فرش بنا سکو اور اُسمیں تصرف کر سکو اور یہ امر اُسوقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ زمین مسطح پھیلی ہوئی ساکن اور ہمیشہ ساکن نہ ہو"

دوسری ایک اور آیت اپنے ظاہری لفظوں سے اس مطلب کو ظاہر کر رہی ہے (جزو ۱۴ع ۱۴) والقى في الارض رواسي ان تميد بكم" اور اُس (خدا نے) زمین پر بھاری بھاری پہاڑ نصب کئے تاکہ یہ زمین تمہیں لیکر کسی اور طرف نہ جھکے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے زمین پر جو پہاڑوں کی میخ گاڑی ہے وہ صرف اسی لئے ہے کہ یہ ساکن رہے متحرک نہ ہونے پائے تاکہ اہل زمین کو اسکے جھکنے اور ہلنے جلنے سے تکلیف نہ ہو؛

تیسری ایک اور آیت جو سورہ ملک میں ہے (جزو ۲۹ ع ۱) هو الذي جعل لكم الارض ذلولاً فامشوا في مناكبها وكلوا من رزقه واليه النشور ۝ ءامنتم من في السماء ان يخسف بكم الارض فاذا هي تمور" اُسی نے تمہارے لئے زمین کو مطیع بنایا پس تم لوگ اسکے کاندھوں پر چلو اور خدا کی پیدا کی ہوئی روزی کو کھاؤ اور اسی کی طرف بازگشت ہے کیا تم نڈر ہو گئے ہو۔ اُس (خدا) سے جو آسمان کا مالک ہے کہ دھسا دے تمکو زمین میں پس ناگاہ پڑے جھکولے کھایا کرے" اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت زمین میں صفت مور یعنی حرکت نہیں ہے بلکہ ساکن ہے ہاں خدا تعالیٰ کو قدرت ہے کہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے ایسا کردے کہ تم اسمیں دھس جاؤ اور وہ حرکت میں آجائے؛

اور عقلی دلیلیں اس مضمون پر بہت ہیں۔ منجملہ اُنکے ایک یہ ہے کہ فلسفہ میں ثابت ہو چکا ہے۔ کہ زمین بسیط ہے اور ہر بسیط میں ایک ہی قسم کی طبیعت پائی جاتی ہے۔ جسکا مقتضا بھی ایک ہی ہوتا ہے پس چونکہ زمین میں مرکز ثقل ہے اور اسمیں صرف مبدا میل مستقیم ہے۔ یعنی اسکی حرکت حرکت مستقیمہ ہے اسپر دلیل یہ ہے کہ ایک جزو زمین مثلاً پتھر یا ڈھیلا جسوقت اوپر کیطرف پھینکا جاتا ہے یا بلندی

سے نیچے کیطرف گرایا جاتا ہے تو سیدھا زمین کیطرف آتا ہے۔ بحرکت مستقیمہ۔ البتہ پھینکنے والے کے ہاتھ کی حرکت کیوجہ سے اگر اُسمیں کوئی قسری حرکت پیدا ہوجائے تو ممکن ہے لیکن جب وہ قوت ختم ہوجاتی ہے اور اسکا میل طبعی نشیب کیطرف شروع ہوتا ہے تو اسوقت سوائے حرکت مستقیمہ کے اور کوئی حرکت اُسمیں نہیں پائی جاتی۔ پس جبکہ زمین کے ایک جزو کا یہ حکم ہوگا۔ تو باقی زمین کا بھی یہی حکم ہوگا۔ کیونکہ بسیط کے کل وجزو احکام طبعیہ میں کیطرح مختلف نہیں ہوسکتے اور جبکہ زمین میں صرف مبدا میل مستقیم ہے یعنی اُسکا اقتضائے طبعی حرکت مستقیمہ ہے لیکن انتظام کرات عالم اور قاسر سے درمیان میں قائم ہے۔ تو ناممکن ہے کہ اُسمیں دوری حرکت بھی پیدا ہو۔ کیونکہ جب اُسمیں حرکت دوریہ پیدا ہوگی تو لامحالہ اُسمیں مبدا میل مستدیر بھی ہوگا۔ پھر تو دو متضاد چیزیں ایک بسیط میں جسکی طبیعت واحدہ ہے پائی جائینگی۔ حالانکہ یہ محال ہے پس اہل یورپ کا یہ کہنا کہ زمین میں حرکت دوریہ پائی جاتی ہے بالکل خلاف قانون فطرت ہے۔ جیسا ان لوگوں کا ایمان ہے ؛

دوسرے یہ کہ اگر زمین متحرک ہو یعنی مغرب سے مشرق کیطرف جاتی ہو تو لازم آتا ہے۔ کہ جو پتھر اوپر کیطرف پھینکا جائے وہ ٹھیک اُسی مقام پر آکر نہ گرے جہاں سے پھینکا گیا ہے۔ کیونکہ جتنے سکنڈ میں پتھر اوپر سے نیچے آئیگا اُتنے سکنڈ میں اور پھینکنے والا شخص میلوں مشرق کی طرف نکل گیا ہوگا تو چاہیئے کہ یہ پھینکا ہوا پتھر اُس مقام سے جہاں سے پھینکا گیا ہے کئی میل کے فاصلہ پر مغرب میں گرے حالانکہ یہ بات مشاہدہ حسیہ کے بالکل خلاف ہے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ پتھر بیشتر اُسی مقام پر گرتا ہے جہاں سے پھینکا گیا ہے ؛

تیسرے یہ کہ اگر کسی اُڑتے ہوئے پرندے کو تیر مارا جائے تو کبھی اُسکو نہ لگے اور اگر لگے تو وہ اُسی مقام پر نہ گرے کیونکہ زمین نے اتنے عرصے میں میلوں راہ طے کرلی ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل خلاف مشاہدہ ہے ؛

چوتھے یہ کہ اگر دو پتھر ایک ہی طاقت سے پھینکے جاویں ایک مشرق کیطرف اور دوسرا مغرب کیطرف تو چاہیئے کہ جو پتھر مغرب کیطرف پھینکا گیا ہے وہ زیادہ تیز جاتا ہوا معلوم ہو اور جو مشرق کیطرف پھینکا گیا ہے وہ بہت سُست محسوس ہو۔ یا یہ کہ اُسکی بالکل حرکت ہی محسوس نہ ہو کیونکہ زمین نہایت تیزی سے حرکت کررہی ہے اور مغرب سے مشرق کیطرف بھاگی چلی جارہی ہے۔ تو ضرور مغربی پتھر تیز جاتا ہوا نظر آئیگا اور مشرقی سُست۔ حالانکہ دونوں کی حرکت مساوی محسوس ہوتی ہے اور دونوں مساوی وقت میں زمین پر گرتے ہیں۔ اور نیز مساوی فاصلہ پر۔ تو اب بتلایئے کہ زمین کہاں حرکت کرتی ہے ؛

پانچویں۔ یہ کہ اگر زمین متحرک ہو تو چاہیئے کہ کسیوقت ہوا میں سکون نہو۔ حالانکہ ہم دیکھتے

ہیں کہ اکثر اوقات ہوا ساکن ہوتی ہے۔ وجہ ملازمتہ یہ ہے کہ اس رائے کی بنا پر زمین فی گھنٹہ ۱۰۳۶ میل اور فی سکنڈ ۱۵۲۰ فیٹ حرکت کرتی ہے اور بنا برائے بیٹن صاحب زمین فی سکنڈ ۱۹ میل اور فی گھنٹہ ۶۸۴۰۰ حرکت کرتی ہے تو ضرور ہے کہ زمین کی حرکت کے ساتھ ٹھوکر کیوجہ سے ہوا بھی متحرک ہو خصوصاً پہاڑوں عمارتوں۔ درختوں کے صدمہ سے ہر وقت ہوا میں وہ سخت تموج رہا کرے کہ آدمی ایک سکنڈ بھی زمین پر کھڑا نہ رہ سکے۔ حالانکہ ہم اسکے خلاف دیکھتے ہیں دیکھئے تیز ریل گاڑی جو فی سکنڈ ۴۴ گز اگرہ ۳/۴ اپنی حرکت سے مسافت طے کرتی ہے کسقدر اُسکے صدمے سے ہوا میں تموج پیدا ہوتا ہے کہ اگر آدمی گاڑی کے خانے سے منہ نکالے تو معلوم ہوتا ہے کہ سر اڑ جائیگا باوجودیکہ اُسکی رفتار زمین کی رفتار سے بہت کم ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اتنا بڑا جسم ثقیل اس تیزی سے حرکت کرے اور پھر حرکت ہوا محسوس نہ ہو۔

اور اگر اگلی باتوں کا یہ جواب دیا جائے کہ زمین کے ساتھ ہوا بھی حرکت کرتی ہے اسلئے پتھر اوسی مقام پر گرتا ہے جہاں سے پھینکا گیا ہے تو اولاً اسمیں یہ خرابی لازم آئیگی کہ چاہیئے ہر وقت آندھی سے زیادہ تیز حرکت ہوا کی ہر وقت محسوس ہوتی رہے۔ کیونکہ فطرتی رفتار ہوا کی یورپین تحقیق کے موافق فی منٹ پونے دو میل ہے اور فی گھنٹہ سو میل تو زمین کی تبعیت سے کسقدر زیادہ ہو جاتی چاہیئے دوسری خرابی یہ ہے کہ اگر یہی مان لیا جائے کہ زمین کی حرکت کیوجہ سے ہوائے مجاور بھی حرکت کرتی ہے تو چاہیئے کہ جسوقت ہوا ساکن ہو اور اسوقت دو کشتیاں دریا میں چلائی جائیں ایک مشرق کیطرف دوسری مغرب کیطرف۔ تو وہ کشتی جو مشرق کیطرف چلائی گئی ہے۔ اُسمیں دو قسم کی قوت تحریک پائی جاکے ایک ہوائے مجاور یا دریا کے پانی کی حرکت سے۔ اور دوسرے ملاح کی تحریک سے تو اُسکی رفتار مشرق کیطرف نہایت تیزی سے ہو اور جو مغرب کیطرف چلائی گئی ہے وہ نہایت سُست چلے۔ کیونکہ اسمیں ذاتی قوت حرکت کوئی نہیں ہے بلکہ صرف ملاح کی قوت ہے۔ نہیں نہیں بلکہ ضروری تو اسوقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغربی کشتی کی بالکل ہی محسوس نہو کیونکہ وہ زمین اور پانی کے مشرق کی طرف نہایت تیزی سے چلے آنے کی وجہ سے آگے جا ہی نہیں سکتی۔ حالانکہ یہ بالکل خلاف مشاہدہ ہے۔

نیز اگر یہی صحیح مان لیا جائے کہ زمین کے ساتھ ساتھ ہوائے مجاور بھی متحرک ہے تو چاہیئے کہ اگر دو پرندے ایک قسم کی طاقت سے فضا میں اُڑیں ایک مشرق کیطرف متوجہ ہو اور دوسرا مغرب کیطرف۔ تو وہ پرندہ جو مشرق کیطرف جا رہا ہے بہت سرعت سے جاتا ہو۔ کیونکہ اُسکی معاون دو چیزیں ہیں ایک اسکے ارادے کی حرکت۔ دوسرے وہ ہوا جو مغرب سے مشرق کیطرف بمجاورت زمین نہایت سرعت سے جا رہی ہے اور مغربی پرندہ بہت سُست جا رہا ہو یا فضا میں ٹھیرا ہوا دکھائی دیتا ہو کیونکہ وہ پہلی قوت کے برعکس ارادہ کر رہا ہے جسکا وہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حالانکہ یہ امر خلاف معلومات عامہ ناس ہے۔ چہ جائیکہ خاصہ ناس۔

علے ہذا القیاس اور بھی خرابیاں ہیں۔ جو حرکت زمین اور حرکت ہوائے محاور زمین کی بنا پر لازم آتی ہیں جنہیں بخیال طول نظر انداز کیا جاتا ہے۔ مگر اتنا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ یورپین نئی روشنی کی دلیلیں حرکت زمین پر کیا ہیں۔ اور آیا وہ صحیح بھی ہیں۔ یا صرف نمائشی دھوکا ہیں جو عام طور پر یورپین روشنی کی چیزونمیں ہوتا ہے۔ جسپر ہمارے ہندوستانی اخوان خواہ مخواہ دلدادہ و شیدا ہیں ؎

دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ ان صاحبوں نے بھی کچھ دلیلیں اسکے متعلق تحریر کی ہیں وہ دلیلیں یہ ہیں جو ان سائیکلو پیڈیا برٹانیکا سے مولانا سید غلام حسنین کنتوری نے نقل کی ہیں اور انکو رد بھی فرمایا ہے۔ میں انہیں مع اصل ورد یہاں نقل کرتا ہوں۔

پہلی دلیل۔ عملی تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ بلند مینارہ سے اگر کوئی پتھر وغیرہ پھینکو تو اُس نقطہ پر نہ گریگا جو متوازی (سامنے) ہے بلکہ مشرق کیطرف ہٹ کر گریگا لہذا زمین پچھم سے پورب کیطرف حرکت محوری کرتی ہے ؎

جواب۔ میں کہتا ہوں پہلی غلطی اسمیں یہ ہے کہ یہ تجربہ مناروں کی چاروں طرف نہیں کیا گیا ہے اگر چاروں طرف کیا جائے ہرگز درست نہ ہوگا اب اس تجربہ کو درست مانکر ہم کہتے ہیں کہ اگر زمین پچھم سے پورب کو حرکت کرتی ہے اور بموجب اس حساب کے جو روزانہ حرکت زمین کی ہے ۲۴ گھنٹہ کسرے کم میں ۲۴ ہزار میل تخمیناً حرکت کرتی ہے فی منٹ تخمیناً ۱۷ میل چلتی ہے۔ پس اگر وہ پتھر ایک منٹ میں زمین پر گرا ہے اور ہم نے مینارہ سے پورب کیطرف پھینکا ہے تو نقطہ متوازی سے ۱۷ میل پورب کو ہٹ گیا۔ پھر اگر وہ نقطہ جہاں سے پتھر پھینکا ہے اور مینارہ اپنی جگہ پر قائم ہے اور زمین کے ساتھ حرکت نہیں کرتا تو لازم آتا ہے کہ وہ پتھر نقطہ متوازی (محاذی) سے سترہ میل پچھم کیطرف ہٹ کر گرے۔ پورب کیطرف ہٹ کر گرنا کیسا؟ ذرا غور کیجئے!

اور اگر منارہ اور ہوائے محیط (جسمیں وہ نقطہ ہے جہاں سے پتھر گرا ہے) بھی ہمراہ زمین کے حرکت کر ہی رہا ہے تو دونوں نقطے کی محاذات میں فرق نہ ہوگا اور ضرور پتھر کو نقطہ محاذی پر گرنا چاہیئے نہ کہ ہٹ کر ؎

باقی رہی ہوا کی حرکت کی کمی اور بیشی یا ہوا کی مخالفت پُروا اور پچھوا ہونے کی۔ یہ دوسری بات ہے اور اسکو زمین کی حرکت پر کوئی دلالت نہیں ہے (یہ بات اُس وقت کی ہے جب کہ پتھر منارہ سے پورب کیطرف گرایا جائے) ؎

اب فرض کرو کہ پتھر کو تم نے منارہ سے پچھم کیطرف گرایا پس اگر نقطہ محاذی اور منارہ اور ہوائے محیط برابر حرکت کر رہے ہیں تو پتھر ٹھیک نقطہ متوازی پر گریگا اور اگر ہوا متحرک نہیں ہے اور منارہ ہمراہ زمین کے ۱۷ میل پورب ہٹ گیا ہے تو نقطہ محاذی سے ۱۷ میل پچھم کیطرف پتھر گریگا۔ پورب گرنا

کیسا؟ (اور یہی حال اوتر اور دکن کیطرف گرنیکا ہے) ۞

دوسری دلیل نیوٹن صاحب ڈھیلے کی پورب کیطرف ہٹ کر گرنیکی یہ وجہ بتلاتے ہیں۔ کہ پھینکنے کے مقام سے جو دائرہ مرکز زمین کو لیکر بنیگا وہ دائرہ بڑا ہوگا اس دائرہ سے جو نیچے کے نقطہ (متوازی) سے بنا ہے۔ پس بڑا دائرہ بہ نسبت چھوٹے دائرہ کے سریع ہوگا۔ اور چونکہ زمین مغرب سے مشرق کیطرف گھومتی ہے لہذا وہ پتھر مشرقی جانب نقطہ سے گریگا

جواب۔ میں کہتا ہوں۔ پتھر تو منارہ سے بخط مستقیم حرکت کر رہا ہے اس لئے کہ جذب مرکزی پتھر کو خط مستقیم پر کشش کرتا ہے۔ جو اقصر (بہت چھوٹا) خطوط سے ہے پھر چھوٹا دائرہ اور بڑا دائرہ کسکی حرکت سے نیوٹن صاحب بنا رہے ہیں۔ کیا ڈھیلا بھی حرکت دوری مثل زمین کے کریگا ۞

رہی یہ بات کہ بڑے دائرہ کا قطر بڑا ہے چھوٹے دائرہ کے قطر سے۔ اس سے یہاں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ نقطہ فوقانی اور اُسکا نقطہ محاذی جو زمین ہے دونوں برابر حرکت کر رہے ہیں لہذا دونوں دائرونکے قطر خط واحد پر ہیں۔ پھر حرکت کی سُرعت پتھر کو اس خط سے ہٹا کر پورب کیطرف کیونکر لیجائیگی۔ دیکھو اور سمجھو ۞

اور فی سکنڈ ۳۲ فیٹ جو تیزی اجسام ساقطہ میں بڑھتی ہے اسکی وجہ سے سیدھے خط پر گرنا اجسام کا بدل نہیں جاتا ۞

دوسری غلطی۔ اگر نیوٹن صاحب کی یہ توجیہ درست مانی جائے کہ دائرہ چھوٹا ہونے سے پتھر پورب کو ہٹ کر گریگا تو جسقدر زیادہ بلندی سے اجسام نیچے کو گرائے جائیں اسیقدر زیادہ پورب کیطرف ہٹ کر گرینگے اس بنا پر جذب زمین کا قاعدہ جو اقصر یعنی چھوٹے سے چھوٹے خط پر ہے باطل ہو جائیگا

تیسری غلطی۔ نیوٹن کی تجویز میں یہ بھی ہے کہ اگر پتھر کو منارہ سے پچھم کیطرف گرائیں تو وہی صورتیں پیدا ہونگی جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں ۞

چوتھی غلطی نیوٹن صاحب کی تجویز میں یہ ہے کہ جذب مرکزی اجسام ساقطہ کو بخط مستقیم اقصر خطوط میں ہوتا ہے۔ مثلاً آ ب منارہ ہے لہذا پتھر جو نقطہ آ سے گریگا۔ تو ب نقطہ متوازی پر گریگا۔ اگر ہٹ کر نقطہ مشرق ج پر گریگا۔

تو آ ب ج جو مثلث قائم الزاویہ ہے جسکا وتر آ ج ہے ضرور بڑا ہو ضلع آ ب سے بحکم ش ۱۹ م ۴ (۱) اقلیدس کے۔

پس جذب مرکزی میں اقصر خطوط پر نہ ہوا اور یہ تمام فلاسفہ کے نزدیک باطل ہے لہذا زمین

متحرک ہو یا ساکن کسی فرض پر یہ پتھر پورب کیطرف ہٹ کر نہ گریگا نہ پچھم کیطرف ؛

تیسری دلیل - جو تائید میں دوسری دلیل کے لکھی ہے وہ ہے کہ بند مکان میں جہاں پر ہوا نہ بھی بنظر احتیاط وہاں پتھر اوپر سے نیچے گرا کر تجربہ کیا وہاں بھی نقطہ متوازیہ سے (متحاذیہ سے) ہٹ کر پورب کیطرف پتھر گرا اس لئے کہ کھلی جگہ میں احتمال تھا شاید ہوا کے سبب سے مشرق کیطرف ہٹ کر پتھر گرتا ہو ؛

جواب - میں کہتا ہوں یہ تو اور بھی غلط خیال ہے اس لئے کہ ہوا سے کسی جگہ کا خالی ہونا اور پھر وہاں آدمی کا زندہ رہکر پتھر کا گرانا محال ہے - لہذا بند مکان کی ہوا اور کھلے مکان کی ہوا میں فرق کیا رہا ؛

اور جب بند مکان کی ہوا بھی اور نقطہ متوازیہ زمین کا بھی برابر حرکت کر رہا ہے تو پھر محاذات بدستور باقی ہے اور جو خرابیاں ہم کھلی ہوا میں لکھ چکے ہیں - سب یہاں بھی بدستور جاری ہیں ؛

اب اگر آپ کہیں کہ بند مکان میں ہوا کم ہے اور کھلی جگہ میں زیادہ ہے اور کم ہوا کی مصادمت (تھپیڑ) سے پتھر اسقدر رہٹ نہیں سکتا کہ پتھر کو ہمراہ نقطہ محاذیہ کے لیچلے تو الٹی تاویل ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ پتھر نقطہ محاذیہ سے پچھم کیطرف ہٹ کر گریگا ؛

تیسری بحث - والسّماءَ بناءً صاف لفظوں میں اثبات کو بتاتا ہے کہ آسمان موجود ہے - اور وہ سفلی موجودات کے واسطے بطور سقف کے ہے جیسا کہ جعل لکم الارض فراشاً میں ارض یعنی زمین ایک موجود چیز ہے جسے بجائے فرش بنایا گیا ہے کیونکہ کسی چیز کو کوئی اور شے بنانا اس بات کو چاہتا ہے کہ وہ چیز موجود ہو - مثلاً کہا جائے کہ کمہار نے مٹی کو گھڑا بنایا تو یقیناً سمجھا جائیگا کہ مٹی ایک موجود چیز ہے - جسے گھڑے کی صورت میں بنالیا گیا ہے نہ یہ کہ مٹی کوئی چیز نہیں ہے - اور پھر اسکو گھڑا بنالیا ہو - لہذا یہ جو پروردگار نے فرمایا ہے کہ ہم نے آسمان کو چھت بنایا ہے - چاہتا ہے کہ آسمان کوئی موجود چیز ہو - جو بجائے سقف کے ہو سکے - پس بعض متجددین کا قول کسقدر اس مقام پر بیہودہ ہے جو کہتے ہیں کہ آسمان کوئی موجود چیز نہیں ہے - بلکہ محض بلندی کا نام سما ہے یا یہ کہ سبع سماوات میں سات بلندیاں مراد ہیں اور جسے اہل اسلام سما یا فلک یا آسمان کہتے ہیں محض موہوم چیز اور فقط حد نگاہ کا نام ہے ؛

اسمیں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے تمام اہل مذاہب خواہ مسلم ہوں یا ہنود - پارسی ہوں یا یہود سب آسمان کے وجود کے قائل ہیں اور انکی کتابیں بھی اسی بات کو بتاتی ہیں مسلمانوں کی کتاب الٰہی تو قرآن کو کہا جاتا ہے - وہ صاف لفظوں میں اسکے وجود کا قائل ہے اور اس معاملہ میں بیشمار آیتیں موجود ہیں مثلاً اذا السّماء انفطرت واذا الکواکب انتثرت - جبکہ آسمان پھٹ جائیگا اور ستارے

بکھر جائینگے۔ اذا السماء کشطت۔ جبکہ آسمان کی کھال کھینچی جائیگی۔ اذا السماء انشقت و اذنت لربها وحقت جبکہ آسمان پھٹ جائیگا اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کریگا اور یہ اسکا فرض ہے۔ پس اگر آسمان موجود نہیں ہے۔ تو کیا چیز پھٹ جائیگی۔ کیا مد نظر یا شے موہوم؟ یا کسی نیچری کا سر؟ اور اگر آسمان موجود نہیں ہے تو کس کی کھال کھینچی جائیگی؟ کیا کسی نیچری کی جو مسلمان ہونیکا مدعی ہو؟ نیز فرماتا ہے الذی له ملک السموات والارض۔ خدا تعالے وہ ہے جس کیلئے آسمان اور زمین کا ملک ہے۔ اگر آسمان شے موہوم کا نام ہے تو اُسے ملک کہنا کیا معنی رکھتا ہے ملک تو اُسی کو کہہ سکتے ہیں جسمیں آبادی بھی ہو اور آبادی بغیر اسکے نہیں ہو سکتی کہ کوئی چیز ایسی ہو جس پر اہل ملک قیام کر سکیں۔ پس اگر آسمان محض حد نگاہ کا نام ہے تو کہاں فرشتوں کا قیام ہے۔ اور کیونکر سما ملک کہا گیا؟ نیز فرماتا ہے اولیس الذی خلق السماوات والارض بقادر علی ان یخلق مثلهم "جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان آدمیوں جیسے اور پیدا کر دے۔" اگر آسمان موہوم چیز ہے تو خدا نے کیسے پیدا کیا؟ موہوم چیز کی نسبت پیدا کرنیکا لفظ صادق نہیں آسکتا۔ اور اگر کوئی شخص واہمہ خلاق سے استدلال کرے تو اُسے لازم ہے کہ اپنی عقل کے ناخن لے۔ نیز فرماتا ہے لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر و لا اللیل سابق النهار وکل فی فلک یسبحون۔ "نہ آفتاب ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو پالے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر ایک۔ ایک نہ ایک آسمان میں تیر رہے ہیں" اس آیت سے صرف آسمان ہی نہیں بلکہ تعدد آسمان بھی سمجھا جاتا ہے۔ نیز فرمایا ہے۔ تکاد السماوات یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدا "یہ جو لوگ خدا کے لئے اولاد کی تجویز کرتے ہیں اس سے تو قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں" اس آیت میں بھی لفظ یتفطرن فرمایا ہے۔ جو موہوم چیز کے لئے ناممکن ہے۔ نیز فرماتا ہے وبنینا فوقکم سبعا شدادا" وغیر ذلک الغرض قرآن مجید سے اس امر کا ثابت کرنا کہ آسمان کوئی چیز نہیں ہے محض حماقت یا جنون ہے جو شخص کچھ بھی عربیت رکھتا ہوگا وہ اسبات کا مدعی نہ ہوگا اور مجنون کو میں نے آپ ہی مستثنے کر دیا ہے

باقی رہیں اسلامی حدیثیں جنپر کمال وثوق ہے وہ بھی ہر فریق میں اسکے اثبات کے لئے بکثرت موجود ہیں جنمیں سے بعض کو اس مقام پر نقل کیا جاتا ہے علامہ سیوطی نے در منثور میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ جسے بعینہ علامہ مجلسی نے کتاب السماء والعالم جلد ۱۴ بحار الانوار میں وارد فرمایا ہے:

اور وہ یہ ہے الدر المنثور السیوطی نقلاً من بضعة عشر من کتبهم عن العباس بن عبد المطلب قال کنا عند النبی فقال هل تدرون کم بین السماء والارض قلنا الله ورسوله اعلم قال بینهما مسیرة خمسمائة عام ومن کل سماء الی سماء مسیرة خمسمائة عام و کثف کل سماء خمسمائة سنة وفوق السابعة بحر بین اعلاه واسفله کما بین السماء والارض

ثم فوق ذالک ثمانیۃ اوعال بین رکبھن واظلافھن کما بین السماء والارض ثم فوق ذالک العرش بین اسفلہ واعلاہ کما بین السماء والارض ۔

٢ پھر ایک اور حدیث اسی مضمون کی نقل کی ہے عن ابی ذر قال قال رسول اللہ ما بین السماء والارض مسیرۃ خمسمائۃ عام وغلظ کل سماء مسیرۃ خمسمائۃ عام وما بین السماء الی التی تلیھا مسیرۃ خمسمائۃ عام کذالک الی السماء السابعۃ والارضون مثل ذالک وما بین السماء السابعۃ والعرش مثل جمیع ذالک ۔

٣ پھر ایک اور حدیث نقل کی ہے وعن الربیع بن انس قال السماء الدنیا موج مکفوف والثانیۃ مرمرۃ بیضاء والثالثۃ حدید والرابعۃ نحاس والخامسۃ فضۃ والسادسۃ ذھب والسابعۃ یاقوتۃ حمراء وما فوق ذالک صحاری من نور ۔ الخ

٤ پھر ایک اور حدیث سلمان فارسی سے نقل کی ہے عن سلمان الفارسی قال السماء الدنیا من زمرد خضراء اسمھا رفیعا والثانیۃ فضۃ بیضاء واسمھا ارقلون والثالثۃ من یاقوتۃ حمراء واسمھا قیدوم والرابعۃ من درۃ بیضاء واسمھا ماعونا والخامسۃ من ذھبۃ حمراء واسمھا دیقا والسادسۃ من یاقوتۃ صفراء واسمھا وفنا والسابعۃ من نور واسمھا عریبا ۔

یہ تو وہ حدیثیں ہیں جو بطریق اہل سنت وجماعت مروی ہیں اور شیعوں کے طریق سے بھی روایتیں اس مضمون میں بیشمار وارد ہیں ۔

٥ اور بحار الانوار کی اسی جلد مذکور میں مذکور ہے لیکن اُنہیں سے صرف ایک حدیث نقل کیجاتی ہے العلل والعیون والخصال فی خبر الشامی عن امیر المومنین انہ سالہ مم خلقت السماوات قال من بخار الماء وسالہ عن السماء الدنیا مما ہی قال من موج مکفوف وسالہ عن طول الکوکب وعرضہ قال اثنا عشر فرسخا فی اثنی عشر وسالہ عن الوان السماوات السبع واسمائہا فقال لہ اسم اسماء الدنیا رفیع وہی من ماء ودخان واسم السماء الثانیۃ قیدوم وہی علی لون النحاس والسماء الثالثۃ اسمہا الماروم وہی علی لون الشبہ والسماء الرابعۃ اسمہا ارقلون وہی علی لون الفضۃ والسماء الخامسۃ اسمہا ھیعوف (ھیعون) وہی علی لون الذہب والسماء السادسۃ اسمہا عروس وہی یاقوتۃ خضراء والسماء السابعۃ اسمہا عجماء وہی درۃ بیضاء

ترجمہ حدیث نمبر ایک تفسیر درمنثور میں انیس کتابوں سے نقل کیا ہے عباس بن عبد المطلب سے انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسولخدا کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے فرمایا تم لوگ جانتے ہو کہ آسمان اور زمین کے درمیان کیا فاصلہ ہے؟ ہم نے عرض کی اللہ اور اُس کے رسول خوب واقف ہیں! فرمایا ان دونوں

کے درمیان پانچسو برس کی راہ کا فاصلہ ہے اور ہر آسمان سے دوسرے کو پانچسو برس کی راہ کی دوری ہے۔ و بازت ہر آسمان کی بھی پانچسو برس کی راہ کی مسافت ہے۔ ساتویں آسمان پر ایک دریا ہے۔ جسکا تہ و بالا اتنا ہے۔ جتنا فاصلہ آسمان و زمین کا ہے۔ پھر اس سے بالا آٹھ بکریاں ہیں۔ جنکے گھٹنے اور سموں کے درمیان کا فاصلہ آسمان و زمین کا فاصلہ ہے۔ پھر اس سے اوپر عرش ہے جسکے اسفل و اعلےٰ کا فاصلہ بھی اسیقدر ہے"۔

ترجمہ حدیث نمبر ۲۔ ابوذر نے رسول اللہ سے روایت کی کہ آسمان و زمین کے درمیان کی مسافت پانچسو برس کی ہے اور دبازت ہر ایک آسمان کی پانچسو برس کی مسافت ہے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچسو برس کی راہ ہے ساتویں آسمان تک یہی حال ہے اور زمین کا بھی یہی حال ہے اور ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان کا فاصلہ ان سب کے مجموعہ کے برابر ہے۔

ترجمہ حدیث نمبر ۳۔ ربیع نے انس سے روایت کی ہے کہ نیچے والا آسمان ایک موج مکفوف کی صورت میں ہے اور دوسرا آسمان مرمر سفید ہے۔ تیسرا لوہے کا ہے۔ چوتھا تانبا ہے۔ پانچواں چاندی ہے۔ چھٹا سونا ہے۔ ساتواں یاقوت سرخ ہے اور اس سے بالا میدانہائے نور ہیں۔

ترجمہ حدیث نمبر ۴۔ سلمان فارسی سے منقول ہے کہ آسمان زیرین زمرد سبز ہے۔ جس کا نام رفیعا ہے۔ دوسرا نقرہ سفید جسکا نام ارقلون ہے۔ تیسرا یاقوت سرخ ہے۔ جسکا نام قیدوم ہے۔ چوتھا گوہر سفید ہے جسکا نام ماعونا ہے۔ پانچواں طلاء سرخ ہے جسکا نام دیقلہ ہے۔ چھٹا یاقوت زرد ہے جسکا نام دفنا ہے۔ ساتواں نور ہے جسکا نام عربیا ہے۔

ترجمہ حدیث نمبر ۵۔ کسی شامی نے جناب امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آسمان کس چیز سے پیدا کئے گئے تو فرمایا کہ پانی کے بخارات سے پھر اس نے دریافت کیا کہ آسمان دنیا کیا چیز ہے تو فرمایا کہ موج بستہ ہے۔ پھر پوچھا کہ طول اور عرض ستارے کا کتنا ہے۔ فرمایا ایک سو چونتیس فرسخ پھر اس نے آسمانوں کے رنگ اور انکے نام دریافت کئے۔ فرمایا آسمان دنیا کا نام رفیع ہے جسکی ترکیب پانی اور دھوئیں سے ہے۔ دوسرے آسمان کا نام قیدوم ہے اور وہ برنگ نحاس ہے۔ تیسرے کا نام ماروم ہے اور وہ برنگ پیتھ کے ہے۔ چوتھے کا نام ارقلون ہے اور وہ چاندی کے رنگ کا ہے پانچواں کا نام ہیفوف (ہیعون) ہے اور وہ سونے کا رنگ ہے۔ چھٹے کا نام عروس ہے اور وہ یاقوت سبز کے رنگ کا ہے ساتویں کا نام عجماء ہے اور وہ سفید موتی کے رنگ کا ہے۔

توریت بھی اس مضمون سے مملو ہے میں صرف دو تین آئتیں بطور نمونہ کے پیش کرونگا کتاب پیدائش باب ۲۔ آیت ۴۔ "یہ آسمان اور زمین کی پیدائش کا بیان ہے جب وے پیدا ہوئے جس دن کہ خداوند خدا نے زمین اور آسمان کو بنایا"۔

(۲۲ باب کتاب اسلاطین آیت ۱۹۔ پھر اس نے کہا کہ اس لئے کہ تم خداوند کے سخن کو سنو۔

میں نے خداوند کو اسکی کرسی پر بیٹھے دیکھا اور آسمانی سارا لشکر اُس کے پاس اسکے داہنے ہاتھ اور اُس کے بائیں ہاتھ کھڑا تھا"

دوسرے کتاب سلاطین باب ۲ - آیت ۱ - اور یوں ہُوا کہ جب خداوند نے چاہا کہ ایلیاہ کو ایک بگولے میں اڑا کے آسمان پر لیجاوے - تب ایلیاہ الیسع کے ساتھ جلجال سے چلا"

انجیل متی باب ۳ - آیت ۱ - ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہو کے منادی کرنے اور یہ کہنے لگا - کہ توبہ کرو - کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہے"

انجیل مرقس باب ۱۳ - آیت ۲۴ - اور اُن دنوں میں اس تکلیف کے بعد سورج اندھیرا ہوگا اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا اور آسمان سے ستارے گر ینگے - اور آسمان کی قوتیں ہلائی جائینگی"

انجیل لوقا باب ۲۴ - آیت ۵۱ - اور ایسا ہوا کہ جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا - اُن سے جدا ہُوا اور آسمان پر اٹھایا گیا" اور علی ہذا القیاس سینکڑوں آیتیں ہیں کہانتک کوئی نقل کرے -

(رگوید سکت ۴ - منتر ۱۳ صفحہ ۱۸۰) اے اندر جبوقت تو نے اپنے بجر سے ورترا کا اور اُس کے تیر کا جو اس نے چلایا - مقابلہ کیا - اُسوقت اے اندر تیری طاقت جبکہ تیرا مصمم ارادہ ورترا کے قتل کرنیکا تھا - آسمانوں میں پرگھٹ ہوئے - اور تیری حکومت اُس سے ظاہر ہوئی"

(رگوید تیسرا ادھیائے سکت ۲ - منتر ۹) اے اندر تو آسمان و زمین پر برابر جوان ہے اپنے قد سے تو نے تمام عالم کو ڈھک لیا ہے - تو نے قزاق کو اُن منتروں کے زور سے جو اُن لوگوں کی خاطر پڑھے جاتے ہیں - جو اُنکو نہیں سمجھتے بھگا دیا ہے"

(ژند پاژند معہ ترجمہ - تیسری قسم وحی کی یوں بیان کی ہے) "سیم دم کا جفر باہزدم کرسدی فا فرہوش ہر شہر دوام ورشدی - سیم در بیداری کہ از تن گسیختی و با فرشتہ از آسمانہا گذشتی" اس آیت میں بھی آسمان کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے

خلاصہ یہ کہ بذریعہ منقولات تو اسکا ثبوت بیّن ہے اور انکار آسمان اس راہ سے معلومات عالم کے برخلاف رائے زنی ہے جسکی سفاہت حد سے زیادہ واضح ہے - رہی عقل وہ بھی اس امر کی حاکم ہے کہ آسمان موجود ہے - موجود ہی نہیں بلکہ اُسکا وجود لازم ہے - چنانچہ عقل کی پہلی دلیل جسے فلاسفر نے بیان کیا ہے - یہ ہے کہ دو چیزوں کا وجود بدیہی ہے - جسکا انکار نہیں ہو سکتا - بلندی و پستی جسے فوق و تحت سے تعبیر کر لیجیئے - کون اس بات کو نہیں جانتا کہ اوپر - اور نیچے یہ دو جہتیں ہیں جیسی داہیں بائیں آگے پیچھے چار جہتیں ہیں - جو مجموعۃً چھ ہیں - مگر یہ چار جہتیں چونکہ بدلتی رہتی ہیں - اسوجہ سے ان سے بحث کرنی مقصود نہیں ہے - صرف اُن دو سمتوں سے بحث ہے - جنہیں اوپر اور نیچے کہا جاتا ہے - اگرچہ ہر اوپر سے اوپر اور ہر نیچے سے نیچے - یعنی ہر فوق سے فوق اور ہر تحت سے تحت ممکن ہے لیکن کسی نہ کسی جگہ اسکی انتہا ہونی چاہیئے - فوق کی کوئی ایسی انتہا ہونی لازم ہے - جس سے اوپر پھر کچھ نہ ہو - اور

تحت کی بھی کوئی ایسی انتہا ہونی چاہیے جس سے نیچے کچھ نہ ہو اور اگر ایسا نہ ہوگا۔ تو غیر متناہی کا وجود لازم آئیگا۔ حالانکہ کسی غیر متناہی چیز کا خارج میں پایا جانا محال ہے اور اسپر متعدد دلیلیں فلسفیوں نے قائم کی ہیں۔ مثلاً برہان سلمی۔ برہان ترسی۔ برہان تضعیف۔ برہان تطبیق وغیرہ۔ نیز اگر کوئی حد فوق اور تحت کی قائم نکیجائیگی جس کے بعد پھر فوق و تحت نہ ہو تو لازم آئیگا کہ دنیا میں فوق و تحت کا وجود ہی نہ ہو۔ اسوجہ سے کہ جب کوئی حد فوق کی معین نہ ہوئی تو عالم میں فوق حقیقی کا وجود ہی نہ ہوا۔ اور جب فوق حقیقی کا وجود نہ ہوا تو فوق اضافی کا بھی وجود نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ اُسکی فرع ہے۔ پس جب اصل ہی کا وجود نہیں۔ تو فرع کا وجود کب ہوسکیگا۔ نیز اگر فوق اور تحت کی کوئی حد مقرر نہ ہوگی۔ تو اُسکی طرف اشارہ بھی ناممکن ہوگا۔ اس لئے کہ جو چیز موجود ہی نہیں ہے۔ اُسکی طرف اشارہ کیونکر ہوسکتا ہے (ہمیشہ کسی موجود چیز کیطرف اشارہ کرسکتے ہیں) حالانکہ ہم اشارہ سے بتاسکتے ہیں۔ کہ وہ سمت فوقانی ہے اور یہ سمت تحتانی ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی نہ کوئی ایسی حد فوقانی اور تحتانی جہتہ میں ہے۔ جہانتک اشارہ اور امتداد اشارہ منتہی ہوتا ہے اور اگر نہ ہو تو رفتار اشارہ محال ہوجائے حالانکہ ممکن ہے۔ پس اب یہ بتانا چاہیئے کہ وہ کیا چیز ہے۔ جہانتک اشارہ منتہی ہوتا ہے اور وہ کیا چیز ہے جس نے فوق اور تحت کی حد بندی کی ہے۔ اگر کہو کہ خلاء نے حد بندی کی ہے۔ تو محال ہے۔ اس لئے کہ خلاء کوئی چیز نہیں ہے اور نہ سوائے تخیل کے اسکا کہیں وجود ہے اور اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ خلا میں فوق و تحت کی حد ہے تو سوال کیا جائیگا کہ آیا یہ خلا متناہی ہے یا نا متناہی اگر کہو کہ غیر متناہی ہے تو بھلا تمہیں بتاؤ کہ غیر متناہی چیز کسی کی تحدید کیا کرسکتی ہے جبکہ خود اُسی کی کوئی حد نہیں۔ اور اگر کہو متناہی ہے تو ضرور ہے کہ اس خلاء کی انتہا کسی جسم یعنی ملاء تک ہوئی ہوگی تو اب حد بندی کرنیوالا وہ ملاء یعنی جسم ٹھیرا یا خلاء تمہیں سوچو۔ پس اب لامحالہ تمکو یہ کہنا پڑیگا۔ کہ جہاں فوق اور تحت کی انتہا ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی ملاء یعنی جسم ہے جس سے آگے خلا نہیں۔ پس وہی جسم جہانتک اشارہ فوقانیہ اور تحتانیہ کی انتہا ہوتی ہے۔ فلک ہے اور وہی سماء ہے اور وہی آسمان۔ اسیوجہ سے لازم ہے کہ اُسے گول یعنی کروی مانا جائے۔ کیونکہ اگر مربع یا مثلث یا کسی اور شکل کا ہوگا تو اسمیں ہرگز وہ انتہائی حدیں جو آپسمیں مقابل ہوں نہ نکل سکینگی۔ کیونکہ تم جان سکتے ہو کہ مربع کے ایک زاویہ سے اگر دوسرے زاویہ تک خط کھینچو تو وہ بڑا ہوگا۔ بہ نسبت اُس خط کے جسے وتر مربع پر عمود قائم کرو اسی طرح۔ دوسری جانب میں بھی پیدا ہوگا۔ اور ان خطوط کا باہم ایک دوسرے سے چھوٹا بڑا ہونا لازم ہے۔ علی ہذا القیاس مثلث اور مثمن وغیرہ میں ہے۔ بخلاف کروی شکل کے کہ جس طرف سے تم اُس میں خط کھینچو۔ سب آپسمیں برابر ہی ہونگے۔ اس لئے ہر خط جو دائرہ سے مرکز پر ہوتا ہوا گذرتا ہے اور دوسری طرف دائرے سے ملتا ہے۔ وہ دوسرے خط کے بالکل مساوی ہوتا ہے۔ جو اسی

طرح دوسری جانب میں کھینچا گیا ہو۔ تو کرّوی جسم میں تم جو مقام فرض کرو گے۔ بشرطیکہ مرکز سے مقابل ہو۔ وہ دوسری جانب سے اُس جسم کرّوی کے انتہائی بعد پر ہوگا۔ اور وہی دونوں حدیں فوق وتحت کہی جائینگی اور یہی مطلوب تھا۔

دوسری دلیل عقلی یہ ہے کہ رنگ ایک ایسی چیز ہے جو بغیر کسی اور شے کے جسکے اندر ہو کر اسکا وجود ہو نہیں پائی جاسکتی۔ دیکھو سفیدی کسی کپڑے میں ہوگی کسی جانور کے پر و میں ہوگی۔ کسی جانور کے بالو میں ہوگی کسی شیشہ میں ہوگی غرض کوئی نہ کوئی اُسکا محل ہوگا جسمیں وہ قائم ہو تم ہرگز سفیدی یا سرخی۔ یا زردی یا سیاہی کو بغیر کسی جسم کے نہ دیکھو گے۔ کیونکہ یہ عرض ہے اور ہر عرض اپنے وجود میں کسی جوہر کا محتاج ہوتا ہے۔ پس اب یہ بتاؤ کہ یہ فیروزی رنگ یا یوں کہو زبرجدی لون جو تمہیں اوپر کی سمت میں دکھائی دیتا ہے جبکہ تم نظر اٹھاتے ہو۔ کس چیز میں ہے کیا کوئی موہوم شے میں ہے؟ حالانکہ موہوم شے کا وجود خارج و واقع میں نہیں ہوتا جسمیں کسی رنگ کا قیام و بقا ہو سکے۔ لامحالہ تم کو کہنا ہوگا کہ یہ کوئی نہ کوئی جوہر ہے جسمیں اس عرض کا قیام ہے اسی جوہر کا تو نام فلک یا آسمان ہے۔ اور اگر کہو کہ یہ ہوا کا رنگ ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ ہوا کا واقعی کوئی رنگ نہیں ہے۔ یہ محض جھوٹ ہے جو تمہیں بتایا ہے کہ ہوا کا رنگ سبز ہے۔ ہوا میں جب رنگ پیدا ہوتا ہے۔ تو کسی نہ کسی سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً آفتاب کی شعاعوں کی وجہ سے سفید رنگ یا رات کی تاریکی کیوجہ سے سیاہ رنگ یا رنگیں غبار وغیرہ کیوجہ سے سُرخ سیاہ۔ زرد رنگ وغیرہ وغیرہ۔ تو اگر یہ رنگ ہوا میں قائم ہے تو تمہیں بتانا پڑیگا کہ اسکا سبب کیا ہے اور وہ کیسا سبب لازمی ہے جسکا کبھی زوال نہیں ہوتا اور آخر سوائے وہاں کی ہوا کے دوسرے مقام کی ہوا میں یہ رنگ کیوں نہیں ہے؟

تیسری دلیل عقلی یہ ہے کہ عکس اُسی سے کا پڑسکتا ہے جو خارج میں کوئی چیز موجود ہو۔ تم آئینہ میں اپنی صورت کا عکس دیکھتے ہو۔ اگر تم موجود نہ ہوتے۔ تو یہ عکس تمہاری صورت کا کہاں سے آتا۔ پانی میں درختوں مکانوں ستاروں وغیرہ چیزوں کا عکس تمہیں نظر آتا ہے اگر یہ چیزیں موجود نہ ہوتیں تو کس کا عکس پڑتا بھلا تم اپنی خیالی تصویر کا یا وہمی صورت کا عکس تو پانی یا آئینہ میں ڈال دو ہرگز ممکن نہیں ہے۔ پس آپ جو ہم آئینہ میں یا پانی میں کسی فوقانی چیز کو زبرجدی رنگ میں دیکھتے ہیں۔ تو آخر یہ کیا ہے؟ کیا کسی توہّم کی وہمی تصویر ہے۔ کیا کسی خیال کا خیالی نقشہ ہے؟ تو یہ کر دا بلکہ یقیناً یہ کوئی بہت بڑا طویل و عریض جسم ہے۔ جسکا یہ رنگ تمہیں دکھائی دیتا ہے۔ اور وہی آسمان ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ ہر شے کے رکنے کیواسطے کوئی جسم ہونا لازم ہے اور جسم بھی ایسا جو کثیف ہو۔ شفاف نہ ہو جیسے شیشہ۔ ورنہ اُسپر سے گزر جانا ممکن ہوگا۔ پس ہر شعاع یا نظر جو آپ کسی طرف دوڑاتے ہیں وہ جب تک کسی جسم کثیف سے متصادم نہیں ہوتی (یا یوں کہو کہ ٹھوکر نہیں کھاتی) کسی طرح رُک نہیں سکتی۔ اب آپ جو اوپر کی جانب نظر کرتے ہو۔ اور نگاہ ایک حد پر جا کر ٹھہر جاتی ہے

گویا اُس کی کوئی روک آگے لگی ہوئی ہے۔ جو اُسے اپنے سے آگے نہیں جانے دیتی۔ وہ کیا چیز ہے؟ اگر کہو کہ وہ ایک جسم زبرجدی ستون ہے تو ہمارا مطلب حاصل ہے۔ کیونکہ ہم اسی کو آسمان کہتے ہیں۔ اور اگر کہو کہ خلاء ہے تو یقین جان لو۔ کہ خلاء میں یہ طاقت نہیں کہ نظر سی شفاف اور نورانی چیز کو روک سکے۔ جبکہ وہ خود ہی کوئی موجود چیز نہیں ہے اور اگر کہو کہ حد نگاہ ہے تو تمہیں بتانا پڑیگا کہ حد نگاہ کس جانور کا نام ہے۔ جس سے تمہاری عقل کا پتہ لگایا جاسکے۔ اور معلوم ہو کہ کس حد تک تمہارے ذہن کی رسائی ہے۔

علاوہ اس کے مشاہدہ رصدی بھی وجود فلک کو بتاتا ہے۔ اگرچہ ایک فیثاغورس کو اُس کی نگاہ کی کمزوری کیوجہ سے آسمان یا افلاک نہ دکھائی دیا۔ لیکن ان سے پہلے ہزاروں حکماء وفلاسفہ نے مدتوں۔ رصد خانوں میں بیٹھکر اور حرکات واوضاع ثوابت وسیارات کو دیکھکر معلوم کیا ہے کہ اس مقام پر نو مختلف حرکتیں پائی جاتی ہیں۔ جنمیں سے ہر ایک کیلئے محل کا ہونا لازم ہے۔ کیونکہ حرکت بغیر جسم کے نہیں ہوتی۔ تو لامحالہ یہ حرکتیں ویسے ہی مختلف اجسام میں ہونگی اور وہ نو آسمان ہیں۔ جنمیں سے دو کو عرش وکرسی کہتے ہیں۔ اور سات کو فلک۔

نیز جبکہ زمین کا سکون ثابت ہو گیا۔ تو پھر بغیر اسکے کہ افلاک کا وجود مانا جائے کوئی چارہ نہیں ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ فیثاغورس نے آسمان کے وجود سے انکار کرکے زمین کی حرکت مانی تھی اور صرف اسکا سبب یہ تھا۔ کہ میری رائے سب سے الگ ہے۔ اور کوئی نئی بات کہوں چاہے غلط ہی کیوں نہ ہو۔ تاکہ میری شہرت ہو۔ اور میں پانچ سواروں میں شمار کیا جاؤں) کیونکہ اگر زمین کو متحرک نہ مانتا تو سیارات وثوابت ستاروں کی اوضاع حرکت میں خلل پڑجاتا۔ نہ کبھی صبح ہوتی۔ نہ شام۔ نہ دوپہر نہ تیسرا پہر۔ نہ دن نہ رات۔ اسی حرکت کیوجہ سے آفتاب کا طلوع۔ غروب۔ صعود۔ ہبوط محسوس ہوتا ہے۔ اسی حرکت کے ذریعہ سے ستارے نکلتے ہیں۔ چاند روشن ہوتا ہے۔ اور اُسمیں مختلف صورتیں ہر تیس روز کے درمیان میں واقع ہوتی ہیں۔ پس جبکہ زمین کا سکون ثابت ہو جائیگا تو لامحالہ آسمان کا وجود ماننا پڑیگا جس سے یہ حرکتیں قائم رہ سکیں۔ کیونکہ خود آفتاب۔ ماہتاب اور دیگر سیارات تو مشرق سے مغرب کیطرف یا مغرب سے مشرق کیطرف حرکت کرتے ہی نہیں۔ ورنہ لازم آئیگا۔ کہ انمیں تین متضاد حرکتیں ہر وقت پائی جائیں۔ ایک مشرق سے مغرب کیطرف بحرکت مستقیمہ۔ دوسری مغرب سے مشرق کیطرف علے توالی البروج تاکہ سال وماہ کا تعین ہو سکے۔ تیسری اُنکی ذاتی حرکت اپنے مرکز کے گرد۔ جیسا کہ ایک ہیئت دان پر مخفی نہیں ہے۔ حالانکہ کسی ایک چیز سے تین متضاد افعال کا ایک وقت میں صادر ہونا بالکل محال ہے۔ لیکن ہم بداہتہً دیکھتے ہیں۔ کہ ان سیارات میں یہ تین قسم کی حرکتیں بالفعل وقت واحد میں موجود ہیں تو لامحالہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ حرکت جو مشرق سے مغرب کیطرف ان کے لئے محسوس ہوتی ہے اور وہی اسرع حرکات

ہے۔ اسکا سبب تو حرکت فلک الافلاک ہے۔ جو یوم بلیلتہ میں اپنا دورہ پورا کرلیتا ہے اور جو حرکت مغرب سے مشرق کیطرف ہے وہ اُس فلک کیوجہ سے ہے۔ جسمیں یہ سیارات مرکوز ہیں۔ اور حول المرکز جو حرکت ہے۔ وہ انکی ذاتی حرکت ہے۔ لہذا اب منافات نہیں اور محال بھی مرتفع ہو گیا؛

نیز وجود آسمان پر ایک اور دلیل نہایت متین سمجھ میں آتی ہے۔ اور وہ تشابہ نظام عالم صغیر بہ عالم کبیر ہے۔ راس الحکماء المتالہین و امام الفلاسفۃ العارفین کا ارشاد ہے کہ اے انسان خاکی ؎

اتزعم انک جرم صغیر ✤ وفیک انطوی العالم الاکبر

تو خیال کرتا ہے کہ تو جسم صغیر ہے۔ حالانکہ تجھ میں عالم اکبر منطوی ہے۔ سوق استدلال یوں ہے۔ کہ جسم انسان مخزن بلکہ ہو بہو نمونہ ہی اُس عالم کا ہے جسے جہان اعظم یا کائنات مکونہ یا عالم اکبر کہتے ہیں اس جسم میں تمام وہ چیزیں موجود ہیں۔ جو عالم اکبر میں ہیں۔ پہاڑوں کے قائم مقام بدن کی بڑی چھوٹی ہڈیاں ہیں۔ دریاؤں کے قائم مقام بڑی رگیں ہیں۔ جو تمام جسم میں دوڑی ہوئی ہیں۔ ندیوں کے قائم مقام چھوٹی رگیں ہیں۔ جو رقیق و نرم مقامات میں جاری ہیں۔ نباتات کے قائم مقام اُس کے تمام اعضا ہیں جو مثل درختوں اور نباتی چیزوں کے بڑھتے ہیں۔ گھاس اور سبزہ کے قائم مقام اس کے بال ہیں جو سر پر چہرہ پر یا تمام بدن پر اُگتے ہیں۔ حیوان تو خود ہی ہے۔ یعنی جسم نامی حساس متحرک بارادہ پرنالی اور موریوں کے قائم مقام وہ رستے ہیں۔ جسطرف سے فضول دفع ہوتے ہیں۔ بجائے بادشاہ کے اسکا دل ہے۔ بجائے وزیر کے دماغ ہے۔ بجائے فوج کے قوتے ہیں۔ بجائے غنیم کے امراض ہیں۔ جو اسپر حملہ آور ہوتے ہیں۔ بجائے مخبر اور جاسوس کے حواس ظاہرہ و باطنہ ہیں۔ نیز بجائے نقارہ شہر کے دونوں کان ہیں۔ بجائے ترجمان کے زبان ہے۔ بجائے دیدبان کے آنکھیں ہیں۔ بجائے طباخ کے معدہ ہے۔ نیز بجائے ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کے یہ دو لالٹینیں ہیں جو سر میں لگی ہوئی ہیں یعنی دو آنکھیں۔ بجائے تدویر قمر کے دو حلقہ چشم ہیں۔ جنکے اندر آنکھیں گردش کرتی ہیں۔ اور بجائے آسمان کے جسکے اندر یہ تدویر اور چاند سورج قائم ہیں۔ انسان کا سر ہے۔ یہ تشابہ جسکا ذکر کیا گیا۔ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ اُن امور میں سے ہے کہ اس سے ہم بہت اچھی طرح استدلال کرسکتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ جب اس جسم میں عالم اکبر کی تمام چیزیں موجود ہیں۔ مثلاً عناصر اربعہ یعنی پانی۔ ہوا۔ خاک۔ آگ (جس سے مراد حرارت عزیزیہ ہے) اور موالید ثلاثہ یعنی نباتات۔ جمادات۔ حیوانات اور کواکب یعنی آنکھیں اور ملائکہ جنکی تعبیر اس جسم میں عقل اور نفس۔ اور قوائے مدبرہ۔ و مولدہ۔ مصورہ و غاذیہ و ہاضمہ۔ و دافعہ ماسکہ و جاذبہ و قابضہ و باسطہ سے ہے۔ تو صرف ایک ہی چیز کی کیوں کمی رہ جائے۔ اور اسکا سر قائم مقام آسمان کا کیوں نہ سمجھا جائے!! اگرچہ یہ قیاس قیاس برہانی نہیں ہے۔ مگر قیاس مع الفارق بھی نہیں ہے۔ کم از کم تمثیل یا تقریب کا کام ضرور دے سکتا ہے۔ والعلم عند اللہ؛

چوتھی بحث و السماء بناءً سے بعض لوگوں نے سمجھا ہے کہ آسمان واقعی کوئی مسطح چیز ہے

اور جیسے مکان کی چھت ہوتی ہے۔ اُسیطرح یہ بھی بالائے زمین ہے۔ مگر یہ خیال محض غلط ہے۔ بلکہ واقع یہ ہے۔ کہ سلسلہ نظام کل کروی ہے۔ افلاک اور فلکیات اور عناصر جنہیں بسائط بھی کہتے ہیں۔ ہر ایک کرہ ہے۔ اور اسیطرح ایک دوسرے پر ہے۔ جیسے پیاز کے چھلکے تہ بتہ ہوتے ہیں اور پھر اسکی سقفیت میں فرق نہیں آتا کیونکہ آسمان اُسیطرح بالائے زمین نظر آتا ہے جیسے مکان کے اندر اسکی چھت اور یہ ارشاد بھی پروردگار عالم کا بحسب ظاہر حس ہے۔ نہ بحسب حقیقت۔ جبکہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔ رفع السموات بغیر عمد ترونہا۔ اگرچہ یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ کسی کرہ کا ایک مرکز پر قائم کرنا اور اسمیں کسی قسم کا سہارا نہ لگانا اور پھر اُسکا بے سہارے کھڑا رہنا۔ یا اپنے ہی مرکز کے گرد پھرتے رہنا۔ خلاف حرکت وضعیہ حرکت نکرنا۔ بہت بڑی قدرت کو خالق مطلق اور قادر علے الاطلاق کے ثابت کرتا ہے۔ لیکن اس ارشاد کا مطلب بھی وہی ہے۔ جو پہلے عرض کیا گیا یعنی نظر بظاہر محسوس جسے عوام الناس سمجھ لیں۔ کیونکہ اگر اسی بیان کو رنگ حقیقت اور طرز فلسفین میں بیان کیا جاتا۔ تو اُسوقت کے سننے والوں کے دل و دماغ اُسکے سمجھنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ اور نہ اُنہیں اُسکا تحمل تھا۔ اسلئے انہیں ادق مضامین کو سہل تقریبًا الی ذہن السامع اسطرح بیان کردیا جسے وہ سمجھ سکیں ؛

پانچویں بحث وانزل من السمآء ماء جسکے ظاہری معنی یہ ہیں کہ آسمان سے پانی برسایا مطلب اسکا یہ ہے کہ آسمان کیطرف سے پانی برسایا کیونکہ بخارات وغیرہ جو باعث وجود ابر کے ہیں۔ وہ آسمان ہی کی طرف صعود کرتے ہیں۔ اور پھر وہیں ابر بنجاتے ہیں اور وہیں سے نیچے کی جانب برس پڑتے ہیں تو اسصورت میں تقدیر عبارت یہ ہوئی کہ انزل من سمت السمآء یا نحو السمآء ماء یا یہ مطلب ہے کہ مینہ کا برسنا بھی اسباب سماویہ سے ہے کیونکہ اگر حرکت آسمان نہو مختلف طلوع و غروب نہوں۔ حرارت شمس نہو۔ تو بخارات پیدا ہی نہ ہوں۔ اور اگر اس حرارت و برودت طلوع و غروب کی وجہ سے ہوا میں تحلیل و تکاثف نہو تو بخارات نہ ابر بن سکیں۔ اور نہ اُس سے مینہ برس سکے۔ یا اس عبارت میں یہ صنعت کیگئی ہو۔ کہ ایک مقام پر اسے ایک معنی میں استعمال کیا ہو۔ اور دوسرے مقام پر دوسرے معنی میں۔ یعنی چونکہ سمآء کے دو معنی ہیں۔ ایک آسمان۔ دوسرے بلندی۔ تو پہلے لفظ سمآء سے تو آسمان مراد لی ہے۔ جہاں فرمایا ہے والسمآء بناء۔ اور دوسرے لفظ سمآء سے بلندی مراد لی ہو جہاں فرمایا ہے۔ انزل من السمآء ماء تو اب معنی یہ ہونگے کہ تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے بلندی سے تمہارے لئے مینہ برسایا۔ یہ تینوں ہی احتمال بجائے خود صحیح ہوسکتے ہیں۔ مگر تفسیر وغیرہ میں۔ آخری احتمال پر زور دیا گیا ہے چنانچہ تفسیر صافی میں ہے۔ وانزل من السمآء ماء یعنی المطر ینزله من علا لیبلغ قلل جبالکم وتلالکم وهضابکم واوهادکم۔ تفسیر مجمع البیان میں من السمآء کی تفسیر من السحاب کی ہے۔ گویا یہ مطلب ہے کہ سحاب یعنی ابر چونکہ بلندی پر ہوتا ہے اسلئے خدا تعالے

نے مجازاً سحاب کو سماء سے تعبیر فرمادی ہے۔ خیر اسمیں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ مجازات کا استعمال قرآن مجید میں بکثرت ہے :

پروردگار عالم کے اس ارشاد میں نعمت آب کی عظمت کا بھی ظاہر کرنا مقصود ہے۔ یعنی دیکھو تمہارا پروردگار کتنا بڑا منعم ہے کہ اس نے تمہارے واسطے بلندی سے مینہ برسایا۔ اور اسمیں عجیب و غریب حکمتیں رکھیں۔ اب کہ بلندی سے پانی آتا ہے۔ تمام پہاڑوں پر پڑتا ہے جس سے عجائب و غرائب بوٹیاں۔ دوائیں۔ سبزے۔ اشجار پیدا ہوتے ہیں۔ نیز تمام بلند مقامات پر آپ سے آپ پہنچ جاتا ہے۔ اگر تم کو دریا سے پانی لانا پڑتا۔ تو بلند مقامات پر اسکے پہنچانے میں کس قدر تمکو زحمتیں ہوتیں۔ اب نہ تمکو ہاتھ ہلانے پڑتے ہیں نہ پاؤں۔ خود بخود بلندیوں پر پانی برس جاتا ہے۔ جس سے بخوبی وہاں بھی کاشت کر سکتے ہو۔ باغ لگا سکتے ہو۔ سبزی اُگا سکتے ہو۔ پھر کتنا ہی نشیب سے نشیب کیوں نہ ہو۔ اور کتنا ہی بلند سے بلند مقام کیوں نہ ہو۔ ہر جگہ یہ پانی پہنچ جاتا ہے۔ پھر بلندی سے اس کے برسنے میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ زور سے زمین پر گرنے کی وجہ سے اُسکے باریک مسامات کے رستوں سے اندر جذب ہوتا ہے اور دور تک زمین میں اُسکا اثر پہنچ جاتا ہے۔ نیز ایک دم سے مشک کی مشک لڑھکا نہیں دیجاتی۔ بلکہ قطرہ قطرہ کر کے برستا ہے۔ تاکہ بار بار زمین پر پڑ کر اُسمیں نفوذ کرے۔ اور کھیتیوں۔ سبزوں۔ درختوں کی جڑوں تنوں اور شاخوں میں باہستگی سرایت کر کے پورا فائدہ پہنچا سکے اگر یہ پانی نشیب کیطرف سے آتا تو یہ فوائد کب حاصل ہو سکتے تھے۔ بھلا بغیر خالق مدبر و حکیم کے یہ افعال آپ سے آپ ہو سکتے ہیں۔ یہی وہ عجائب فطرت اور غرائب قدرت ہیں۔ جو اس امر پر مجبور کرتے ہیں کہ انکا کوئی نہ کوئی خالق۔ اور وہ بھی بہت بڑا حکیم قادر علیم۔ خبیر۔ مانا جائے کیونکہ یہ سب چیزیں آثار ہیں جو بغیر موثر کے ہو نہیں سکتیں۔ پھر یا تو اُس موثر کو بے ادراک و شعور مانو۔ جیسے دہریہ اور نیچری کہتے ہیں۔ یا با ادراک و شعور مانو۔ اُسکے بے ادراک ماننے میں تو یہ خرابی لازم آتی ہے کہ جب اُسکو شعور ہی نہیں۔ تو اُس سے ایسے افعال جنمیں باریک سے باریک حکمتیں ودیعت کیگئی ہیں۔ کیونکر ظہور میں آئیں۔ لامحالہ ماننا پڑیگا۔ کہ وہ با ادراک و شعور ہے اور وہی اللہ ہے جو خالق الکل اور رازق الکل ہے۔ اور یہی مطلب ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کے اُس کلام کا جسے توحید بحار میں مجلسی نے نقل فرمایا ہے ج سُئل امیر المومنین علیہ السلام عن اثبات الصانع فقال البعرۃ تدل علی البعیر والروثۃ تدل علی الحمیر و آثار القدم تدل علی المسیر فھیکل علوی بھذہ اللطافۃ و مرکز سفلی بھذہ الکثافۃ کیف لا تدلان علی اللطیف الخبیر۔ کسی نے حضرت امیر المومنینؑ سے پوچھا کہ خدا تعالے کے وجود کا کیا ثبوت ہے؟ آپنے فرمایا مینگنی تو اونٹ پر دلالت کرتی ہیں۔ اور لید گدھوں پر یعنی جس مقام پر یہ پڑے ہوں تو

دیکھنے والا معلوم کر لیگا کہ ادھر سے اونٹ اور گدھے گزرے ہیں) اور قدم کے نشان راہ چلنے پر دلالت کرتے ہیں (دیکھنے بتاتے ہیں کہ ادھر سے کوئی گیا ہے) پس یہ ہیکل علوی (آسمان) باوجود اس لطافت کے اور مرکز سفلی (زمین) باوجود اس ثقل و کثافت کے خدائے لطیف وخبیر کے وجود پر دلالت نہیں کرتی؟ نیز آپکا ارشاد ہے کہ بصنع اللّٰہ یستدل علیہ۔ خدا تعالیٰ کی صنعتیں دیکھکر اُسکے موجود ہونے کا پتہ لگایا جاتا ہے ؛

چھٹی بحث۔ فلا تجعلوا للّٰہ اندادًا و انتم تعلمون کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ "پس تم خدا تعالیٰ کے لئے شریک نہ قرار دو۔ اور تم جانتے ہو۔ کہ اسکا کوئی شریک نہیں۔ یا یہ کہ جنہیں تم اسکا شریک بتاتے ہو وہ ان نعمتوں کے پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ یا یہ کہ تم تو با عقل و تمیز ہو۔ پھر کیونکر اسکے لئے شریک تجویز کرتے ہو۔ یا یہ کہ اے اہل توریت و انجیل تم تو اس بات کو توریت و انجیل میں پڑھ چکے ہو پھر کیوں کسی غیر کو خدا کا شریک قرار دیتے ہو۔ بہر صورت یہ بات معلوم کر لینی چاہیئے۔ کہ خدا کا شریک کسی کو قرار دینے کے معنی یہ ہیں۔ کہ غیر خدا تعالےٰ کو بھی قابل پرستش سمجھا جاوے جیساکہ ہنود مذہب کے لوگ سوائے خدا تعالیٰ کے گنیش جی۔ رامچندر جی۔ کالی جی۔ کرشن جی وغیرہ کو جو کہ آدمی تھے۔ مگر اچھے آدمی تھے۔ قابل عبادت سمجھ کر سجدہ کرتے ہیں۔ اور جبکہ وہ ہستی پر موجود نہیں ہیں۔ تو اُنکی تصویریں خیالی یا واقعی بنا کر پوجا کرتے ہیں۔ یا ستارہ پرست لوگ ستاروں کو قابل عبادت سمجھکر عبادت کرتے ہیں۔ یا دو خدا مانے جاویں جیسے مجوسی نور و ظلمت کو خالق عالم جانتے ہیں اور معاملہ خلقت میں غیر خدا کو اُسکا شریک سمجھتے ہیں۔ یا ذات خدا تعالیٰ کو معطّل مان لیا جاوے۔ اس طرح پر کہ اُسنے صرف عقل اوّل کو پیدا کیا۔ پھر اس سے اور کچھ نہ ہو سکا۔ آخر عقل اول نے عقل ثانی اور فلک اوّل کو پیدا کیا۔ اور عقل ثانی نے عقل ثالث اور فلک ثانی کو پیدا کیا۔ یہانتک کہ سلسلہ دس عقلوں تک پہنچا۔ پھر دسویں عقل نے عناصر و موالید کو پیدا کیا۔ جیساکہ ایک فریق کا حکمائے یونان سے مسلک ہے۔ یہ بھی شرک ہے۔ یا یہ کہ اسطرح پر اُسے معطل مان لیا جائے۔ کہ اُس نے تمام عالم کے انتظام کو کسی آدمی کے حوالہ کر دیا اور اب خود کچھ نہیں کرتا۔ جیساکہ مفوضہ کا خیال ہے کہ خدا تعالیٰ نے محمدؐ اور علیؑ کو تمام جہان کا منتظم کر دیا ہے۔ یہی مارتے ہیں یہی جلاتے ہیں۔ یہی پیدا کرتے ہیں۔ یہی روزی پہنچاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی شرک ہے۔ یا اُس کے ساتھ وجود میں کسی غیر چیز کو ہمسر سمجھنا جیساکہ آریہ دھرم۔ مادہ اور روح کو خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ساتھ قدیم مانتے ہیں۔ اور ان دونوں کو اُسکا مخلوق نہیں سمجھتے۔ یا اُسکی صفت یا ذات میں کسی کو بیٹا یا بیٹی بنا کر شریک کرنا۔ جیساکہ اہل یورپ حضرت عیسےٰ پیغامبر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا جانتے ہیں۔ یا یہود کا ایک فرقہ حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا جانتا تھا۔ جیساکہ خدا تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے قالت الیہود عزیر ابن اللّٰہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللّٰہ۔" لیکن حق یہ ہے کہ تمام باتیں خلاف عقل ہیں

اور عدم معرفت پر دلالت کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ یہ جتنے اہل مذاہب سوائے اہل اسلام کے ہیں۔ جو معرفت خدا کا دعوی کرتے ہیں۔ انمیں سے کوئی سیدھی راہ پر چلنے والا نہیں۔ اور نہ کسی مذہب کی کتاب اسطرح کی توحید سکھانیوالی ہے جیسی توحید و روحانیت اور حقانیت اور معرفت قرآن مجید نے سکھائی ہے اس مطلب کو چونکہ ایک اور مقام پر لکھنا مقصود ہے۔ اسلیئے یہاں مختصراً یہی کہدینا کافی ہے۔ کہ قرآن مجید یہ سبق دیتا ہے۔ کہ اے آدمیوں جس نے تمکو ایسی ایسی نعمتیں دیں۔ تمہاری خاطر زمین پیدا کی جس سے تم ہزاروں قسم کے فائدے اٹھاسکتے ہو۔ تمہارے واسطے آسمان کو پیدا کیا جو ہر وقت تمہیں مختلف صورتوں سے نفع پہنچاتا رہتا ہے۔ مثلاً آفتاب کی شعاعوں سے۔ چاند کی روشنی سے۔ ستارونکے تناسب و نظرات سے۔ اپنی حرکت کے اوضاع سے۔ اور تمہارے لئے بلندی سے مینہ برسایا جس سے بیحد فائدے تمکو پہنچے۔ تمہارے ہی واسطے مینہ کے ذریعے سے پھل پیدا کیا۔ پھر بھی تم اسکو نہیں مانتے۔ اور کہتے ہو۔ کہ عالم تو قدیم ہے۔ یا جو کچھ کیا مادہ نے کیا۔ مادہ ہی بس قدیم ہے۔ یا یہ کہ یہ سب افعال طبیعت کے ہیں۔ جسمیں کوئی حس و ادراک نہیں۔ یا یہ کہ دنیا کی مخلوقات کے خالق آسمان اور ستارے ہیں۔ جیساکہ اہل نجوم کا خیال تھا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مخلوق کو تو خالق مانتے ہو۔ اور خالق کو کچھ بھی نہیں۔ یا اگر صرف مانتے بھی ہو تو اورونکو اسکے ساتھ شریک عبادت کرتے ہو۔ خداتعالےٰ جل مجدہٗ و عز اسمہٗ کو چھوڑکر پتھر کو سجدہ کرتے ہو۔ ستارونکو پوجتے ہو۔ آگ کے آگے سر جھکاتے ہو۔ عضو تناسل کی ڈنڈوت کرتے ہو۔ کیا اسی کا نام عقل ہے اور کیا اسی کو معرفت کہا جاسکتا ہے؟ دیکھو ایسا مت کرو۔ غور کرو۔ اور سمجھو کہ یہ موجودات سب کے سب حادث ہیں۔ کوئی بڑا قادر و توانا و حکیم و خبیر انکا محدِث و موجد ہے۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ بس وہ ایک غنی ہے۔ اسکا کوئی شریک نہیں۔ بس وہی معبود برحق ہے اور اسی کی عبادت لازم ہے۔

(سورہ بقر رکوع ۱۹) اِنَّ فِی خَلقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَاختِلَافِ اللَّیلِ وَالنَّھَارِ وَالفُلکِ الَّتِی تَجرِی فِی البَحرِ بِمَا یَنفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَاَحیَا بِہِ الاَرضَ بَعدَ مَوتِھَا وَبَثَّ فِیھَا مِن کُلِّ دَابَّۃٍ وَّتَصرِیفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ المُسَخَّرِ بَینَ السَّمَاءِ وَالاَرضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَومٍ یَّعقِلُونَ ۝ اس آیت کے متعلقات چند بیانوں میں واضح کئے جاتے ہیں بیان اول۔ تحقیق الفاظ۔ خلق کے معنے ہیں پیدا کرنا کسی چیز کا باندازہ معین بغیر نمونہ دیکھے ہوئے۔ جیساکہ تفسیر مجمع میں ہے الخلق ھو الاحداث للشیء علی تقدیر من غیر احتذاء علی مثال تو آیت میں لفظ خلق سے یہ مراد ہوگی کہ جو چیزیں اسمیں مذکور ہیں وہ اسطرح پیدا کیگئی ہیں کہ پہلے انکا کوئی نمونہ سامنے نہیں رکھ لیا گیا تھا۔ ایسا نہیں ہوا کہ کسی اور آسمان کو دیکھکر یہ آسمان بنایا گیا ہو۔ یا اور کسی زمین کو دیکھکر اس کے انداز پر یہ

زمین بنائی گئی ہو۔ بلکہ ابتداً اسیطرح کی پیدا کیگئی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ انکا موجد ایسا حکیم ہے کہ اُسے نمونہ قائم کرکے ایجاد کرنیکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سماوات جمع سماء کی ہے۔ جسکے معنی آسمان کے ہیں۔ جیساکہ آیت سابقہ میں بیان کیا گیا۔ لیکن یہاں یہ دیکھنا ہے کہ لفظ سماوات تو جمع استعمال کیا گیا ہے۔ اور لفظ ارض جو بمعنی زمین ہے۔ واحد لایا گیا۔ حالانکہ جسطرح آسمان کے طبقات مختلف ہیں۔ اور کئی آسمان ہیں۔ اُسی طرح زمین کے بھی طبقے مختلف ہیں۔ جیساکہ اسی قرآن کی ایک آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ اللّٰہ الذی خلق سبع سماوات ومن الارض مثلھن۔ یعنی اللہ وہ ہے جسنے سات آسمان پیدا کئے۔ اور زمین سے بھی مثل اُنہیں (آسمانوں) کے (سات درجے) پیدا کئے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آسمانوں کے سات طبقے ہونیکو تو چونکہ تصریح کئی مقام پر بیان کیا ہے۔ اس لئے واحد لانے میں اختلاف بیان کا شبہ ہوتا۔ اور نیز یہ بھی سبب ہے کہ آسمانوں کا تعدد مبین ہے احکام اُنکے مختلف ہیں۔ تدبیریں اُنکی مختلف ہیں۔ حرکتیں اُنکی مختلف ہیں۔ اور وہ بآلات رصدیہ محسوس در صود بھی ہیں۔ بخلاف زمین کے کہ اسکے طبقات اگرچہ مختلف ہیں لیکن اسطرح متشاکل و متشابہ ہیں کہ گویا سب طبقے ملکر شئی واحد بنگئے ہیں۔ اور سب طبقے ایک دوسرے سے لپٹے اور چمٹے ہوئے ہیں۔ بخلاف آسمان کے کہ اُس کے طبقات سب علیحدہ علیحدہ۔ اُنکے حرکات علیحدہ علیحدہ۔ اُن کے ستارے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ لہذا ارض کو واحد استعمال کیا۔ اور سماوات کو جمع۔

اختلاف یکے بعد دیگرے آنا جانا۔ نیز اختلاف۔ ضدِ اتفاق بھی ہے کہتے ہیں۔ دو آدمی آپسمیں اختلاف رائے تو کہتے ہیں جبکہ ایک کی رائے دوسرے کی رائے کے ضد ہو۔ یہاں پر دونوں ہی معنی درست ہوسکتے ہیں۔ پس اختلاف اللیل والنہار کے یہ معنی ہونگے۔ کہ رات اور دن کا یکے بعد دیگرے آنا جانا۔ کیونکہ جبکہ رات آتی ہے تو دن چلا جاتا ہے۔ اور جب دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے۔ اور یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں۔ کہ رات اور دن کا باہم رنگوں میں کیفیتوں میں مختلف ہونا۔ لیل اس تاریکی کا نام ہے جو دنکی روشنی کے بعد حادث ہوتی ہے۔ واحد اسکا لیلہ ہے۔ نہار اُس روشنی کا نام ہے جو آفتاب کے طلوع کے وقت سے غروب آفتاب تک رہتی ہے۔ فلک بمعنی کشتی۔ اس کا واحد اور اُسکی جمع دونوں ہم صورت ہیں۔ اگرچہ وزن میں اختلاف ہے۔ فلک بروزن قفل واحد ہے اور بر وزن اُسد جمع ہے۔ نفع یا بمعنی لذت ہے۔ یا بمعنی سرور۔ یا اُس چیز کو نفع کہتے ہیں جس سے سرور یا لذت پیدا ہو۔ اسی کے معنی ہیں حظ اور خیر بھی ہیں۔ انزل من السماء میں سماء سے بعض لوگوں نے سحاب مراد لی ہے۔ اور اکثروں کا وہی خیال ہے جو تفسیر آیہ سابقہ میں گزرا ہے فاحیی بہ الارض پس زمین کو اُس سے زندہ کیا۔ زمین کے زندہ کرنے سے مطلب یہ ہے کہ اسکو آباد کیا۔ اُسپر سبزی اُگائی۔ درخت پیدا کئے۔ اور مردہ کرنے سے اُسکا خشک کردینا مراد ہوتا ہے۔ بث کے معنے پھیلانا

دابۃ ہر وہ چیز ہے۔ جو زمین پر چلے یہانتک کہ چیونٹی۔ کیڑے۔ مکوڑے۔ آدمی اور باقی حیوانات لیکن
علاوہ لغوی معنی کے عرف عام میں گھوڑے کا نام پڑ گیا ہے۔ مگر یہاں پر وہی لغوی معنی مراد ہیں
تصریف الریاح۔ ہواؤنکو ادھر سے اُدھر پھرانا یعنی شرق سے مغرب۔ اور مغرب سے شرق
جنوب سے شمال اور شمال سے جنوب کیطرف۔ ریاح۔ جمع ریح کی ہے۔ یعنی ہوائے متحرک۔ اور
اسکی چار قسمیں ہیں ۱ شمال ۲ جنوب ۳ صبا ۴ دَبُور۔ شمالی وہ ہوا ہے۔ جو قبلہ کے دائیں جانب
یعنی اُتر سے چلے۔ اور جنوب وہ ہوا ہے جو قبلہ کے بائیں جانب یعنی دکھن سے چلے۔ صبا وہ ہے
جو مشرق سے چلے۔ اور دَبُور وہ ہے جو مغرب سے۔ سحاب مشتق ہے سحب سے جسکے معنی کھینچنے
کے ہیں۔ چونکہ بادل چاروں طرف فضا میں اپنے دامن کھینچتا پھرتا ہے اس لئے اسکو سحاب کہا گیا
عرب بولتے ہیں تسحب المراۃ ذیلھا عورت اپنا دامن زمین پر کھینچتی چلتی ہے۔ تسخیر کے
معنی مطیع کرنا۔ چونکہ ابر درمیان آسمان و زمین کے قائم کیا گیا ہے۔ اور اطاعت حکم خالق کر رہا ہے
اس لئے اُسکو مسخر کہا۔ **بیان دوم** معنی آیت۔ انّ فی خلق السماوات والارض
بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں واختلاف اللیل والنھار اور رات اور دن کے
یکے بعد دیگرے آنے جانے میں والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس اور اُس
کشتی میں جو دریا میں آدمیوں کے نفع کیواسطے چلتی ہے۔ وما انزل اللّٰہ من السماء من ماءٍ
خدا تعالیٰ کے آسمان سے مینہ برسانے میں۔ وبث فیہا من کل دآبۃ اور زمین پر ہر قسم کے
جاندار پھیلا دینے میں (پیدا کر دینے میں) والسحاب المسخر بین السماء والارض اور
اُس ابر میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر کر کے قائم کیا گیا ہے لآیات لقوم یعقلون
ظاہر نشانیاں اور روشن دلیلیں ہیں عقلمندوں کے واسطے۔ **بیان سوم**۔ مطلب یہ ہوا کہ اتنے
آثار قدرت اور نشان حکمت تم لوگوں کے سامنے موجود ہیں اور پھر بھی تم وجود خالق کے اور اُسکی حکمتوں
کے قائل نہیں ہوتے۔ دیکھو کہ آسمان اور زمین بغیر کسی نمونے کے بنائے گئے اور پھر فضا میں قائم کئے
گئے۔ نہ زمین کو کسی عمود کی ضرورت ہے۔ جس پر وہ ٹھیرائی جائے اور نہ آسمان کو کسی ستون کی حاجت
ہے۔ جس پر وہ روکا جائے۔ نہ کسی رسی میں ان دونوں کو باندھکر قائم کیا گیا ہے۔ پھر یہ کہ انکی خلقت
میں کیسی کیسی حکمتیں ودیعت کی گئیں۔ اور کیا کیا عجیب صنعتیں صرف ہوئیں کس طرح زمین کو ساکن
کیا گیا۔ اور کس طرح آسمان متحرک۔ حالانکہ نہ اسمیں کوئی کل لگی ہوئی ہے جو اُسے ہر وقت متحرک رکھے۔
اور نہ اسمیں طنابیں بندھی ہوئی ہیں۔ جو اُسے ساکن رکھیں۔ کیا باوجود ان باتوں کے یہ دونوں وجود
خالق کو نہیں بتاتے۔ بیشک اُس کے وجود و قدرت کی دلیلیں ہیں۔ نیز رات اور دن کا آنا جانا۔ ان
کے لئے ایک خاص اندازہ مقرر ہونا فصول کے اختلاف سے انکا گھٹنا بڑھنا۔ یہ بھی اس امر کی دلیل

ہے۔ کہ کوئی نہ کوئی انکا صانع ضرور ہے جس نے یہ انداز سے قائم کئے ہیں۔ نیز وہ کشتی جو پانی پر چلتی ہے آخر کس نے لکڑی کو ایسا بنایا کہ پانی پر تیرتی رہے۔ کس نے آدمی کو یہ عقل دی کہ اس صورت کی کشتی بناؤ۔ تو تم اُس پر بیٹھ کر سمندروں سے وار پار جا سکوگے۔ اپنی اشیائے تجارتی کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچا سکوگے مختلف بلاد کے حالات وکیفیات وامزجہ معلوم کر سکوگے۔ اور کس نے پانی کو یہ طاقت دی کہ ہزاروں من کے بوجھ سے لدی ہوئی کشتی کو اپنے اوپر اُٹھائے رہے۔ اور کس نے پانی میں پھیلائی کیفیت دی کہ اسپر نہایت تیزی سے کشتی چل سکے۔ بیشک کوئی بڑا حکیم ہے جس نے ایسی چیزیں پیدا کیں۔ اور پھر اُس کے استعمال میں لانے کی تدبیریں بتائیں۔ وہی تو خالق العالم۔ ومبدع الاشیاء ہے۔ نیز آسمان کیطرف سے مینہ کا برسنا۔ اور زمین پر مختلف قسم کے جانداروں کا ہونا۔ اور چاروں طرف سے ہواؤنکا چلنا۔ اور فضائے آسمان میں ابر کا قائم رہنا۔ صاف صاف اسبات کی دلیلیں ہیں کہ انکا کوئی نہ کوئی خالق ضرور ہے۔ اور وہی اللہ ہے ؛

اس آیت میں آٹھ نشانیاں یعنی دلیلیں وجود خالق تعالیٰ شانہ کی بیان کی گئی ہیں ۱۔ آسمان کا پیدا کرنا ۲۔ زمین کا پیدا کرنا ۳۔ رات اور دن کا اختلاف ۴۔ پانی پر نفع خلائق کے لئے کشتی کا چلنا ۵۔ آسمان سے مینہ برسنا اور زمین کو اُس سے زندہ کرنا ۶۔ حیوانات کا پیدا کرنا ۷۔ ہواؤنکا چلانا ۸۔ ابر کا فضائے آسمان میں قائم رکھنا۔ میں اِن آٹھوں دلیلونکو کسیقدر واضح کرکے بیان کرتا ہوں جس سے صاف ظاہر ہوجائے کہ کیونکر یہ اشیاء وجود خالق پر دلیل ہیں اور جو انمیں کوئی بحث ہوگی وہ بھی مختصراً عرض کیجائیگی ؛

پہلی نشانی۔ آسمانونکی خلقت ہے۔ یہ وہ عجیب مصنوع ہے کہ اگر اسکے سوا اور کوئی چیز عالم میں نہ موجود ہوتی۔ تب بھی صرف یہی ایک خدائیتعالیٰ کے وجود۔ قدرت۔ حکمت۔ علم۔ غلبہ۔ کمال۔ قدم اور لُطف کے ثابت کرنیکے لئے کافی تھا ؛

اسکی صنعتوں اور عجائب قدرت کو اگر علم ہیئت کے مذاق پر بیان کیا جائے تو صرف اسی ایک نشانی کی تفسیر میں ایک بڑی کتاب مرتب ہوجائے۔ اور اگر زبان شریعت سے اسکی تشریح کیجائے تب بھی ایک عظیم الشان دفتر تیار ہوجائے لیکن چونکہ مجھکو اس آیت کے علاوہ اور آیتوں سے بھی بحث کرنی مقصود ہے اس لئے ضروری ہے کہ نہایت مختصر لفظوں میں اس مطلب کو ادا کروں ؛

ملاحظہ ہو۔ آسمان کیا چیز ہے؟ اور آسمان کتنے ہیں۔ آسمان ایک عظیم الشان جسم کروی ہے جسکے طول وعرض کی مقدار کو خیال کرنیسے حیرت ہوتی ہے۔ جبکہ اُسکے ایک چھوٹے سے جرم نیر یعنی آفتاب کا قطر (۱۰۸۰۰۰) میل اور محیط (۳۲۶۴۰۰) میل کا ہے۔ تو پورے آسمان کا دور کتنا ہوگا۔ یہ ایک جسم بسیط ہے۔ جیسا کہ فلسفہ طبعیہ میں ثابت ہوچکا ہے۔ اسمیں نفس فلکی بھی موجود ہے۔ جو اسے متحرک رکھتا ہے۔ مگر چونکہ اسکی طبیعت واحدہ بسیط ہے۔ اس لئے اسمیں سوائے حرکت دوریہ

وضعیہ کے دوسری حرکت نہیں ہو سکتی۔ اور یہی سبب انتظام عالم کا بھی ہے۔ ورنہ اگر اسکی مختلف حرکتیں ہوتی رہتیں۔ کبھی صعودی کبھی ہبوطی کبھی مستقیمہ کبھی دوریہ۔ تو وہ انتظام افعال و حرکات اور وہ انتظام شب و روز اور وہ انتظام فصول جواب حاصل ہے۔ کبھی نہ ہو سکتا۔ پھر کیا ایسے عظیم الشان جسم کا پیدا ہو جانا جسکے ایک چھوٹے سے جزو کا قطر اور محیط اتنا ہے۔ جو بیان ہوا آپ سے آپ ممکن ہے جب تک بہت ہی بڑا قادر القادرین اسکا خالق نہ مانا جائے۔ پھر ایک ہی آسمان نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ آلات رصدیہ سے معلوم کیا گیا ہے۔ تہ بتہ نو آسمان ہیں۔ سات تو صرف وہ ہیں جنمیں سے ہر ایک پر ایک سیارہ ہے یعنی ماہتاب عطارد۔ زہرہ۔ آفتاب۔ مشتری۔ مریخ۔ زحل۔ اور آٹھواں وہ آسمان ہے۔ جس پر یہ تمام ثابت ستارے ہیں جیسے عیوق۔ سہیل۔ ثریا۔ نسر طائر۔ نسر واقع

ف من بحار السماء والعالم۔ اعلم ان اصحاب الہیئۃ قالوا بعد مقعر فلک القمر عن مرکز العالم احد واربعون الفا وتسعماۃ وستۃ وثلثون فرسخا وبعد محدبہ الذی ہو مماس لمقعر فلک عطارد بزعمہم خمسۃ وثمانون الف فرسخ وسبعماۃ فرسخ وثلث فراسخ وبعد مقعر فلک الزہرۃ ماتان وخمسۃ وسبعون الف فرسخ وثلثماۃ وثمانون فرسخا وبعد مقعر فلک الشمس الف الف فرسخ وثمانماۃ واربعون الف فرسخ وثمانماۃ وخمسۃ وثمانون فرسخا وبعد مقعر فلک المریخ الفا الف فرسخ وسبعۃ وعشرون الف فرسخ وتسعماۃ واربعون وثلثون فرسخا وبعد مقعر فلک المشتری اربعۃ آلاف الف فرسخ وسبعماۃ وسبعون الف فرسخ وستماۃ واثنان وسبعون فرسخا وبعد مقعر فلک زحل ثلثۃ وعشرون الف الف فرسخ وتسعماۃ وثمانون فرسخا وبعد مقعر الفلک الاعلی ثلثۃ وثلثون الف الف فرسخ وخمسماۃ واربعۃ وعشرون الف فرسخ وستماۃ وتسعون فراسخ وبعد محدبہ الاعلی لا یعلم احد الا الرب تبارک وتعالی۔ ومن اوحی الیہ۔ وذکروا ان قطر القمر سبعماۃ واحد وثلثون فرسخا وجرمہ سدس سبع جرم الارض وقیل جزء من تسعۃ وثلثین جزء منہا وقطر العطارد ماۃ وتسعۃ فراسخ وجرمہ جزء من اثنی عشر الف جزء وسبعماۃ وتسعۃ وستین جزءا من جرم الارض۔ وقطر الزہرۃ تسعماۃ فرسخ و خمسۃ وستون فرسخا وجرمہ ثلث تسع جرم الارض وقیل جزء من سبعۃ وثلثین جزء من الارض وقطر الشمس سبعۃ عشر الف فرسخ وخمسماۃ وثمانیۃ وستون فرسخا و جرمہ ثلثماۃ وثمانیۃ وعشرون ضعف جرم الارض وقیل ماۃ وستۃ وستون ضعفا و قطر المریخ ثلثۃ آلاف فرسخ وسبعماۃ وخمسۃ وتسعون فرسخا وجرمہ ثلثۃ اضعاف

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴

دب اصغر۔ دب اکبر۔ جدی۔ سماک رامح۔ سماک اعزل وغیرہ وغیرہ جنکی آجتک رصدیں بھی ٹھیک طور پر نہ ہو سکیں اور نہ جنکی تعداد کسی کو معلوم ہے۔ اِلَّا ماشاء اللہ۔ اور نواں وہ آسمان ہے جسپر کوئی ستارہ نہیں ہے۔ اُسی کو فلک الافلاک اور عرش۔ اور فلک اطلس بھی کہتے ہیں۔ یہ نواں آسمان۔ باقی آٹھ آسمانوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے مشرق سے مغرب کیطرف حرکت کرتا ہے جس سے چاند سورج کا طلوع مشرق سے معلوم ہوتا ہے۔ اور غروب مغرب میں۔ اور جن سے رات والے ستارے مشرق سے طلوع اور مغرب میں غروب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ آسمان صرف چوبیس گھنٹے میں اپنا پورا دورہ تمام کر لیتا ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ فی منٹ کتنے میل اس نے مسافت طے کی ہے۔ جبکہ صرف اُسکا مقعر یعنی نیچے کی سطح کا عرض اتنی دیر میں کہ کوئی شخص "واحد" کا لفظ زبان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳ جرم الارض وقیل مثل الارض ونصفها۔ وقطر المشتری اربعة عشر الف فرسخ وخمسمائة وستة وتسعون فرسخاً وجرمه مائة وثمان وثمانون ضعفاً من الارض وقیل اثنان وثمانون ضعفاً وربعاً منها۔ وقطر زحل اربعة عشر الف فرسخ واربعمائة و خمسة وثلثون فرسخاً وجرمه مائة واثنان وثمانون ضعفاً من الارض وقیل سبع سبعون ضعفاً۔ والکواکب الغیر المرصودة لایعلم عددها الا اللہ وحججه علیهم السلام وما رصدوا منها الف واثنان وعشرون کوکباً فاعظمها علی ما ذکره بعضهم ثمانیة وتسعون ضعفاً للارض وسدسها۔ واصغرها عشرة اضعاف وثلث من الارض وعلی ما ذکره آخرون اعظمها مائتان واثنا عشرون ضعفاً من الارض واصغرها ثلثة وعشرون ضعفاً منها۔ ورتبوا اقدارها فی ست مراتب ینقص کل مرتبة عن صاحبها فی القطر بسدس فاولها اعظمها وفیها خمسة عشر کوکب۔ وفی الثانیة خمسة واربعون وفی الثالثة مائتان وثمانیة وفی الرابعة اربعمائة واربع وسبعون وفی الخامسة ثمانمائة وسبعة وعشر وفی السادسة تسعة واربعون۔ واربعة عشر خارجة عن المراتب۔ تسعة خفیة تسمی مظلمة وخمسة سحابیة کانها قطعة غیم وقد یزاد ثلثة تسمی ضفیرة الخ

ترجمہ معلوم ہو کہ علم ہیئت کے جاننے والوں نے بیان کیا ہے کہ فاصلہ مقعر فلک قمر کا مرکز عالم سے اکتالیس ہزار نو سو چھتیس فرسخ ہے اور اسکے محدب کا فاصلہ پچاسی ہزار سات سو اور ثلث فرسخ ہے۔ مقعر فلک زہرہ کا فاصلہ دو سو چھتر ہزار تراسی فرسخ ہے۔ اور فلک آفتاب کے مقعر کا فاصلہ دس ہزار آٹھ سو ہزار چالیس ہزار آٹھ سو پچاسی فرسخ ہے۔ فلک مریخ کے مقعر کا بیس لاکھ ستائیس ہزار اور تینتالیس فرسخ ہے مقعر فلک مشتری کا فاصلہ چالیس لاکھ سات سو ستر ہزار چھ سو بہتر فرسخ ہے۔ فاصلہ مقعر فلک زحل کا دو کروڑ بیس لاکھ نو اسی فرسخ ہے۔ اور فاصلہ مقعر فلک اعلیٰ کا تین کروڑ تیس لاکھ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴ دیکھو)

سے کہ ہر پل ۱۰،۱۵۵ میل کی مسافت طے کرلیتا ہے۔ جیسا کہ سید داماد حاشیہ دعائے صحیفہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ رہے باقی آسمان پس انہیں سے جو ممثلات ہیں سوائے جوزہر قمر کے سب مغرب سے مشرق کیطرف حرکت کرتے ہیں اور نیز آٹھواں آسمان بھی مغرب سے مشرق کیطرف حرکت کرتا ہے مگر بنا بر رائے قدما کے تیس ہزار برس میں اور بنا بر رائے متاخرین کے چوبیس ہزار برس میں اپنا دورہ پورا کرتا ہے باقی آسمان کوئی پورے سال بھر میں دورہ پورا کرتا ہے جیسے فلک آفتاب۔ اور کوئی تقریباً ایک سال میں دورہ پورا کرتا ہے جیسے فلک زہرہ و عطارد۔ اور کوئی دو برس ساڑھے دس مہینے میں دورہ پورا کرتا ہے جیسے فلک مریخ۔ اور کوئی بارہ برس میں دورہ پورا کرتا ہے جیسے فلک مشتری اور کوئی تیس برس میں دورہ ختم کرتا ہے جیسے فلک زحل۔ اور کوئی صرف اٹھائیس روز میں گردش ختم کرلیتا ہے۔ جیسے فلک قمر۔ ان کے علاوہ نہیں آسمانوں کے اندر اور بھی آسمان میں جنہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۔ پانچ چھبیس ہزار چھ سو نوے فرسخ ہے۔ اور اس کے محدب کا فاصلہ تو کوئی سوائے خدا کے جانتا ہی نہیں۔ یا وہ لوگ جانتے ہیں جنہیں بذریعہ وحی بتایا گیا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا ہے۔ کہ چاند کا قطر سات سو اکتیس فرسخ ہے۔ اور اسکا جرم جرم زمین کا $\frac{1}{39}$ جزو ہے اور بنا بر ایک قول کے $\frac{1}{43}$ جزو ہے۔ عطارد کا قطر ایک سو نو فرسخ ہے۔ اور اُسکا حجم $\frac{1}{12000}$ جزو اور $\frac{1}{21962}$ حجم زمین کا ہے۔ زہرہ کا قطر نو سو پینسٹھ فرسخ ہے اور اسکا حجم $\frac{37}{39}$ حجم زمین کے برابر ہے۔ اور بنا بر دوسرے قول کے $\frac{1}{37}$ جزو ہے۔ آفتاب کا قطر سترہ ہزار پانچ سو پینسٹھ فرسخ ہے۔ اور اُسکا حجم زمین کے حجم سے تین سو اٹھائیس حصہ زیادہ ہے۔ اور بنا بر قولے ایک سو چھیاسٹھ مثل زمین کا ہے۔ قطر مریخ تین ہزار سات سو چھیانوے فرسخ ہے اور اُسکا حجم تین حصہ حجم زمین سے زیادہ ہے۔ اور بنا بر قولے ڈیڑھ مثل زمین کا ہے۔ قطر مشتری چودہ ہزار پانچ سو چھیانوے فرسخ ہے۔ اور اُسکا حجم ایک سو اٹھاسی گنا زمین کا ہے۔ اور بنا بر قولے بیاسی گنا اور ایک ربع زمین کا ہے۔ قطر زحل چھ ہزار چار سو پینتیس فرسخ ہے۔ اور اُسکا حجم زمین کا بیاسی گنا ہے اور بنا بر قولے ستتر گنا ہے۔ اور غیر مرصودہ ستارے اسقدر ہیں جن کے عدد کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ مگر انہیں سے ایک ہزار بائیس ستاروں کے حالات معلوم کئے ہیں۔ انہیں سے جو سب سے بڑا ہے بنا بر قولے اٹھانوے گنا اور $\frac{1}{2}$ زمین سے بڑا ہے۔ اور چھوٹے سے چھوٹا دس گنا اور $\frac{1}{2}$ زمین سے بڑا ہے اور بنا بر دوسرے قول کے بڑے سے بڑا ستارہ ان میں سے دو سو بائیس گنا زمین سے بڑا ہے۔ اور چھوٹا اُس سے تیئیس گنا زمین سے بڑا ہے۔ نیز اہل ہیئت نے اُنکی مقداروں کو چھ درجوں میں ترتیب دیا ہے۔ ہر درجہ انہیں سے دوسرے سے قطر کی مقدار میں $\frac{1}{2}$ کم۔ پس پہلا انہیں سے جو سب سے بڑا ہے اور اسمیں پچیس ستارے ہیں۔ دوسرے میں پینتالیس ستارے ہیں تیسرے میں دو سو آٹھ۔ چوتھے میں چار سو چونسٹھ۔ پانچویں میں آٹھ سو سترہ ہیں۔ چھٹے میں ۴۹ اور ۱۴ ہیں جو خارج از مدارج مذکورہ ہیں نو انہیں سے خفی ہیں جنہیں مظلمہ کہتے ہیں اور پانچ سحابیہ ہیں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶ دیکھو)

افلاک جزئیہ کہتے ہیں۔ مثلاً تدویر کواکب۔ یا افلاک حاملہ۔ یا فلک مائل وغیرہ جنکی تعداد چوبیس
یا پچیس آسمانوں تک پہنچتی ہے۔ پھر انکی حرکتوں کے منتظم ہونے کو خیال کیجئے۔ تو ایسا عجیب انداز ان کے
لئے قائم کیا ہوا ملیگا۔ کہ اسمیں کبھی فرق آتا ہی نہیں۔ ایک آسمان تو ان سب کو لئے دیئے۔ چوبیس
گھنٹے میں دورہ پورا کر لیتا ہے۔ مگر اسی کے اندر باقی آسمان اپنی ذاتی حرکتوں سے ایسے پیمانہ پر گردش
کرتے ہیں کہ انہیں ہزاروں برس میں بھی ذرا فرق نہیں آتا۔ جو آسمان اول سے سال بھر میں دورہ پورا
کرتا آتا تھا۔ وہ اب بھی اُسیطرح دورہ ختم کرتا ہے۔ اور جو تقریباً ایک ماہ میں پوری گردش کر لیتا تھا۔ وہ
اب بھی اُسیطرح گردش کر لیتا ہے۔ انہیں گردشوں سے سال کا حساب مرتب ہوتا ہے۔ انہیں گردشوں
سے مہینے مرتب ہوتے ہیں۔ انہیں سے ہفتے قائم کئے گئے۔ انہیں سے رات اور دن کا انتظام
ہوا۔ انہیں سے قرن مقرر کئے گئے۔ یہی وہ حرکتیں ہیں۔ جو فصلونکی بنیاد قائم کرتی ہیں۔ اگر یہ
مختلف حرکتیں نہوتیں۔ اور ہر روز آفتاب کی حرکت ایک نئی مدار پر مدارات یومیہ میں سے نہ
قرار پاتی۔ تو آج گرمی سردی۔ ربیع خریف۔ کہاں سے پیدا ہوتے۔ اگر ہمیشہ گرمی رہتی۔ تو انسان
نباتات۔ جمادات۔ حیوانات۔ اور عناصر سب تباہ و برباد ہو جاتے۔ خشک ہو جاتے۔ جل جاتے
اور فنا کے رستہ پر جاتے ہوئے نظر آتے۔ اگر ہمیشہ سردی رہتی۔ تو تمام چیزوں میں انجماد اور تکالیف
پیدا ہو جاتا۔ اگر ہمیشہ مینہ برسا کرتا تو کاہے کو کسی ذیحیات کی زندگی قائم رہ سکتی۔ اب کہ روزانہ کی حرکت
کے بدلتے رہنے سے آہستہ آہستہ فصلیں بدلتی رہتی ہیں۔ دن بڑے چھوٹے ہوتے رہتے ہیں
تو مخلوقات کے لئے کس قدر فوائد ہوتے ہیں۔ فرض کیجئے اگر ایک ہی فصل دنیا میں رہتی۔ تو آدمی
اُس سے تنگ آجاتے اور اُسکا بدلنا چاہتے۔ دیکھو قدرت نے اس خواہش سے پہلے ہی تدبیر
کر دی کہ آسمانونکی حرکتونکو اس قسم کا بنایا کہ وہ آہستہ آہستہ اور درجہ بدرجہ موسم کو پلٹتے رہیں۔ تاکہ
انسان ہر روز ایک نئی کیفیت حاصل کرتا ہے۔ بلکہ اگر دیکھو تو انہیں اوقات شبانہ روزی میں
تمہیں چاروں فصلیں دکھائی دینگی۔ چار بجے صبح سے دس بجے دن تک فصل بہار ہے۔ پھر اُسوقت
سے چار بجے شام تک موسم گرما ہے۔ پھر اُسوقت سے دس بجے شب تک مثلاً خریف ہے۔ اور
وہاں سے چار بجے صبح تک موسم سرما ہے۔ کیا ان چار وقتوں میں انسان چاروں فصلونکی کیفیت
حاصل نہیں کر لیتا؛

اور دیکھو کہ کیسے انتظام سے انہیں بارہ برج قرار پائے ہیں۔ جسے خود خدا تعالیٰ دوسرے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) یعنی ابر کے ٹکڑے کی صورت کے معلوم ہوتے ہیں اور کبھی اِنپر تین زیادہ کرکے صغیرہ
کہتے ہیں؛

مقام پر اس قرآن میں فرماتا ہے والسّمآءِ ذاتِ البروج جنمیں سیارات کی سیر ہوتی ہے۔ اور جس
کے ذریعے سے حسابوں کا انتظام ہوتا ہے۔ انہیں میں منازل بھی قرار پائے۔ مثلاً منازل قمر جو اٹھائیس
ہیں انمیں ماہتاب کے رہنے سے جو کیفیتیں حادث ہوتی ہیں۔ اسے تم علم نجوم سے معلوم کر سکتے ہو۔ میں
یہاں پر تفصیل نہیں بیان کر سکتا۔

اور دیکھئے کہ یہی وہ آسمان ہے جسکا اصلی رنگ تو وہ ہے جسے آپ فیروزی بھی کہہ لیتے ہیں
مگر اسمیں وہ چیزیں بھی جو بنفسہا یا بغیرہ روشن ہیں کتنی مناسبتوں کے ساتھ پیدا کی گئی ہیں جنکو ایک ماہر
علم ہیئت اور واقف علم نجوم اچھی طرح جان سکتا ہے۔ کس خوبی سے ان روشن ستاروں کی ترتیب
قائم کیگئی ہے۔ کہ کبھی ایک دوسرے سے ٹکرا نہیں سکتے کبھی ایک دوسرے سے اتنے فاصلے پر نہیں
چلے جاتے جو اپنے اثر کو بلحاظ نظرات باطل کر دیں۔ بالکل قریب نہیں بنائے گئے جنکی روشنی آنکھوں کو
تکلیف پہنچائے اور نہ بالکل دور کہ جنکی روشنی سے ہم فائدہ ہی نہ اٹھا سکیں۔ بلکہ جسکے لئے جو فاصلہ
مناسب تھا وہی قرار دیا گیا۔ مثلاً آفتاب کا بعد جو اب زمین سے ہے اگر اس سے زیادہ قریب
ہوتا تو یبوست و حرارت کو اعتدال سے زیادہ بڑھا دیتا اور اگر اس سے زیادہ دور ہوتا تو وہ فوائد جو اجسام
فواکہ۔ ادویہ۔ اور میاہ وغیرہ کو اس سے پہنچتے ہیں نہ پہنچتے۔ اگر اتنے ثوابت ستارے ہم سے قریب
ہوتے تو شدت روشنی سے مخلوقات کی آنکھوں میں خیرگی رہتی۔ اور اگر اس سے زیادہ دور ہوتے
تو نہ وہ کیفیت زینت فلک معلوم ہوتی۔ ولقد زیّنّا السّمآءَ الدّنیا بمصابیح وجعلنٰھا رجوماً
للشّیاطین اور بیشک ہم نے نیچے والے آسمان کو چراغوں (ستاروں) سے زینت دی اور اُن کو
شیطانوں کے واسطے رجم کرنیوالے قرار دیا۔ اور نہ وہ فائدہ جو راہوں کے معلوم ہونے۔ رستوں کے
دکھائی دینے میں اب حاصل ہے وہ حاصل ہو سکتا " وبالنّجم ھم یھتدون "

پھر یہ ستارے محض ہمایا زینت ہی نہیں ہیں بلکہ انکے کرشمے تو اُسوقت کھلتے ہیں۔ جب
فلسفۃ النجوم پر نظر ڈالی جائے۔ انمیں سے ہر ایک کو دوسرے سے وہ تناسب ہیں جنہیں نظرات کواکب
آتے ہیں کسی کو کسی سے نظر تسدیس ہے کسی کو نظر تربیع۔ کسی کو نظر تثلیث وغیر ذلک اور انپر عجیب و غریب
آثار مترتب ہوتے ہیں جو واقفان فن ہی کو بخوبی معلوم ہو سکتے ہیں۔ انکے خواص حرکات و خواص قرب
و بعد اسقدر کثیر ہیں کہ انسانی عقلیں سب کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ صرف چند مرصودہ ستاروں کی جو
کیفیتیں اسوقت تک معلوم ہو گئی ہیں۔ وہی اسقدر ہیں جنکے لئے مستقل علم مدوّن کیا گیا

پس اب غور کیجئے۔ کہ آسمانوں کا اس ترتیب سے ہونا۔ انمیں باہم فاصلے کا قائم رہنا۔ ان کا
متساوی الحال حرکت کرنا۔ اور انمیں کبھی فرق نہ پڑنا۔ انکے اندر دو قسم کے ستاروں کو جڑنا ایک ثوابت
اور دوسرے سیارہ۔ ثوابت سے اور فوائد بخشنے اور سیارات سے کچھ اور اور پھر انکی باہم مناسبتوں
سے جو تعلقات پیدا ہوتے ہیں انسے عجائب آثار کا ظاہر ہونا۔ پھر انکی جسامتوں کو خیال کرو۔ تو

عقل دنگ ہوجاتی ہے۔ باوجود اس کے انکا اتنی بلندی پر قائم رہنا۔ اور گر نہ پڑنا۔ انہیں سے بغیر کسی مدد کے روشنی کا پیدا ہونا کہ نہ وہاں کوئی روشنی کرنیوالا ہے۔ نہ آگ ہے۔ نہ تیل ہے۔ نہ گیس ہے۔ نہ بجلی ہے۔ قدرتی طور پر انکا منوّر ہونا۔ اور جو ذاتاً روشن نہیں ہے اُسکو اس ترکیب سے قائم کرنا کہ روشن جسم سے اُسکا برابر مقابلہ گھٹتا بڑھتا رہے۔ جس سے مہینے کی تاریخیں مرتب ہو سکیں۔ مثلاً چاند کا آفتاب سے نسبت محاذات تدریجی رکھنا۔ پھر ہر ایک کے آثار جُدا جُدا قرار پانے۔ باوجود اتنے کہنہ سال ہونے کے نہ کسی ستارے میں کہنگی کا اثر ظاہر ہونا اور نہ کسی آسمان میں۔ نہ کسی کا ایک دوسرے کی طاقت سے کھنچ جانا۔ نہ طنابوں کے ٹوٹ جانے سے دور ہو جانا۔ اور نہ باوجودیکہ یہ آسمانی اجرام ذوات الثخن ہیں۔ ان کے اندر ہزار دو ہزار برس یا سو دو سو سال میں کسی قسم کا نقصان آنا جسکی مرمت کی ضرورت پڑتے۔ کیا اس امر کو نہیں بتاتا کہ ہم اپنے تغیّرات حرکات وتبدّلات احکام کی وجہ سے حادث الوجود ہیں۔ عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ قدیم نہیں ہیں بلکہ کسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارا پیدا کرنیوالا بہت ہی بڑا اقدر القادرین۔ حکیم الحکماء۔ اقدم القدماء۔ اقوی الاقویا اغلب الغالبین ہے۔ اور ایک خاص وقت تک کے لئے ہمکو بنایا ہے۔ اس لئے ایسا محکم بنایا ہے کہ ہم میں اُسوقت تک شکستگی پیدا نہ ہو۔ کہنگی عارض نہو۔ مرمت کی ضرورت نہ پڑے۔ ورنہ اوروں کے کلام میں اور اُس اقدر القادرین کے کام میں کیا فرق تھا۔ اور چونکہ وہ اپنی قدرت کاملہ کو ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے ہمیں ایسا بنایا ہے کہ ہم میں سے کسی ایک کے مثل بھی دنیا کے تمام عقلا اور تمام روحانیات جمع ہو کر نہیں بنا سکتے۔ دیکھو تو ابن مقنع نے جب نخشب میں چاند بنایا تو کیسا مُنہ کے بل کنوئیں میں گرا۔ اُس اقدر القادرین اور ربّ العالمین کا مقابلہ کرنا چاہا لیکن نہ ہو سکا۔ کیونکہ واجب الوجود کی صناعی۔ اور ممکن الوجود کی کاریگری میں بھلا کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔ جو اُس نے آسمان بنایا تھا۔ وہ بھی چند پتھروں سے ٹوٹ گیا۔ اور جو مصنوعی چاند بنایا تھا۔ وہ بھی اپنی روشنی کھو بیٹھا مگر دیکھو کہ ہم میں سے جو لالٹین ہے۔ وہ ہزاروں۔ لاکھوں برس سے بے تیل اور بے گیس کے روشن چلی آتی ہے۔ مگر کبھی اُسکی روشنی میں فرق نہیں پڑتا۔ البتہ چند ستارہ پرستوں کی تنبیہ کے واسطے کبھی کبھی دن اور رات کی بعض بعض لالٹینوں کی روشنی کسی کسی وقت مدھم کر دیجاتی ہے۔ تاکہ کم عقل لوگ اُنکو معبود حقیقی نہ سمجھنے لگیں اور اگر سمجھتے ہوں تو جان لیں کہ یہ واقعی معبود نہیں ہیں۔ ورنہ انمیں تغیّر و زوال نہ ہوتا!! اور چونکہ وہ اپنی تحتانی مخلوقات پر حد سے زیادہ مہربان ہے تو اُس نے ہماری حرکتوں میں عجیب و غریب خواص پیدا کر دیئے ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھا سکیں۔ مثلاً ہم میں سے کسی کے اثر سے مینہ برستا ہے۔ کسی کے اثر سے ہوا چلنے لگتی ہے۔ کسی کے اثر سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ کسی کے اثر سے بیماریاں دفع ہوتی ہیں۔ کسی

کے اثر سے نباتات پیدا ہوتے ہیں۔کسی کے اثر سے کیڑے مکوڑے اور موذی جانور مرجاتے ہیں۔کسی کے اثر سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور ایسی ایسی ہزاروں خاصیتیں ہم میں دیں۔جن سے ان مخلوقات سفلی کا انتظام تمدن قائم رہ سکے۔ اور انمیں کوئی فساد نہ پڑے۔ اور چونکہ وہ اپنی ذوی العقول مخلوقات پر اپنی لایزالی اور قدم اور ابدیت و ازلیت جتانا چاہتا تھا۔اس لئے اُس نے ہمیں ایسا بنایا کہ مدتوں ہم میں زوال نہ ہوتا کہ لوگ سمجھیں کہ جب اُسکی پیدا کی ہوئی چیزیں ایسی ہیں۔کہ اُنکی صورت نوعیہ و شخصیہ میں تغیر نہیں ہوتا۔ تو پھر انکا پیدا کرنیوالا کیسا لازوال ازلی۔ اور ابدی ہوگا۔بیشک صنعت افلاک و فلکیات اور استحکام انکے امور و احوال کا پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔کہ لا الٰہ الا اللہ ھو اللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ و الامثال العلیا فتبارک اللہ احسن الخالقین!! والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ محمد و آلہ الطاہرین۔

اور اگر لسان شریعت سے اسکی مختصر حقیقت دیکھنی ہو تو یہ حدیث ملاحظہ ہو (خصال ابن بابویہ علیہ الرحمۃ) جناب امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپنے فرمایا مجھ سے بیان کیا۔ موسیٰ ابن جعفرؑ نے فرمایا مجھ سے بیان کیا جعفر بن محمدؑ نے فرمایا مجھ سے بیان کیا محمد بن علیؑ نے فرمایا مجھ سے بیان کیا علیؑ بن الحسینؑ نے فرمایا۔ مجھ سے بیان کیا حسینؑ بن علیؑ نے فرمایا کہ علیؑ بن ابیطالب علیہ السلام کوفہ کی مسجد جامع میں تشریف رکھتے تھے کہ ناگاہ ایک شخص اہل شام میں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور چند مسائل پوچھے منجملہ اُنکے ایک یہ سوال تھا کہ یا امیر المومنین آپ مجھے آسمانوں کے رنگ سے اطلاع دیجئے فرمایا آپنے اسم سماء الدنیا رفیع وھی من ماء و دخان واسم الثانیہ قیدوم وھی علیٰ لون النحاس والسماء الثالثہ اسمہا المارم وھی علیٰ لون الشبہ والسماء الرابعۃ اسمہا ارفلون وھی علیٰ لون الفضۃ والسماء الخامسۃ اسمہا ھیفون وھی علیٰ لون الذھب والسماء السادسۃ اسمہا عروس وھی یاقوتۃ خضراء والسماء السابعۃ اسمہا عجماء وھی درۃ بیضاء" نیچے والے آسمان کا نام رفیع ہے۔ اور یہ پانی اور دھوئیں سے مرکب ہے۔ دوسرے آسمان کا نام قیدوم ہے۔ اور اُسکا رنگ تانبے کا سا ہے اور تیسرے آسمان کا نام مارم ہے اور اُسکا رنگ شبہ کا سا ہے۔ (شبہ اُسے کہتے ہیں جو معدنیات میں سونے کے رنگ سے مشابہ ہوں اور وہ کانسی سے بہتر ہوتا ہے!! مجمع البحرین) اور چوتھے آسمان کا نام ارفلون ہے اور اسکا رنگ چاندی کا سا ہے اور پانچویں کا نام ھیفون ہے اور اُسکا رنگ سونے کا سا ہے اور چھٹے کا نام عروس ہے اور وہ (گویا) زمرد سبز ہے اور ساتویں کا نام عجماء ہے اور وہ (گویا) گوہر سفید ہے" یہ اُس عارف حقیقی کا بیان ہے۔

جو فرمایا کرتا تھا کہ سلونی عما دون العرش ۔ اور جسکے علم سے بہتر دنیا میں بعد پیغمبر خدا کے کسی کا علم نہ تھا۔ رسول خدا خود فرما گئے ہیں انا مدینۃ العلم و علی بابہا۔ پس ایسے بزرگوار کا جو ارشاد ہے۔ وہی اصل اور حقیقی ہے۔ باقی جتنے بیانات ہیں وہ سب ظنی و تخمینی ہیں۔ کیونکہ جو کچھ حکمانے بیان کیا ہے وہ سب اپنے خیالات وظنون کی تخمین سے بیان کیا ہے۔ اور اس بزرگوار نے یا اس کے جانشینوں نے جو بیان کیا ہے۔ وہ اسی علم الٰہی کے ذریعہ سے بیان کیا ہے جو انکو من جانب اللہ حاصل تھا۔ اور یہی وہ لوگ تھے جو خزانہ داران علوم الٰہیہ ہو سکتے تھے ؛

(کافی میں مذکور ہے) محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے جناب ابو جعفر (امام محمد باقرؑ) سے دریافت کیا کہ سورج میں چاند سے زیادہ کیوں روشنی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالے نے آفتاب کو روشن آگ سے پیدا کیا ہے اور صاف پانی سے۔ ایک طبق اسکا بنایا ہے۔ اور ایک طبق اُسکا۔ یہانتک کہ جب سات تہ اسطرح قرار دیکر (سورج کو بنالیا) تو اُسے آگ کا لباس پہنایا (یعنی اُسمیں آتشی حرارت بیرونی جانب قرار دی) اسلئے سورج میں چاند سے زیادہ حرارت ہے۔ میں نے عرض کی " میں آپ پر فدا ہوں "۔ اور چاند (میں روشنی ٹھنڈی کیوں ہے) فرمایا کہ خدا تعالی نے چاند کو آگ کے نور کی ضو سے پیدا کیا ہے۔ اور صاف پانی کی ایک تہ اسکی دی ہے اور ایک تہ اُسکی۔ اور جب سات تہیں پوری ہو گئیں۔ تو اُسے پانی کا لباس پہنایا۔ اسی وجہ سے چاند بہ نسبت آفتاب کے ٹھنڈا ہے "۔ اور عیون الاخبار میں مروی ہے کہ یزید بن سلام نے رسول خدا سے دریافت کیا کہ چاند اور سورج ضو اور نور میں مساوی کیوں نہیں ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب خدا تعالی نے انکو پیدا کیا تو یہ خدا تعالی کے مطیع ہوئے۔ اور اسکی نافرمانی بالکل نہیں کی (بلکہ جو انکے لئے حکم دیا گیا۔ اُسکے عامل ہوئے) پھر خدا تعالے نے جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ چاند کی ضو کو مٹا دے تو جبرئیل نے اُسے محو کیا۔ پس اُنکے محو کرنے نے چاند میں سیاہ سیاہ خطوط ڈالدیئے (اور اگر چاند اُسی حالت اصلیہ پر چھوڑ دیا جاتا۔ اور اُسکی ضو نہ مٹائی جاتی تو رات اور دن کی شناخت نہ ہو سکتی اور نہ روزہ دار سمجھ سکتا کہ میں کتنے دن روزے رکھوں۔ اور نہ لوگوں کو سال کا حساب معلوم ہو سکتا۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا وجعلنا اللیل والنہار اٰیتین فمحونا اٰیۃ اللیل وجعلنا اٰیۃ النہار مبصرۃ لتبتغوا فضلا من ربکم ولتعلموا عدد السنین والحساب الخ

جناب امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آفتاب کے لئے تین سو ساٹھ برج ہیں۔ (یعنی درجات یا مدارات ہیں) اسکا ہر برج مثل ایک جزیرہ کے ہے۔ جزائر عرب سے پس ہر روز یہ ایک برج میں نزول کرتا ہے پس جب غائب ہو جاتا ہے تو وسط عرش تک پہنچتا ہے۔ پھر برابر سجدہ (خضوع و خشوع) خالق میں رہتا ہے صبح تک اور پھر اپنے مطلع کیطرف واپس کر دیا جاتا ہے اور اس کے دو فرشتے رہتے ہیں۔ جو پکارتے رہتے ہیں۔ اسکا اگلا رخ اہل آسمان کیطرف ہے اور پشت اس کی

اہل زمین کیطرف ہے - اور اگر کہیں اسکا اگلا رخ اہل زمین کیطرف ہوتا تو زمین اور زمین پر رہنے والے اسکی شدت حرارت سے سب جل جاتے - اور آفتاب کے سجدہ کرنیکے وہی معنی ہیں جس معنی میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے الم تر ان اللہ یسجد لہٗ من فی السماوات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس "کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک پروردگار کو سجدہ کرتے ہیں تمام وہ جو آسمانوں میں ہیں اور تمام وہ جو زمین پر ہیں - اور سورج چاند ستارے پہاڑ درخت چوپائے اور بہت سے آدمی اُسے سجدہ کرتے ہیں ؛

دوسری نشانی :- وجود پروردگار عالم کی جو اس آیت میں مذکور ہے - ارض (زمین) ہے اسکی دلالت بھی وجود ذات باری عز اسمہٗ پر واضح و بیّن ہے - بشرطیکہ ذرا تامل و غور سے کام لیا جائے کیونکہ اسکا ایسا جسم ثقیل الوزن طویل القطر عظیم المحیط ہونا اور پھر فضا میں قائم رہنا کسی چیز پر اسکا سہارا نہ ہونا اور اُسپر اضافہ یہ کہ بڑے بڑے پہاڑوں - دریاؤں - حیوانات - نباتات اور معادن کا اٹھائے رہنا اور پھر بھی اسکا دھنس نہ جانا - یہ ایسے امور ہیں - جو صاف بتا رہے ہیں کہ کسی بڑی طاقت والے قادر مطلق کا حکم اسے اپنے مقام پر قائم کیے ہوئے ہے - ورنہ جبکہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسمیں مبدا میل مستقیم اسفل کیجانب ہے - جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے اور نیز یہ عنصر بہ نسبت اور عناصر کے کثیف و ثقیل ہے - تو کوئی وجہ نہیں کہ محیط آسمان کے بیچوں بیچ اسکا استقرار رہے حالانکہ نہ کوئی دلیل اس امر پر قائم ہوئی ہے کہ اسمیں بالنسبۃ فلکیات کے کوئی مقناطیسی قوت ہے اور نہ اسپر کہ فلکیات میں بالنسبۃ زمین کے کوئی جاذبہ طاقت ہے - سوائے اسکے کہ یورپ کے چند خیال بازوں نے جنکو لوگ فلاسفر کہتے ہیں - اپنے ذہنی تکے لگا کر یہ کہدیا ہے کہ ستاروں میں قوت مقناطیسی ہے جو اسے اپنی طرف کھینچے ہوئے ہے - میں کہتا ہوں کہ اگر واقعی ستاروں میں قوت مقناطیسی ہے - جو وہ زمین سی ثقیل الوزن چیز کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں - اور بنا بر ان کے دعوے کے ہر سال کچھ نہ کچھ زمین اوپر کیجانب اٹھتی جاتی ہے - تو لازم آتا ہے کہ وہ اجسام منفصلۂ ارضیہ جو وزن میں ہلکے ہیں - زمین سے اُڑ اُڑ کر ستاروں میں جا چمٹیں اور کم از کم یہی ہو کہ جو پتھر نیچے سے اوپر کیطرف پھینکا جائے وہی دوبارہ زمین پر واپس نہ آئے کیونکہ وہ زمین سے بلند ہو کر ستاروں سے قریب ہو گیا ہے - حالانکہ ہم اسکے برخلاف دیکھتے ہیں کہ وہ پھر جھٹ فقری کر کے زمین ہی پر گرتا ہے اگر اسکا یہ جواب دیا جائے کہ ازبسکہ ہر چیز اپنے مرکز کیطرف رجوع کرتی ہے اسلئے پتھر اوپر سے زمین ہی پر گرتا ہے - ستاروں سے جا کر چمٹ نہیں جاتا - تو اس کے جواب میں نہایت ادب سے یہ گزارش کیجائیگی - کہ حضرت یہ تو مسلّم ہے لیکن حضور کا تو یہ دعوے ہے کہ ستاروں میں قوت مقناطیسی ہے جس سے وہ اس کرۂ ارض ثقیلۃ الوزن والحجم ہی کو اپنی طرف گھسیٹے لیتے ہیں تو اتنے بڑے پتھر

کی کیا ہستی ہے۔ آخر اُسے کیوں نہیں گھسیٹ لیتے اور جبکہ خود زمین ہی بسبب کشش سیارات کے اپنا مرکز چھوڑ رہی ہے۔ تو اُس کے اجزائے منفصلہ کی کیا ہستی ہے۔ جو زناً اور جبراً ہر صورت سے اس سے ہلکے ہیں۔ اچھا اگر ہم بالفرض تسلیم بھی کرلیں کہ زمین اپنے جذب مرکزی سے اُس پتھر کو اپنی طرف کھینچتی ہے تو کم از کم یہ ضرور لازم آتا ہے کہ وہ پتھر نہ زمین پر گرے اور نہ ستارے سے جا لگے پھر فضا میں ٹھہرا رہے۔ کیونکہ سیارہ اُسے اپنی طرف جذب مقناطیسی سے کھینچ رہا ہے اور زمین اُسے اپنے جذب مرکزی سے پس دونوں قوتوں کا عمل تو اسیوقت متیقن ہو گا۔ جبکہ پتھر زمین پر واپس نہ آئے اگر پھر بھی آپ اسی سے مدد لینگے اور فرمائینگے کہ یہ قوت اُس قوت سے بڑھی ہوئی ہے۔ تو حضور کو یاد رہے کہ آپکا یہ دعویٰ پہلے ہی تشریف لیجائیگا کہ زمین ہر سال کسیقدر اوپر کو کھینچ جاتی ہے کیونکہ اگر یہ قوت اُس قوت سے مقاومت کر سکتی ہے تو کوئی وجہ حرکت زمین کی نہیں ہے۔ مع ذالک اس قول کی سفاہت اسی سے ظاہر ہے کہ سیارات میں مقناطیسی قوت جاذبہ ارض تسلیم کیجاتی ہے۔ کیونکہ اگر واقعاً یہ قوت ان سیاروں میں ہوتی۔ تو آجتک کب کی یہ زمین آسمان پر پہنچ گئی ہوتی۔ اس لئے کہ جسقدر سیارات ہیں۔ سوائے ماہتاب کے سب کے سب زمین سے بہت بڑے ہیں۔ مثلاً یہی ایک آفتاب ہے جو زمین سے قدیم تحقیقات کے مطابق ۳۲۸ یا ۱۳۰۰ گونہ بڑا ہے (جدید تحقیقات نے کچھ اور راگ گایا ہو گا) تو یقیناً اُسکی طاقت بھی زمین کی طاقت سے اتنی ہی زیادہ ہو گی پھر بھلا زمین کا جذب مرکزی اُسکو یہاں کب ٹھیر سکتا تھا پس اگر یہ قوت مقناطیسی سیارات میں ہوتی تو لامحالہ اہل یورپ نے ابتک بغیر غبارہ وغیرہ کی مدد کے عطارد تک پہنچکر وہاں کی بھی سلطنت پر قبضہ کر لیا ہوتا۔ بھلا یہ کب چوکنے والے تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ دعویٰ دعوائے محض اور بے دلیل ہے ؛

خلاصہ یہ کہ زمین ایک ایسی چیز ہے۔ چاہو اُسے زندہ کہلو اور چاہو مردہ دونوں معنی اسپر صادق آتے ہیں۔ مردہ تو اس لحاظ سے کہ اسمیں حس و ادراک نہیں۔ اسپر چلو پھرو۔ اسے کھودو۔ اسپر ہل چلاؤ اسپر گھوڑے دوڑاؤ گاڑی دوڑاؤ جسطرح سے چاہو اُسے کام میں لاؤ تمہیں مانع نہ ہو گی اور نہ خود اُسے کوئی تکلیف پہنچیگی۔ اور زندہ اس لحاظ سے ہے کہ جو ہیں اسپر مینہ برسا اُسیوقت جاندار چیزوں کو اپنے میں سے پیدا کر دیتی ہے کیسی کیسی سبزی۔ کیسے کیسے درخت۔ اور حشرات الارض اس سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے اس آیت میں یوں فرمایا گیا ہے۔ فاحیا بہ الارض بعد موتہا۔ نیز اسکا مدور ہونا بھی خاص حکمت رکھتا ہے اور وہ یہ کہ اگر یہ زمین مسطح ہوتی تو جسقدر اوپر سے مینہ برستا ہے۔ وہ سب اسی پر جمع رہتا۔ اور اب چونکہ مدور ہے۔ اس لئے صرف بقدر ضرورت تو اس میں جذب ہو جاتا ہے اور باقی اِدھر اُدھر بہکر دریاؤں اور سمندروں میں چلا جاتا ہے۔ چنانچہ جناب صادق علیہ السلام حدیث مفضل میں فرماتے ہیں ومن تدبیر الحکیم جل وعلا فی خلقۃ الارض ان

مھب الشمال ارفع من مھب الجنوب فلم يجعل الله عز و جل كذالك الا لتنحدر المياه على وجه الارض فيسقيها و ترويها ثم تفيض اخر ذالك الى البحر فكانما يرفع احد جانبی السطح و يخفض الاخر لينحدر الماء عنه و لا يقوم عليه كذالك جعل مھب الشمال ارفع من مھب الجنوب لھذه العلة بعينها و لو لا ذالك لبقى الماء متحيرا على وجه الارض فكان يمنع الناس من اعمالھا و يقطع الطرق والمسالك۔"

نیز اسکا ساکن ہونا بھی عجیب و غریب حکمت پر مشتمل ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر یہ متحرک رہتی کہ دنیا کے کار و بار میں خلل پڑ جاتا۔ نیند موقوف ہو جاتی۔ چلنا پھرنا دشوار ہو جاتا۔ جبکہ نہایت تیزی سے حرکت کرتی۔ جیسا کہ اہل یورپ کا دعویٰ ہے۔ دیکھئے اسی حکمت کو ہمارے مولا صادق آل محمدؐ نے حدیث مفضل میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔ (اے مفضل!) ثم فكر يا مفضل فی خلق ھذه الارض على ما ھی عليه حين خلقت راتبة راكنة فيكون موطنا مستقرا للاشياء فيتمكن الناس من السعی عليها فی ماربھم والجلوس عليها لراحتھم والنوم لھدؤھم والاتقان لاعمالھم فانھا لو كانت رجراجة متكفئة لم يكونوا يستطيعون ان يتقنوا البناء والنجارة والصياغة وما اشبه ذالك بل كانوا لا يتھنون بالعيش والارض ترتج من تحتھم۔ اے مفضل غور کرو اس زمین کی خلقت میں کہ مع اُن تمام چیزوں اور حالتوں کے جنکے ساتھ یہ زمین اسوقت موجود ہے۔ ثابت و ساکن پیدا کیگئی۔ تاکہ یہ تمام چیزوں کے رہنے کی جگہ ہو سکے۔ اور انسان بھی اپنی ضرورتوں کے واسطے اسپر چلنے میں اور اپنے آرام کے لئے اسپر بیٹھنے اور سکون حاصل کرنے کے لئے اسپر سونے میں اور اپنے کاموں کو عمدہ بنا سکنے میں قادر ہو سکیں۔ کیونکہ اگر یہ متحرک اور اُلٹتی پلٹتی رہتی۔ تو انسانوں سے یہ ممکن نہ ہو سکتا کہ عمارت اور نجاری اور ظروف سازی وغیرہ اچھی طرح کر سکیں۔ ایسی حالتمیں کہ زمین اُنکے پاؤں کے نیچے حرکت کر رہی ہو اپنی زندگی بھی بآرام نہ بسر کر سکتے۔

غرضیکہ ایسی ایسی حکمتوں پر جو چیز مشتمل ہو اُسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکا کوئی بنانے والا نہیں ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ جسطرح آسمان کی ساخت اور اُسکی حکمتیں وجود باری تعالیٰ کی دلیلیں ہیں۔ اُسیطرح زمین بھی اپنی تمام حالتوں اور کیفیتوں سے اپنے صانع قدیر کے وجود کا بزبان حال اقرار کر رہی ہے سنريھم اياتنا فی الافاق و فی انفسھم حتى يتبين لھم انه الحق" خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم دکھلائینگے اپنی نشانیاں جہان کے چاروں طرف اور خود انسانوں کے اندر (یعنی جو جو عجائب و غرائب صنعتیں جسم انسان میں صرف کی گئی ہیں) تاکہ اُنہیں صاف معلوم ہو جائے کہ وہی معبود برحق سچا معبود ہے" ان نشانیوں سے یہی دنیا کی چیزیں زمین آسمان۔ رات دن۔ موالید

وعناصر - اعراض وجواہر - ارواح واجسام مراد ہیں جنمیں سے ہر ایک چیز لاکھوں صنعتوں کے ساتھ
بلند آواز سے پکار کر کہ رہی ہے - کہ ہم ایک بڑے حکیم مدبّر کی پیدا کی ہوئی ہیں - ہرگز آپ سے آپ
ہمارا وجود نہیں ہوا ہے -

تیسری نشانی وجود صانع عالم کی رات اور دن کا اختلاف یعنی آمد ورفت اور یکے بعد (۳)
دیگرے انکا توارد ہے - انمیں بھی عجیب عجیب حکمتیں ہیں جو بجبر انسان سے اس بات کا اقرار لیتی ہیں -
کہ خالق عالم وہ موجود ازلی ہے جسکی حکمتوں کی کوئی انتہا نہیں - منجملہ انکے یہ ہے کہ آفتاب وماہتاب
اسطرح پر مسخر ومطیع فرمان ہیں - کہ برابر انکا ایکطرح سے طلوع وغروب وغروب وطلوع ہوتا رہتا ہے
آخر وہ کون ہے - جس نے اتنے بڑے جرم کروی کو ایسی سریع حرکت دی جو ایک منٹ نہ پیچھے رہ
سکتا ہے - اور نہ مقدار معین سے ایک منٹ آگے جا سکتا ہے - بلکہ خاص خاص اوقات معینہ پر
طلوع وغروب کرکے رات اور دن کو حادث کرتا رہتا ہے ؛

نیز عالم کی حالت تین حالتوں میں سے ایک ضرور ہوتی بلکہ ہونی چاہیے تھی - اور یہی وہ تین
حالتیں ہیں جنکے لئے چوتھی نہیں ہے یا ہمیشہ روشنی ہی روشنی رہتی - یا ہمیشہ تاریکی ہی تاریکی
رہتی - یا روشنی اور تاریکی دونوں رہتیں - پہلی دو حالتیں تو کسیطرح مخلوقات سفلیہ کے مناسب حال
ہی نہ تھیں - کیونکہ اگر ہمیشہ روشنی رہتی - تو وہ فائدہ جو اب بارہ یا تیرہ یا چودہ گھنٹوں کے بعد مثلاً تاریکی
آجانے سے ہے حاصل نہ ہوتا - کیونکہ اس صورت میں تو دن بھر کے کام سے تھکے تھکائے آدمی یا
طلب آب وگیاہ میں دوڑے دھوپے ہوئے جانور اندھیرا چھا جانے سے اپنے اپنے مسکنوں میں
آرام لیتے اور تمام روز کی تھکن کو دفع کرتے ہیں - پس اگر ہمیشہ روشنی ہی روشنی رہتی تو نہ آدمی اپنا
کاروبار چھوڑ کر سونے کے لئے جاتے اور نہ جانور آب وگیاہ چھوڑ کر اپنے مسکنوں کی طرف واپس آتے
حرص طبیعتوں پر غالب آتا اور آخر نتیجہ یہ ہوتا کہ آدمی کام کرتے کرتے تھک کر تلف ہو جاتے -
اور جانور کھاتے کھاتے اور پیتے پیتے تخمہ اور بدہضمی میں مبتلا ہو کر مر جاتے - نیز یہ بھی ضرور ہوتا
کہ دھوپ کی گرمی تمام اشیاء کو سوختہ کر دیتی - اور اسطرح سخت نقصان پہنچتا - اور اگر ہمیشہ
تاریکی رہتی تو ہزاروں خرابیاں ہوتی - جنمیں ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کاروبار سے معطل ہو جاتے
اور حیوانات بھی آب وگیاہ سے - لہذا مناسب ہوا - کہ ایک حصّہ زمانہ کا روشن کیا جائے -
اور دوسرا حصّہ تاریک - تاکہ احوال عالم برابر منتظم رہیں - **فائدہ** - رات اور دن اگرچہ یکے
بعد دیگرے آتے جاتے ہیں اور یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ انمیں کون مقدم ہے اور کون مؤخر
مگر احادیث اہلبیت طاہرین ؑ سے اسکا پتہ چلتا ہے - چنانچہ ایک حدیث صاحب مجمع البیان
نے اس مضمون کی تفسیر عیاشی سے نقل فرمائی ہے - العیاشی باسنادہٖ عن الاشعث بن

حاتم قال کنت بخراسان حیث اجتمع الرضا والفضل بن سہل والمامون فی الایوان الحمیری بمرو فوضعت المائدۃ فقال الرضا ان رجلا من بنی اسرائیل سألنی بالمدینۃ فقال النہار خلق قبل ام اللیل فما عندکم فاداروا الکلام فلم یکن عندہم فی ذلک شیٔ فقال الفضل للرضا اخبرنا بہا اصلحک اللہ قال نعم من القرآن ام من الحساب قال لہ الفضل من جہۃ الحساب فقال قد علمت یا فضل ان طالع الدنیا السرطان والکواکب فی مواضع شرفہا فزحل فی المیزان والمشتری فی السرطان والشمس فی الحمل والقمر فی الثور وذلک یدل علی کینونۃ الشمس فی الحمل فی العاشر من الطالع فی وسط السماء فالنہار خلق قبل اللیل واما فی القرآن فہو فی قولہ تعالیٰ لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النہار ای قد سبقہ النہار ڈ۔ عیاشی نے اپنی سند سے اشعث بن حاتم سے روایت کی ہے کہ میں خراساں میں اُس وقت موجود تھا جبکہ امام رضا علیہ السلام اور فضل بن سہل اور ماموں ایوان حمیری میں مقام مرو میں تھے۔ دسترخوان بچھایا گیا۔ امام علیہ السلام نے یوں گفتگو شروع کی کہ مجھ سے ایک اسرائیلی نے مدینہ میں دریافت کیا کہ دن پہلے پیدا کیا گیا یا رات تم لوگ اس معاملہ میں کیا کہتے ہو پس لوگ گفتگو کرنے لگے مگر کسی نے کوئی معقول بات نہ کہی۔ اُسوقت فضل نے امام علیہ السلام سے عرض کی کہ خدا تعالیٰ آپکو اصلاح عطا فرمائے تمہیں بتائیے کہ انمیں سے کون مقدم ہے کون موخر۔ آپنے فرمایا قرآن سے بیان کروں یا قاعدہ ہئیت سے۔ فضل نے کہا قاعدہ ہیئت سے بیان فرمائیے۔ آپنے فرمایا اے فضل تم جانتے ہو۔ کہ دنیا کا طالع سرطان ہے یعنی جب دنیا پیدا ہوئی تھی تو اُسوقت کا طالع سرطان تھا۔ اور تمام ستارے اپنے اپنے شرف کے مقام میں تھے۔ زحل تو میزان میں تھا اور مشتری سرطان میں آفتاب برج حمل میں۔ چاند برج ثور میں۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب برج حمل کے طالع کے دسویں درجے میں وسط آسمان پر رہا ہوگا۔ تو لامحالہ دن کی خلقت رات سے پہلے ہوئی لیکن قرآن مجید کے رو سے تو یہ آیت ہے لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر۔ الخ یعنی دن رات سے سابق ہے ملاحظہ ہو یہ بیان جو صادق آل محمدؐ نے ان دونوں کے متعلق مفضل سے فرمایا ہے۔ اور میں نے اسے مشرح طور پر کتاب توحید الائمہ میں درج کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ فکر یا مفضل فی طلوع الشمس وغروبہا لاقامۃ دولتی النہار واللیل فلولا طلوعہا لبطل امر العالم کلہ فلم یکن الناس یسعون فی معایشہم ویتصرفون فی امورہم والدنیا مظلمۃ علیہم ولم یکونوا یتہنّؤا بالعیش مع فقدہم لذۃ النور وروحہ والارب فی طلوعہا ظاہر مستغن بظہورہ عن الاطناب فی ذکرہ والزیادۃ فی شرحہ بل تامل بالمنفعۃ فی غروبہا فلو لم یکن غروبہا لم یکن للناس ہدءٌ ولا قرار مع عظم

حاجتهم الى الهدوء والراحة لسكون ابدانهم وجموم حواسهم وانبعاث القوة الهاضمة لهضم الطعام وتنفيذ الغذاء الى الاعضاء ثم كان الحرص يستحملهم من مداومة العمل ومطاولته على ما يعظم نكايته فى ابدانهم فان كثيرا من الناس لو لا جثوم هذا الليل لظلمة عليهم لم يكن لهم هدو ولا قرار حرصا على الكسب والجمع والادخار ثم كانت الارض تستحمى بدوام الشمس بضيائها وتحمى كلما عليها من حيوان ونبات فقدرها الله بحكمته وتدبيره تطلع وقتا وتغرب وقتا بمنزلة سراج يرفع لاهل البيت تارة ليقضوا حوائجهم ثم يغيب عنهم مثل ذلك ليهدأوا ويقروا وصار النور والظلمة مع تضادهما منقادين متضاهرين على ما فيه صلاح العالم وقوامه" یعنی اے مفضل طلوع آفتاب اور غروب آفتاب میں غور کرو جو دولت شب و روز کے قائم کرنیکے لئے ہیں۔ پس اگر طلوع آفتاب نہ ہوتا تو عالم کا معاملہ باطل و برباد ہو جاتا۔ آدمی نہ اپنے معاش میں کوشش کر سکتے۔ اور نہ اپنے امور میں تصرف کر سکتے۔ جبکہ دنیا انکی آنکھوں کے سامنے تیرہ و تار رہتی۔ اور نہ وہ اپنی زندگانی سے خوش ہو سکتے۔ جبکہ انکو لذت نور اور راحت روشنی ہی نہ ملتی (غرض) آفتاب کے طلوع کی حاجتیں تو ظاہر ہیں۔ اسکے بیان میں طول دینے اور زیادہ شرح کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اے مفضل اب تم اسکے غروب کے معاملہ میں غور کرو۔ پس اگر غروب آفتاب نہ ہوتا۔ تو آدمیوں کو سکون و قرار ہی نہ ہو سکتا۔ باوجودیکہ انکو اپنے بدنوں کے تئیں ساکن کرنے اور اپنے حواس کو ٹھیرانے اور ہضم غذا کیواسطے قوت ہاضمہ کے برانگیختہ کرنے اور اعضا میں غذا کے نفوذ کرانے کے لئے سکون و راحت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ پھر اگر غروب آفتاب نہ ہوتا تو حرص اور لالچ انکو برابر کام کرتے رہنے پر آمادہ کرتا جس سے انکے اجسام میں بڑی خرابی واقع ہوتی۔ کیونکہ اکثر آدمیونکی یہ حالت ہے کہ اگر رات کی تاریکی نہ ہو تو انکو بسبب حرص کسب معاش اور جمع مال اور ذخیرہ کرنیکے سکون و قرار ہی نہو۔ پھر (اگر آفتاب ہمیشہ روشن رہتا تو) آفتاب کی روشنی کے سبب سے زمین برابر گرم رہا کرتی۔ اور تمام وہ چیزیں تپتی رہتیں۔ جو روئے زمین پر ہیں خواہ حیوانات ہوں یا نباتات۔ لہذا خدا تعالی نے اپنی حکمت سے ایسا مقدر و معین کر دیا ہے کہ آفتاب ایک وقت میں طلوع کرے دوسرے وقت میں غروب کرے جیسے چراغ ہوتا ہے کہ کبھی تو اہل خانہ کی ضرورتوں کے واسطے روشن کیا جاتا ہے اور پھر اسی طرح بجھا دیا جاتا ہے تاکہ انکو سکون و قرار ہو سکے (دیکھو کہ) نور اور ظلمت دونوں ہی باوجود متخالف الجنس ہونے کے کیسے منقاد و مطیع ہیں۔ اور مدد پہنچا رہے ہیں۔ ان امور پر جنمیں عالم کے لئے صلاح و قوام ہے"

(۴) چوتھی نشانی۔ وجود صانع عالم کی والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وہ کشتی

ہے جو پانی پر نفع رسانی انسان کے لئے چلتی ہے۔ اسمیں دلیل وجود خالق کی یہ ہے۔ کہ لکڑی اور پانی دونوں ہی اس صورت پر واقع ہوئے ہیں با وجود اختلاف طبائع کے۔ ایک دوسرے کا متحمل ہو سکتا ہے۔ لکڑی میں یہ طاقت پیدا کیگئی کہ وہ پانی پر تیرتی رہے۔ اور پانی میں یہ قوت دیگئی کہ وہ لکڑی کو اٹھائے رہے۔ اور پھر اسمیں ایسا سیلان رکھا گیا کہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر لکڑی منتقل ہوتی رہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیگئی بلکہ ایک تیسری چیز اور بنائی گئی جو اس نقل و تحویل میں مدد دے سکے۔ یعنی ہوا جو پانی کو زور سے متحرک رکھتی ہے اور کشتی کو چلاتی ہے۔ اگر ہوا نہ ہوتی تو کشتی میں بادبان لگانے سے کیا فائدہ ہوتا۔ اور جس سرعت سے اب کشتی چل سکتی ہے۔ بغیر ہوا کی مدد کے کیونکر اس تیزی سے چل سکتی۔ تو اب غور کرنا چاہیئے کہ کس نے یہ سمجھا تھا۔ کہ آدمیوں کو اس بات کی ضرورت ہوگی۔ کہ ایک ملک سے دوسرے میں تبادلہ خیالات یا صیغہ تجارات۔ یا حج و زیارات کے لئے پانی کے ذریعے جائینگے۔ لہذا لکڑی کو اسطرح پر بنانا چاہیئے کہ وزن اسکا پانی کے وزن سے ہلکا ہو تا کہ اُسے تراش کر قابل نشست اور قابل حمل اشیائے تجارتی مستطیل یا مدور یا مربع شکل میں جس صورت سے لوگ چاہیں بنا سکیں۔ اور پانی اسطرح کا بنانا چاہیئے کہ اسمیں قوت تحمل اشیائے ثقیلہ ہو۔ اور پھر اسمیں قوت سیلان پیدا ہونی چاہیئے جس سے کشتی اُسپر چل سکے اور یہی نہیں۔ بلکہ اُسمیں ہر وقت تموج رہنا چاہیئے۔ کہ کشتی کے چلنے میں مدد مل سکے۔ اور پھر ایسی ہوا بھی پیدا کرنی چاہیئے۔ جو تیزی سے کشتی کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچا سکے۔ اور پھر کس نے انسان کو یہ عقل دی اور کس نے سکھایا کہ لکڑی اور پانی سے یہ کام لیا جا سکتا ہے اور کس نے بتایا کہ اگر اس صورت کی ایک چیز بنائی جائیگی تو وہ پانی پر چلنے آدمیوں کو اٹھائے رہنے۔ اسباب گراں وزن کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لیجانے میں مدد دیگی۔ اُسی نے جس نے انسانوں کے جد اعلےٰ حضرت نوحؑ کو یہ وحی کی تھی کہ واصنع الفلک باعیننا و وحینا ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انہم مغرقون۔ اور اُسی نے جو فرماتا ہے کہ حملنا کم علےٰ ذات الواح و دُسُر۔ اور اسی نے جس نے اسپر سوار ہونے کا طریقہ یوں تعلیم فرمایا کہ ارکبوا فیھا بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا اور اسی نے جس نے اسپر سے اترنے کی یوں تعلیم دی کہ یا نوحُ اھبط بسلام منا و برکات علیک و علےٰ امم معک" (سورہ ہود ع ۳) اور اسی نے جو فرماتا ہے۔ ومن آیاتہ ان یرسل الریاح مبشرات ولیذیقکم من رحمتہ ولتجری الفلک بامرہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون" اور اسی نے جو فرماتا ہے الم تر ان الفلک تجری فی البحر بنعمۃ اللہ لیریکم من آیاتہ ان فی ذالک لآیات لکل صبار شکورا" پھر کیا عجائب حکمت و غرائب صنعت اس امر کو نہیں بتاتے کہ ضرور بالضرور ہماری آنکھوں سے

مخفی کوئی ایسا مدبر حکیم صناع و خلاق رحمان و رحیم بھی ہے۔ جس نے ہماری ضرورتوں کی چیزوں کو ہمارے سوچنے سے پہلے ہی نہایت متانت اور استحکام کے ساتھ پیدا کر دیا ہے۔ کیا لکڑی بیچاری آپ سے آپ پیدا ہو سکتی تھی۔ اور کیا اسکی طبیعت اس امر کو سمجھ سکتی تھی۔ کہ اُسے ایسا بنائے۔ جس سے وہ پانی پر چل سکے اور کیا پانی کی طبیعت نے پہلے اس بات کو غور کیا تھا۔ کہ مجھ پر کشتی چلیگی لہذا مجھے ایسا ہونا چاہیئے ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں!! فسبحان اللہ عما یصفون۔ دیکھئے اسی مطلب کو صادق آل محمد جو اکمل معلمین دروس معرفت اور اشرف ملقنین اسباق حکمت ہیں۔ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔ حدیث مفضل از بحار۔ ومن جسیم المصالح فی الخشبة انه یطفو علی الماء فکل الناس یعرف هذا منه ولیس کلهم یعرف جلالة الامر فیه فلولا هذه الخلة کیف کانت هذه السفن والاظراف تحمل امثال الجبال من الحمولة والی کان ینال الناس هذا الوفق وخفة المؤنة فی حمل التجارات من بلد الی بلد وکانت تعظم المؤنة علیهم فی حملها حتی یلقی کثیر مما یحتاج الیه فی بعض البلدان مفقوداً اصلاً او عسراً وجوده۔ یعنی لکڑی میں بہت بڑی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ وہ پانی پر ابھری رہتی ہے۔ اور تمام آدمی اسبات کو جانتے ہیں لیکن ہر شخص اسکی جلالت قدر کو نہیں جانتا۔ پس اگر یہ صفت اسمیں نہ ہوتی۔ تو کیونکر یہ کشتیاں اور بجریاں پہاڑوں جیسے بوجھ کو اُٹھا سکتیں۔ اور کہاں سے آدمی کو یہ آسانی اور کمی مشقت اشیائے تجارتی کی ایک شہر سے دوسرے شہر کیطرف لیجانے میں ہوتی (بلکہ) انہیں بڑی مشقت اُنکے لیجانے میں پڑتی (اگر لکڑی میں یہ صفت نہ ہوتی اور اس سے کشتی نہ بن سکتی) یہانتک کہ اکثر ضرورتوں کی چیزیں بعض بعض شہروں میں یا بالکل مفقود ہوتیں یا دشواری سے دستیاب ہو سکتیں" (اور اب کہ کشتی بن سکتی ہے۔ تو نہایت آسانی سے وہ چیزیں ایک شہر سے دوسرے شہر کیطرف جا سکتی ہیں:

پانچویں نشانی وجود صانع عالم کی آسمان سے مینہ برسانا۔ اور اُس سے زمین کو زندہ کرنا ہے۔ اس (۵)
میں بھی عجایب حکم ودیعت کئے گئے ہیں۔ جو تمامہا نہ بیان میں آسکتے ہیں۔ اور نہ کسی ایک آدمی کو سوائے اُن لوگوں کے جو تعلیم گاہ الٰہی کے تعلیم یافتہ ہیں معلوم ہو سکتے ہیں مگر مختصر آیہ کہ پانی ایک عجیب نعمت الٰہیہ ہے جسکے بعض فوائد یہ ہیں ۱ے یہ کہ پانی وہ چیز ہے جس سے خلقت و بقائے مخلوقات سفلی۔ اور انکی حیات ہے وجعلنا من الماء کل شیء حی افلا تعقلون۔ دیکھئے کہ اگر حیوانات پیدا ہوتے ہیں۔ تو اسی پانی سے مع ترکیب دیگر عناصر۔ اگر نباتات پیدا ہوتے ہیں تو اسی سے اور اگر جمادات پیدا ہوتے ہیں تو اسی سے۔ آپنے پڑھا ہوگا۔ کہ سونا۔ چاندی۔ یاقوت۔ زمرد۔ زبرجد۔ ہیرا۔ پکھراج۔ نیلم۔ پارہ۔ گندھک شورہ وغیرہ معدنیات اُسیوقت پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ زمین کے اندر جذب شدہ پانی ایک عرصے تک وہاں ٹھیرا رہتا ہے۔ اور اسمیں اجزا ارضیہ ملجاتے ہیں۔ زمین کے بخارات اور آفتاب کی گرمی انمیں اثر کرتی ہے۔ اور ایک مدت تک وہ پانی مع اُن اجزا کے جو اُس سے مخلوط ہو گئے ہیں۔ اُسی مقام

پر موجود رہتا ہے۔ تو کبھی اس سے سونا پیدا ہو جاتا ہے۔ اور کبھی چاندی۔ کبھی پارہ۔ کبھی ابرک۔ کبھی یاقوت کبھی فیروزہ۔ وغیر ذالک۔ اور یہ اختلاف اُن قوتوں کے اختلاف کے سبب سے ہے جو اسمیں شامل ہوتی ہیں۔ مثلاً کسی میں کبریتی اجزا زیادہ ہیں کسی میں زیبقی اجزا زیادہ ہیں۔ کسی میں ملحی اجزا زیادہ ہیں کسی میں حرارت کم پہنچی اور پورا نضج نہ ہو سکا۔ کسی میں ضرورت سے زیادہ حرارت پہنچ گئی تو وہ جل اُٹھا کسی میں معتدل حرارت پہنچی۔ تو وہ پختگی کی حد کو پہنچ گیا۔ مثلاً پارہ ہے کہ یہ اُسوقت پیدا ہوتا ہے جبکہ آبی اور خاکی بخارات باہم اسطرح سے ملجاتے ہیں کہ مقدار آبی بخارات کی خاکی بخارات سے زیادہ ہوتی ہے اور بعد آمیزش و نضج کے حرارت آفتاب سے بخار آبی منعقد اور بستہ ہو جاتا ہے۔ یا سونا مثلاً ہے کہ گندھک اور پارہ کے شفاف وصاف اجزا جنکی ترکیب بھی اُنہیں بخارات آبی وخاکی سے ہوتی ہے جب آپسمیں خوب مختلط ہو جاتے ہیں۔ بشرطیکہ جوہر ان دونوں کے ایک دوسرے پر غالب نہوں۔ اور بعد آمیزش کے کامل طور پر نضج پاجانے اور نہایت متشابہ الاجزا ہونے چاہئیں۔ اور پھر انہیں خارجی برودت اثر کرتی ہے۔ تو بستہ ہو کر سونا بنجاتے ہیں۔ اور چونکہ برودت خارجیہ کے سبب سے انکا انعقاد ہوا ہے اسی سبب سے آگ کی گرمی پاکر گداختہ بھی ہو جاتے ہیں۔ اور چاندی کے پیدا ہونیکی بھی یہی ترکیب ہے۔ لیکن صرف فرق یہ ہے کہ سونے میں جو برودت عاقدہ پہنچی ہے۔ وہ بعد کمال نضج و پختگی کے پہنچی ہے اسلیئے اُسکا رنگ سُرخ ہے۔ اور چاندی میں ابھی اُتنی پختگی نہیں آئی تھی۔ اور حرارت نے پورا عمل نہیں کیا تھا۔ کہ برودت نے اُسکو بستہ کر دیا۔ اسوجہ سے اُسکا رنگ سفید رہگیا۔ یا مثلاً لوہا ہے۔ کہ یہ بھی کبریت وسیماب کے بخارات ناصافی سے مرکب ہوتا ہے۔ مگر اول ہی سے اسکے اجزا غیر نضج یافتہ ہوتے ہیں۔ اور بعد ترکیب و امتزاج کے بھی خام ہوتے ہیں کہ برودت آکر انہیں بستہ کر دیتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بھی اجسام جمادات ہیں۔ جنکو اگر بطور تفصیل و تحقیق بیان کیا جائے۔ تو یہی بیان ایک بڑا دفتر بنکر فن کیمیا کی عظیم الشان کتاب ہو جائے۔ لہذا اختصار سے کام لیا گیا۔

نباتات کا پانی سے پیدا ہونا اور پانی ہی سے انکی زندگی ہونی اور پانی ہی سے انکا باقی رہنا۔ اور پانی ہی کی بدولت انہیں پھل پھول لگنے یہ ایک ایسی بات ہے جسکے مفصل بیان کرنیکی ضرورت نہیں علیٰ ہذا القیاس۔ حیوانات کی خلقت بھی اسی سے ہے۔ اگر حشرات الارض ہیں تو اسی کی مدد سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر آبی جانور ہیں۔ جیسے مچھلیاں تو اسی کی مدد سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر خاکی جانور ہیں تو بھی اسی کے ذریعے سے وجود میں آتے ہیں۔ اگر فضا کے جانور ہیں تو اسی کے ذریعے سے۔ اور اگر حضرت انسان کو دیکھئے تو اسی کے ذریعے سے خلق الانسان من ماء دافق بین الصلب و الترائب۔ اگر تھوڑے عرصے کیلئے ان ذی حیاتوں سے پانی کے سلسلے کو قطع کر دیا جائے تو ہرگز باقی نہ رہ سکتے۔ حیوانات پیاس سے مرجائیں۔ اور نباتات فوراً خشک ہو جائیں۔ پھر نہ روئے زمین پر انسان رہے۔ نہ اور کوئی حیوان۔ نہ نباتات رہیں۔ اور نہ استعمال میں لانے والے۔

۲- فائدہ یہ ہے کہ پانی ہی وہ چیز ہے جو زمین کی کثافتوں کو دھو دیتی ہے۔ اسی سے زمین کے اُٹھتے ہوئے فاسد بخارات ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ اسی سے گندگی دفع ہوتی ہے۔ اسی سے راہیں صاف ہو جاتی ہیں۔ اور اسی سے ارضی بیماریاں دفع ہوتی ہیں ؛

۳- فائدہ یہ ہے کہ پانی ہی وہ چیز ہے جس سے انسانوں کو باطنی اور ظاہری طہارت حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر گندگی لگی ہو تو اس سے دھو کر صاف کر ڈالو۔ اور اگر باطنی نجاست مثل جنابت وحیض کے حاصل ہوا ہو تو اس سے اُسکی طہارت کر لو۔ وانزلنا من السماء ماءً طھوراً۔ یعنی طاہر فی نفسہ ومطہر الغیرہ" اسپر شاہد ہے ؛

۴- فائدہ تفریح ہے اور دفع کسل۔ اگر آدمی تھکا ہوا ہو تو اس سے ہاتھ مُنہ دھو کر فرحت حاصل کر سکتا اور کسل کو اپنے دفع کر سکتا ہے ؛

۵- اسی کے ذریعے سے انسان سخت سے سخت چیز کو نرم کر سکتا ہے۔ کبھی انسان کھانا نہیں پکا سکتا اگر اُسکے پاس پانی نہ ہو ؛

۶- یہی وہ چیز ہے جسکو ہر صورت سے استعمال میں لا سکتا ہے اسی کو گرم سے گرم کر کے استعمال کرو چاہو سرد سے سرد بنا کر کام میں لاؤ ؛

۷- اسے ہر طرح اپنی دواؤں میں استعمال کر سکتے ہیں۔ کبھی شرباً۔ کبھی تکمیداً۔ کبھی ضماداً۔ کبھی غسلاً۔ کبھی بطور آبزن۔ کبھی بطور احتقان۔ دیکھئے کہ عقل والوں نے اسے کہاں تک وسعت دی ہے۔ اور کتنی صورت اس سے معالجہ کرنیکی نکالی۔ اسی آفتاب کی شعاعیں مختلف حیثیتوں سے ڈالکر مختلف امراض میں استعمال کرتے ہیں۔ اور اسی کو آگ کے بخارات سے گرم کر کے بیشتر معالجات میں کام میں لاتے ہیں ؛

۸- اسی پانی کو ایسا بنایا گیا ہے کہ ہر وقت بھی ہمارے پاس رہ سکے۔ اور نہ بھی رہ سکے۔ جسوقت ضرورت ہو اُسے اپنے سے قریب کر سکتے ہیں۔ اور جب ضرورت نہ ہو اپنے سے دور کر سکتے ہیں جب ہمیں ضرورت ہوتی ہے۔ تو دریاؤں۔ نہروں اور تالابوں سے اسے کھینچ کر اپنی زراعتوں اور باغوں میں لاتے ہیں۔ اور جب چاہتے ہیں اسکا سلسلہ منقطع کر دیتے ہیں۔ بلکہ تدبیر حقیقی ہی نے ایسا کیا ہے کہ ہر وقت ہمارے سر پر موجود نہیں رکھا ہے۔ بلکہ اُسکی خاص خاص فصلیں مقرر کر دی ہیں۔ کہ انہیں اسکا نزول اور کثرت ہو۔ تاکہ اوقات معینہ پر اس سے کامل انتفاع حاصل کیا جا سکے۔ اور اسکی بارش بیکار رو بہہ نہ جائے۔ اور ہر وقت کی ضرورتوں کے واسطے اسکا ایک بڑا ذخیرہ ہمارے پاس موجود کر دیا ہے جس سے مراد دریا و تالاب وغیرہ ہیں ؛

۹- اسی کے ذریعے سے ہم اپنی کشتیوں کو چلا سکتے۔ اور سیر و سیاحت کر سکتے۔ اور اشیائے تجارت

لے آ اور لیجا سکتے ہیں۔ اگر پانی نہ ہوتا۔ تو ہم خود اپنی پیٹھوں پر ان چیزوں کو اس کثرت سے ایک ملک سے دوسرے ملک میں جو لاکھوں میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہنچا سکتے تھے؟ یا ہمارے جانور ان کی مسافت طے کر سکتے تھے؟ اور اگر طے بھی کر لیتے۔ تو کیا سخت زحمت و تکلیف ہمیں نہ پہنچتی؟ بخلاف اسوقت کے کہ ہر طرح کی ہمکو اس سے آسانی ہو گئی ہے؛

۱۰- اسی نے تمام قدیم و جدید ریفارمروں کے جو منجانب اللہ آنے کا دعویٰ کرتے تھے ان اقوال کو صحیح ثابت کر دیا جو معاملہ حشر و نشر میں وہ ہم سے بیان کرتے تھے یا بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ جب یہ خشک زمین پر گرتا ہے جو بالکل مردہ ہو گئی ہو تو اُسمیں جان تازہ ڈال دیتا ہے اور اُسکو پھر اس قابل بنا دیتا ہے کہ اُس سے جاندار چیزیں نکالی جائیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اگر مرے ہوئے مینڈک کی بوسیدہ مٹی کو تالاب کی مٹی میں ملا کر رکھ لو اور جب مینہ برسے اُسے صحن میں ڈال دو تو اُسی مٹی سے صبح کے وقت تمہیں ہزاروں مینڈکیاں کودتی اور اچکتی ہوئی ملینگی۔ اور کیا تم نے دیکھا نہیں کہ ادھر مینہ برسا اور سینکڑوں کیڑے جنکے تخم اور اجزا سوکھ کر مردہ ہو گئے تھے وہ صرف ایک دن کے مینہ برسنے سے جی اُٹھے اور اُڑنے لگے۔ اور کیا یہ نہیں دیکھا ہے کہ بالکل بے آب زمین جبکہ اُسنے بارش کا پانی پایا فوراً اپنے اندر سے اُسنے لہلہاتے سبزے نکال دیئے۔ پس معلوم ہوا کہ جب اسطرح مُردوں کا جی اُٹھنا آج ممکن ہے تو کل کیوں نہ ممکن ہوگا۔ قال من یحیی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم ؕ واللہ الذی ارسل الریاح فتثیر سحابا فسقناہ الی بلد میت فاحیینا بہ الارض بعد موتھا کذلک النشور ؕ

فائدہ صحیح رائے یہی ہے کہ پانی اصل مرکبات ہے۔ یعنی جسقدر بھی مرکبات ہیں خواہ عنصریہ ہوں۔ خواہ فلکیہ ہوں۔ سب کی اصل پانی سے ہے اور اس خیال کی ایک انسانی اور دو الہی رائیں ہیں جن کا غلط ہونا ناممکن ہے

۱- دنیا میں سب سے پہلا شخص جو حکیم کہا گیا اور جس نے مصر میں علوم فلسفیہ حاصل کر کے ملطیہ کیطرف ہجرت کی وہ حکیم ثلو طرخیس ہے۔ اُسکی رائے ہے کہ اصل مرکبات پانی ہے۔ چنانچہ صاحب ملل و نحل نے اُسکی رائے نقل کی ہے (جلد دوم ملل و نحل ابن حزم ظاہری و برحاشیہ ملل شہرستانی صفحہ ۹) قال ان اصل المرکبات ھو الماء فاذا تخلخل صار ھوآء واذا تکاثف تکاثفا مبسوطا صار ارضا؛

۲- حکیم الہی۔ اعرف العرفاء و اعلم العلماء و راس الحکماء مولانا امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ (نہج البلاغۃ صفحہ ۱۴ مطبوعہ بیروت) ثم انشا سبحانہ فتق الاجواء و شق الارجاء و سکائک الھواء۔ فاجری فیھا ماء متلاطما تیارہ۔ متراکما زخارہ۔ حملہ علی متن الریح

العاصفة والزعزع القاصفة فامرها بردہ۔ وسلطها علی شدہ۔ وقرنها الی
حدہ۔ پھر فرماتے ہیں حتی عب عبابہ۔ ورمی بالزبد رکامہ۔ فرفعہ فی ھواء
منفتق۔ وجو منفهق۔ فسوی منہ سبع سماوات جعل سفلاھن موجا مکفوفا
وعلیاھن سقفا محفوظا۔ وسمکا مرفوعا۔ بغیر عمد یدعمها۔ ولا دسار ینتظمها

دوسرے مقام پر ایک خطبہ میں فرماتے ہیں (نہج البلاغۃ صـ۲۳۲) وکان من اقتدار جبروتہ
وبدیع لطائف صنعتہ ان جعل من ماء البحر الزاخر المتراکم المتقاصف یبسا
جامدا ثم فطر منہ اطباقا ففتقها سبع سماوات بعد ارتتاقها فاستمسکت بامرہ
وقامت علی حدہ وارسی ارضا یحملها الاخضر المثعنجر والقمقام المسخر الخ

فائدہ۔ کتاب خصال میں مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ چار نہریں جنت کی ہیں۔ فرات۔ نیل۔
سیحان اور جیحان۔ پس فرات تو پانی کی نہر ہے دنیا وآخرت میں اور نیل شہد کی نہر ہے۔ اور سیحان
شراب کی اور جیحان دودھ کی (یعنی جنت میں)

اور در منثور سیوطی میں مروی ہے کہ رسولخدا نے فرمایا کہ جنت سے پانچ نہریں آئی ہیں۔ ایک
سیحون جو ہندوستان میں ہے۔ اور جیحون جو بلخ کی نہر ہے۔ اور دجلہ اور فرات جو عراق کی نہر ہے اور
نیل جو مصر کی نہر ہے۔ ان سب کو خدا تعالی نے جنت کے ایک چشمہ سے جبرئیل علیہ السلام کے بازوں
کے ذریعے سے اتارا اور پہاڑوں میں ساکن کیا۔ اور زمین پر انکو جاری فرمایا اور قسم قسم کے معیشتوں میں انسان
کو ان سے نفع پہنچایا۔ یہی مطلب ہے۔ خدا تعالی کے اس قول کا وانزلنا من السماء ماء بقدر
فاسکناہ فی الارض۔ پس جب یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا۔ تو خدا تعالی جبرئیل کو بھیجیگا۔
اور وہ زمین سے قرآن مجید اور تمام علم اور حجر اسود اور مقام ابراہیم اور تابوت موسی مع تمام اون چیزوں کے
جو اسمیں ہیں۔ اور ان پانچ نہروں کو لیجائیگے۔ اور یہی مطلب ہے خدا تعالے کے اس قول کا وانا
علی ذھاب بہ لقادرون۔ اور جب یہ سب چیزیں اٹھ جائینگی تو اہل زمین سے خیر دنیا وآخرت
اٹھ جائیگا۔

کتاب اکمال الدین میں مروی ہے کہ ایک یہودی نے جناب امیر المومنین علیہ السلام سے عرض کی کہ
وہ کونسا پہلا درخت ہے جو روئے زمین پر اگا اور وہ کونسا اول چشمہ ہے جو زمین سے پھوٹا۔ اور وہ کونسا
پہلا پتھر ہے جو زمین پر رکھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلا درخت جو زمین پر اگا اوسکی نسبت یہود تو یہ کہتے ہیں
کہ وہ زیتون کا درخت ہے حالانکہ وہ جھوٹے ہیں۔ بلکہ کھجور کا درخت ہے جسے آدم علیہ السلام جنت سے
لائے تھے۔ اور بویا تھا۔ اور تمام کھجوروں کی اصل وہی ہے۔ لیکن اول چشمہ جو زمین پر پھوٹ بہا تو یہودی کہتے
ہیں کہ وہ چشمہ بیت المقدس ہے اور تحت سنگ ہے مگر وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ بلکہ وہ چشمہ حیات ہے کہ
جو کوئی وہاں پہنچا ہمیشہ زندہ رہا۔ اور جناب خضر ذوالقرنین بادشاہ کے مقدمۃ الجیش کے افسر تھے اس نے

آبحیات کو تلاش کیا۔ تو حضرت خضر نے اُسے پایا اور اُسمیں سے پیا اور ذوالقرنین نے نہ پایا۔ لیکن اول پتھر جو روئے زمین پر رکھا گیا پس اُسکی نسبت یہود تو کہتے ہیں کہ وہ سنگ بیت المقدس ہے۔ اور وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ بلکہ وہ حجر اسود ہے۔ جسے حضرت آدمؑ جنت سے لائے تھے۔ اور اُسے رکن خانہ کعبہ میں رکھا۔ اور لوگ اُسے (اب) بوسہ دیتے ہیں۔ یہ پتھر بہت سفید تھا مگر بنی آدم کی خطاؤں کی وجہ سے سیاہ ہو گیا؛

کامل الزیارہ میں یہ بھی وارد ہے کہ دو نہریں مومن ہیں اور دو نہریں کافر ہیں۔ کافر تو نہر بلخ اور دجلہ ہے اور مومن نیل مصر اور فرات ہے" مراد کافر اور مومن سے یہ ہے کہ نہر دجلہ و بلخ سے سیرابی زراعات وغیرہ کی بدشواری ہوتی ہے اور بڑی مشکل سے لوگ ان سے منتفع ہوتے ہیں اور نہر فرات و مصر سے بلا مشقت لوگوں کو انتفاع پہنچتا ہے۔ لہذا یہ دونوں نفع پہنچانے میں مثل اہل ایمان کے ہیں اور وہ دونوں عدم نفع رسانی میں مثل کافر کے ہیں۔ حضرت کا یہ ارشاد بربنائے تشبیہ ہے؛

نیز جناب رسولخدا سے نوادر راوندی میں مذکور ہے کہ بدترین یہود یہود بیلسان ہیں۔ اور بدترین نصاریٰ نصارائے نجران۔ اور بہترین آب جو زمین پر پھوٹ نکلا آب زمزم ہے اور بدترین آب جو زمین پر جاری ہوا آب برہوت ہے جو وادی حضرموت میں واقع ہے۔ وہیں کفار کی روحیں جاتی ہیں

درمنثور میں یہ بھی مروی ہے کہ رسولخدا نے فرمایا کہ جو کوئی آب زمزم کو بغرض شفا پیئیگا۔ اُس کو خدا تعالی شفا دیگا اور جو کوئی بھوک میں پیئیگا۔ اُسے سیر کریگا۔ یا کسی حاجت کے لئے پیئیگا تو اُس کی حاجت کو پروردگار عالم بر لائیگا؛

مد و جزر کی نسبت اگرچہ حکما نے بہت کچھ خود رائیاں ظاہر کی ہیں اور قیاس کے گھوڑے دوڑائے ہیں۔ مگر کوئی بھی ان اقوال میں سے قابل توجہ نہیں۔ البتہ خزینہ دار علم الٰہی امیر المومنین علیہ السلام نے اسکا راز یوں بیان فرمایا ہے کہ ایک فرشتہ ہے جو دریاؤں پر موکل ہے۔ اُسے رومان کہتے ہیں جب وہ اپنے پاؤں دریا میں ڈالتا ہے تو مد اُٹھتا ہے اور جب وہ نکال لیتا ہے تو جزر ہو جاتا ہے (علل الشرائع منقول از کتاب سماء للعالم بحار)

۳۔ خود اللہ حقیقی فرماتا ہے وجعلنا من الماء کل شئ حی" پس اب کسی کو پانی کے اصل مرکبات ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؛

چھٹی نشانی۔ وجود پروردگار عالم کی حیوانات کا پیدا کرنا ہے وبث فیھا من کل دابۃ" اللہ اکبر! یہ وہ نشانی ہے کہ جس کے عجائب صنعت و غرایب حکمت کو ہرگز انسانی بیان محیط نہیں ہو سکتا۔ اور نہ یہی کافی طور پر ادا ہو سکتا ہے کہ کس کس طرح اور کن کن صورتوں سے خلقت حیوانات دلیل وجود صانع حکیم تعالی مجدہ و جل شانہ ہے۔ اگر انکی تعداد کو دیکھئے تو لاتعد و لاتحصی نظر آئیگی اور اگر انکی صورتوں کو دیکھئے۔ تو اسمیں بھی عقلیں رہ جائینگی۔ اگر انکے رنگوں کی صنعت کو ملاحظہ فرمائیے۔ تو اسمیں وہ حیرت

ہوتی ہے کہ ہرگز اس دریا سے انسان پار نہیں ہو سکتا۔ اگر انکے اغراض و فوائد پر نظر کیجائے۔ تو اتنی
ہیں کہ ہرگز ایک شخص کا بیان انہیں محیط نہیں ہو سکتا۔ اگر انکے مساکن کو دیکھئے۔ تو حیرت ہوتی ہے
کہ کیا کرشمۂ قدرت ہے اگر انکی عدادوں پر غور کیجئے تو وہ الگ حیرت انگیز نظر آئینگے۔ اگر انکی ساخت
اور تنوعات اشکال پر نظر ڈالئے۔ تو کوئی انتہا نہیں دکھائی دیتی۔ انکی انواع کے اقسام اور اقسام کے
اصناف اور اصناف کے اشخاص اتنے ہیں کہ لا یمکن ان یعدّہ عادّ او یحصیہ محصٍ الا
الذی خلقہا فقدرہا وما صغیرۃ ما شاء رکبہا" البتہ بیشک صحیح ہے "یعلم
جنود ربک الا ھو۔ افواج خدا کو سوائے اُسکے کوئی نہیں جانتا"۔ کیونکہ اگر صرف فہرست ہی انکی
لکھی جائے۔ تب بھی تعدید انکی دشوار ہے۔ نہ معلوم کہ کتنے بری حیوانات ہیں۔ اور کتنے بحری۔ اور
کتنے ہوائی۔ اور بری کتنے سم دار ہیں۔ کتنے بے سم کے۔ کتنے شاخ دار ہیں۔ کتنے بے شاخ کے۔ کتنے
بڑے بالوں والے ہیں۔ کتنے چھوٹے بالوں والے۔ کتنے انسی ہیں اور کتنے وحشی۔ کتنے چرند ہیں اور
کتنے پرند۔ کتنے دانہ خور ہیں۔ کتنے علف خوار کتنے سفید رنگ ہیں۔ کتنے سیاہ رنگ۔ کتنے سبز رنگ
ہیں۔ اور کتنے زرد رنگ۔ کتنے کبود رنگ ہیں۔ اور کتنے کاہی رنگ۔ اور علیٰ ہذا القیاس۔ پھر رنگوں
کے اختلاف کی کوئی حد نہیں۔ کیونکہ ہر رنگ بہتیرے رنگوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک سرخ ہی رنگ ہے
مگر اسکے اصناف بحسب اختلاف شدت و ضعف بیشمار ہیں۔ جو ان رنگوں سے رنگین ہیں۔ پھر یہ دیکھنا
چاہیئے۔ کہ کتنے یک رنگ ہیں اور کتنے دو رنگ اور کتنے سہ رنگ۔ پھر سب کی صورتوں کو دیکھنا چاہیئے۔
کہ کتنی قسم کی صورتیں ہیں۔ پھر اگر پرندوں کو دیکھئے تو انکے اقسام کی انتہا ہے۔ اور نہ انکی صوتوں کی۔ نہ
انکے رنگوں کی۔ پھر اگر حشرات الارض کو دیکھئے۔ تو انکی قسمیں بھی لاتعد و لاتحصی نظر آئینگی۔ آپ صرف
شب کے وقت کسی کھلے میدان میں لیمپ روشن کرکے دیکھئے کہ کتنی قسم کے جانور اسکے گرد اگرد جمع ہو جاتے
ہیں اور انکی کیسی کیسی صورتیں ہیں۔ پھر انہیں بھی کئی قسم کے جاندار ہیں۔ کوئی پردار ہے اور کوئی بے پر
کوئی زہریلا ہے اور کوئی بے زہر۔ کوئی پاؤں والا ہے اور کوئی بے پاؤں کا۔ کسی کے بیشمار پاؤں ہیں
جیسے کنکھجورا۔ اور کسی کے ایک بھی نہیں جیسے سانپ۔ پھر اگر دریا میں آیئے۔ تو اسکے اقسام کو بھی حصر
نہیں کر سکتے۔ صرف ایک مچھلی ہے کہ اگر اسکے تمام اقسام کو انسان شمار کرنا چاہے تو ناممکن ہے۔
چہ جائیکہ انکے افراد و اشخاص کہ انکا حصر تو کسی طرح ممکن ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر ان سب کے خواص و منافع
کیطرف رجوع کیجئے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ جتنی ہی انکی قسمیں اُتنے ہی انکے فوائد ہیں۔ اور چونکہ انکے
اقسام لاتعداد لہ ہیں تو لامحالہ انکے منافع و خواص بھی لاتحصی ہونگے۔ اور اگر ان سب سے قطع نظر کی
جائے اور صرف انہیں حیوانات کو لیا جائے جو بری ہیں اور بری میں بھی صرف ما یدبّ علی الارض
(یعنی جو زمین پر چلتے ہیں) کو شمار کیا جائے۔ تو کونسا دفتر انکی تعداد بیان کرنے اور انکی اقسام کے

حصر کرنے اور اُنکے اصناف کے شمار کرنے اور اُنکے رنگوں کی تعریف کرنے اور اُنکے منافع کے احصا کرنے۔ اور اُنکے مضار کے بتانے۔ اور اُنکی صورتونکی تعدید کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔ کون بتا سکتا ہے کہ دواب میں سے کتنے طویل العنق ہیں۔ اور کتنے قصیر العنق۔ کتنے طویل الارجل ہیں۔ اور کتنے قصیر الارجل۔ کتنے۔ کتنے طویل القامت ہیں اور کتنے قصیر القامت۔ اور طول وقصر کے درمیان کتنے اقسام انکے ہیں۔ اور اگر ان سب سے قطع نظر کیجائے۔ اور صرف حضرت انسان ہی کے اصناف پر غور کیا جائے۔ تو آج کون ایسا دنیا میں ہے۔ جو انکی اصناف۔ انکی اشکال۔ انکے اختلاف امزجہ انکے اختلاف الوان۔ انکے اختلاف السنہ۔ انکے اختلاف اقطار جسمیہ کو شمار کرکے بتا سکتا ہے اور جبکہ انکا حصر وشمار ہی نہیں ہوسکتا۔ تو کسی کی کب مجال ہے۔ کہ اُن حکمتوں صنعتوں۔ رمزوں نکتوں۔ لطافتوں۔ منفعتوں۔ مضرتوں کو بیان کرسکے۔ جو انکے اندر صناع قدرت وخلاق فطرت ومبدع ازل ومخترع اول وحکیم لاشریک لہ ومدبر لاندلہ نے ودلیعت فرمائے ہیں۔ صرف اگر ایک ہی صنف کے انسان کو دیکھا جائے اور اسکے امور کلیہ پر نظر سرسری ڈالی جائے اور پوچھا جائے۔ کہ اسکے دو ہاتھ کیوں ہیں۔ اور اگر ہیں۔ تو گردن کے پاس کیوں لگے ہیں۔ اگر گردن کے پاس لگے ہیں۔ تو انمیں تین جوڑ کیوں ہیں۔ انکی انگلیونکی ساخت اسطرح کی کیوں ہے۔ ہتھیلی اس طرح کی کیوں بنی۔ پشت دست اس انداز کا کیوں رکھا گیا۔ انکے جوڑ صرف ایک ہی طرف کیوں مڑتے ہیں۔ دوسری طرف کیوں نہیں مڑتے۔ پھر سر کی حکمتوں پر غور کیا جائے اور اُسکے اندر جو حواس ظاہرہ اور حواس باطنہ قرار دیئے گئے ہیں اُنکی حکمتوں کو سوچا جائے۔ پھر سینہ کی ساخت۔ اور اُسکی حکمتیں پھر پیرونکی بناوٹ اور اُنکی تدبیریں۔ پھر اندرونی آلات امعاد قلب وجگر وریہ وطحال ومرہ واغشیہ ومعدہ۔ وعروق۔ وغضاریف۔ ورباطات واعصاب۔ واوردہ وشرایئن وغیر ذالک کو دیکھا جائے اور انکی حکمتونکو غور سے سمجھا جائے۔ پھر انکے اندر مختلف الانواع قوتیں۔ اور متنوع الاقسام طاقتیں رکھی گئی ہیں۔ اُن پر نظر تامل ڈالی جائے۔ تو معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ ضرور کسی کے مصنوع ومخلوق ہیں۔ اور انکا خالق آتنا بڑا حکیم ومدبر وصناع ومخترع وموجد وخالق ومبدع وباری ہے۔ جس سے بڑھکر عقلاً محال ہے کہ کوئی دوسرا ہوسکے +

خیر انسان تو انسان۔ یہ تو ایک نمونہ عالم اکبر ہے۔ اور اسمیں تو تمام عالم میں جسقدر چیزیں ہیں مثلاً آسمان وکواکب وزمین وعناصر وموالید وملائک وجن ووحش وطیر سب ہی کے نمونے موجود ہیں

اگر ان کی عجیب حکمتیں معلوم کرنی مقصود ہوں۔ تو دیکھو کتاب توحید الایمہ۔ جو مصنف کی تالیف سے ہے۔ اور چند سال ہوئے شایع ہوچکی ہے۔ ۱۲

اور اسکے حکم و مصالح و منافع۔ خواص و حرکات و سکنات و طبائع و امزجہ کو کوئی کیا بیان کر سکتا ہے محض اگر ایک چیونٹی ہی کی خلقت کو غور کیا جائے۔ جو موجودات سفلیہ میں بہت ہی چھوٹا دابہ ہے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ خزانہ حکمت حکیم فیاض اسقدر وسیع ہے کہ ہرگز کسی کا وہم و گمان بھی وہاں تک نہیں جا سکتا۔ اتنا چھوٹا سا تو آپ کا جسم اور اسکے اندر چار یا چھ پاؤں۔ دو دو ڈنک۔ سر۔ آنکھیں کمر پیٹ۔ آنتیں۔ دماغ اور قوت دماغیہ۔ احساس و ادراک۔ تفرس۔ ذہانت۔ فہم سب ہی چیزیں تو موجود ہیں۔ کیا تو اسکے سر کی مقدار ہے۔ مگر اسمیں آنکھیں بھی ہیں۔ ناک بھی ہے۔ کان بھی ہیں۔ منہ بھی۔ قوت متخیلہ بھی ہے۔ قوت حافظہ بھی ہے۔ قوت ہاضمہ و دافعہ۔ ماسکہ و جاذبہ بھی ہے۔ قوت شامہ ایسی قوی ہے کہ کتنی ہی حفاظت سے کوئی شیرینی رکھے مگر حضرت نملہ ہیں کہ وہاں موجود ہیں۔ پچاس تہوں کے اندر سے بھی اسکی خوشبو انکی ناک تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر جب یہ تمام قوتیں اسمیں موجود ہیں۔ تو لامحالہ انکے مقامات بھی علیحدہ علیحدہ ہونگے۔ تو اب اسکی قدر مساحت کو غور کیجئے۔ اور اسمیں اس تقسیم کو کہ کتنا کتنا حصہ اسکے جسم کا ان تمام قوتوں کے لئے مقرر ہوا ہے۔ اور کہاں کہاں اسکے مقامات قرار پائے ہیں اسکی آنتیں کہاں ہیں۔ اس کے دل و جگر۔ و گردہ وغیرہ کس مقام پر ہیں۔ اور کتنے کتنے بڑے ہیں۔ تو اسوقت خلاق عالم کی قدرت کاملہ اور صنعت تامہ کا حال کسقدر معلوم ہو سکیگا۔ جناب امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام فرماتے ہیں (نہج البلاغة ص۱۹۰) ولو فکروا

فی عظیم القدرة وجسیم النعمة لرجعوا الی الطریق۔ وخافوا عذاب الحریق ولکن القلوب علیلة والبصائر مدخولة الا ینظرون الی صغیر ما خلق کیف احکم خلقه واتقن ترکیبه وفلق له السمع والبصر وسوی له العظم والبشر انظروا الی النملة فی صغر جثتها ولطافة هیئتها لا تکاد تنال بلحظ البصر ولا بمستدرک الفکر کیف دبت علی ارضها وصبت علی رزقها تنقل الحبة الی جحرها وتعدها فی مستقرها تجمع فی حرها لبردها وفی وردها لصدرها مکفولة برزقها مرزوقة بوفقها لا یغفلها المنان ولا یحرمها الدیان ولو فی الصفا الیابس والحجر الجامس ولو فکرت فی مجاری اکلها فی علوها وسفلها وما فی الجوف من شراسیف بطنها وما فی الراس من عینها واذنها لقضیت من خلقها عجبا ولقیت من وصفها تعبا فتعالی الذی اقامها علی قوائمها وبناها علی دعائمها لم یشرکه فی فطرتها فاطر ولم یعنه فی خلقها قادر ولو ضربت فی مذاهب فکرک لتبلغ غایاته ما دلتک الدلالة الا علی ان فاطر النملة هو فاطر النخلة۔ لدقیق تفصیل کل شیء وغامض اختلاف کل حی وما الجلیل واللطیف والثقیل والخفیف والقوی والضعیف فی خلقه الا سواء" انتهی بقدر الحاجة ۱۲

اگر لوگ (خدا تعالیٰ) کی بڑی قدرت اور عظیم الشان نعمت کو غور کریں۔ تو ضرور راہ پر آجائیں۔ اور عذاب دوزخ سے ڈریں۔ لیکن (کیا ہو سکتا ہے) دل تو بیمار ہیں۔ اور عقلیں فاسد ہیں۔ کیا یہ لوگ اُس چھوٹی سی چیز کو نہیں دیکھتے۔ جسے اُسنے پیدا کیا ہے؟ کہ کس طرح اُسکی ساخت و ترکیب کو محکم و مضبوط بنایا ہے اور اس کے لئے کان اور آنکھیں پیدا کی ہیں۔ اور اُس کے لئے ہڈی اور جلد ترتیب دی ہے چیونٹی کو دیکھو! کہ اتنی چھوٹی سی اور باریک شکل ہونے میں قریب ہے کہ آنکھ سے بھی دکھائی نہ دے۔ اور فکر وغور سے بھی نہ معلوم ہو سکے۔ (مگر باوجود اسکے) زمین پر چلتی۔ اور اپنی روزی کی تلاش میں دوڑتی پھرتی ہے۔ دانہ کو اپنے سوراخ میں پہنچاتی اور اپنے مسکن میں اُسکو جمع و مہیا کرتی ہیں۔ گرمی کے موسم میں جاڑی کے لئے۔ اور اپنے آنے کے وقت میں نکلنے کے وقت تک کے لئے ذخیرہ کر لیتی ہیں۔ اُسکی روزی کی بھی (خدا تعالیٰ کیطرف سے) ضمانت کر لی گئی ہے۔ اور اُسکی حیثیت کے موافق اُسے بھی رزق پہنچایا گیا ہے (چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھاکے یہ کہتی ہے بار بار÷ اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق تیرے نثار۔ خدائے منان اُس سے بھی غافل نہیں ہے۔ اور جزا دہندہ اُسکو بھی محروم نہیں رکھتا۔ اگرچہ وہ (چیونٹی) چکنے خشک پتھر پر ہو۔ (جسکی چال کی آہٹ بھی نہ محسوس ہو سکے) اور سنگ بستہ پر۔ اور اگر تم اُس کے مجاری غذا (اُن رستوں اور سوراخوں پر جس راہ سے غذا اُس کے پیٹ میں جاتی ہے) اُس کے بلند و پست حصۂ (جسم) میں ہے۔ غور کرو اور جو اُسکے جوف بدن میں اُس کے پیٹ کی پسلی ہڈیاں ہیں اور اُس کے سر میں آنکھیں اور کان ہیں۔ اُنہیں تامل سے دیکھو۔ تو تمہیں اسکی ساخت کے انداز میں بہت تعجب ہوگا اور اُسکے اچھی طرح کرنے میں تکلیف ہوگی (بلکہ اگر چاہوگے کہ ہم اُسکی پوری حقیقت بیان کر دیں۔ تو تم سے ممکن نہ ہوگا) پس بلند مرتبہ ہے وہ (معبود حقیقی) اُسکو اُسکے قوائم (ٹانگوں) پر اُسنے قائم کیا ہے۔ اور اُسکے ستونوں (پاؤں) پر اُسکی بنیاد رکھی ہے (باوجودیکہ) نہ اُس کے پیدا کرنے میں کوئی اور پیدا کرنیوالا اُسکا شریک ہوا ہے۔ نہ کسی اور طاقت والے نے اُسکی ساخت میں اُس (خالق حقیقی) کی مدد کی ہے۔ اور اگر تم اپنے فکر کے رستوں میں اس غرض سے دوڑو بھی کہ اس (خلقت) کی انتہا تک پہنچ جاؤ۔ تو دلیلیں تمہیں یہی بتائینگی کہ جو چیونٹی کا پیدا کرنیوالا ہے وہی (لمبے بڑے) درخت خرما کا بھی خالق ہے۔ کیونکہ ہر شے کی باریک تفصیل اور ہر زندہ رہنے والی چیز کا مخفی اختلاف تمہیں اسی طرف راہنمائی کریگا۔ اُس (معبود) کے پیدا کرنے میں کیا جلیل یا لطیف کیا ثقیل کیا خفیف۔ کیا قوی اور کیا ضعیف سب ہی تو یکساں ہیں" (سبحان اللہ کیا اچھی تشریح و توضیح ہے)÷

(۷) ساتویں نشانی وجود صانع کی تصریف الریاح یعنی ہواؤں کا چلانا ہے۔ یہ نشانی بھی اعظم دلائل سے ہے۔ بشرطیکہ انسان اسپر غور کرے۔ کیونکہ اسکا مشتمل ہونا بیشمار حکمتوں اور ان گنت فائدوں اور مصلحتوں پر صاف بتاتا ہے۔ کہ بیشک اسے بھی کسی بڑے طاقتور حکیم ازلی نے پیدا کیا ہے۔ پہلی بات جو اسمیں قابل غور ہے وہ یہی ہے کہ اگرچہ ہوا ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے۔ لیکن

پچھوٹی کسی وقت تو اسمیں حرکت ہوتی ہے۔ اور کسی وقت نہیں ہوتی۔ اسکا کیا سبب ہے اور کیوں ایسا ہے۔ دوسرے یہ کہ کبھی چاروں طرف سے۔ اور کبھی صرف ایک طرف سے خواہ شمال سے خواہ جنوب سے۔ خواہ مشرق سے اور خواہ مغرب سے چلتی ہے۔ کیا مصلحتیں ہیں تیسرے یہ کہ کوئی ہوا سخت گرم ہوتی ہے۔ اور کوئی بہت سرد کوئی بہت رطب اور کوئی بہت یابس ہوتی ہے اسمیں کیا کیا فوائد ہیں کسی کی زبان میں اتنی طاقت ہے اور کس کے قلم میں اتنا زور ہے کہ اسکی پوری حقیقت کو لکھے یا بیان کر سکے۔ مگر نہایت مختصر چند لفظوں میں اجمالی حالت اسکی گوش گزار سامعین اور نذر نظر ناظرین کیجاتی ہے ؀

مطلق ہوا میں ایک تو یہ فائدہ ہے۔ کہ بہت سے جانداروں کی زندگی اسی کی بدولت ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی ہوا منقطع کر دیجائے تو جاندار مر جائے۔ مثلاً کسی صندوق میں آدمی یا کسی اور حیوان کو اسطرح بند کیا جائے۔ کہ اُسکے اندر کی ہوا کسی آلہ کے ذریعے سے نکال لیگئی ہو۔ تو چند منٹ میں وہ مر جائیگا۔ اور اگر ایسے صندوق یا مکان میں بند کیا جائے جسکی ہوا نکالی نہ گئی ہو۔ مگر باہر سے صاف ہوا بھی نہ داخل ہو سکتی ہو۔ تو تھوڑی دیر میں اندرونی ہوا خراب ہو کر اُس ذیحیات کو ہلاک کر دیگی ؀

دوسرے یہ کہ یہی ہوا تنفس کی راہ سے کھینچکر پھیپھڑے تک پہنچتی ہے۔ اور اندرونی بخارات کو دفع کرتی ہے۔ پھیپھڑے تک جاکر اُسے تفریح دیتی ہے۔ اور وہاں سے آتے ہوئے بخارات کو اپنے ساتھ لیتی آتی ہے۔ پس اگر تھوڑے دیر کے لئے منافذ ہوا بند کر دیئے جائیں تو ذیحیات چند دقیقوں میں مر جائیگا۔ اسی لئے عقل والوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ ہر وقت صاف ہوا میں رہنا چاہیئے جو بسبب بخارات ارضیہ یا مائیہ کے غلیظ و فاسد نہ ہو گئی ہو۔ تاکہ زندگی حیوان میں خلل انداز نہو سکے ؀

تیسرے یہ کہ یہی ہوا جبکہ متحرک ہوتی ہے تو ابر کے پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اور اُسے اُن مقامات تک پہنچاتی ہے۔ جہاں قدرت نے مینہ برسنے کا حکم دیا ہے ؀

چوتھے یہی ہوائے متحرک پانی میں کشتیوں کو چلاتی ہے۔ اور ایک ملک سے دوسرے ملک کیطرف لیجانے میں مدد دیتی ہے ؀

پانچویں یہی ہوائے متحرک پانی میں تموج پیدا کر کے اُسکے فاسد مادوں کو دفع کرتی ہے۔ اور تازہ بتازہ تبدیلی سے اُسمیں تازگی لاتی ہے ؀

چھٹے یہی ہوا متحرک ہو کر ساکن ہوا کے فسادات کو جو بخارات تنفس یا بخارات زمین۔ یا بخارات آب سے پیدا ہو گئے ہیں دفع کرتی ہے ؀

ساتویں یہی ہوا متحرک ہو کر درختوں کو پھلنے اور پھولنے میں مدد دیتی ہے۔ آپ جانتے ہونگے

کہ اسی کے ذریعے سے جب درخت خرما کے نر کا پھول مادہ پر جاکے پڑتا ہے تو اسمیں اچھے بڑے اور خوش مزہ پھل آتے ہیں؛

آٹھویں یہی ہوا متحرک ہوکر گرمی کے موقع پر خنکی اور خنکی کے موقع پر گرمی پیدا کرتی ہے؛

نویں یہی ہوا حامل حرارت و برودت ہوتی ہے۔ اگر ہوا نہو تو حرارت شمس یا برودت شب کی حامل کوئی چیز نہ ہو سکے؛

دسویں یہی ہوا آوازونکو کان تک۔ خوشبوؤنکو دماغ تک پہنچاتی ہے۔ اگر اسکا واسطہ درمیان میں نہ ہو تو نہ کوئی آواز سنائی دے سکتی ہے۔ اور نہ بری یا اچھی بو ناک تک پہنچ سکتی ہے؛

علے ہذا القیاس اور بہت سے فوائد ہیں جسکی تفسیر بقدر فہم انسان زبان شریعت نے بھی کی ہے۔ اور بقدر طاقت بشریہ فلسفہ نے بھی۔ زبان شریعت سے ایک مختصر بیان اس کے متعلق عرض کیا جاتا ہے۔ جناب صادق آل محمد صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین مفضل سے ارشاد فرماتے ہیں

وانبهك یا مفضل علی الریح وما فیها الست تری رکودها اذا رکدت کیف یحدث الکرب الذی یکاد ان یاتی علی النفوس ویمرض الاصحاء وینهك المرضی ویفسد الثمار ویعفن البقول ویعقب الوباء فی الابدان والآفة فی الغلات ففی هذا بیان ان هبوب الریح من تدبیر الحکیم فی صلاح الخلق"

اے مفضل میں تمہیں خبر دیتا ہوں ریح کی۔ اور جو کچھ اسکے اندر حکمتیں ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب ہوا رک جاتی ہے۔ تو کیسی بےچینی پیدا کرتی ہے کہ جانونکے تلف ہو جانے کا ڈر ہو جاتا ہے صحیح وسالم آدمیونکے بدن کو خراب کر دیتی ہیں۔ بیماروںکو لاغر بنا دیتی ہیں پھلونکو فاسد بقول کو متعفن کر دیتی اور اجسام میں وبا لاتی ہیں۔ اور غلونمیں آفت۔ پس اسمیں صاف دلیل اس بات کی ہے کہ ہوا کا چلنا کسی حکیم کی تدبیر سے ہے۔ جس نے مصلحت خلائق کے واسطے اسکو متحرک کیا ہے؛

پھر فرماتے ہیں فالریح تروح عن الاجسام وتزجی السحاب من موضع الی موضع لیعم نفعه حتی یستکثف فیمطر وتفضه حتی یستخف فیتفشی وتلقح الشجر وتسیر السفن وترخی الاطعمة وتبرد الماء وتشب النار وتجفف الاشیاء الندیة وبالجملة انها تحیی کلما فی الارض فلولا الریح لذوی النبات ومات الحیوان وحمت الاشیاء وفسدت۔ پس چلنے والی ہوا اجسام کو راحت پہنچاتی اور اس سے فسادات کو دفع کرتی ہے۔ ابر کو ایک مقام سے دوسرے مقام کیطرف ہکالاتی ہے۔ تاکہ اسکا نفع عام ہو۔ یہانتک کہ جب ابر کثیف ہو جاتا ہے تو برس جاتا ہے۔ اور اسے منتشر کر دیتی ہے یہانتک کہ ہلکا ہو جاتا ہے۔ تو پھیل جاتا ہے۔ اور درخت کو حمل دیتی ہے۔ کشتیونکو چلاتی ہے۔ کھانے کی چیزوں کو

نرم کر دیتی ہے۔ پانی کو ٹھنڈا کرتی ہے۔ آگ کو مشتعل کرتی ہے۔ اور ہر چیز کو خشک۔ خلاصہ یہ کہ ہوا تمام اُن چیزوں کی زندگی کا باعث ہے جو روئے زمین پر ہیں۔ پس اگر یہ نہ ہو۔ تو نباتات سوکھ جائیں۔ حیوانات مر جائیں۔ اور تمام اشیائے خراب و برباد ہو جائیں

فوائد۔ پہلا فائدہ۔ ریح یعنی ہوائے متحرک کے پیدا ہونے کے اسباب فلسفہ نے کیا بیان کیئے ہیں۔ اہل طبعیات کا یہ خیال ہے کہ ریح چار وجہوں سے پیدا ہوتی ہے۔ تخلخل ۲ تکاثف ۳ صعود بخارات ۴ نزول۔ تخلخل سے تو اسطرح کہ جب آفتاب کی حرارت کسی طرف ہوا پر اپنی کیفیت زیادہ ڈالتی ہے۔ اور اسوجہ سے ہوا میں انتشار پیدا ہوتا ہے (کیونکہ حرارت کی شان سے مادہ منجمدہ کو پھیلانا اور اسمیں تخلخل پیدا کر دینا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جب ایک کٹورہ پانی سے بھر کر آگ پر رکھا جاتا ہے۔ بشرطیکہ تھوڑا سا خالی بھی ہو۔ تو جب آگ کی حرارت پانی کو گرم کر دیتی ہے۔ تو اُسکا حجم اسقدر بڑھ جاتا ہے۔ کہ پانی کٹورے کے لب سے چھلکنے لگتا ہے۔ حالانکہ اصلی پانی لب تک نہ تھا۔ بلکہ ایک دو جَو نیچے تھا۔ تو معلوم ہوا کہ اسی حرارت نے اسمیں تخلخل پیدا کر کے اُسے مقدار حجمی میں بڑھا دیا) تو وہ ہوائے متخلخل پھیلنا چاہتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جبتک وہ آگے کی ہوا کو نہ ہٹائے۔ تب تک وہ پھیل نہیں سکتی۔ اس لئے وہ اپنے آگے کی ہوا کو دھکیلتی ہے اور وہ اپنے آگے کی ہوا کو یہانتک کہ تمام ہوائے متقارب میں تموّج پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہی تموّج ہوا کے زور سے چلنے کا باعث ہوتا ہے :۔

اور تکاثف سے اسطرح کہ جب کوئی سمت ہوا کی قرب دریا یا تگرگ باری سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اور اس ٹھنڈک کے سبب سے اسمیں انجمادی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو وہ پھیلاؤ ہوا کا جو پہلے تھا۔ اُسمیں کمی ہو کر انقباض پیدا ہوتا ہے۔ پس جب ایک مقدار ہوا کی سمٹی۔ تو جگہ خالی ہوئی اور جب وہ جگہ خالی ہوئی تو دوسری طرف کی ہوا جو اس سے دبی ہوئی تھی۔ خالی جگہ پا کر اسطرف چلی اور حرکت پیدا ہوئی تو اس حرکت کے پیدا ہونیسے جو ہوا میں تموّج ہوتا ہے۔ وہی باعث ہبوب ریاح کا ہوتا ہے :۔

نزول سے اسطرح کہ پانی اور زمین کے بخارات اوپر کو جاتے ہیں اور کرۂ زمہریر تک پہنچکر اسکی خنکی کے سبب سے انکی حرارت زائل ہو جاتی ہے۔ اور اُنہیں غلظت اور ثقل پیدا ہوتا ہے۔ وہی اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ زمین کیطرف مائل ہوں۔ پس اس سبب سے ہوا میں تموّج پیدا ہو کر حدوث ریح ہوتا ہے :۔

اور صعود سے اسطرح کہ بخارات آبی و زمینی بالائے ہوا متصاعد ہو کر لطیف حصّہ انکا تو فوراً ہی ہوا بنجاتا ہے۔ اور غلیظ حصّہ ابر۔ تو یہ ہوا اور ابر جو ان بخارات سے پیدا ہوئے ہیں آپسمیں ٹکراتے ہیں اور اس سے حدوث ریح ہوتا ہے۔ قال فی حکمۃ العین و ان انکسر حرّ الدخان الصاعد الی الطبقۃ الباردۃ ببرودتھا طلب النزول للثقل الحاصل

له لسبب البرد فيتموج به الهواء فيحدث الريح وان لم ينكسر صعد الى كرة النار فبرد الحركة الدورية فيتموج به الهواء فيحدث الريح ايضا وقد يحدث الريح من تخلخل الهواء واندفاعه من جانب الى آخر والزوابع انما يحدث من التقاء ريحين قويين مختلفي الجهة فتلتقيان فتستديران"

دوسرا فائدہ - متحرک ہوا کے چار نام ہیں - اور ہر ایک سمت کی ہوا کا نام مختلف ہے - جو ہوا قطب شمالی کیطرف سے آتی ہے - اُسکو شمال کہتے ہیں - اور جو اُسکے مقابل سے آتی ہے - اسکو جنوب - اور جو مشرق سے آتی ہے اُسکو صبا اور قبول کہتے ہیں - اور جو مغرب کیطرف سے آتی ہے اسکو دبور - صاحب قاموس نے لکھا ہے - الصبا ریح مهبها من مطلع الثريا الى بنات النعش - صبا وہ ہوا ہے جو ثریا کے مطلع سے بنات النعش تک چلتی ہے - والشمال بالفتح ويكسر الريح التي تهب من قبل الحجر او ما استقبلك عن يمينك وانت مستقبل والصحيح انه ما مهبه بين مطلع الشمس وبنات النعش او من مطلع الشمس الى مسقط النسر الطائر ويكون اسما وصفة ولا تكاد تهب ليلا " شمال بفتح شین اور بعض بالکسر بھی پڑھتے ہیں - وہ ہوا ہے - جو حجر اسمٰعیل کیطرف سے چلتی ہے - یا مطلع آفتاب سے مغرب نسر طائر (چند ستاروں کا نام ہے جو اُڑتے ہوئے گد کی صورت میں گوشۂ شمال و مشرق پر دکھائی دیتے ہیں) تک چلتی ہے - والجنوب ريح تخالف الشمال مهبها من مطلع سهيل الى مطلع الثريا - اور جنوب وہ ہوا ہے - جو ہوائے شمال کے مخالف ہے - یہ ہوا مطلع سہیل یمنی سے لیکر مطلع ثریا تک چلتی ہے - اور دبور کو لکھا ہے - هو ريح تقابل الصبا صبا کے مقابل سے جو ہوا چلتی ہے - وہ دبور کہی جاتی ہے ؛

صاحب مجمع البحرین تحریر فرماتے ہیں - وعن بعض اهل التحقيق ان الصبا محلها ما بين مطلع الشمس والجدى فى الاعتدال والشمال محلها من الجدى الى مغرب الشمس فى الاعتدال والدبور من سهيل الى المغرب والجنوب من مطلع الشمس اليه - یعنی بعض اہل تحقیق سے منقول ہے کہ صبا کی رفتار درمیان مشرق و جدی سے ہوتی ہے - زمانہ اعتدال میں اور شمال کی رفتار جدی سے مغرب شمس کیطرف ہوتی ہے - اور دبور کی رفتار سہیل سے مغرب تک - اور جنوب کی مطلع شمس سے سہیل تک ہے اسی کو کسی نے نظم بھی کر دیا ہے ؎

مهب الصبا من مطلع الشمس واصل	الى الجدى والشمال حتى مغيبها
وبين سهيل والغروب تفردت	دبور ومطلعها اليه جنوبها

کچھ ہوائیں نکباء بھی کہی جاتی ہیں - اُنکی چار قسمیں ہیں ۱ - ازیب جو درمیان صبا و جنوب کے

چلے ۲ صابیہ جسے نکیباء بھی کہتے ہیں۔ جو درمیان صبا و شمال کے چلے ۳ جربیاء جو شمال و دبور کے درمیان چلے ۴ ہیف جو درمیان جنوب اور دبور کے چلے اور مطلقاً نکباء اُس ہوا کو کہتے ہیں جو دو ہواؤں کے درمیان سے۔ اور بعضوں نے تخصیص بھی کی ہے کہ جو درمیان صبا و شمال کے چلے وہی نکباء ہے لیکن اوّل اصح ہے ؛

ہوائے جنوب کو نعامی بھی کہتے ہیں اور شمال کو محوۃ ۔ مسغا و نسعا بھی۔ عرب ہوائے جنوب کو لاقح کہتے ہیں۔ گویا انکا خیال ہے کہ اسی کے ذریعے خرما کے درخت میں پھل آتے ہیں۔ اور ہوائے شمال کو حائل (جس سے پھل نہ پیدا ہوں) ؛

یہ بھی اُنکا خیال ہے۔ کہ ہوائے دبور ابر کو اٹھاتی اور اُسے چلاتی ہے۔ اور جب ابر بلند ہو جاتا ہے تو وہ اپنا عمل چھوڑ دیتی ہے اور پھر ہوائے صبا آجاتی اور ابر کو تہ بتہ کر کے ایک پختہ مسطح بنا دیتی ہے پھر ہوائے جنوب اُسے پھیلاتی ہے۔ مگر ہوائے شمال جب چلتی ہے تو ابر کو پراگندہ کر دیتی ہے اسی وجہ سے یہ لوگ ہوائے شمال کو نہایت ناپسند جانتے اور منحوس سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس سے برودت پیدا ہوتی اور ابر زائل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر مکروہ چیز کو مشمول کہنے لگے !!

ان ہواؤں کے بحیثیت مختلفہ اور بھی نام ہیں۔ مثلاً ریح عقیم۔ صرصر۔ سموم اور عاصف وغیرہ ریح عقیم ہوائے عذاب کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اُس سے نہ ارحام میں لقاح ہوتا ہے۔ اور نہ نباتات میں۔ صاحب مجمع البحرین تحریر فرماتے ہیں۔ وھی ریح تخرج من تحت الارض السابعۃ یہ وہ ہوا ہے جو زمین کے ساتویں طبقے سے نکلتی ہے۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ لم یخرج منھا شئ قط الا علی قوم عادٍ حین غضب اللّٰہ علیھم فامر الخزان ان یخرجوا منھا سعۃ الخاتم فعصفت علی الخزنۃ فخرج منھا بمقدار منخر الثور تغیظا منھا علی قوم عادٍ فاھلکتھم " اس ہوا میں سے کبھی کوئی حصہ باہر نہیں آیا مگر قوم عاد پر جبکہ خدا تعالیٰ اُنپر غضبناک ہوا تو جنوں کو حکم دیا کہ اسمیں سے بقدر حلقہ انگشتری کے نکالیں مگر ہوا نے اپنے خزانہ داروں پر زور کیا اور بقدر منخر گاو نر کے نکلی۔ کیونکہ قوم عاد پر اُسکو غیظ و غضب تھا اور اُنکو فنا و ہلاک کر دیا ؛

اس کلام میں اشارہ ہے کلام خدا تعالیٰ کیطرف جو فرماتا ہے وفی عادٍ اذ ارسلنا علیھم الریح العقیم " اور سموم اس ہوا کو کہتے ہیں۔ جو گرم ہو۔ اکثر دن میں چلتی ہے اور کبھی رات میں صرصر اُسکے مقابلہ میں ہوائے سرد و تند کو کہتے ہیں۔ واما عاد فاھلکوا بریح صرصرٍ عاتیۃٍ ؂ " و عاصف اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ جب اتنی تند چلے کہ درختوں کو توڑ دے مکانوں کو

؂ لیکن قوم عاد پس وہ ہلاک کیگئی ہوائے صرصر تند سے ۱۲

اُڑھا دے۔ اور عاصف محض باعتبار شدت رفتار ولسلیمان الریح عاصفۃ (ہم نے سلیمان کے تابع کیا تھا تیز چلنے والی ہوا کو)

۳ **تیسرا فائدہ** ۔ اطبا نے بیان کیا ہے کہ ہوائے شمالی۔ اعصاب کو قوت دیتی اور اُنہیں سخت کرتی ہے۔ مسامات کو بند کر دیتی ہے ہضم کو قوی کرتی ہے ادرار بول و جریان بطن کو روکتی ہے اور ہوائے جنوبی مُرخی[لہ] قوت اور مفتح مسامات اور مُثور اخلاط و محرک مواد ہے۔ اس سے حواس میں ثقل پیدا ہوتا ہے۔ زخموں کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ بدن میں سستی و ضعف پیدا ہوتا ہے نیند زیادہ آتی ہے۔ تپ و نقرس اس سے حادث ہوتا ہے اور زخموں میں خارش۔ ہوائے مشرقی اگر آخر شب اور اول روز میں چلے تو آفتاب کی حرارت کی تعدیل کرتی ہے اور اُن ہواؤں سے جو سختی یا شلار طوبت پیدا ہوتی ہے اُسے کم کر دیتی ہے۔ اور اگر آخر روز اور اول شب میں چلے تو اس سے برخلاف اُس سے نتیجے ظاہر ہونگے۔ ہوائے مغربی۔ اگر آخر شب اور اول روز میں چلے تو کثیف و غلیظ ہو گی کیونکہ اسمیں آفتاب کی حرارت نے کچھ عمل نہیں کیا ہے۔ اور اگر آخر روز و اول شب میں چلے تو لطیف ہو گی"

یہ کم از کم وہ بیان ہے جو ہوا کے متعلق کیا جا سکا۔ اور اس قدر اک ایسے شخص کو جو آیات الہیہ سے نصیحت و عبرت حاصل کرنی چاہے کافی ہے۔ واللہ الهادی الی سواء السبیل۔

۴ **چوتھا فائدہ** ۔ ہوا کے متعلق احادیث میں جو کچھ ذکر ہے انہیں سے مختصراً یہاں بیان کیا جاتا ہے کافی سے صاحب بحار نے نقل فرمایا ہے کہ ابو بصیر نے جناب امام ابو جعفر علیہ السلام کی خدمت میں ہوائے شمال و جنوب و صبا و دبور کا سوال کیا۔ اور عرض کی کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہوائے شمال جنت سے چلتی ہے۔ اور جنوب دوزخ سے۔ تو آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی کچھ فوجیں ہوا کی ہیں۔ جن سے عذاب نازل کرتا ہے۔ جن لوگوں پر چاہتا ہے اپنے نافرمانوں میں سے۔ اور ہر ہوا پر ایک فرشتہ موکل ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ کسی قوم پر کسی قسم کا عذاب کرے تو اُس فرشتہ موکل کو حکم دیتا ہے کہ اُسی قسم کی ہوا اُنکی طرف روانہ کرے جس قسم کی ہوا سے اُن لوگوں پر نازل کرنا چاہتا ہے پس وہ ہوا اسطرح جوش میں آتی ہے جیسے شیر غضبناک کیا تم نے خدا تعالیٰ کے اس قول کو نہیں سنا ہے کذبت عاد فکیف کان عذابی ونذر انا ارسلنا علیھم ریحا صرصرا فی یوم نحس مستمر۔ اور ایک مقام پر فرماتا ہے الریح العقیم اور فرمایا ہے ریح فیھا عذاب الیم اور فرمایا ہے فاصابھا اعصار فیہ نار فاحترقت۔ وغیر ذلک۔ جنکا ذکر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اور جن سے اپنے نافرمانوں کو معذب کیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے چند ہوائیں رحمت کی بھی پیدا

لہ مُرخی بمعنی سست کرنیوالی ۱۲

کی ہیں۔ جو درختوں کو بار آور کرتی ہیں۔ اور علاوہ اُنکے بھی ہیں۔ جنکو اپنی رحمت کے سامنے چلاتا ہے
اور منجملہ اُنکے وہ ہے جو ابر کو اٹھاتی ہے۔ اور منجملہ اُنکے وہ ہوائیں ہیں جو ابر کو آسمان و زمین کے درمیان
ٹھیرائے رہتی ہیں۔ اور منجملہ اُنکے وہ ہوائیں ہیں جو ابر کو دبا کر مینہ برساتی ہیں۔ اور منجملہ اُنکے وہ ہیں
جو ابر کو پراگندہ کردیتی ہیں۔ اور منجملہ اُنکے وہ ہوائیں ہیں جنکو خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں درج فرمایا ہے
اور شمار کیا ہے۔ لیکن باقی رہیں ہواہائے شمال و جنوب و صبا و دبور۔ تو یہ اُن فرشتوں کے نام ہیں
جو انپر موکل ہیں۔ پس جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہوائے شمال چلے۔ تو اُس فرشتہ کو حکم دیتا ہے
جسکا نام شمال ہے۔ پس وہ خانہ کعبہ پر اترتا ہے۔ اور رکن شامی پر کھڑا ہوتا ہے اور اپنے بازوؤں سے مارتا
ہے تو ہوائے شمال پھیلتی ہے۔ جہاں جہاں خدا تعالیٰ چاہتا ہے خشکی میں ہو یا تری میں۔ اور جب
چاہتا ہے کہ ہوائے جنوب چلے۔ تو اُس فرشتہ کو حکم دیتا ہے جسکا نام جنوب ہے۔ پس وہ خانہ کعبہ
پر اُترتا ہے۔ اور رکن شامی پر کھڑا ہوتا ہے۔ اور اپنے بازوں سے مارتا ہے (یا اُنکو حرکت دیتا ہے)۔ تو
ہوائے جنوب بر و بحر میں پھیلتی ہے۔ جہاں جہاں خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ غرض اسی طرح ہوائے صبا
اور ہوائے دبور کے چلنے کا ذکر بتایا ہے۔ اُسکے بعد فرمایا کہ کیا تم نے اُسکا قول نہیں سنا ریح الشمال
و ریح الجنوب و ریح الدابور و ریح الصبا۔ کہ یہ سب منسوب و مضاف ہیں اُن فرشتوں کیطرف
جو اُن پر موکل ہیں (یعنی ریح الشمال وغیرہ کی ترکیب اضافی ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ شمال کی ہوا
یعنی وہ ہوا جو شمال فرشتے کی تحریک سے پیدا ہوتی ہے)۔

کتاب علل الشرائع میں مروی ہے کہ ریح عقیم اس زمین کے نیچے ہے۔ جسپر ہمارا قیام ہے۔
ستر ہزار لوہے کی لگاموں سے روکی ہوئی ہے (یعنی نہایت سختی کے ساتھ اُسکو خدا تعالیٰ نے روک رکھا
ہے اور ہر باگ پر ستر ہزار فرشتے مقرر کئے ہیں۔ پس جبکہ اسے قوم عاد پر مسلط کیا تو اس ہوا نے اپنے
خزانہ داروں سے اجازت لی کہ بقدر منخر گاؤ کے نکلے۔ اور اگر پروردگار عالم اسے اجازت دیدیتا۔ تو
روئے زمین پر کسی چیز کو بغیر جلائے نہ چھوڑتی۔ پس پروردگار عالم نے خزانہ داران ہوا کو حکم دیا کہ اس ہوا
میں سے بقدر سوراخ انگشتری کے نکالیں۔ تو اسیقدر ہوا سے قوم عاد ہلاک ہوئی۔ اور اسی ہوا سے خدا تعالیٰ
پہاڑوں، ٹیلوں، بلندیوں، شہروں اور عمارتوں کو قیامت کے دن ریزہ ریزہ کریگا۔ یہی مراد ہے
قول خدا تعالیٰ سے ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفہا ربی نسفا فیذرہا قاعا صفصفا لا تری
فیہا عوجا و لا امتا۔ اور قاع سے مراد وہ زمین ہے جسمیں گھانس نہ ہو۔ اور صفصف وہ زمین ہے جسمیں
کجی نہ ہو۔ اور امت سے مراد بلند ہے!! اس ہوا کو عقیم اسوجہ سے کہا گیا کہ یہ عذاب سے تو حامل ہے۔
اور رحمت سے عقیم (بانجھ ہے یعنی اس میں رحمت بالکل نہیں ہے) مثل عقیم ہونے رحم کے جس سے کچھ
نہ پیدا ہو۔

نیز علل الشرائع میں مذکور ہے کہ جناب صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ساحج (متحرک ہوا) رکن شامی کے نیچے بند ہے۔ پس جب چاہتا ہے پروردگار عالم کہ اسمیں سے کچھ نکالے۔ جنوب یا شمال یا صبا یا دبور کی صورت توان اطراف میں اسے خارج کرتا ہے۔ اور اسکی علامت (کہ یہ ہوا رکن شامی کے نیچے بند ہے) یہ ہے کہ گرمی جاڑا رات دن تم دیکھو گے۔ کہ رکن شامی متحرک رہتا ہے (بحار السماء والعالم)

ابن عمر سے مروی ہے کہ ہوائیں آٹھ ہیں۔ چار انہیں سے رحمت کی ہوائیں ہیں۔ اور چار عذاب کی لیکن رحمت کی ہوائیں تو ناشرات مبشرات۔ مرسلات اور ذاریات ہیں۔ اور عذاب کی ہوائیں عقیم۔ صرصر۔ جو خشکی پر چلتی ہے۔ اور عاصف وقاصف جو دریاؤں میں چلتی ہیں (در منثور سیوطی)

جناب رسولخدا سے مروی ہے کہ تم لوگ ہوا کو گالیاں نہ دو کیونکہ وہ حکم خدا سے چلتی ہے۔ (اسکا خود کوئی قصور نہیں)۔ کیونکہ جو کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے۔ جو اسکا مستحق نہیں۔ تو وہ لعنت اسی لعنت کرنیوالے پر لوٹ آتی ہے۔ نیز ابن عباس سے مروی ہے کہ جب کبھی ہوا چلتی تھی تو رسولخدا گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے تھے اور یہ دعا کرنے لگتے تھے۔ کہ خدایا اس ہوا کو رحمت کی ہوا قرار دینا۔ عذاب کی ہوا نہ بنانا۔ خدایا اسکو ریاح بنانا۔ ریح نہ بنانا (کیونکہ ریح عقیم نے قوم عاد کو تباہ کیا تھا) (در منثور سیوطی)

جناب رسالتمآب نے مرسلات ذاریات وغیرہ کی تشریح بھی فرمادی ہے کہ مرسلات تو ابر کو اٹھاتی ہے اور مبشرات ابر کو بارور کرتی ہے (یعنی اسمیں یہ قابلیت پیدا کردیتی ہے کہ اُس سے مینہ برس سکے) اور ذاریات کا یہ کام ہے کہ ابر کو اٹھاتی ہے کہ اُس سے اسطرح مینہ برسے۔ جیسے دودھ دینے والی اونٹنی سے دودھ نکلتا ہے۔ اور ناشرات کا یہ کام ہے کہ جو بعد مینہ برسانے کے ابر کو منتشر کردیتی ہے (درمنثور)

آٹھویں نشانی وجود صانع حکیم کی **والسحاب المسخر بین السماء والارض** یعنی وہ ابر ہے جو درمیان آسمان وزمین کے بحکم خدا فضا میں ہوا پر قائم رہتا ہے ؛

واقعی اس کا سبب خلقت۔ اور خود اسکی ساخت وحدوث۔ اور پھر اسکا استحالہ۔ اور اُس سے مینہ برسنا۔ اور باوجود اتنی مقدار پانی کی لئے ہوئے ہونے کے ہوا میں قائم رہنا سوائے اسکے کہ کسی قادر مطلق کی قدرت کیطرف حوالہ کیا جائے کوئی چارہ نہیں ہے ؛

اگر صرف اسی اہتمام کو بلاحظہ فرمایئے۔ کہ ایک ابر کے واسطے کیا کیا امور پہلے سے قائم کئے گئے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً یہ کسی بڑے مدبر کی تدبیر اور کسی عظیم الشان حکیم کی حکمت ہے۔ مثلاً ۱ یہ کہ دریاؤں، سمندروں۔ پہاڑوں کی غاروں میں پانی کا جمع کرنا۔ ۲ زمین کے اندر حرارت پیدا کرنی جو بخارات کو اُبھار سکے۔ ۳ آفتاب کو پیدا کرکے اُسکی حرارت کو پانی پر ڈالنا۔ جس سے بخارات اُٹھ سکیں ۴ ہوا کو پیدا کرنا۔ جو بخارات کی متحمل ہو سکے ۵ متحرک ہواؤں کا پیدا کرنا جو ان بخارات کو ایک طرف سے دوسری طرف لیجا سکیں ۶ تھوڑی بلندی پر جاکر ہوا کو نہایت سرد بنا دینا کہ جونہی یہ بخارات دخانیہ وہاں پہنچیں۔ بستہ ہو کر قطعات سحاب بن سکیں۔ اور اُس سے اوپر نہ چلے جائیں

کہ پھر مینہ کے برسنے میں وقت واقع ہو۔ پھر ہواؤنکو اپر مسلط کیا کہ اسمیں حرکت پیدا کرے۔ تاکہ مختلف مقامات پر پھیل جائے۔ اور حرکت سے حرارت پیدا ہو۔ اور وہ پانی کی صورت میں مستحیل کرکے اور بلندی سے مینہ برسکر خلق کو نفع تام اور فیض عام پہنچا سکے!! کیا کوئی شخص ان امور پر غور کرنیکے بعد کہہ سکتا ہے کہ ابر بغیر حکم خدا تعالیٰ اور بدون حکمت خدا تعالیٰ پیدا ہوا ہے۔ آخر یہ کون سوچ سکا تھا۔ کہ اگر یوں تدبیریں کام میں لائی جائینگی۔ تو اس صورت کی ایک شے بن سکیگی۔ اور اس صورت میں اُسکا استحالہ ہوسکیگا اور اسطرح مخلوقات کو فائدہ پہنچ سکیگا۔ کیا ان چیزونکی لاشعور یہ طبیعتیں ان معانی لطیفہ کا ادراک کر سکتی تھیں۔ یا مادّہ کو ایسا غور حاصل ہوا تھا؟؟ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ کبھی ایسا نہیں ہوسکتا۔ اور نہ یہ حکمتیں جو نہایت باقاعدہ طریقے سے قائم کیگئی ہیں بغیر تدبیر و تقدیر مدبّر و مقدّر اقدر القادرین ظہور میں آسکتی ہیں۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

پس بیشک آسمانوں اور زمینونکا موجود ہونا اور انمیں تغیرات و احتمال زیادتی و نقصان کا ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ حادث ہیں۔ اور انکا حادث کرنیوالا کوئی بڑا توانا و قادر ہے اور نیز انکا استحکام و اتقان انتظام و اتساق اور ایک نہج مستقیم پر برابر انکا قائم رہنا دلیل ہے اس امر کی کہ انکا خالق عالم و حکیم بھی ہے۔ اور رات اور دن کا یکے بعد دیگرے آنا جانا اور ایک ہی صورت سے انکا قائم رہنا۔ اور فصول کے اختلاف سے انمیں بقدر ضرورت کمی بیشی کا ہونا۔ آفتاب و ماہتاب کے مجاری سے انکا متعلق ہونا دلیل ہے اس امر کی کہ انکا خالق بڑا عالم اور بڑا مدبّر ہے۔ جسے نہ کبھی بھول ہوتی ہے۔ نہ کبھی چوک۔ کیونکہ یہ افعال اس استحکام و انتظام و ترتیب سے قائم کئے گئے ہیں کہ جنمیں کسی قسم سے کوئی خلل ڈالنے والا خلل پیدا نہیں کرسکتا۔ اور کشتیونکا پانی پر چلنا۔ پانی کا اسقدر لطیف و سایل ہونا جسپر اُسکی روانی ممکن ہو۔ ہواؤنکا اسکے چلانے پر مسخر ہونا کہ اگر پانی کی روانی کشتی کی رفتار کے مخالف بھی ہو۔ تب بھی یہ ہوا اُسے منزل مقصود کیطرف لیجاسکے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ انکا موجد و معلم و خالق بڑا صاحب انعام و فضل بھی ہے کہ اُسنے اپنے بندونکی آسائش کے واسطے یہ سامان مہیّا کئے۔ نیز پانی کا بلندی سے قطرہ قطرہ ہوکے برسنا یکبارگی سیل کیطرح نہ آنا جس سے شہروں اور آبادیوں اور زراعتوں اور باغونکو نقصان پہنچے۔ پھر اسکا فضا میں قائم رہنا۔ باوجودیکہ پانی کی طبیعت اور فطرت اصلیہ زمین ہی پر رہنے کو چاہتی ہے۔ اور اُسکا اپنے مرکز اصلی سے بلند ہوکر غیر مرکز میں ٹھیرا رہنا صرف اوقات معینہ پر برسنا۔ غیر وقت میں نہ برسنا اس امر کی دلیل ہے کہ اسکا مُوجد و مخترع تمام چیزوں پر قادر و توانا ہے۔ جو چاہے اور جسوقت چاہے کرسکتا ہے۔

زمین کا زندہ ہونا جس سے پھلوں پھولوں، سبزوں۔ زراعتوں اور انواع و اقسام کے اشجار و نباتات کا ظاہر ہونا محسوس و معلوم ہوتا ہے۔ جن سے مخلوقات سفلیہ کی غذا ہوسکے۔ جو حیوانات

کے لئے علف بن سکیں - دواؤں میں کام آسکیں - اور جو ہر صورت میں ایک نئی خاصیت نیا نفع نیا اثر دکھلاسکیں اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ بڑا بدیع الحکمت اور عجیب القدرت ہے ؛

پھر حیوانات کا پیدا ہونا انکی قسمونکا لاانتہا ہی ہونا - اُنکی صورتونکا بیشمار ہونا - اُنکی ترکیبوں اور ساختونکا عجیب و غریب ہونا انکے فائدونکا بے حصر و احصا ہونا - انکے خواص کا بے تعداد ہونا انکے اعضاو جوارح و اعصاب و عروق و عظام و لحوم و شحوم کا عجائب حکمت و غرائب منفعت پر مشتمل ہونا - صاف دلیل ہے اس امر کی کہ وہ بدیع الفطرت غریب الحکمت عظیم القدرت اور جسیم النعمت ہے ؛

ہواؤنکا متحرک ہونا مختلف اطراف سے مختلف فوائد کیلئے انکا چلنا کبھی گرم ہونا کبھی سرد کبھی خشک ہونا کبھی تر کبھی آہستہ چلنا کبھی زور سے کبھی عقیم ہونا - اور کبھی لاقح - صریح اس امر کی برہان ہے کہ ایسے افعال سوائے واحد ازلی و ابدی اقدر القادرین و باری العالمین کے کوئی نہیں کرسکتا - کیونکہ اگر تمام عالم بھی مجتمع ہو کر یہ کوشش کرے - کہ ہم انہیں سے ایک چیز کے مثل بھی بناسکیں یا وجود میں لاسکیں - تو قطعاً محال اور یقیناً ناممکن ہے - آج کوئی ایسا ہی کر کے تو دکھادے کہ جو ہوا جنوب سے چلتی ہے یا شمال سے - یا مشرق سے چلتی ہے یا مغرب سے اسمیں تبدیلی کردے یا روک دے ؛

ابر کا فضا میں مسخر رہنا - اور بوقت ضرورت اُسکا پانی کیصورت میں مستحیل ہوجانا - اور غیر ضرورت میں اُسکا متلاشی و پراگندہ دفنا ہوجانا اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ اسکا خالق بے شبہ و بے نظیر ہے کیونکہ جسم ثقیل کا بے علاقہ و بے دعامہ ہوا میں ٹھیرانا ممکنات عالم میں کسی کے امکان میں نہیں ؛

پس بے شبہ وہی سبوح و قدوس و حکیم و علیم و قدیر و خبیر و منعم و متفضل و صانع و بدیع و حی قیوم ہے - جو کسی امر سے کسی چیز سے عاجز نہیں - کوئی شے اُس پر مخفی نہیں - کوئی حکمت اس سے چھوٹی نہیں - بیشک وہی سمیع و بصیر ہے - پس اُسکے سوا کوئی بھی مستحق عبادت نہیں ؛

اشہد ان لا الٰہ الا ھو الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ و الامثال العلیا ؛

چونکہ یہ آیت شریفہ جسکی کچھ تھوڑی سی تشریح اسوقت کیجاسکی - باری تعالیٰ کی عجیب قدرت و حکمت و علم و انعام کو ظاہر کررہی ہے - اس لیے جناب سرور کائنات اشرف المخلوقات نتیجہ خلقت عالم و عالمیان ثمرہ فطرت جہان و جہانیان خیر البشر حبیب اللہ الاکبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسکی تلاوت کے وقت ارشاد فرمایا ویل لمن لاکھا بین لحییہ - وائے ہے اُس پر جو اس آیت کو اپنی دونوں ڈاڑھوں کے درمیان چھپائے یعنی زبان سے تو پڑھے - مگر اسکے معانی و مطالب و حقائق و دقائق پر غور نکرے ؛

یہ اک نہایت مختصر بیان ہے۔ جو اس آیت کے متعلق ادا کیا گیا ہے اگرچہ کما ھو حقہ تو
کیا اپنی خواہش کے موافق بھی اسکی تفصیل نہ کی جا سکی۔ باوجودیکہ خیال یہ تھا کہ اس آیت کو اچھی
طرح سے مفصل بیان کیا جائے۔ مگر سبب اسکا صرف یہ ہے کہ اگر اسی آیت کو زیادہ بسط دیا جاے
تو اور آیتیں جو لکھنی ہیں۔ انکا موقع ہاتھ سے جاتا رہیگا اور انکی تفصیل نہ ہو سکیگی ؛

اس سے یہ مقصود نہیں کہ مجھ میں اتنی طاقت یا علم ہے کہ خدا تعالی کے کلام کی مفصل تفسیر لکھ سکوں
نہیں نہیں۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ یہ کلام ہی اس قسم کا ہے کہ بحد تفصیل و تشریح و تبئین و تفسیر کو
چاہتا ہے۔ گو سوائے آئمہ طاہرین علیہم السلام کے جو عرفائے حقیقی اور علمائے واقعی تھے۔ کوئی شخص
اس سے بر نہیں آ سکتا۔ البتہ وہ شخص اس فرض سے ضرور سبکدوش ہو سکتا ہے۔ جس نے یہ
فرمایا ہو۔ کہ اگر میں چاہوں تو صرف سورہ حمد کی تفسیر سے ستر اونٹ بار کر سکتا ہوں۔ اور جسے رسول خدا
نے خود فرمایا ہو۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا۔ اور جسکی نسبت خود پروردگار عالم کا ارشاد
ہو وکل شیٔ احصیناہ فی امام مبین۔ اور جو کلام الہی کے تمام ناسخ و منسوخ و مجمل و مفصل
و خاص و عام و محکم و متشابہ و مطلق و مقید و مرسل و محدود و رخص و عزائم و فواصل و قواطع و اوامر و نواہی
و زواجر و مواعید و حرام و حلال و ترغیب و ترہیب و قصص و احکام و عبر و اخلاق و نکات و دقائق و
حقائق و رقائق و غوامض و ظواہر اچھی طرح جانتا ہو۔ و ان ھم الا علی بن ابیطالب
والباقون من اھلبیت الرسول فصلوات اللہ و سلامہ علیہم مادام للنجوم
طلوع و افول ؛

سورہ رعد رکوع ۱۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا ثُمَّ اسْتَوٰی
عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ
لَعَلَّکُمْ بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ ○ وَھُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ وَ
اَنْھٰرًا وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْھَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ
جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ
وَنُفَضِّلُ بَعْضَھَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُکُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (سورہ رعد
رکوع ۱) یہ مجموعاً تین آیتیں ہیں جنمیں وہ آیات و علامات اور نشانیاں بیان کیگئی ہیں جو وجود صانع عالم اور اسکی
قدرت و حکمت و علم اور اسکی اقتدار کمال تدبیر و تقدیر کو ثابت کرتی ہیں ان تین آیتوں میں آٹھ نشانیاں ہیں۔ ایک آسمان کا بغیر عمود کے بلند کرنا
دوسرے آفتاب و ماہتاب کا مسخر کرنا اور انکا حرکت محدودہ معینہ کے موافق چلانا تیسرے زمین کی خلقت۔ چوتھے پہاڑوں کا پیدا کرنا پانچویں
نہروں کا پیدا کرنا چھٹے ہر قسم کے میوؤں کے پیدا کرنا اور انکو زوجین اثنین قرار دینا ساتویں شب و روز کو پیدا کرنا۔ اور رات کو دن
پر ڈھانک دینا۔ آٹھویں زمین میں قطعات متجاورات کا پیدا کرنا اور انگور باغات اعناب

وزروع ونخیل صنوان وغیر صنوان کو بھی لیا جائے اور اُنکا ایک پانی سے سیراب ہونا بھی ان نشانیوں میں شمار کیا جائے۔ تو چھ نشانیاں اور ہوتی ہیں جنکا مجموعہ چودہ ہوگا۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ یہ چودہ چیزیں ایسی ہیں جو وجود وقدرت وحکمت وعلم وکمال وتدبیر خدا تعالیٰ پر گواہ ہیں۔ پس جبکہ کسی امر کے ثبوت کے لئے دو گواہ کافی سمجھے جاتے ہوں تو اس امر کے ثبوت کے واسطے چودہ گواہ کیوں کافی نہ سمجھے جائیں

اس آیت کی مختصر تشریح چند بیانوں کے ذیل میں ادا کیجاتی ہے **پہلا بیان تحقیق الفاظ**۔

عَمَد اسم جمع ہے بمعنی ستونہا۔ اور واحد انکا عمود اور عماد ہے۔ جنکی جمع عُمُد آتی ہے۔ استوی کے معنی کئی ہیں ۱ اعتدال ۲ بلغ اشدہ۔ یا بلغ اربعین سنۃ کے ہیں یعنی سن پختگی تک پہنچا یا چالیس برس کے سن کو پہنچا۔ چالیس برس والے آدمی کو بھی مستوی کہتے ہیں۔ جو اٹھارہ برس سے لیکر تیس برس تک کے سن کو پہنچتے ہیں ۳ اگر آسمان کے متعلق استعمال کیا جائے۔ مثلاً استوی الی السماء تو چڑھنے یا قصد کرنے یا متوجہ ہونے یا غالب ہونے کے معنی ہونگے (دیکھو قاموس اللغت) نیز بولتے ہیں استوی لبشر علی العراق مثلاً تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ استولی من غیر سیف ودم یہریقہ یعنی بغیر شمشیر کشی اور خونریزی کے فلاں شخص عراق پر غالب آگیا (دیکھو مجمع البحرین) اجل بمعنی مدت ووقت معین۔ آیتہ کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ منجملہ انکے قرآن مجید کا وہ کلام متصل ہے جو ایک مقام سے شروع ہوکر دوسرے مقام پر منتہی ہوتا ہے۔ مثلاً قل ھو اللہ احد، یہ ایک آیت ہے اسی معنی میں خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ واذا تلیت علیہم آیاتہ زادتہم ایماناً، (جب تلاوت کیجاتی ہیں اُنکے سامنے آیتیں تو اُنکا ایمان بڑھا دیتی ہیں۔) یا مثلاً منہ آیات محکمات واُخر متشابہات (یعنی قرآن مجید کی کچھ آیتیں محکم ہیں اور کچھ متشابہ) اور عبرت کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولقد ترکناھا آیۃ فھل من مدکر (ہم نے کشتی نوح کو عبرت بناکر چھوڑا تھا۔ پس آیا کوئی یاد کنندہ ہے؟) معجزے کے معنی میں بھی آیا ہے جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے وان یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر (جب وہ معجزہ دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ مستمر جادو ہے) اور ولقد آتینا موسیٰ تسع آیات بینات۔ بیشک ہم نے موسیٰ کو نو معجزے کھلے کھلے دیئے تھے"۔ عذاب کے معنے میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے وما نرسل بالآیات الا تخویفاً، ہم عذاب نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کے واسطے۔ نشانی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے حضرت زکریا کے قصہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قال رب اجعل لی آیۃ زکریا نے کہا اے میرے پروردگار مجھے کوئی نشانی دے قال آیتک الا تکلم الناس ثلث لیال سویا خدا نے کہا کہ تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین راتیں لوگوں سے نہ بولو۔ دلیل کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون رواسی جمع راسیہ یعنی گڑھے ہوئے مستحکم کشتی

ڈھانک لینا۔ صنوان۔ ایک ہی جڑ سے کئی درخت نکلے ہوئے۔ یا وہ درخت خرما جسکے گرداگرد اور بھی
درخت ہوں۔ اور غیر صنوان اسی کا مقابل ہے۔ دوسرا بیان باعتبار معنی اللہ الذی رفع
السماوات بغیر عمد ترونھا معبود برحق وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ایسے عمودوں (۲)
کے جنہیں تم دیکھتے ہو ثم استوی علی العرش پھر وہ غالب ہوا عرش پر وسخر الشمس
والقمر کل یجری لاجل مسمی اور مطیع بنایا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا رہیگا وقت معین تک۔
یدبر الامر وہ معبود کام کی تدبیر کرتا ہے یفصل الآیات اور دلیلوں کو تفصیل سے بیان کرتا ہے
لعلکم بلقاء ربکم توقنون تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات یعنی حشر و نشر کا یقین کرو۔ وھو الذی
مد الارض وہی معبود وہ ہے جس نے زمین کو پھیلایا وجعل فیھا رواسی وانھارا اور
اسمیں گڑے ہوئے پہاڑ اور نہریں قرار دیں۔ ومن کل الثمرات جعل فیھا زوجین اثنین اور ہر
قسم کے پھلوں سے جوڑے دو دو یعنی دو دو قسم کے مثلاً سفید و سیاہ میٹھے کھٹے۔ گرمی کے جاڑے کے
تر و خشک۔ یا یہ مطلب ہو کہ ہر قسم کے پھل کو جوڑا یعنی نر و مادہ پیدا کیا۔ جیسے کھجور کے درخت میں ہوتا ہے
کہ ایک میں نر ہوتا ہے اور ایک مادہ۔ اور جب تک نر کے پھول مادہ پر ڈالے نہیں جاتے جیسے عرب لوگ
تدبیر کہتے ہیں۔ تب تک مادہ میں اچھے پھل نہیں آتے۔ ہندوستان میں بھی قدیم زمانہ سے رسم رہی
ہے کہ بعض درخت کی بعض سے شادی کیجاتی تھی جیسے آم اور جھوہ یا آم اور جامن ؛
اور علی ہذا القیاس اور قسم کے درختوں میں بھی ہے۔ اگرچہ عام طور پر لوگوں کو تشخیص نہیں یغشی اللیل
النھار رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے یعنی دن کی روشنی کو مخفی کر کے رات کی تاریکی لاتا ہے۔ ان
فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون بیشک اسمیں دلیلیں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو فکر و غور کریں
وفی الارض قطع متجاورات اور زمین میں ایک دوسرے سے قریب قطعے ہیں۔ کوئی نرم
ہے۔ کوئی سخت ہے۔ کوئی شیریں ہے۔ کوئی شور ہے۔ کوئی خشک ہے۔ کوئی گیلا کیچڑ کے مثل ہے۔
کوئی قابل زراعت ہے۔ کوئی بنجر ہے۔ وجنات من اعناب وزرع اور باغ ہیں انگوروں کے
اور زراعتیں ہیں۔ ونخیل صنوان وغیر صنوان اور خرما زار جُڑے درخت ہیں۔ اور علاحدہ علاحدہ
یسقی بماء واحد۔ جو ایک پانی سے سینچے جاتے ہیں۔ ونفضل بعضھا علی بعض فی الاکل
اور (پھر بھی) ہم بعض کو بعض پر پھل میں ترجیح دیتے ہیں کہ کسی کو زیادہ میٹھا کرتے ہیں کسی کو کم میٹھا
کسی میں زیادہ خوشبو کر دیتے ہیں کسی میں کم۔ کوئی بڑے قد کا ہوتا ہے۔ کوئی چھوٹے قد کا (باوجودیکہ
سب ایک سے ہی باغ میں ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں) ان فی ذلک لآیات لقوم
یعقلون۔ بیشک اسمیں دلیلیں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سمجھیں"
تیسرا بیان۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ آسمان بغیر ستون کے قائم رکھنا حالانکہ یہ اتنے بڑے بڑے (۳)
اور جسیم و دبیز ہیں اور اُن پر نہایت ہی وزنی اور بڑے بڑے قطروں کے ستارے ہیں۔ پھر

عرش کا قصد کرنا یا اُسپر غالب آنا۔ جو بہت ہی بڑی چیز ہے۔ جسکے متعلق حدیثوں میں بہت کچھ تشریح ہے
میں صرف جناب امیر المومنین کا ارشاد جو کتاب توحید صدوق علیہ الرحمہ میں منقول ہے۔ اور جسے تفسیر
صافی میں نقل کیا گیا ہے۔ بیان کرتا ہوں۔ حدیث جاثلیق میں حضرت نے فرمایا ان الملائکۃ تحمل
العرش ولیس العرش کما یُظن کھیئۃ السریر ولکنہ شیٔ محدود مخلوق مُدبَّر
وربک عزوجل مالکہ لا انہ علیہ ککون الشی علی الشی۔ بیشک فرشتے عرش کو
اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اور عرش ایسا نہیں ہے جیسا لوگ خیال کرتے ہیں کہ اسکی صورت تخت کی سی
ہے۔ لیکن وہ محدود و مخلوق اور باتدبیر و حکمت بنائی ہوئی ایک چیز ہے اور تمہارا پروردگار اُسکا مالک ہے
نہ یہ کہ وہ اُسپر بیٹھا ہے۔ جیسے ایک شے دوسری شے پر ہوتی ہے۔ اور آفتاب و ماہتاب کو ایسا پیدا
کرنا کہ باوجودیکہ جسامتہً بہت بڑے ہیں نہ انکے لئے ہاتھ ہیں نہ پاؤں۔ اور پھر اپنی حرکت فلکیہ کے ذریعہ
سے کیسی ٹھیک اور باقاعدہ حرکت کرتے ہیں۔ جسمیں کبھی فرق نہیں آتا جس سے سال و ماہ میں فرق
پڑجائے۔ اسی لئے دوسرے مقام پر فرمایا ہے لتعلموا عدد السنین والحساب تاکہ تم برسوں
کے اعداد اور حساب کو جانو۔ اور زمین کو ایسی بڑی بنایا اور چونکہ اُسکا قیام بغیر اوتاد کے نہیں ہوسکتا تھا۔
لہذا اُسپر بڑے بڑے پہاڑوں کا قائم کرنا جس سے اُسے حرکت و تزلزل نہ ہو۔ اور خلق اللہ
کے واسطے اُن پہاڑوں سے نہریں نکالنی۔ اور چشمے پیدا کرنے جو میٹھے بھی ہوتے ہیں۔ شور بھی۔
ٹھنڈے بھی ہوتے ہیں گرم بھی۔ اور مختلف مصلحتوں میں کام آتے ہیں۔ مثلاً پینے میں۔ زراعت میں۔ دوا
میں وغیرہ وغیرہ۔ اور ہر قسم کے پھل پیدا کرنے جنکی نہ کسی کو تعداد معلوم ہوسکتی ہے اور نہ کوئی حصر کرسکتا ہے
کیونکہ نباتات دو قسم کے ہیں۔ کچھ بحری ہیں کچھ بری ہیں۔ اور بری بھی کچھ جبلی ہیں کچھ سہلی ہیں۔ اور دونوں
ہی یا بیلدار ہیں یا بغیر بیل کے ہیں۔ اور بغیر بیل کے یا تنہ دار اور سخت و طویل ہیں۔ یا اُنکے خلاف ہیں۔ اور پھر
یا محض پھول والے ہیں۔ یا پھل والے۔ اور پھولدار یا سُرخ پھول کے ہیں۔ یا زرد پھول کے۔ یا سیاہ یا
اودے۔ یا کاسنی۔ یا سفید۔ یا نارنجی وغیرہ وغیرہ یا دو رنگے ہیں یا سہ رنگے یا چہار رنگے یا اس سے
بھی زیادہ والے ہیں۔ اور چھوٹے پھولوں والے یا بڑے پھولوں والے۔ اور خوشبودار ہیں یا بے خوشبو
کے۔ اور خوشبوئیں بھی یا متفق ہیں یا مختلف ہیں۔ اگر مختلف ہیں تو کتنی قسموں کی ہیں۔ اور پھلدار
درخت یا دوا کے کام کے ہیں یا غذا کے۔ انسان کی غذا کے بکار آمد ہیں۔ یا پرندوں۔ وحشیوں کے بکار آمد ہیں
یا اہلیوں کے اور میٹھے پھل والے ہیں یا کھٹے پھل کے۔ اور مٹھاس بھی ایک قسم کی ہے یا جتنے پھل ہیں سب
کے مزے الگ الگ ہیں۔ اگر ترش ہیں۔ تو ایک قسم کی ترشی ہے یا کئی قسم کی۔ اور مزاج انکے یا حار
ہیں یا بارد و رطب ہیں یا یابس۔ وغیر ذالک من التفاصیل التی لا حصر لہا۔ اور پھر ہر ایک قسم کے درختوں
میں سے یا وہ ہیں جو بیج کے ذریعے سے پیدا ہوتے یا قلم لگانے سے اور پھر ایک انہیں آیا دیرپا ہیں۔
یا جلد فنا ہوجانے والے ہیں۔ زرعی ہیں یا بستانی ہیں۔ اور تعداد میں اُنکی محدود ہیں یا نامحدود ہیں

اگر ان سب کو جمع کیا جائے۔ تو کروڑ در کروڑ بلکہ ارب در ارب شمار ہو سکتا ہے۔ مگر انکے اقسام و انواع و اصناف و افراد محدود نہیں ہو سکتے۔ تو ان سب کے اسماء معلوم ہو سکتے۔ اور نہ خواص۔ سوائے اسکے کہ جنکو علم نباتات والوں نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور اُن سے بڑی بڑی ضخیم کتابیں ترتیب دی ہیں۔ لیکن پھر بھی کل اقسام کو محدود نہیں کر سکے۔ اور نہ اُن سب کے تمام خواص سمجھ سکے۔ کیونکہ ہر ایک پھل میں بیس بیس تیس تیس بلکہ اس سے بھی زیادہ زیادہ خواص و منافع و فوائد ہیں۔ جو ابھی تک بہت سے معلوم نہیں ہو سکے۔ اور وقتاً فوقتاً الہام الٰہی سے اہل علم و فکر کو معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ اور رات کا دن پر ڈھانک لینا تاکہ مخلوقات راحت و آرام پا سکے۔ وجعلنا الّیل لباساً" اور زمین کے قطعے قطعے کی الگ الگ خاصیت اور حالت بنائی۔ کوئی قابل زراعت ہے اور کوئی قابل باغ لگانے کے ہے۔ کوئی صرف سبزہ پیدا کر سکتی ہے۔ کوئی پھول کے درختوں کے لئے مناسب ہے کوئی پھل کے درختوں کیواسطے کوئی شور ہے کوئی شیریں۔ کوئی قطعہ سرخ مٹی کا ہے۔ کوئی سفید مٹی کا۔ کوئی سیاہ مٹی کا۔ کوئی زرد مٹی کا۔ کوئی علاج میں کام آتا ہے۔ کوئی تعمیر میں۔ کوئی رنگ میں کام آتا ہے۔ کوئی ظروف سازی میں غرض اس کے بھی بیشمار خواص و افعال و فوائد و منافع ہیں۔ پھر انگوروں اور زراعت کے دانے پیدا کرنے کہ ہر ایک انمیں سے بہت سی قسموں پر مشتمل ہے۔ انگور اپنی اقسام اور فوائد و خواص میں مختلف ہے اور زراعت کے دانے اپنی اقسام و خواص و افعال میں بیشمار ہیں۔ اگر ان سب کو بیان کیا جائے تو علم النباتات خاصہ اسی کتاب میں ترتیب پا جاوے۔ لیکن میں تو صرف ان امور کیطرف اجمالی اشارہ کرتا جاتا ہوں اور خرما کے درخت پیدا کرنے اور انمیں نر و مادہ کا فرق کرنا۔ اگر مادہ درخت کے پاس نر درخت نہ ہو۔ تو نہ اسمیں شادابی آتی ہے اور نہ پھل اچھے ہوتے ہیں۔ پھر اسمیں عجیب و غریب مشابہت انسان سے ہونی۔ کہ نر کے پھول میں وہی خوشبو ہے جو انسان کے نطفہ میں بو ہوتی ہے۔ اور یہ کہ اگر چند سال نہ پھلے اور مالک اُسکی جڑ پر کاٹنے کے ارادہ سے آرہ لگائے۔ اور دوسرا کوئی کہدے کہ اسے نہ کاٹو۔ سال آئندہ میں یہ پھلیگا۔ پھر وہ چھوڑ دے تو سال آئندہ اسمیں ضرور پھل لگینگے۔ اور نیز اس میں انسان سے یہ مشابہت ہونی کہ اگر اسکا سر کاٹ دیا جائے۔ تو کبھی دوبارہ اسمیں شاخیں اور پتیاں نہ نکلینگی اور اسکے اقسام کا مختلف ہونا۔ اسکے پھلوں کا مختلف ذائقہ رکھنا۔ قد میں بڑا ہونا چھوٹا ہونا رنگوں میں مختلف ہونا۔ ایک ہی جڑ سے کئی درخت نکلے ہوں۔ تب بھی اُنکے پھلوں میں مختلف ذائقہ مختلف رنگ مختلف خوشبو ہونی۔ خامی کیحالت میں کوئی ذائقہ اور پختگی میں کوئی۔ پھر ان سب کے خواص کا مختلف ہونا یقیناً اور حتماً جزماً یہ ایسے امور ہیں۔ جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ہمارا پیدا کرنیوالا کوئی بڑا حکیم و خبیر و مدبر و منعم و رحیم و رحمان ہے۔ فسبحانہ تعالیٰ شانہ و عظیم برہانہ ؛

سورہ حجر رکوع ۲ - ولقد جعلنا فی السمآء بروجاً وزیّنٰھا للنّٰظرین ٥

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ (سورہ حجر رکوع ۲)

یہ مجموعی آٹھ آیتیں ہیں۔ جو ایک ہی مقام پر بیان فرمائی گئی ہیں۔ ان آیتوں میں علم ہیئت اور طبعیات کا بڑا حصہ بیان کیا ہے۔ جنکو اگر تفصیل سے لکھا جائے۔ تو بہت طول ہوگا۔ لیکن مختصر طور اس مقام کی تفسیر چند بیانوں میں واضح کیجاتی ہے۔

بیان اول تحقیق الفاظ۔ **بروج** جمع ہے برج کی جسکے معنی قصر عالی ہیں۔ مگر یہاں مراد آسمان کے اُن بارہ حصّوں سے ہے جسمیں سیارات کی گردش ہوتی ہے۔ اور اُن کے نام علی حسب التوالی یہ ہیں۔ ۱ حمل۔ ۲ ثور۔ ۳ جوزا۔ ۴ سرطان۔ ۵ اسد۔ ۶ سنبلہ۔ ۷ میزان۔ ۸ عقرب۔ ۹ قوس۔ ۱۰ جدی۔ ۱۱ دلو۔ ۱۲ حوت۔ بعض کا قول ہے کہ بروج سے مراد ستارے ہیں۔ جیسا کہ ابن عباس سے منقول ہے۔ اور واقعی یوہیں ہے۔ جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا۔ **شیطان** سرکش کو کہتے ہیں۔ اصل اسکی یہ ہے کہ اشتقاق اسکا شطن سے ہے۔ بمعنی بعد ہے۔ چونکہ یہ فرقہ خیر و نیکی سے دور اور شر و فساد سے قریب ہوتا ہے اس لئے اسکو شیطان کہا گیا۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ شیطان کسی خاص قوم کا نام نہیں۔ بلکہ جو سرکش ہو۔ اُسے شیطان کہتے ہیں۔ خواہ وہ از قسم جن ہو۔ یا از قسم انس۔ سرکش جن کو شیطان الجن۔ اور سرکش انسان کو شیطان الانس۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۔ اور جنکی نسبت یہ آیت ہے فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ۔ تقریب دلیل یہ ہے کہ ابلیس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ جیسا کہ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ۔ اور اسی نے حضرت آدم کو بہکایا بھی جسکی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اسکو شیطان کہا فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ۔ نیز ایک مقام پر فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ پس معلوم ہوا کہ شیطان ہر سرکش کو کہتے ہیں خواہ انسی ہو خواہ جنی۔ لیکن ہندوستان کے فیلسوف مسمّی بریفارمر سید احمد خانصاحب نے جو

شیطان وجن کے وجود سے انکار کیاہے۔ وہ محض قلت تدبر اور تبعیت اہل یورپ سے ہے۔ جنھو تحقیق۔ کیونکہ جنوں کا وجود یقینی بلکہ بدیہی ہے۔ اور اسکا انکار کرنا عقل ونقل دونوں سے دشمنی کرنی ہے۔ عقل سے تو اس سبب سے کہ کسی نہ دیکھی ہوئی چیز کی نفی کرنی حماقت میں داخل ہے بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنکو انسان نے ابتک نہیں دیکھا تو کیا اُس کے وجود کا انکار کردیگا۔ روح کو کس نے دیکھا۔ قوائے جسمانیہ جو خاص اپنے ہی بدن میں ہیں کس نے دیکھا ہوا کی صورت کس نے دیکھی۔ اور خدا تعالیٰ ہی کو کس نے دیکھا (میں ان لوگوں سے علیحدہ بحث کرونگا۔ جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تعالیٰ نعوذ باللہ امرد کی صورت میں آسمان سے اترتا اور اہل دنیا کو دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ یہ قول دیوانہ کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا) پھر ان سب چیزوں کے وجود سے انکار کردینا چاہیئے۔ اور اگر کہا جائے کہ اُن کے آثار سے ہم نے انکے وجود کا پتہ لگایا تو ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے۔ کہ جن کے وجود کا بھی پتہ اُسکے آثار سے معلوم ہوا۔ بہت دنیا میں ایسے آدمی ہیں۔ جن سے جنوں نے کلام کیا اور انکی وجہ سے آرام یا تکلیف لوگوں کو پہنچی اور پہنچتی رہتی ہے۔ اور یہ واقعات اس قدر متواتر ہیں کہ انکا انکار کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی کہدے کہ روئے زمین پر مکہ کوئی شہر نہیں ہے۔ صرف اسوجہ سے کہ وہ ابھی تک حج کے لئے مکہ کو نہیں گیا ہے۔ حالانکہ لاکھوں آدمی جو حج کرکے آئے ہیں۔ وہ اُس کے موجود ہونے کو بتاتے ہیں۔

پس جبکہ اُس کے آثار صفحہ ہستی پر لاکھوں موجود ہیں۔ تو انکار کرنیکی کیا وجہ؟ علاوہ اس کے صورت وشکل مجسّم میں بھی لوگوں نے جنوں کو دیکھا ہے تو کیا صرف سید احمد خانصاحب کا نہ دیکھنا اُسکے عدم کی دلیل ہوسکیگا ہرگز نہیں؟ اور نقل سے دشمنی اسوجہ سے ہے کہ خدا تعالیٰ خود اس کے وجود کا اقرار فرماتا ہے والجانّ خلقناھم من قبل من نار السّموم ہم نے جنوں کو پہلے ہی نار سموم سے پیدا کیا ہے۔ نیز فرماتا ہے خلق الانسان من صلصال کالفخار وخلق الجانّ من مارج من نار (خدا تعالیٰ نے) پیدا کیا انسان کو ٹھیکری کیطرح بجتی ہوئی مٹی سے اور جنوں کو آگ کی لو سے" اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر خدا تعالیٰ نے ان دونوں نوعوں کے وجود خلقت کو ارشاد فرمایا ہے پس جن کے وجود کو نہ ماننا قرآن کے بیان کو جھوٹا سمجھنا اور نقل قرآنی سے دشمنی رکھنی ہے۔ نیز انکے وجود کا انکار کرنا قدرت خدا تعالیٰ کا انکار ہے۔ یعنی کہ گویا وہ ایسی چیزیں ہی نہیں پیدا کرسکتا جو آنکھوں سے دکھائی نہ دے سکیں۔ حالانکہ اُس نے نمونہ کے طور پر بدن انسان میں روح اور نفس کو پیدا کرکے دکھادیا ہے کہ ہم ایسی چیزیں خلق فرمانے پر بھی قادر ہیں جنکو آنکھیں دیکھ سکیں نیز اسمیں استبعاد واستحالہ ہی کیا ہے۔ کہ کوئی شے آگ سے پیدا ہو۔ جبکہ مٹی سے پیدا کرنا

کسی چیز کا ممکن ہے تو آگ سے بنانا بھی ایسے اقدر القادرین کو کیا دشوار ہوگا۔ کیا آگ کے کیڑے۔ سمندر کو آپ نے نہیں دیکھا یا کتابوں میں اسکا حال نہیں پڑھا ہے؟ کیا یہ کیڑا آگ سے نہیں پیدا ہوتا اور کیا اسکی زندگی آگ سے نہیں ہے۔ دیکھو خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کو ہر صورت سے ظاہر کرکے دکھادیا ہے۔ کچھ چیزیں ایسی پیدا کی ہیں۔ جنمیں مٹی کے اجزا زیادہ رکھے۔ جیسے حیوانات نباتات۔ جمادات۔ کچھ چیزیں ایسی پیدا کیں جنمیں آبی اجزا زیادہ رکھے۔ اور گویا وہ رطوبات و مائیت ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے اکثر دریائی حیوانات جنکی زندگی پانی ہی سے ہے۔ کچھ چیزیں آگ سے پیدا کیں جنمیں اجزائے ناریہ زیادہ رکھے۔ جیسے سمندر اور جن۔ اور کچھ چیزیں ایسی پیدا کردی ہیں جنکو ہوا ہی سے زیادہ تعلق ہے۔ جو استحالۂ ہوا سے پیدا ہو جاتے ہیں اور اس قسم کے جانور ہونگے۔ جو فضائے وسیع زمین و آسمان میں باریک باریک نظر آتے ہیں۔ تو ہر صورت سے ان ذیحیاتوں کے پیدا کرنیمیں اپنی قدرت کا اظہار مقصود ہے۔ اور سید صاحب اس قدرت کا انکار فرماتے ہیں۔ دیکھئے علماء اسلام میں سے امام رازی فرماتے ہیں۔ الاصح ان الشیاطین قسم من الجن فکل من کان منھم مومنا فانہ لا یسمی بالشیطان وکل من کان منھم کافرا یسمی بھذا الاسم صحیح یہ ہے کہ شیاطین بھی از قسم جن ہیں پس جو مومن ہیں اُنکا نام شیطان نہیں۔ اور جو مومن نہیں اُنکا نام شیطان ہے ❖

ایک عالم نے کیا خوب عقلی دلیل وجود کی بیان کی ہے۔ اور وہ ان لفظوں میں ہے ما سوی اللہ بحسب القسمۃ العقلیۃ علی ثلثۃ اقسام المتحیز والحال فیہ والذی لا یکون متحیزا ولا حالا فیہ وھذا القسم الثالث لم یقم الدلیل علی فساد القول بہ بل الدلائل الکثیرۃ قامت علی القول بہ وھذا ھو المسمی بالارواح فھذہ الارواح ان کانت طاھرۃ مقدسۃ من عالم الروحانیات المقدسۃ فھم الملائکۃ وان کانت خبیثۃ داعیۃ الی الشرور وعالم الاجساد ومنازل الظلمات فھم الشیاطین۔ یعنی علاوہ ذات خدا تعالیٰ کے جتنے موجودات ہیں۔ وہ تین قسم کے ہو سکتے ہیں۔ یا تو حیّز (یعنی مکان خاص) میں رہنے والے ہونگے۔ (جیسے ہوا آگ پانی مٹی اور انکے مرکبات نباتی وجمادی وحیوانی) یا اُس متحیز کے اندر حلول کئے ہوئے ہونگے۔ (جیسے قوائے حیوانیۃ ونباتیہ وغیرہ۔ بارنگ وبو وشکل وغیرہ) یا دونوں سے الگ ہونگے یعنی نہ خود کسی جگہ میں ہونگے اور نہ کسی حیز والے میں حلول کئے ہونگے (وہ دو قسمیں تو قطعی الثبوت ہیں کیونکہ انکا وجود بدیہی ہے۔ ہر شخص نباتات وجمادات وحیوانات اور اُنکی کیفیات وحرکات وقوے کو آنکھوں سے دیکھتا ہے) رہی تیسری قسم اُسکے نہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں بلکہ بہت سی دلیلیں اُس کے وجود پر قائم ہوچکی ہیں۔ اسی تیسری قسم کے موجودات کو ارواح کہتے ہیں۔ پس انہیں سے جو روحیں

پاک ہیں وہ ملائکہ ہیں۔ اور اگر خبیث ہیں۔ امور بد کی طرف رغبت دلانے والے اور عالم اجسام و
منازل تاریکی کیطرف لیجاتے ہیں۔ تو وہ شیاطین ہیں ؛

علامہ دمیری نے کتاب حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے "ان الجن اجسام ھوائیۃ قادرۃ
علی التشکل باشکال مختلفۃ لھا عقول و افھام وقدرۃ علی الکلام و الاعمال الشاقۃ
وھم خلاف الانس الواحد جنی ویقال انما سمیت بذلک لانھا تتقی ولا
تری وروی الطبرانی باسناد حسن عن ثعلبۃ الخشنی ان النبی قال الجن علی
ثلثۃ اصناف فصنف لھم اجنحۃ یطیرون بھا فی الھواء وصنف حیات وصنف
یحلون یظعنون وروی ابو الدنیا فی کتاب مکاید الشیطان من
حدیث ابی الدرداء ان النبی قال خلق اللہ الجن ثلثۃ اصناف صنف
حیات وعقارب وخشاش الارض وصنف کالریح فی الھواء وصنف
علیھم الحساب و العقاب وخلق اللہ الانس علی ثلثۃ اصناف صنف
کالبھائم لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا ولھم اعین
لا یبصرون بھا وصنف اجسادھم اجساد بنی ادم وارواحھم ارواح
الشیاطین وصنف کالملائکۃ فی ظل اللہ یوم لا ظل الا ظلہ واجمع المسلمون
علی ان محمدا مبعوث الی الجن کما ھو مبعوث الی الانس"

یعنی جن اجسام ہوائیہ ہیں مختلف شکلوں سے متشکل ہو سکتے ہیں۔ اُنکی عقل وفہم بھی رکھتے
ہیں کلام اور سخت کاموں کے کرنے پر بھی قادر ہیں اور وہ انسان کے بالکل برخلاف اور علاوہ ہیں
واحد اس لفظ کا جنی ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ نام اس وجہ سے قرار پایا کہ رہتے تو ہیں۔ مگر دکھائی نہیں
دیتے۔ طبرانی نے سند حسن ثعلبہ خشنی سے روایت کی کہ پیغمبر خدا نے فرمایا جن تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم وہ
ہے۔ جنکے پر ہیں۔ ہوا میں اُڑتے ہیں۔ دوسری قسم سانپ ہیں۔ اور ایک وہ صنف ہیں کہ وہ
کوچ ومقام بھی کرتے ہیں۔ ابو الدنیا نے کتاب مکائد الشیطان میں روایت کی ہے حدیث
ابو درداء سے کہ نبی صلے اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا۔ جن تین قسم کے ہیں ایک قسم سانپ ہیں اور
بچھو اور حشرات الارض۔ دوسری قسم مثل تند ہوا کے فضا میں رہتے ہیں۔ تیسری قسم کے وہ
جن ہیں جنپر حساب وعقاب بھی ہے (یعنی مکلف ہیں) اور آدمیوں کو بھی خدا نے تین قسم کا پیدا کیا
ہے۔ ایک تو مثل بہائم کے ہیں جنکے پاس دل تو ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ اُنکے کان ہیں مگر
سنتے نہیں۔ اُنکی آنکھیں بھی ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں (یعنی بے عقل محض ہیں جیسے جنگلی
اور بدوی آدمی)۔ اور دوسری قسم کے وہ آدمی ہیں کہ جسم اُنکے تو مثل بنی آدم کے ہیں مگر روحیں

انکی شیطان کی سی ہیں (یعنی شریر و بدمعاش لوگ) تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو مثل ملائکہ کے سایہ خدا میں رہینگے۔ اُسدن جبدن کوئی سایہ سوائے اُسکے سایہ کے نہ ہوگا۔" اور مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ محمدؐ جن کی طرف بھی مبعوث کئے گئے ہیں اُسیطرح جیسے آدمیوں کیطرف"

صاحب مقاصد کا بیان ہے کہ ظاہر قرآن و حدیث سے جہانتک ثابت ہوتا ہے اور یہی قول اکثر امت رسول کا ہے کہ ملائکہ اجسام لطیفہ نورانیہ ہیں۔ قادر ہیں کہ مختلف شکلوں سے متشکل ہوسکیں۔ آگے چلکر کہتے ہیں والجن اجسام لطیفة هوائية تتشكل باشكال مختلفة ويظهر منه افعال عجيبة منهم المومن ومنهم الكافر والمطيع والعاصي والشياطين اجسام نارية شانها القاء النفس فے الفساد والغواية بتذكير اسباب المعاصي

اور جن اجسام لطیفہ ہوائیہ ہیں جو مختلف شکلوںمیں متشکل ہو سکتے ہیں اور ان سے افعال عجیبہ ظاہر ہوتے ہیں۔ اُنہیں مومن کافر مطیع و نافرمان سب قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور شیاطین اجسام ناریہ جنکی شان سے نفس کو فساد میں ڈالنا ہے معصیت کے اسباب کو یاد دلاکر" پھر کہا ہے۔ الغالب على الشيطان عنصر النار وعلى الآخر عنصر الهواء۔ شیطان میں تو عنصر ناری زیادہ ہے اور دوسرے یعنی جن میں عنصر ہوائی زیادہ ہے۔ پھر کہا ہے والقائلون من الفلاسفة بالجن والشياطين زعموا ان الجن جواهر مجردة لها تصرف وتاثير في الاجسام العنصرية من غير تعلق بها تعلق الانفوس بالابدان البشرية۔ جو حکماء جن و شیاطین کے وجود کے قائل ہیں انکا گمان ہے کہ جن جواہر مجردہ ہیں جنکو اجسام عنصریہ میں تصرف و تاثیر کا اختیار ہے۔ مگر اُنکا تعلق اجسام سے ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ نفوس کا ابدان بشریہ سے" پھر کہا ہے۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ بعض حکماء کا یہ خیال ہے کہ نفوس بشریہ یعنی آدمیونکی روح بدن سے جُدا ہونے کے بعد جن کہے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ نیک اور مطیع دواعی عقلیہ کے ہوں۔ اور اگر شریر ہوں اور معین گمراہی ہوں اور غوایت میں انہماک انکا کام رہا ہو۔ تو وہ شیاطین ہیں۔ وبالجملة فالقول بوجود الملائكة والشياطين مما انعقد اجماع الآراء نطق به كلام الله تعالى و كلام الانبياء عليهم السلام یعنی حاصل کلام یہ کہ ملائکہ اور جن اور شیاطین کے وجود پر تمام عقول و آراء امت کا اجماع ہے۔ قرآن مجید اور کلام انبیاء بھی اسپر شاہد ہے۔ (یہ ہے حاصل کلام مصنف کتاب المقاصد فی علم الکلام)۔ علامہ راوندی نے ایک طولانی بحث اور لطیف تشریح کے بعد لکھا ہے اور دسواں مرتبہ روح کا وہ ہے جو سفلی ہیں اور اُنکا تصرف اجسام نباتیہ اور حیوانیہ میں ہوتا ہے جو اس عالم میں موجود ہیں۔ اور جانو کہ یہی روحیں کبھی روشن۔ نیک اور سعید ہوتی ہیں اُنکو جن کہتے ہیں اور کبھی کدر سفلی ہوتی ہیں۔ اُنکو شیاطین کہتے ہیں۔ انتہی محصل ترجمہ (منقول از بحار الانوار)

یہانتک تو اسلامی علما کی رائیں معلوم ہوئیں کہ متفق علیہ سب کے سب جن و شیاطین کے وجود کے

قائل ہیں پس ایک شخص کا اختلاف کیا فائدہ دے سکتا ہے علاوہ اس کے احادیث بھی بکثرت اس بارہ میں موجود ہیں۔ درِ منثور میں علامہ سیوطی نے معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسولخدا کے پاس صدقہ کے خرمے لائے گئے میں نے انہیں ایک غرفہ میں رکھدیا مگر ہر روز انمیں کچھ کم پاتا تھا۔ اسکی شکایت رسول خدا سے کی آپنے فرمایا یہ شیطان کا کام ہے ذرا گھات تو لگاؤ۔ بس میں نے گھات لگائی۔ جب تھوڑی رات گزری تو ہاتھی کی صورت کا ایک جانور آیا جب دروازہ تک پہنچا۔ تو دروازہ کی درزوں سے صورت بدلکر داخل ہوا اور خرموں کے پاس گیا اور کھانے لگا۔ میں نے اپنے کپڑے سمیٹے اور اُسکے پاس گیا اور کہا کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمداً عبدہٗ و رسولہ اے دشمن خدا وثبت الی التمرۃ واخذتہ وکانوا احق بہ منک لارفعنک الی رسول اللہ فیفضحک فعاھدنی ان لا یعود۔ تو نے لپک کر چھوارے کھانے شروع کر دئے حالانکہ اور لوگ تجھ سے زیادہ اس کے مستحق تھے۔ میں تجھے رسولخدا کے پاس پکڑ کر لے چلونگا۔ تو آنحضرت تجھے رسوا کر دینگے۔ پس اُس نے مجھسے عہد کیا کہ دوبارہ نہ آئیگا۔ وعن ابن عباس قال۔ کان رسول اللہ نازلا علی ابی ایوب فی غرفۃ وکان طعامہ فی سلۃ فی المخدع فکانت تجی من الکوۃ کھیئۃ السنور تاخذ الطعام من السلۃ فشکی ذالک الی رسول اللہ فقال رسول اللہ تلک الغول فاذا جاءت فقل عزم علیک رسول اللہ ان لا تبرحی فجاءت فقال لھا ابو ایوب عزم علیک رسول اللہ ان لا تبرحی فقال یا ابا ایوب دعنی ھذہ المرۃ فو اللہ لا اعود فترکھا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب ابو ایوب کے پاس غرفے میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ آپکا کھانا کوٹھری میں ایک ٹوکرے میں رکھا ہوا تھا۔ تو کوئی شخص مثل نور کے جھروکے سے آتا اور کھانے میں سے کچھ نکال لیتا۔ ابو ایوب نے اسکی شکایت آنحضرت سے کی آپ نے فرمایا وہ غول ہے (یعنی شیطان) اب جو آئے تو کہنا کہ رسولخدا نے تجھکو قسم دی ہے کہ یہاں سے نہ ہٹنا پس وہ آیا اور ابو ایوب نے بھی کہا اُس نے کہا اے ابو ایوب اب کے مرتبہ مجھے چھوڑ دو۔ تو خدا کی قسم پھر یہاں نہ آؤنگا۔ آخر ابو ایوب نے اُسے چھوڑ دیا۔

علاوہ اسکے اور بھی حدیثیں سیوطی نے اس تفسیر میں نقل کی ہیں جن سے وجود جن صاف ثابت ہوتا ہے۔ بعض اُنمیں سے وہی ہیں جنہیں دمیری نے کتاب حیوۃ الحیوان میں نقل کیا ہے۔

اور شیعہ طریقے سے بھی سینکڑوں حدیثیں موجود ہیں۔ منجملہ اُنکے دو تین یہاں مذکور ہوتی ہیں۔ عن معاویۃ بن عمار عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال الاباء ثلثۃ آدم ولد مومنا والجان ولد کافرا وابلیس ولد کافرا ولیس فیھم نتاج انما یبیض و یفرخ

یعنی اول باپ تین ہیں۔ ایک آدم (انسانوں کے باپ) وہ مومن پیدا ہوئے تھے۔ دوسرے جان (جنوں کے باپ) کافر پیدا ہوا تھا۔ تیسرے ابلیس یہ بھی کافر پیدا ہوا تھا۔ یہ بچے نہیں جنتے۔ بلکہ انڈا دیکر بچے نکالتے ہیں (خصال ابن بابویہ)

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔ حضرت نے اپنے آبائے کرام سے روایت فرمائی ہے کہ ایک شامی نے جناب امیر المومنین علیہ السلام سے جن کے باپ کا نام پوچھا۔ آپنے فرمایا شومان اُسکا نام تھا اور وہی آگ سے پیدا کیا گیا تھا (بحار الانوار السماء والعالم)

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں مذکور ہے کہ ابلیس کی بابت دریافت کیا گیا۔ کیا وہ ملائکہ میں سے نہ تھا؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ جن کی قوم میں سے تھا۔ کیا تم خدا کے اس قول کو نہیں دیکھتے کہ فرماتا ہے وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ کَانَ مِنَ الْجِنِّ" یہی وہ ہے جسکو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰہُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ۔ اور جن کو ہم نے پہلے ہی آتش سموم سے پیدا کیا"

اصول کافی۔ میں ایک حدیث مروی ہے۔ جسکا ترجمہ یہ ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ناگاہ ایکمرتبہ امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے ایک اژدہا آیا دروازہ مسجد کیطرف۔ پس لوگوں نے ارادہ کیا کہ اُسکو قتل کریں۔ آپ نے آدمی بھیجکر لوگوں کو اس فعل سے منع کیا پس لوگ باز رہے۔ وہ اژدہا گھسکتا ہوا منبر تک آیا اور آگے بڑہکر سلام کیا حضرت نے اُسکو اشارہ کیا کہ ٹھیر جا۔ یہاں تک کہ میں خطبہ سے فارغ ہو جاؤں۔ جب آپ اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے۔ تو اُسکی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تو کون ہے اُس نے کہا میں عمرو بن عثمان ہوں۔ جسے آپنے اپنا خلیفہ جنوں کی قوم پر بنایا تھا اب میرا باپ مرگیا۔ اور مجھے وصیت کر گیا تھا کہ آپکی خدمتمیں حاضر ہوں۔ تاکہ آپکی رائے معلوم کروں اب حاضر ہوا ہوں۔ پس آپکی رائے میری بابت کیا ہے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ میں تجھے تقوائے خدا کی وصیت کرتا ہوں۔ اور تو اب جا اپنے باپ کے قائم مقام ہو۔ اب تو میرا خلیفہ ہے جنوں کی قوم پر" (از بحار الانوار)

شہاب لغت میں شعلہ آتش کو کہتے ہیں۔ اور ستارے پر بھی اطلاق ہوا ہے۔ اور یہاں مراد اُن ستاروں سے ہے جو آسمان سے ٹوٹتے ہوئے اور ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اسکی نسبت حکمائے اسلام اور اُنکے تابعین کا تو یہ خیال ہے کہ زمین کیطرف سے جو دھواں بلند ہوتا اور کرہ نار تک پہنچتا ہے تو وہاں جاکر مشتعل ہوتا اور ٹوٹتے ہوئے ستارے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے ؛

چنانچہ عموماً کتب فلسفیہ میں یہی مذکور ہے۔ اور اُنہیں کی نقل ملا فضل الحق خیرآبادی نے

بھی کی ہے۔ فرماتے ہیں واذا تصعد الدخان ووصل الی کرۃ النار یشتعل کما تریٰ فیما اذا اطفأت سراجاً ووضعتہ تحت سراج مشتعل یتصل دخان السراج المنطفی بالمشتعل فیشتعل ذلک الدخان وینحدر اشتعالہ الی فتیلۃ المنطفی فیشتعل ذلک السراج مما کان منہ لطیفا صار مشتعلا ونفذ فیہ النار بسرعۃ فیریٰ کانہ کوکب ینقض ویقذف بہ وھو الشہاب"۔ یعنی کہ دھواں جب صعود کرتا اور کرہ نار تک پہنچتا ہے تو مشتعل ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ کہ جب کسی چراغ کو گل کردو۔ اور اُسی وقت اُسکو کسی روشن چراغ کے نیچے رکھو۔ اور اس گل شدہ چراغ کا دھواں روشن چراغ کی لو تک پہنچے تو یہ دھواں مشتعل ہوجائیگا اور اسکا اشتعال بڑھتا آئیگا۔ یہانتک کہ گل شدہ چراغ کی بتی تک پہنچکر اُسے بھی مشتعل کردیگا۔ پس جو حصہ دخان متصاعد کا لطیف ہوتا ہے۔ تو وہ مشتعل ہوجاتا اور اُسمیں آگ (کرہ نار کی) سرعت سے نفوذ کرجاتی ہے۔ تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ستارہ ٹوٹا۔ یا پھینکا گیا اور وہی شہاب ہے ؛

اور محقق طوسی علیہ الرحمتہ نے شرح اشارات میں اسی اجزاء ناریہ کی نسبت لکھا ہے "اذا بلغ الجو الاقصے الحار بالفعل لبعدہ عن مجاورۃ الماء والارض ومخالطۃ ابخرتھما وقربھا من الاثیر اشتعل طرفہ العالی اولاً ثم ذھب الاشتعال فیہ الی آخرہ فُرأیَ الاشتعال ممتداً علٰے سمت الدخان الی طرفہ الآخر وھو المسمی بالشہاب"۔ جبکہ یہ اجزائے ناریہ یا بستہ متصورہ جو اقصی تک پہنچتے ہیں۔ جو بسبب بعد مجاورۃ آب وخاک و بعد مخالطت ابخرۂ آب وخاک کے اور قرب آسمان کے بالفعل حار ہے۔ تو اسکا طرف عالی پہلے مشتعل ہوجاتا ہے۔ پھر اشتعال آخر تک بڑھتا ہوا چلا آتا ہے۔ تو وہ اشتعال دھوئیں کی سمت میں لمبا دکھائی دیتا ہے۔ اُس کے آخری کنارے تک اور اسی کا نام شہاب ہے ؛

زبان شریعت یہ بیان کرتی ہے کہ شہاب اُن شعلوں اور روشن ستارہ نما چیزوں کا نام ہے۔ جو شیاطین کے آسمان تک پہنچنے سے روکنے کے لئے خدا کے حکم سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگرچہ ان دونوں قولوں میں کچھ تضاد نہیں ہے۔ صرف فہم نتیجہ کا فرق ہے۔ حکما بسبب اپنی عدم واقفیت کے احوال غیر مرئیات سے صرف یہی سمجھ سکے کہ یہ ادخنہ مشتعلہ ہیں۔ جو محض قرب نار کی وجہ سے مشتعل ہوگئے ہیں حالانکہ واقعی انکا اشتعال شیطانوں کے بھگانے کے لئے ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو لسان شریعت کا بیان جناب صادق علیہ السلام سے مروی "کان ابلیس یخرق السماوات السبع فلما ولد عیسیٰ حجب عن ثلث سماوات وکان یخرق اربع سماوات فلما ولد رسول اللہ حجب عن السبع کلھا ورمیت الشیاطین بالنجوم"۔ (تفسیر صافی سورہ حجر) ابلیس ساتوں آسمانوں کے پار چلا جایا کرتا تھا۔ پس جب سے حضرت عیسٰے پیدا ہوئے تو تین آسمانوں سے اُسکا جانا روکا گیا مگر چار

آسمانوں تک جاتا تھا۔ پس جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ پیدا ہوئے تو ساتوں آسمانوں سے روکا گیا اور شیطانوں کو ستاروں سے مارا گیا۔ (جو اوپر جانیکا ارادہ کرتے ہیں) اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہاب کا ٹوٹنا جناب رسالتمآب صلعم کی ولادت سے پہلے نہ تھا۔ بلکہ بعد میں حادث ہوا ہے۔ چنانچہ صاحب مجمع نے لکھا ہے کہ فالشہاب من معجزات نبینا صلعم لانہ لم یر قبل زمانہ شہاب ہمارے نبی صلعم کے معجزات میں سے ہے۔ کیونکہ حضرت کے زمانے سے پہلے دکھائی نہیں دیتا تھا۔ (حضرت کی ولادت کے بعد اس کا حدوث ہوا ہے) نیز تفسیر صافی میں قمی علیہ الرحمۃ کی تفسیر سے نقل کیا ہے کان بمکۃ یہودی یقال لہ یوسف فلما رای النجوم تتحرک وتسیر فی السماء خرج الی نادی قریش فقال یا معشر قریش ھل ولد فیکم اللیلۃ مولود فقالوا لا فقال اخطأتم والتوراۃ قد ولد فی ھذہ اللیلۃ آخر الانبیاء وافضلھم وھو الذی نجدہ فی کتبنا انہ اذا ولد ذلک النبی رجمت الشیاطین وحجبوا من السماء فرجع کل واحد الی منزلہ فسأل اھلہ فقالوا قد ولد لعبد اللہ بن عبد المطلب بن عبد المناف الحدیث" مکہ میں ایک یہودی رہتا تھا جسکا نام یوسف تھا۔ تو جب اس نے ستارے متحرک۔ اور فضائے آسمان میں چلتے ہوئے دیکھے۔ تو مجلس قریش میں آیا۔ اور پوچھا کہ کیا تم میں کوئی اس شب میں پیدا ہوا ہے ؟ سب نے کہا نہیں !! اُس نے کہا توریت کی قسم تم غلط کہتے ہو۔ بیشک اس شب میں آخر انبیا اور افضل انبیا پیدا ہوا ہے۔ یہ وہی نبی ہے جسکی نسبت ہم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ کہ جب وہ نبی پیدا ہوگا۔ تو شیاطین رجم کئے جائینگے۔ اور آسمان (پر جانے) سے روک دیئے جائینگے۔ پس ہر شخص اپنے اپنے گھر ونکو واپس آیا اور اپنے اہل و اقارب سے دریافت کیا تو لوگوں نے کہا کہ ہاں عبد اللہ بن عبد المطلب بن عبد المناف کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے۔

اسی قسم کی روایت اہل سنت کے کتب میں بھی مذکور ہے۔ چنانچہ تفسیر درمنثور میں ابن عباس۔ قال کانت الشیاطین لھم مقاعد فی السماء یسمعون الوحی فیھا فاذا سمعوا الکلمۃ زادوا فاما الکلمۃ فیکون حقا۔ واما ما زادوا فیکون باطلا فلما بعث رسول اللہ منعوا مقاعدھم فذکروا ذلک لابلیس ولم تکن النجوم یرمی بھا قبل ذلک فقال لھم ما ھذا الا من امر حدث فی الارض فبعث جنودہ فوجدوا رسول اللہ قائما یصلے بین جبلین بمکۃ فاخبروہ فقال ھذا الحادث الذی حدث فی الارض۔ یعنی شیاطین آسمان پر گھات لگا کر بیٹھتے اور باتیں سنتے تھے ایک بات سنتے تو نو بات اور بڑھا دیتے۔ وہ ایک بات تو سچ ہوتی۔ باقی جھوٹ۔ پس جب رسولخدا صلعم مبعوث ہوئے۔ تو وہ شیاطین وہاں بیٹھنے سے روکے گئے۔ اس کا ذکر شیطانوں نے ابلیس سے کیا اُس سے پہلے شہاب نہ ٹوٹتا تھا۔ تو ابلیس نے اُن شیطانوں سے کہا کہ زمین میں کوئی حادثہ پیش آیا ہے (جسکی وجہ سے یہ شہاب ٹوٹ رہے ہیں) اب جو تفتیش کی تو رسولخدا کو مکہ میں دو پہاڑوں کے درمیان نماز

پڑھتے پایا۔ ابلیس کو اس کی خبر کی۔ اُس نے کہا یہی وہ حادثہ ہے۔ جو زمین پر حادث ہوا۔ جس سے یہ ستارے ٹوٹتے ہیں؛

بیان دوم۔ ولقد جعلنا فی السمآء بروجا وزینٰھا للنٰظرین۔ اور بیشک ہم نے آسمان میں برج پیدا کیے۔ اور زینت دی انکو دیکھنے والوں کے واسطے یعنی ستاروں کیلیے ایسی منزلیں قرار دیں۔ جنکے مقابل میں اُنکی رفتار ہوتی ہے۔ اور اُن برجوں کو روشن ستاروں سے زینت دی۔ کیونکہ جسقدر بروج ہیں۔ وہ ستاروں ہی سے حساب کیئے اور سمجھے گئے ہیں۔ اور اب جو لوگوں نے اُنکے بارہ نام رکھلیئے ہیں۔ وہ اسی وجہ سے ہیں کہ ان ستاروں کے اجتماع وافتراق سے جو صورت موہومہ پیدا ہوتی ہے اُس صورت کے نام سے اُس حصۂ فلکیہ کا نام قرار دیا ہے کوئی شیر کیصورت میں ہوگیا ہے۔ تو اُسے برج اسد کہدیا۔ کوئی مچھلی کیصورت میں ہوگیا ہے۔ تو اُسکو برج حوت کہدیا۔ کوئی ایسی صورت میں ہوگیا کہ ایک عورت ہے جو خوشہ انگور ہاتھ میں لیئے ہوئے ہے۔ اسکا نام سنبلہ رکھ لیا۔ اور علٰی ہذاالقیاس ورنہ دراصل وہ سب ستارے ہی ہیں۔ جو اُتنے اُتنے حصۂ فلک میں واقع ہوئے ہیں۔ اور شمار سے معلوم ہوا ہے کہ تیرہ ستارے برج حمل کے ہیں۔ جو بھیڑ کیصورت پر واقع ہوئے ہیں جسکے دو سینگ ہیں۔ مقدم اسکا مغرب کو ہے اور موخر مشرق کیطرف کو پشت شمال کیطرف کو ہے۔ اور دونوں پاؤں جنوب کیطرف۔ اور گویا وہ اپنے پیچھے مڑکر دیکھ رہی ہے (اس صورت سے وہ ستارے واقع ہیں)۔ اور برج ثور کے ۳۲ ستارے ہیں۔ مگر ایسی شکل ہے کہ گویا ایک بیل ناف کے پاس سے کٹا ہوا ہے۔ صرف اُسکا اگلا دھڑ موجود ہے۔ اور وہ اپنا سر جھکائے ہوئے ہے۔ مقدم اسکا مشرق کیطرف ہے اور موخر مغرب کیطرف۔ اور اسکے ستاروں میں سے ثریا اور دبران بھی ہیں۔ اور برج جوزا کے (۱۸) ستارے ہیں ایسے دو لڑکوں کی صورت میں جو آپسمیں معانقہ کر رہے ہیں مگر برہنہ ہیں۔ انکے سر شمال و مشرق کیطرف ہیں اور پاؤں جنوب و مغرب کیطرف۔ اور برج سرطان کے (۹) ستارے ہیں۔ کیکڑے کی صورت پر اگلا حصہ اسکا مشرق و شمال کیطرف ہے اور پچھلا مغرب و جنوب کیطرف۔ برج اسد کے (۲۷) ستارے ہیں۔ شیر کی صورت پر جسکا منہ مغرب کیطرف ہے اور پشت شمال کیطرف۔ سنبلہ کے چھبیس ۲۶ ستارے ہیں۔ یہ ایک نوجوان لڑکی کی صورت پر ہے۔ جسکا سر مغرب و شمال کیطرف ہے اور قدم مشرق و جنوب کیطرف اور اس کے داہنے ہاتھ میں خوشہ ہے۔ اسکے بائیں ہاتھ پر جو چمکتا ہوا ستارہ ہے اُسکا نام سماک اعزل ہے۔ اور میزان کے آٹھ ستارے ہیں۔ ترازو کی صورت میں۔ دونوں پلے اسکے تو مغرب کیطرف ہیں اور عمود اسکی مشرق کیطرف۔ اور برج عقرب کے اکیس ستارے ہیں بچھو کیصورت میں۔ سر اسکا شمال و مغرب کیطرف کو ہے اور ڈنک اسکا جنوب و مشرق کیطرف کو۔ برج قوس کے اکتیس ۳۱ ستارے ہیں۔ اور یہ ایک ایسے شخص کی صورت پر ہے۔ جسکے ہاتھ میں تیر و کمان ہے اور چلہ چڑھائے ہوئے ہے۔ اور خود ایک جانور کی گردن پر گویا سوار ہے۔ اور برج جدی کے ۲۸ ستارے ہیں۔ بکری کے بچے کیصورت

ہیں۔ جسکے دو سینگ بھی ہیں۔ سر اور دونوں اگلے پاؤں اُسکے مغرب کیطرف کو ہیں۔ اور پشت اُس کی شمال کیطرف کو۔ اور پچھلا حصہ اسکا مچھلی کا سا ہے۔ برج دلو کے (۴۲) ستارے ہیں۔ یہ ایک ایسے شخص کی صورت میں ہے کہ گویا اسکے ہاتھ میں ڈول ہے۔ جسے اوندھا کئے ہوئے ہے۔ سر اسکا شمال کیطرف ہے۔ اور پاؤں جنوب کیطرف اور خود مشرق کیطرف متوجہ ہے۔ برج حوت کے ۳۴ ستارے ہیں۔ یہ ستارے دو مچھلیوں کی صورت پر ہو گئے ہیں جنکی دمیں آپسمیں ایک ڈورے کے ذریعے سے جو باریک ستاروں سے پیدا ہوتا ہے ملی ہوئی ہیں۔ ایک کا سر تو مغرب کیطرف کو ہے۔ اور دم مشرق کیطرف اور دوسری کا سر شمال کیطرف کو ہے اور دم جنوب کیطرف۔ اور جاکر برج حمل کی صورت حمل کے سینگ سے ملگئی ہے۔

ان بروج سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ جب آفتاب و ماہتاب وغیرہ ستارے انکے مقابل میں آتے ہیں۔ تو عجیب و غریب ان سے تاثیریں ہوتی ہیں۔ مثلاً تبدیل فصول ہے کہ جب آفتاب حمل ثور۔ جوزا میں رہتا ہے تو یہ بہار کا موسم ہوتا ہے۔ اسیوجہ سے ان تین برجونکو بروج ربعیہ کہتے ہیں۔ اور جب برج سرطان۔ اسد اور سنبلہ۔ میں رہتا ہے۔ تو گرمی کا موسم ہوتا ہے۔ اسیوجہ سے انکو بروج صیفیہ کہتے ہیں۔ اور جب میزان۔ عقرب اور قوس میں ہوتا ہے۔ تو موسم خریف ہوتا ہے۔ تو یہ بروج بروج خریفیہ کہے گئے ہیں۔ اور جب جدی۔ دلو۔ اور حوت میں آتا ہے تو جاڑے کا موسم ہوجاتا ہے۔ اس لئے یہ بروج شتویہ کہلائے۔ نیز انکے علاوہ جو ستارے انمیں متفرق یا یکجا جمع ہوجاتے ہیں۔ تو بہت سے آثار ان سے ظہور میں آتے ہیں۔ مینہ کا برسنا۔ غلہ کی ارزانی۔ بیماریوں کا پیدا ہونا۔ بیماریوں کا دفع ہونا۔ مولود کی سعادت۔ مولود کی نحوست۔ کام کا بننا۔ یا کام کا بگڑنا وغیر ذالک جو علم نجوم پر اطلاع حاصل کرنیسے معلوم ہوسکیگا۔ میں اُنہیں بخوف تطویل نہیں لکھ سکتا۔

دوسرے ان بروج کا یہ بھی فائدہ ہے کہ حرکات کواکب اور نظرات سیارات کا حساب ان کے ذریعے سے بآسانی معلوم ہوجاتا ہے۔ اگر یہ بروج اس صورت پر نہ ہوتے تو ستارہ شناس لوگ نہایت مشکل سے کوئی حساب مرتب کرسکتے۔

تیسرے یہ کہ یہ بروج آسمان کی زینت بھی ہیں۔ جسوقت انسان تاریک شب میں آسمان کیطرف نظر کرتا۔ اور اُسکے چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتا ہے۔ تو اُسے ایک عجیب کیفیت محسوس ہوتی ہے خصوصاً جبکہ تنہا ہو۔ تو بیساختہ اس کھلے ہوئے باغ کو دیکھکر بول اُٹھتا ہے ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار۔

واضح ہو کہ یہ بروج جسقدر بیدا ہوئے ہیں۔ ان ستاروں سے پیدا ہوئے ہیں۔ جو آٹھویں آسمان پر ہیں۔ اور دائرہ منطقۃ البروج کے مطابق واقع ہوئے ہیں۔ جو دائرہ معدل النہار سے تقاطع کرتا ہوا شمالی اور جنوبی ہوگیا ہے۔ اور اسی کے مقابل سیارات کی خصوصاً چاند اور سورج کی گردش

ہوتی ہے ؀

وحفظنٰھا من کل شیطان رجیم - اور ہم نے اُس آسمان کی حفاظت کی شیطان رجیم سے
جیسے شہابوں سے مارا گیا ہے یا یہ کہ رجیم کے معنی ملعون و مشئوم کے ہوں - یعنی بدبخت اور ملعون شیطان
سے ہمنے آسمانوں کی حفاظت کی - تا کہ اوپر نہ جاسکیں - حفاظت سے یہ مراد ہے کہ اُس تک شیطانوں کی
رفتار کو روکا - کیونکہ حفاظت ہر شے کی مختلف ہوتی ہے - کسی کی لکھکر حفاظت کیجاتی ہے - مثلاً مضمون - اور
کسی کی یاد کر کے حفاظت کیجاتی ہے - مثلاً الفاظ قرآن - اور کسی کی قفل میں بند کر کے حفاظت کیجاتی
ہے مثلاً مال - اور کسی کی روک کر حفاظت ہوتی ہے مثلاً لڑکے کی حفاظت لہو و لعب سے روک کر - اور
مثلاً آسمان کی حفاظت شیطانوں کو وہاں تک جانیسے روک کر - الا من استرق السمع فاتبعہ شہاب
مبین - مگر جو شیطان کہ باتیں چورانے جاوے - کہ دیکھیں آسمان پر فرشتے کیا باتیں کر رہے ہیں -
اور ان باتونکو معلوم کر کے انسانونکو بہکاوے اور مغالطے میں ڈالے - تو اُسکے پیچھے ایک روشن شعلہ
جاتا ہے - تاکہ اُسے مار کر ہٹا دے - جو دیکھنے والونکو دکھائی دیتا ہے - ابن عباس سے منقول ہے
کہ زمانہ جاہلیت میں جو کاہن ہوتے تھے - اُنکے تابع ایک نہ ایک شیطان ضرور ہوا کرتا تھا - جو آسمان
پر گھات لگا کر بیٹھتا - اور فرشتوں سے باتیں سُنکر زمین پر آتا - اور اُس کاہن سے وہ باتیں بیان کرتا
تو وہ کاہن لوگوں پر اُسکا افشا کرتا - لیکن بعد جناب عیسیٰ کے تین آسمانوں اور بعد جناب مصطفیٰ کے ساتوں
آسمانوں سے انکا جانا روکا گیا - اور انکے لئے یہ عذاب قرار دیا گیا - کہ جب وہاں جانے کا ارادہ کریں -
تو شعلہ آتش انکو جلانے کے لئے دوڑے - والارض مددنٰھا والقینا فیھا رواسی -
اور زمین کو ہم نے پھیلایا - اور اُسے طویل و عریض کیا - اور اسمیں ثابت و قائم پہاڑ ڈالے یعنی گاڑے
(اور نصب کئے) تاکہ زمین متحرک ہو کر امور معاش حیوانات و انسان میں خلل انداز نہ ہو - اور تاکہ یہ پہاڑ
انسانوں کے لئے نہروں اور دریاؤنکا منبع بنیں - اور تاکہ انسے ضرورت کے موقعوں پر انسان فائدہ
اٹھا سکے - دشمنوں سے بچنے کے لئے انکی بلندی پر جا کر پناہ لے سکے - انہیں تراش کر اپنے مصرف میں
صرف کرے - مثلاً تعمیرات یا اثاث خانہ داری وغیرہ - اور تاکہ انپر مختلف الاقسام نباتات پیدا ہو سکیں - جو
دوا و غذا کا فائدہ دے سکیں اور تاکہ بلاد حارہ کی اذیت کو انکے ذریعے سے انسان موسم صیف میں دفع کر سکے
وغیر ذلک - وانبتنا فیھا من کل شیء موزون - اور ہم نے اگائیں اس زمین پر قابل وزن
چیزیں - یا بقدر و اندازہ معین - پس اگر یہ معنی ہوں - کہ ہر چیز قابل وزن ہم نے پیدا کی تو مطلب یہ ہوگا -
کہ جتنی چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں - وہ ایسی ہیں کہ کیل و وزن میں آتی ہیں - اور تم لوگ اُس سے
بذریعہ وزن و پیمانہ فائدہ اٹھا سکتے ہو - اور اگر یہ معنی ہوں کہ ہر شے باندازہ معین اگائی - تو مطلب یہ ہوگا -
کہ جسقدر چیزیں اسمیں اُگائی گئی ہیں - وہ ایک خاص مقدار پر ہیں - نہ اس سے زیادہ ہیں اور نہ اس سے کم

اور جو ضرورت مخلوقات کے لئے کافی ہو سکتی ہیں۔ پھر اسصورت میں آیت کے معنی بہت وسیع ہو جائینگے۔ کیونکہ موزون بمعنی مقدر و معین بہت سے پہلوؤں سے یہاں پر درست ہوسکیگا۔ مثلاً ہر شئے ہم نے اس زمین میں موزون اُگائی یعنی حالت خاصہ اور کیفیت خاصہ۔ اور مزاج خاص و وزن معین۔ اور مقدار معین۔ اور عدد معین۔ و مساحت معینہ اور اوقات معینہ خاصہ۔ او منافع معینہ خاصہ پر۔ اور اسوقت اگر ہم کسی ایک نبات ارضی کی موزونیت سے بحث کرنے لگیں۔ تو اُسی کے لئے ایک بڑا دفتر درکار ہوگا کہ اُسکی کیفیت ہے کیسی اُسکی شکل ہے کیسی اُسکی جسامت ہے۔ کیا اُسکا وزن ہے۔ کیا اُسکی قیمت ہے کیا اُسکا نفع ہے۔ کہاں وہ پیدا ہوتی ہے کسطرح حاصل ہوتی ہے۔ مفرداً استعمال ہوتی ہے۔ یا مرکباً۔ بسیط القوئے ہے یا مرکب القوئے کس درجے کی اُسکی حرارت ہے کس درجے کی برودت کس نمبر کی یبوست و رطوبت ہے وغیر ذالک۔ اور پھر بھی اُسکی پوری حقیقت بیان نہ ہوسکیگی۔ کیونکہ اصل امر و حقیقت کو وہی جانتا ہے جسنے اُسے پیدا کیا ہے اور جو فرماتا ہے وانبتنا فیہا من کل شئ موزون۔ میں کہتا ہوں کہ اس لفظ موزون نے وہ خوبی اس موقع پر پیدا کی ہے کہ جسطرح اسے سمجھو ہر صورت سے صحیح ہو سکتا ہے اور اگر دونوں معنوں میں مثل مشترک معنوی یا مجاز مشترک کے مستعمل سمجھو تب بھی صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ ہر شئے کائنات ارضیہ سے علاوہ اسکے کہ باندازۂ معین پیدا کیگئی ہے۔ وزن میں بھی آسکتی ہے۔ خواہ جمادی ہو یا نباتی۔ تو اسصورت میں لفظ موزون کا استعمال ایسے معنی میں ہوا جو دونوں ہی معنوں کو حاوی ہے ؛

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے لفظ کل شئے کہکر تعدید افراد نباتیہ کی حاجت کو رفع کردیا۔ کیونکہ اگر تمام اُن چیزوں کا نام لیتا جو زمین پر پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً نباتات باقسامہا و جمادات بانواعہا اور جمادات میں بھی۔ وہ جو منطرقہ ہیں۔ اور وہ جو منطرقہ نہیں ہیں۔ اور غیر منطرقہ میں سے بھی وہ جو محترقہ ہیں۔ اور وہ جو محترقہ نہیں ہیں۔ تو بیشمار چیزیں بیان کرنی پڑتیں۔ لہذا صرف لفظ کل فرماکر سب کو داخل کردیا اور لاریب کہ تمام چیزیں اُسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اور اُسی کے حکم سے ظہور میں آئی ہیں ؛

ایک لطیف بحث۔ بعض لوگ اس آیت سے اور نیز ایسی ہی دو ایک اور آیتوں سے مثلاً وخلق کل شئ فقدرہ تقدیراً (سورہ فرقان آیت ۲) وکل شئ عندہ بمقدار (سورۂ رعد آیت ۹) انا کل شئ خلقناہ بقدر (سورۂ قمر آیت ۴۹) قل کل یعمل علےٰ شاکلتہ (سورہ اسریٰ آیت ۸۶) یہ سمجھے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نیچر کا پابند ہے۔ اور جو کچھہ اس نے بنا دیا یا پیدا کردیا۔ یا جس کے لئے جو رفتار مقرر کردی۔ اُس کے برخلاف نہیں کرسکتا۔ یہاں صرف لفظ کرنا۔ کرسکنا۔ ہونا اور ہوسکنا میں بحث ہے۔ ورنہ ان لوگوں کے معلم یورپین طبیعیین تو خدا تعالیٰ ہی کے وجود کو نہیں مانتے پھر سکنے اور کرنے میں کیا بحث کرینگے ان سے تو ثبت العرش ثم النقش میں بحث ہوگی۔ جس کے متعلق ان آیات قرآنیہ کی شرح کیجاتی ہے خلاصہ دعوے یہ ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیتیں اس امر پر دلالت

کرتی ہیں کہ ہر شے کو خدا تعالیٰ نے ایک حد معین اور اندازۂ مقرر پر خلق فرما دیا ہے یا ایک حد پر قائم کر دیا ہے یا ہر شے اپنی فطرت و قانون قدرت کے مطابق عمل کرتی ہے یا ہر شے کا اندازہ خدا تعالیٰ کو معلوم ہے اور جو چیز باندازۂ معین و بقانون مقرر وضع کر دی گئی۔ وہ بدل نہیں سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شے اپنے قانون معین سے بدل نہیں سکتی۔ اس دعویٰ کے مقدمہ صغریٰ میں تو کسی کو بھی کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ واقعی ہر شے کو خدا تعالیٰ نے بقانون مقرر پیدا کیا ہے جسکے لئے جو مقدار خواہ وزناً ہو یا مساحۃً طولاً ہو خواہ عرضاً خواہ عمقاً مقرر کر دی۔ جو وقت اسکے لئے قائم کر دیا ہے جو ہیئت و شکل اسکے لئے پسند فرما دی ہے جو کیفیت و نفع اس کے لئے تجویز کر دیا ہے۔ جو مقام اسکے لئے معین کر دیا ہے جس ساعت میں پھلنا اور جب پھولنا اسکے لئے قرار دے لیا ہے وغیر ذالک۔ وہ اسیطرح پر واقع ہوتا اور اسمیں فرق نہیں آتا مگر اس دعوی کا مقدمہ کبریٰ مخدوش ہے کیونکہ اسمیں بیشک بحث کا موقع ہے کہ جو شے باندازہ معین وضع کر دیگئی ہے۔ وہ کیونکر بدل نہیں سکتی۔ یا بالطبعہ و مزاجاً و یا بالقدرت و حکم خدا اگر کہیے کہ بطبعہ وہ بدل نہیں سکتی۔ تو بیشک تسلیم کرنیکے قابل ہے اسلئے کہ خدا تعالیٰ کے معین کردہ قانون کو سوائے اس کے کوئی نہیں توڑ سکتا اور اگر یہ غرض ہے کہ خود اسے بھی امکان تبدیل نہیں ہے۔ تو غلط ہی اور ناقابل تسلیم۔ اسوجہ سے کہ جس نے جس مصلحت سے قانون بنایا ہے۔ اسکو اسی مصلحت کے بدل جانے پر اپنے قانون کو تبدیل کرنا بھی ممکن ہے۔ البتہ بلا مصلحت بدلنا ضرور خلاف عقل ہے لیکن بضرورت مصلحت تبدیل کرنا تو عین حکمت ہے۔ پس نہ تو مصلحت کے بدلجانے میں کوئی استحالہ ہے اور نہ اسکے امکان تبدیل میں۔ کیونکہ مصلحتیں تو بحسب اختلاف زمانہ و اختلاف اشخاص و اختلاف واقعات بدلتی ہی رہتی ہیں اسمیں کیا محال لازم آتا ہے۔ رہا امکان اختیار تبدیل تو وہ ایسا امر ہے کہ جو اتنا بڑا اقدر القادرین ہے جسکے مثل کوئی نہیں اسے کسی ممکن چیز کے بدل دینے پر کب دشواری پیش آئیگی۔ بلکہ عدم سے وجود میں لانا البتہ دشوار تھا۔ نہ یہ کہ وجود میں آنے کے بعد کسی قدر تبدیل و نسخ کرنا۔ یہ تو عقلی بات ہے۔ اور اگر اسکے علاوہ مشاہدات کو دیکھئے تو وہ بھی اسی پر شاہد ہیں کہ قانون کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے مگر نہ خود اس شے کے اختیار سے بلکہ خالق عالم کے حکم سے۔ دیکھئے پہلے زمانہ میں عمریں زیادہ ہوتی تھیں۔ مثلاً حضرت نوحؑ کو ملاحظہ کیجئے کہ ساڑھے نو سو ۹۵۰ برس تک جیے و عاش فیہم الف سنۃ الا خمسین عاماً۔ کلام خدا شاہد ہے مگر اب سو برس بھی مشکل سے گذرتے ہیں کہ انسان داعی اجل کو لبیک کہدیتا ہے۔ چنانچہ اب یہ کہنا کہ سو برس عمر طبعی کی مدت ہے۔ نہایت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ نیز پھلوں پتیوں۔ پھولوں کو دیکھئے حیوانات کی حالتوں کو ملاحظہ کیجئے۔ کہ ان سب میں زمانہ سابق کے مطابق بہت کچھ تبدیلیاں ہو گئی ہیں جن درختوں کے پتے بڑے ہوتے تھے۔ اب وہ نہایت چھوٹے چھوٹے ہیں مجھے خود بیس برس کی حالت یاد ہے کہ میرے وطن میں جو پیپل اور قدم کے درخت میں ان کی

پتیاں ایک بالشت سے بھی بڑی ہوتی تھیں لیکن اب کئی برس سے دیکھتا ہوں کہ تین چار انچ سے زیادہ لمبی نہیں ہوتیں۔ حالانکہ زمین وہی درخت وہی ہوا وہی۔ فضا وہی چاند سورج وہی۔ آسمان کی گردش وہی۔ تو کیوں ایسا ہوا؟ اسی وجہ سے تو کہ جس نے اُس کے لئے وہ قانون بنایا تھا۔ اُسی نے کسی مصلحت سے اب اس کے لئے اور قانون پاس کر دیا۔ علےٰ ہذا القیاس۔ دواؤں کے آثار ہیں۔ اور مزاجوں کی کیفیت۔ قدیم طب کی کتابوں میں دیکھئے کہ نسخوں کے اوزان میں بیس بیس مثقال۔ اور بیس بیس درہم دوائیں لکھی ہیں۔ لیکن اب کوئی طبیب اُس دوا کو اس مقدار پر نہیں دے سکتا۔ اور نہ دیتا ہے۔ بلکہ بجائے بیس کے پانچ مثقال بھی مشکل سے لکھے جاتے ہیں۔ آخر کیوں ایسا ہوا؟ اسیوجہ سے تو کہ طبیعتیں بدل گئیں۔ قوےٰ کمزور ہو گئے وغیر ذالک من الاسباب پیدا ہو گئے۔ تو آخر وہ قدیم قانون ٹوٹا یا نہیں؟ ضرور ٹوٹا۔ اور نیا حادث ہوا پس معلوم ہوا کہ تبدیل قانون کا انکار عقل اور مشاہدہ ظاہرہ دونوں کے برخلاف ہے لہذا دعوے باطل ہوا اور جو غرض انکار تھی یعنی انبیاء علیہم السّلام کے معجزوں سے انکار وہ فوت ہو گئی اور امکان معجزہ ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ معجزہ کے موقع پر جو قانون قدرت میں تبدیلی ہوتی ہے وہ بھی ایک مصلحت پر مبنی ہے یعنی تصدیق کلام نبی صلعم جو خدا تعالیٰ پر لازم ہے اور وہ نہیں ہو سکتی جبتک کہ نبی صلعم ایسے خوارق عادات اور مبطلات قوانین قدرت نہ دکھائے۔ جس سے لوگوں کو یقین کلی حاصل ہو۔ تو جبکہ مصلحت بھی موجود ہوئی اور قدرت بھی خدا تعالیٰ میں موجود ہے۔ جو بدلدینے پر اُسے مدد دیسکتی ہے۔ تو کیوں کسی خلاف عادت امر کا ظہور میں آنا محال سمجھا جاتا ہے۔ خصوصاً جبکہ خود وہی اپنے کلام میں اس تبدیل کے جواز کو ارشاد فرماتا ہو۔ مثلاً فلما عتوعما نھوا عنہ قلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین جب انہوں نے نافرمانی کی اُس سے جس سے وہ منع کئے گئے تھے۔ تو ہم نے ان سے (اُنکی نافرمانی کی وجہ سے) کہدیا کہ تم دُتکارے ہوئے بندر ہو جاؤ۔ پھر کیا آدمی کا بندر کی صورت میں کر دینا تبدیل قانون قدرت نہیں ہے؟ اُدخل یدک فی جیبک تخرج بیضاء اے موسےٰ تم اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کرو تو وہ سفید نکلیگا۔ ہاتھ کا سفید و روشن ہو جانا اور معمولی حالت مستمرہ انسانیہ سے تغیر ہو جانا ایک آن میں کیا تبدیل قانون قدرت نہیں ہے؟ نیز فرمایا ہے فالقیٰ عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین۔ موسےٰ نے اپنے عصا کو زمین پر ڈالدیا تو ظاہر بظاہر اژدہا بنگیا۔ یا بیّن اژدہا ہو گیا۔ کیا بے حس لکڑی کا جاندار اژدہا بنجانا خرق عادت نہیں ہے؟ نیز فرمایا ہے؟ یبری الاکمہ والابرص ویحی الموتی عیسےٰ مادر زاد اندھوں اور مبروص کو اچھا کرتا اور مُردوں کو جلاتا تھا۔ کیوں اہل اسلام کیا مُردے کو زندہ کرنا مادر زاد اندھوں کو بینا کرنا خرق عادت نہیں ہے؟"

حضرت موسٰے سے فرمایا ہے فاضرب بعصاک البحر فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم۔ کیا عصا سے دریا کو مارنا اور اُسکا شگافتہ ہوکر بارہ رستے پیدا ہو جانے خرق عادت اور تبدیل قانون قدرت نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت موسٰے کے عصا کا جادو گروں کے سانپوں کو کھا جانا جو قرآن مجید میں مذکور ہے کیا یہ مثال تبدیل قانون قدرت نہیں ہے؟ بیشک ایسی بیشمار مثالیں قرآن مجید میں اور نیز احادیث صحیحہ و متواترہ میں ملینگی جو بتا سکینگی۔ کہ ہزاروں مرتبہ قانون قدرت کو مقنن قانون قدرت یعنی خالق عالم نے اوقات مخصوصہ کے موقعہ پر بدلدیا ہے۔ پس اسکا انکار اصل قرآن سے انکار ہے اور نہ ماننا عقل سے جنگ زرگری کرنی ہے فافہم وتبصر ولا تکن من الجاہلین!!

وجعلنا لکم فیہا معایش ومن لستم لہ برازقین اور ہم نے تمہارے لئے ان مین مین زندگی بسر کرنیکی چیزیں مثل نباتات اور زراعت کی چیزیں اور کھانے پینے کی اشیاء پیدا کیں اور نیز ان لوگوں کے لئے بھی جنکو تم روزی نہیں پہنچاتے مثل غلاموں اور چوپاؤنکے یعنی باوجودیکہ تمہیں کسی کو روزی پہنچانے کی قدرت نہیں ہے حتّٰی کہ اپنے تئیں بھی۔ کیونکہ نہ تو تم زمین پیدا کرسکتے ہو۔ اور نہ اسمیں قوت انبات ڈال سکتے ہو۔ نہ آسمان سے مینہ برسا سکتے ہو۔ جو زراعت و نباتات کو اُگائے اور نہ اُسکے اسباب مہیا کرسکتے ہو۔ پھر بھی ہم نے تمہارے لئے اور نیز انکے لئے جن کے رزق رساں ہم ہیں۔ عیش و آرام کی اور کھانے پینے کی چیزیں پیدا کیں۔ وان من شیء الا عندنا خزائنہ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ یعنی ہم ہی اُسکے مالک اور اُسپر قادر ہیں اور جس چیز کو چاہتے ہیں خواہ وہ کسی قسم کی ہو اور کتنی ہی ہو۔ نہ ہماری قدرت کی انتہا ہے۔ اور نہ ان اشیاء کی جنکو ہم پیدا کرسکتے ہیں!! اور ممکن ہے کہ خزائن سے مراد پانی ہو۔ تو اب معنی یہ ہونگے کہ ہر چیز کا خزانہ جو پانی ہے۔ وہ ہمارے ہی پاس ہے اور پانی کو خزانہ اسوجہ سے کہا گیا کہ اُسی سے تمام عالم کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ جیساکہ سابق بیان ہوا اور خدا تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے کہ وجعلنا من الماء کل شیء حی افلا تعقلون ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی ہی سے پیدا کیا ہے کیا تم سمجھتے نہیں؟ اور غرض اس کلام کی یہ ہے کہ وہ پانی جس سے تمہاری اکل و شرب کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ ہمارے ہی اختیار و قبضہ قدرت میں ہے اگر چاہیں بند کردیں اور اگر چاہیں جاری رکھیں۔ تمکو اُسپر بالکل اختیار نہیں ہے پھر بھی تم ہمارے وجود و قدرت و حکمت کا اقرار نہیں کرتے وما ننزلہ الا بقدر معلوم اور ہم اُسے نہیں اُتارتے مگر بقدر معلوم یعنی ہر شے کو جنکے خزانے ہمارے پاس ہیں۔ ایک مقدار معین ہی پر پیدا کرتے ہیں۔ نہ زیادہ ہوتی ہیں جو بیکار اور ضائع ہوں اور نہ کم ہوتی ہیں۔ جو قدر ضرورت کے لئے کافی نہ ہوسکیں!! اور اگر اس سے مراد مینہ لی جائے۔ تو معنی یہ ہونگے۔ کہ

ہم اسے ایک اندازِ معین ہی پر برساتے ہیں جو حکمت کے مقتضا کے موافق ہوتا ہے۔ نہ اُسمیں حد سے زیادتی کرتے ہیں اور نہ کمی تاکہ تمہارے لئے مفید ہو سکے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا ہے کہ جو قطرہ زمین پر گرتا ہے۔ اُسکے ساتھ ایک فرشتہ کو مقرر کر دیا ہے۔ کہ اُسے اُسی مقام پر پہنچا دے جہاں مصلحت الٰہیہ مقتضی ہوئی ہے۔ کافی میں ایک حدیث ہے۔ جسکا ایک حصہ یہ بھی ہے۔ کہ فلیس من القطرۃ نقطۃ الا ومعھا ملک حتی یضعہا موضعہا ولم ینزل من السماء قطرۃ الا بعدد معلوم ووزن معلوم الا ما کان من یوم الطوفان علی نوح الخ۔ یعنی کوئی قطرہ زمین پر نہیں گرتا مگر یہ کہ اُسکے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ جو اُسے اُسکے مقام پر رکھتا ہے۔ اور کبھی آسمان سے مینہ نہیں برسا۔ مگر بقدرِ عدد معلوم و وزنِ معین سوا بروز طوفانِ نوح علیہ السلام۔ فانزل من ماء منہمر بلا وزن ولا عدد۔ کہ اُس دن بہت زور سے مینہ برسا بے شمار اور بے وزن مقرر (کیونکہ وہ بغرض عذاب تھا)

وارسلنا الریاح لواقح اور ہم نے ایسی ہوائیں چلائیں جو درختوں کو بارور کرتی ہیں یا ایسی ہوائیں جو ابر کو اٹھائے ہوئے رہتی ہیں (جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ تم لوگ ہوا کو برا بھلا نہ کہو۔ اس لئے کہ بعض ہوائیں باعث بشارت ہوتی ہیں اور بعض ڈرانیوالی اور بعض لواقح یعنی درختوں کو بارور کرنیوالی ہوتی ہیں۔ تو تم لوگ خدا تعالیٰ سے اچھی ہوا کا سوال کرو۔ اور بری ہوا سے اُس کے ذریعے سے پناہ مانگو) فانزلنا من السماء ماء فاسقیناکموہ وما انتم لہ بخازنین۔ پھر ہم نے آسمان سے مینہ برسایا یعنی بلندی سے اُسے نیچے کیطرف گرایا۔ پس اُس سے تمکو سیراب کیا۔ حالانکہ تم اُس کے خزانہ دار نہ تھے۔ یعنی کہ اسکا برسانا اور اُسکے اسباب کا مہیا کرنا تمہارے اختیار میں نہ تھا۔ وانا لنحن نحیی ونمیت ونحن الوارثون ۝ اور بیشک ضرور ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مار ڈالتے ہیں۔ اور ہم ہی زمین کے وارث و مالک ہیں !!

اس جملہ میں اس امر کا بیان ہے کہ حیات و موت کسی چیز کی ہو وہ سب ہمارے قبضہ میں ہے اور جبکہ قریب قیامت تمام ہی لوگ مر جائینگے۔ تو کل زمین بلکہ تمام عالم کی اشیا ہماری ہی طرف رجوع کرینگی آج تو ہر شخص کہتا ہے کہ اِس چیز کا میں مالک اور اُس کا میں۔ مگر اُسوقت کوئی کہنے والا نہ ہوگا۔ بلکہ سب کی رجوع خدا تعالیٰ ہی کیطرف ہوگی۔ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار۔ آج کس کے لئے ملک ہے (بس) اُسی معبود حقیقی کے لئے ہے۔ جو اکیلا اور سب پر غالب ہے ؛

واضح ہو۔ کہ حیات و موت کا اطلاق بہت سے معنوں پر ہوا ہے منجملہ اُنکے ایک معنی ہدایت و ضلالت کے بھی ہیں اسکا شاہد یہ آیہ ہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ اور نیز یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی۔ علم و جہل کے معنی میں بھی آتا ہے الناس موتی واھل العلم احیاء۔ اسپر دلیل ہے۔ یہ مصرع جناب امیر المومنین

علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ تمام آدمی جو جاہل ہیں۔ وہ مُردہ ہیں۔ اور اہل علم زندہ ہیں۔ تو جہالت موت ٹھیری۔ اور علم حیات ٹھیرا۔ خشکی و تری و زندگی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس مثال میں خدا تعالیٰ کا یہ کلام ہے **وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا به الارض بعد موتھا**۔ اور جو خدا تعالیٰ نے آسمان سے مینہ برسایا۔ تو زمین کو بعد اسکے مرجانے یعنی خشک ہو جانے کے زندہ یعنی تر و تازہ اور قابل انبات کیا اور کون و فساد جسم پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے۔ اسپر خدا تعالیٰ کا یہ کلام شاہد ہے **الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا**۔ وہی معبود ایسا ہے۔ جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا ہے۔ تاکہ تمہارا امتحان لے کہ تم میں سے کون نیکو کار ہے!! بقائے نام و عدم بقائے نام پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اسپر جناب امیر المومنین علیہ السلام کا کلام شاہد ہے **ھلک خزان الاموال والعلماء باقون اعیانھم مفقودۃ واثارھم فی القلوب موجودۃ** کیونکہ ہلک بمعنی مات ہے اور باقون بمعنی احیاء ہے۔ اور مطلق بقا و فنا پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے **وھو حی لا یموت** اسکی دلیل ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ باقی ہے۔ اُس کے لئے فنا نہیں ؞

لیکن جس معنی سے عام طور پر یہ دونوں لفظ ہمارے استعمال میں ہیں وہ البتہ معرض بحث میں ہے۔ کچھ لوگوں کا تو خیال ہے کہ حیوۃ اُس حالت کا نام ہے جو کسی موجود خارجی کو بقائے حرارت عزیزی کی صورت میں حاصل ہے۔ اور موت اُس حالت کا نام ہے جو فنائے حرارت عزیزی سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ حیوۃ اُس حالت کا نام ہے جو نفس حیوانی کے جسم میں باقی رہنے سے پیدا ہوتی ہے اور موت نام ہے اس حالت کا جو اس کے جسم سے جُدا ہو جانے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس کے معنی میں فنا اور عدم فنا کو کوئی دخل نہیں ہے۔ البتہ اگر اسکو کون و فساد سے تعبیر کیا جائے۔ تو مضائقہ نہیں۔ یا حرکت و سکون سے یعنی حیات نام حرکت کا ہے اور موت نام سکون کا۔ **وھھنا دقائق ابحاث لا یسعھا المقام**۔

بیان سوم مطلب اس بیان و ارشاد کا یہ ہوا کہ آسمانوں میں برجوں کا پیدا کرنا اور انہیں ستاروں سے زینت دینی۔ اور آسمانوں کو شیطان رجیم کے وہاں جانے سے محفوظ رکھنا اور اُسپر شہاب ثاقب کو دلیل قرار دینا جسے ہر شخص دیکھتا ہے۔ اور زمین کو دراز و وسیع پیدا کرنا اور اسمیں مستحکم پہاڑوں کا قائم کرنا اور زمین میں ہر چیز کا باندازہ مقرر پیدا کرنا۔ اور نیز ہر قسم کی مخلوقات کے لئے معاش کے اسباب اُس سے نکالنے اور بقدر معین اُنکو نازل کرنا۔ اور بار آور ہواؤں کا چلانا اور آسمان سے مینہ برسا کر انسانوں اور باقی مخلوقات کو اُس سے سیراب کرنا اور زندوں کو مردہ اور مردوں کو زندہ کرنا

ف۔ مسئلہ موت و حیات کو انوار نعمانیہ میں دیکھنا چاہیے۔

سوائے خدائے واحد قیوم دیموم صمد حکیم قدیر کے کسی کا کام نہیں۔ پس باوجود اتنی نشانیوں کے دیکھنے کے پھر تم بھٹکتے پھرتے۔ اور وجود صانع عالم کے منکر ہوتے ہو۔ توبوا الی اللہ توبۃً نصوحًا

سورہ نحل رکوع ۱۔ خلق الانسان من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین والانعام خلقھا لکم فیھا دفء ومنافع ومنھا تاکلون ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس ان ربکم لرؤف رحیم والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ویخلق ما لا تعلمون۔

یہ پانچ آیتیں ہیں جنمیں قرآن مجید خدایتعالیٰ کے وجود کے دلائل بیان کرتا ہے پہلی دلیل اسمیں یہ ہے۔ خلق الانسان من نطفۃ۔ انسان کو اُس نے نطفے سے پیدا کیا۔ یہ بھی ایک بہت بڑی دلیل قدرت خدایتعالیٰ کی ہے۔ کیونکہ ایک قطرہ منی کو انسان مجسم بنانا جسمیں پچاسوں کلیں قائم کیگئی ہیں۔ مثلاً دونوں ہاتھ دونوں پاؤں۔ دو آنکھیں۔ دو کان۔ ایک زبان۔ بتیس دانت دو ہونٹ ایک ناک۔ ایک دل۔ ایک جگر۔ ایک طحال۔ ایک مرارہ۔ دو گردے۔ بیس انگلیاں اور اُن کے بیسیوں جوڑ۔ اور پھر دماغ اور اس کے چھ خانے اور ان سب کے ساتھ مختلف الاقسام قوتوں کا ہونا۔ اور وقت تعدد میں مختلف کام دینے۔ پھر اعصاب الحس کا اعصاب الحرکۃ سے علاوہ ہونا۔ اور اُنکا مختلف القوےٰ ہونا۔ اور عروق کا رباطات سے جداگانہ افعال پیدا کرنا۔ پھر اُسمیں تولید مثل بلکہ امثال کا موجود ہونا۔ اور اس کے سلسلہ کو غیر متناہی بنانا۔ ایک ایسا عجیب حیرت خیز خیال ہے کہ اگر انسان اس معاملہ میں غور کرنے لگے۔ تو اُسے سوائے متعجب رہ جانے کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ بات کسی طرح ممکن ہے کہ کوئی آدمی جو نہایت اعلےٰ درجہ کا حکیم اور سائینٹفک بھی اس بات کی کوشش کرے کہ میں اپنی تدابیر حکمیہ سے ایک ہی ایسا بنالوں تو بالکل ناممکن اور محال ہے۔ اور اگر مادہ لاشعور کیطرف اس کی نسبت کیجائے۔ تو کسی طرح عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ افعال ایسے حکم و مصالح و تدابیر تامہ پر مبنی ہیں کہ جنکی نسبت غیر مدرک چیز کیطرف ہرگز نہیں دیجا سکتی (اگر ان حکمتوں کی تفصیل دیکھنی ہو تو دیکھو کتاب توحید الائمہ) پس لامحالہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اسکا خالق ضرور کوئی نہ کوئی بڑا حکیم و مدبر ہے جس سے بڑھکر کوئی حکیم نہیں ہو سکتا۔ جس نے کوئی ضروری اور ممکن الحصول چیز ایسی نہیں چھوڑی جو اس کے لئے مہیا نہ کردی ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدایتعالیٰ نے جابجا اس جلیل الشان دلیل کا ذکر فرمایا ہے۔ سورہ نحل میں فرماتا ہے۔ واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم لا تعلمون شیئا و جعل لکم السمع والابصار والافئدۃ لعلکم تشکرون۔ اور اللہ نے تمکو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا۔ (اُسوقت) تم کچھ نہیں جانتے تھے (اور نہ تمکو کچھ عقل تھی) اور اُس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے تاکہ تمکو شکریہ ادا کرو۔ پھر ایک مقام پر فرمایا ہے۔ واللہ خلقکم ثم

يتوفّٰكم ومنكم من يردّ الى ارذل العمر كيلا يعلم بعد علم شيئاً۔ اللہ نے تمکو پیدا کیا پھر
تمکو وفات دیتا ہے۔ اور بعض تم میں سے وہ بھی ہیں جو ارذل عمر تک لوٹا دیے جاتے ہیں (یعنی انکی زندگی
طولانی کردی جاتی ہے) تاکہ بعد جاننے کے کچھ بھی نہ جانیں (یعنی بعض آدمی اتنے سن کے بھی ہو جاتے ہیں
کہ بسبب بڑھاپے کے تمام چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔ سہو و نسیان انپر غالب آجاتا ہے رطوبت دماغیہ
قوت حافظہ کو خراب کردیتی ہے) اور سورہ مومن میں فرمایا ہے وصوّرکم فاحسن صورکم و
رزقکم من الطیبات "اُسنے تمہاری صورت بنائی تو اچھی صورت تمہاری بنائی۔ اور تمہیں پاک
وطیب چیزوں سے روزی دی۔ پھر دوسرے مقام پر فرمایا ھو الذی خلقکم من تراب ثم
من نطفۃ ثم من علقۃ ثم یخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ثم لتکونوا شیوخا و
منکم من یتوفّٰی من قبل ولتبلغوا اجلا مسمّی ولعلکم تعقلون۔ اور سورہ مومنون
میں فرمایا ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ۝ ثم جعلناہ نطفۃ فی
قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما
فکسونا العظام لحما ثم انشأناہ خلقا آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ اور
بیشک ہمنے آدمی کو پیدا کیا اس نطفے سے جو مٹی سے بنا تھا۔ پھر اُسکو ہمنے نطفہ قرار دیا ایک محفوظ و مستحکم
قرارگاہ میں پھر نطفہ کو ہمنے علقہ بنا دیا پھر علقہ کو مضغہ بنا دیا۔ پھر مضغہ (پارہ گوشت) کو ہڈی بنا دیا
پھر ہڈی کو ہمنے گوشت اوڑھایا۔ (یعنی ہڈیوں پر گوشت چڑھایا) پھر ہم نے اسکو دوسری خلقت
میں پیدا کردیا (یعنی اسمیں روح ڈالکر جمادی صورت سے حیوانی کیفیت میں داخل کردیا۔ پس مبارک
ہے اللہ جو سب سے اچھا پیدا کرنیوالا ہے۔

واضح ہو کہ لغت میں نطفہ کے معنے آب خالص اور خلاصہ آب کے ہیں۔ چونکہ وہ مادہ غلیظ دافق
مہیجہ جسکو خدا تعالی نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے فضلہ ہضم رابع ہے اور خلاصہ ہے تمام رطوبات جسم
کا اس لئے اسکو نطفہ کہا گیا۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام کے ایک کلام میں بھی پانی کے معنی میں نطفہ کا
استعمال ہوا ہے ؎

اور منی بھی اوسی آب خالص کو کہتے ہیں۔ جو بسبیل دفق و قوت دفع ہوتا ہے۔ پس کلام خدا تعالی
صاف اس امر پر دلیل ہے کہ خلقت انسان اسی خالص پانی سے ہے اور اس امر کا ثبوت قرآن مجید
کی بہت سی آیات سے ہوتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے فلینظر الانسان مما خلق خلق
من ماء دافق یخرج من بین الصلب والترائب پس چاہیے کہ دیکھے انسان کہ وہ کس چیز سے
پیدا کیا گیا ہے۔ پیدا کیا گیا ہے اچھلنے والے پانی سے جو صلب و ترائب کے درمیان سے نکلتا ہے
دوسری جگہ فرماتا ہے انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج بیشک ہم نے پیدا کیا

انسان کو آب مخلوط سے ۔ اور ایک مقام پر فرماتا ہے قُتِلَ الانسان ما اکفرہ من ای شئ خلقہ ۔
من نطفۃ خلقہ فقدرہ ٭ مارا جائے انسان کیسا ناشکر ہے (خدا تعالیٰ نے) اسکو کس چیز سے پیدا کیا
ہے ۔ نطفہ سے (پیدا کیا ہے) اسکو پیدا کیا ۔ پھر اندازہ رکھا ۔ پھر فرماتا ہے وانہ خلق الزوجین الذکر و
الانثی من نطفۃ اذا تمنی ۔ اور یہ کہ اسنے جوڑے مذکر و مونث کو نطفہ سے پیدا کیا ۔ جبکہ ٹپکایا
جائے ۔ علیٰ ہذا القیاس اور بہت سی آیتیں ہیں جو اس امر کی شاہد ہیں ۔ مثل آیۃ الم نخلقکم من
ماء مھین وھو الذی خلق من الماء بشرا و اللہ خلق کل دابۃ من ماء فمنہم من
یمشی علے بطنہ و منہم من یمشی علے رجلین و منہم من یمشی علے اربع ۔ مگر اس
کے برخلاف زمانہ حال کے بعض وہ لوگ جو اپنے تئیں محقق کہتے ہیں ۔ مدعی ہیں کہ انسان کیڑے سے پیدا
ہوتا ہے ۔ منی کے ساتھ بہت سے کیڑے جنکی تعداد معلوم نہیں ہو سکتی ۔ رحم میں پہنچتے ہیں ۔ اور وہاں
نمو پاکر بچہ پیدا ہو جاتا ہے ۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ شیشہ خوردبین سے دیکھا گیا ہے کہ منی میں بندر کی صورت
کے کیڑے نظر آتے ہیں ۔ اسی قول کی تبعیت سے بعض ہندوستانی متفلسفین نے بھی بسبب ناواقفیت حق
کے اسی امر کا دعوے کر دیا اور فرمایا کہ انسان جونک سے پیدا ہوا ہے ۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے
خلق الانسان من علق اور علق جونک کو کہتے ہیں ۔ دیکھو رسالہ خلق الانسان علے ما فی القرآن

لیکن اس بیہودہ خیال کا جواب یہ ہے کہ خوردبین شیشے سے محسوس کرنا کوئی برہانی دلیل یا
مشاہدی ثبوت نہیں ہو سکتا ۔ اسلئے کہ جب صحیح نظر میں خطا واقع ہوتی ہے تو اس آلہ کے ذریعے سے
محسوس کرنے میں بھی خطا کا واقع ہونا ممکن ہے ۔ وہ جو تمہیں خوردبین سے کیڑے دکھائی دیتے ہیں ۔
اور جنکی تعداد بیشمار ہے ۔ وہ دراصل خطائے نظری ہے ۔ نگاہ جب خوردبین کو توڑ کر پار جاتی ہے ۔ تو وہ
ذرات جو خوردبین اور کسی ایسی چیز کے درمیان اڑتے رہتے ہیں ۔ جسکو ہم دیکھنا چاہتے ہیں ۔ اس خردبین
کے ذریعے سے متحرک دکھائی دیتے ہیں ۔ کیونکہ ذرات ادنے حرکت ہوا یا تنفس سے بھی متحرک ہو جاتی
ہیں ۔ انہیں ذرات کو یہ حضرات کیڑے تجویز فرماتے ہیں ۔ دوسرے یہ کہ جب وہ کیڑے اتنے چھوٹے
ہیں کہ بغیر خوردبین کے نظر نہیں آتے تو یہ کیونکر معلوم ہو گیا کہ انکی صورتیں بندر کی سی ہیں اور انمیں
دم بھی ہے اس لئے کہ اسقدر تمیز کا ہونا اس امر کو مقتضی ہے کہ انکے اجزائے جسم میں تمایز ہو ۔ سر ۔
دھڑ ۔ منہ ۔ آنکھ ۔ ناک ۔ کان ۔ دُم وغیرہ اجزا الگ معلوم ہوں ۔ اور یہ بات ناممکن ہے ۔ جب تک کم از کم
وہ جانور چھوٹی چیونٹی کے برابر ہو ۔ اور جب اتنا بڑا ہوگا ۔ تو بغیر خوردبین کے بھی دکھائی دیگا ۔ خوردبین کی
ضرورت ہی کیا ہے ۔ تیسرے یہ کہ بیشمار کیڑے جو منی کے قطرہ میں دکھائی دیتے ہیں ۔ کیا وجہ کہ سب مر جاتے
ہیں اور صرف ایک زندہ رہکر بڑا ہوتا اور آدمی بنجاتا ہے ۔ اور کبھی دو ۔ مگر کم اور کبھی اس سے دو چار زیادہ
مگر وہ النادر کالمعدوم میں داخل ہے ۔ چاہیئے تو یہ تھا ۔ کہ ہر عورت کے بطن سے عموماً پچاس پچاس سو سو
بچے چوہیوں کے برابر پیدا ہوا کرتے ۔ اور شاذ و نادر دو چار ۔ حالانکہ یہاں اسکے برخلاف ہے ۔ اور اگر یہ

کھو کتا کل واقع ہوتا ہے۔ اور ایک کیڑا دوسرے کیڑے کو کھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے ایک ہی بڑا ہو کر باقی رہ جاتا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ کیڑوں کا ایک دوسرے کو کھا جانا اُسوقت ہوتا ہے۔ جبکہ کوئی دوسری چیز اُنکی غذا کے لئے نہ ہو۔ لیکن رحم میں تو آپ رطوبت ہوتی ہے۔ اور اس کثرت سے ہوتی ہے۔ جو ایسے ایسے لاکھوں کیڑوں کے لئے کافی ہو سکتی ہے خصوصاً جبکہ خون حیض بھی جذب ہو کر رحم میں آ ملتا ہے تو تاکل ایسے وقت میں بالکل خلاف مشاہدہ و تجربہ ہے۔ چوتھے یہ کہ خوردبین سے کیڑوں کے نظر آنیکا تب اعتبار ہو سکتا ہے۔ جبکہ ثابت ہو جائے۔ کہ نطفہ کا قطرہ بالکل صاف شفاف ہوتا ہے اور اسمیں رسوب نہیں ہوتے۔ حالانکہ واقعی ایسا ہی ہے۔ کہ نطفہ کے اندر باریک باریک ریزے رسوب کے ہوتے ہیں۔ اور وہی اسمیں متحرک نظر آتے ہیں۔ جنہیں یہ خوش نظر کیڑے مکوڑے سمجھتے ہیں ؛

رہا یہ خیال کہ خدا تعالیٰ کی کتاب سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ تو یہ بجز ہے **خلق الانسان من علق**۔ میں علق سے مراد جونک ہو تو بھلا اسکو بندر نما کیڑوں سے کیا تعلق ہے۔ کہاں جونک اور کہاں بندر۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ انہیں بزرگوار کیلئے مثل تجویز کیگئی ہے۔ علاوہ بریں اصل تو یہ ہے۔ علق کے معنی خون بستہ کے ہیں۔ جو نطفہ کے استحالہ سے حادث ہوتا ہے۔ پہلے نطفہ بصورت خون مستحیل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ خون بستہ ہو کر لخثہ دم بنجاتا ہے۔ جیسے کئی مقام پر خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ مومنون میں ہے۔ **ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ثم جعلنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما**۔ پھر ہم نے اُسے نطفہ قرار دیا۔ ایک مقام قرارگاہ محفوظ میں۔ پھر ہم نے نطفہ کو خون بستہ کر دیا پھر خون بستہ کو گوشت کے لخثہ کی صورت میں پیدا کیا۔ پھر پارہ گوشت کو ہڈی بنا دیا پھر ہڈی پر گوشت چڑھایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اول امر انسانی نطفہ ہے۔ پھر وہی نطفہ یعنی آب لزج دفاق علقہ بنجاتا ہے۔ دیکھو علقہ کے معنی لغت میں خون بستہ کے ہیں نہ جونک کے۔ یہ محض تخیل ہے۔ جو برہان کے مقابلہ میں ہرگز تسلیم نہیں ہو سکتا ؛

دوسری دلیل ان آیتوں میں یہ ہے **والانعام خلقھا لکم فیھا دفء و منافع و منھا تاکلون ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس ان ربکم لرؤف رحیم** ؛ انعام جمع نعم کی ہے۔ اور نعم اونٹ۔ گائے۔ بیل اور بھیڑ ...... کو کہتے ہیں (دیکھو مجمع) اور قاموس میں لکھتے ہیں۔

دفء اُس لباس کو کہتے ہیں۔ جس سے گرمی کی تکلیف دفع کیجائے۔ اراحۃ۔ انعام کا شام کے وقت چراگاہ سے گھروں پر واپس لانا۔ سروح۔ صبح کے وقت مواشی کا چراگاہ کیطرف لے جانا۔ شق

بفتح شین وکسر شین مشقت کو کہتے ہیں یعنی آیت یہ ہوئے۔ کہ بھیڑ بکریوں۔ گائے بیلوں اور اونٹوں کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جسمیں تمہارے لئے دف ہے (یعنے انکی اون سے ایسے لباس بنا سکتے ہو جو گرمی کو دفع کرسکیں) اور منفعتیں ہیں اور اُس سے تم لوگ کھاتے ہو۔ اور تمہارے لئے اُسمیں جمال ہے۔ جبکہ اُنہیں چراگاہ سے واپس لاتے یا صبح کو چرانے کیلئے لیجاتے ہو۔ اور وہ تمہارے بھاری بوجھوں کو ایسے شہر تک لیجاتے ہیں۔ جہانتک تم بغیر مشقت نفس کے نہیں پہنچ سکتے۔ بیشک تمہارا پرورگار رافت ورحمت والا ہے ؛

ان تین آیتوں میں ہستی پروردگار عالم کی دلیل یہ ہے کہ اولاً تو ان انعام کو ہزاروں تدبیروں اور حکمتوں پر مبنی پیدا کرنا اور انکے آلات جسم کا باقاعدہ ومترتب متناسب واقع ہونا جنمیں نہ ان کی ضرورت کی کوئی شے کم ہے اور نہ قدر حاجت سے کوئی شے زائد ہے اور پھر انکا منافع انسانیہ کیلئے خاص ہونا ایسے امور ہیں جنکو بغیر خالق حکیم کیطرف نسبت دیئے ہوئے چارہ نہیں۔ اگر بارد ملکوں میں اس قسم کے حیوانات نہ پیدا کئے جاتے۔ جن کے جسم کی اُون قابل لباس بنانے کے ہوں۔ تو آدمی کیا کرسکتا جبکہ اسکا بدن اسطرح کا چکنا اور صاف بنایا گیا ہے۔ کہ اسمیں کوئی چیز حفاظت بدن کی نہیں ہے۔ آخر اب انہی کے ذریعے سے اپنے لئے جاڑے اور گرمی سے بچنے کی حفاظت کرتا ہے اور دیکھو کہ اس قسم کے حیوانات بھی اُنہیں ملکوں میں زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں اسکی ضرورت ہو۔ دیکھ لو کہ ان حیوانات دراز مُو کے مقامات پیدائش زیادہ وہی ہیں۔ جہاں سردی زیادہ واقع ہوتی ہے۔ بخلاف گرم ملکوں کے۔ اور علاوہ اس فائدہ کے اور بھی فوائد ہیں۔ مثلاً انپر سوار ہونا۔ انکو اپنی گاڑیوں میں جوتنا انسے حرث ودیاست کرنا۔ انپر اپنے بوجھ کو لادنا۔ **ومنھا تاکلون**۔ اور انہی کو تم کھاتے ہو۔ یعنی انہیں اس مصلحت پر بھی مبنی پیدا کیا گیا ہے کہ اُنسے تمہاری غذا بھی ہو سکے۔ چنانچہ عموماً یہ حیوانات انسانی غذا میں داخل ہیں اور جنسے بہت سے جسمانی فائدے اسے پہنچتے ہیں تو اگر یہ حیوانات نہ ہوتے۔ تو انسان کیا چیز کھا کر اپنے جسم میں وہ قوت پیدا کرسکتا اور وہ ہمت وجرأت ملتی جو انکے کھانے سے حاصل ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں ہے۔ بلکہ بطور دوا کے بھی کھایا جاتا ہے بہت سے انمیں سے ایسے گوشت ہیں جو دوائے انسان کو استعمال کرلئے جاتے ہیں تو کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اس سلسلہ کا قائم کرنیوالا صرف مادہ لاشعور یہ ہے یا ان حیوانات کی طبیعت حاشا وکلا ؛

ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون۔ اور جب یہ جانور چراگاہ سے دودھ بھرے اپنے پستانوں میں۔ اور سبزہ زار کو چر کر موٹے تازے بنے ہوئے واپس آتے ہیں۔ یا جب گردنیں اُٹھائے دوڑتے ہوئے چراگاہ کیطرف جھنڈ کے جھنڈ جاتے ہیں۔ تو اسمیں تمہارے لئے زینت اور حُسن منظر ہے۔ کہ لوگ دیکھکر کہتے ہیں **ھذا جمال فلان** یہ فلاں شخص کا جمال ہے

اور اسمیں تمہاری عزت ہوتی ہے - کہ تم اتنے جانوروں کے مالک ہو جنکی قیمتیں تمہیں مستغنی کر دینے والی ہیں و تحمل اثقالکم الخ اور وہ تمہارے بھاری بوجھونکو ایسے ایسے شہروں تک پہنچا دیتے ہیں جہانتک تم بغیر سخت مشقت کے پہنچ نہیں سکتے اگر تم اپنی پیٹھوں پر ان بوجھونکو لادتے اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں لیجاتے تو کیا تمکو سخت تکلیف اور زحمت نہ پہنچتی - آج تمہیں بغیر زحمت یہ بات حاصل ہے - آخر کس نے ان حیوانات کو اسطرح تمہارا مسخر بنایا کہ جس طرح چاہو - ان سے فائدہ اٹھالو - چاہو انکے بال کتر کر لباس بناؤ - چاہو انہیں ذبح کرکے کھاؤ - چاہو انپر بوجھ لادو اور جہاں چاہو لیجاؤ - آخر کس نے انکے پیدا کرتے وقت یہ مصلحت مدنظر رکھی تھی جس سبب سے انکی پشتیں ایسی مسطح بنائی گئیں جنپر بآسانی اسباب تجارت رکھا جاسکے اور جسپر سواری ممکن ہوسکے بیشک وہی ان مصلحتونکا سمجھنے والا ہے جو واحد و قہار ہے ؎

تیسری دلیل یہ ہے - **والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا و زینة ویخلق ما لا تعلمون** اور تمہارے لئے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے - تاکہ تم انپر سوار ہو اور وہ تمہارے لئے باعث زینت بنیں - اور ایسی بھی چیزیں پیدا کرتا ہے - جسے تم لوگ نہیں جانتے -

یہ تینوں حیوانات انسان کے لئے جسقدر فائدہ رساں ہیں اسے حضرت انسان ہی خوب سمجھ سکتے ہیں - گھوڑے اگر نہ ہوتے - تو انسان کو دشمن کو گرفتار کرنا دشوار ہوتا اسی کے ذریعے سے لاکھوں کوس آدمی جاسکتا ہے اور تکلیف پیادہ روی سے محفوظ رہتا ہے - انپر اپنے بوجھ بھی لاد سکتا ہے ان سے ایسے بھی فائدے ہیں جو ایک خاص مصاحب سے ہوسکتے ہیں - دشمن کو اندھیری رات میں دیکھ کر پہچان لیتے اور اپنے سوار کو خبر کر دیتے ہیں - تاریکی شب میں انکو راہیں نظر آتی ہیں - کوئی چیز انکو روک نہیں سکتی - سوتے جاگتے ہر حال میں یہ اپنے مالک کا خیر خواہ رہتا ہے یہانتک کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ **الخیر معقود بنواصیہا الی یوم القیامة والمنفق علیہا فی سبیل اللہ کالباسط یدہ بالصدقة لا یقبضہا فاذا اعددت شیئا فاعدہ اقرح ارثم محجل الثلث طلق الیمین کمیتا ثم اغر تسلم وتغنم** یعنی تمام بھلائیاں گھوڑوں کی پیشانی میں بندھی ہوئی ہیں - (مطلب یہ ہے کہ گھوڑے ہمہ تن خیر و خوبی ہیں) اور جو کوئی انپر اپنا مال صرف کرتا ہے راہ خدا میں وہ ایسا ہے کہ گویا صدقہ و خیرات کے دینے میں ہاتھ کھولے ہوئے ہیں جسے وہ بند نہیں کرتا - پس جب تم کوئی چیز مہیا کرنی چاہو تو گھوڑے کو مہیا کرو - جسکی ناک سفید ہو - اور نیز اوپر کا ہونٹھ اور جسکی پیشانی پر تھوڑی سی سفیدی ہو - مگر غرہ سے کم ہو - اور تینوں پاؤں اسکے سفید ہوں مگر گھٹنوں سے زیادہ سفیدی نہ ہو - اور اگلا داہنا پاؤں اسکا سفید نہ ہو - گھوڑا سرخ رنگ ہو - پھر اسکے بعد اغر گھوڑے کا درجہ ہے - تو اس کے مہیا کرنے میں تم کو سلامتی رہیگی اور غنیمت حاصل کروگے " نیز رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا ارکبوا الخیل فانھا میراث ابیکم اسماعیل گھوڑوں پر سوار ہو
کیونکہ یہ تمہارے باپ حضرت اسماعیل کی میراث ہے اور اسکا سبب ہے جو خود حضرت اور اُن کے اوصیا
سے مروی ہے کہ اول من رکبھا اسماعیل پہلے پہل جو گھوڑے پر سوار ہوئے تو وہ حضرت
اسماعیل تھے۔ اسیوجہ سے گھوڑونکو عراب کہتے ہیں۔ پہلے یہ بھی مثل اور جانوروں کے وحشی تھے
پس جبکہ خدا تعالی نے ابراہیم و اسماعیل کو حکم دیا کہ خانہ کعبہ کی دیواریں بنائیں۔ تو فرمایا کہ میں تمکو ایک ایسا
خزانہ دونگا جسے میں نے تمہارے لئے ذخیرہ کر رکھا ہے۔ پھر خدا تعالی نے اسماعیل کو وحی کی۔ باہر
نکلو اور اس خزانہ کو دعا کرو۔ نکلے تو گھوڑونکو دیکھا۔ مگر انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ دعا کیا ہے اور خزانہ سے کیا
مراد ہے۔ اسوقت پروردگار عالم نے انکو دعا الہام کی۔ پھر تو روئے زمین پر جتنے بھی گھوڑے تھے۔ وہ
سب سرزمین عرب پر آگئے۔ اور انکو اپنا مالک بنا دیا اور اُنکے مطیع ہوگئے (حیوۃ الحیوان) اور کتاب قرب الاسناد
میں مروی ہے کہ علی بن جعفر صادق نے اپنے بھائی امام موسی کاظم علیہ السلام سے سوال کیا کہ گھوڑونکو
جیاد کیوں کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ گھوڑے پہلے وحشی تھے۔ پس حضرت ابراہیم و اسماعیل کو انکی
ضرورت پڑی۔ تو خدا تعالی سے انہوں نے دعا کی۔ کہ ان گھوڑونکو اُنکے لئے مسخر کردے۔ تو پروردگار
عالم نے انکو حکم دیا کہ بوقبیس پہاڑ پر جاؤ۔ اور الا ھلا الا ھلم کرکے پکارو۔ پس وہ گھوڑے اُن کی
طرف متوجہ اور جیاد میں آکے ٹھہر گئے۔ اس سے انکا نام جیاد پڑ گیا۔

کتاب حیوۃ الحیوان میں دمیری نے تاریخ نیشاپوری سے نقل کیا ہے کہ علی بن ابیطالب
علیہ السلام نے فرمایا رسولخدا نے بیان کیا ہے کہ جب خدا تعالی نے ارادہ کیا کہ گھوڑونکو پیدا کرے تو ہوائے
جنوب سے فرمایا کہ انی خالق منک خلقا اجعلہ عزا لاولیائی و مذلۃ لاعدائی و
جمالا لاھل طاعتی میں تجھ سے ایک مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ جسے میں اپنے دوستوں کے
لئے عزت قرار دونگا اور اپنے دشمنوں (یعنی کافروں وغیرہ) کے لئے ذلت اور اپنے فرمانبردار کیلئے جمال
وحسن۔ تو ہوا نے کہا کہ پیدا کرلے میرے پروردگار۔ پس خدا تعالی نے اسمیں سے ایک مٹھی بھر ہوا لی۔ اور
اُس سے ایک فرس پیدا کیا (یعنی اُس ہوا کے ایک جزو کو حکم دیا کہ فرس بنجائے وہ جزو فرس بنگیا) اور
فرمایا کہ (اے فرس) میں نے تجھ کو عربی پیدا کیا ہے اور تمام جزو خوبیاں تیری پیشانی میں باندھ دی
ہیں۔ اور غنیمتیں تیری پشت پر اختیار کی ہیں۔ اور تجھے وسیع روزی میں ٹھہرایا ہے۔ اور تجھے تیرے
غیر چار پاؤں پر مدد دی ہے اور تجھ پر تیرے مالک کو مہربان کیا ہے۔ اور میں نے تجھکو ایسا بنایا ہے
کہ بے پرونکے اوڑے۔ فانت للطلب وانت للمھرب۔ پس تجھ سے کسی چیز کی طلب کرنیکا بھی
کام لیا جا سکتا ہے۔ اور تجھی سے بھاگنے کا بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ اور عنقریب میں تیری پشت پر ایسے لوگوں
کو جگہ دونگا۔ جو میری تسبیح کرینگے اور تحمید کرینگے اور تہلیل و تکبیر کرینگے۔ وہ جو تسبیح و تہلیل کرینگے۔ اور
تو اُسے سنیگی۔ تو تو بھی ویسی تسبیح و تہلیل کریگی۔ پس جب فرشتوں نے سنا کہ خدا تعالی نے گھوڑے

پیدا کئے۔ عرض کی کہ خدایا ہم تیری تسبیح وتہلیل وحمد کرتے ہیں پھر ہمارے لیئے کیا تونے پیدا کیا۔ تو پروردگار عالم نے اُن کے لئے بھی گھوڑے پیدا کئے۔ جنکی گردنیں مثل اونٹوں کی گردنوں کے ہیں۔ اُن کے ذریعہ سے اپنے جس نبی یا رسول کی مدد کرنی چاہتا ہے۔ مدد کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ پس جب خدا یتعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے سامنے دنیا کی تمام چیزیں پیش کیں تو اُنسے فرمایا کہ انمیں سے جس چیز کو چاہو۔ پسند کر لو۔ تو حضرت آدمؑ نے گھوڑونکو پسند کیا۔ تو خدا یتعالیٰ نے اُنسے فرمایا اخترت عزک وعز ولدک خالدا ما خلدوا وباقیا ما بقوا۔ ابد الابدین ودھر الداھرین

اور کتاب علل الشرائع میں مروی ہے عن علان باسنادہ رفعہ قال قال امیر المومنین فی جواب ما سأل الیھودی انما قال للفرس اجد لان اول من رکب الخیل قابیل یوم قتل اخاہ ھابیل وانشا یقول اجد الیوم وما ترک فی الناس دما فقیل للفرس اجد لذلک وانما قیل للبغل عد لان اول من رکب البغل آدم وذلک کان لہ ابن یقال لہ معد وکان عشوقا للدواب وکان یسوق بآدم فاذا تقاعس البغل نادی یا معد سقھا فالفت البغلۃ اسم معد فترک الناس معد وقالوا عد وانما قیل للحمار حر لان اول من رکب الحمار حوا وذلک انہ کان لھا حمارۃ وکان ترکبھا لزیارۃ قبر ولدھا ھابیل فکانت تقول فی مسیرھا واحراہ فاذا قالت ھذہ الکلمات سارت الحمارۃ واذا سکتت تقاعست فترک الناس ذلک وقالوا حر۔ ترجمہ باسناد مرفوع علان سے مروی ہے اُس نے کہا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ایک یہودی کے سوالات کے جوابات میں فرمایا کہ فرس کو اجد اسوجہ سے کہتے ہیں کہ اول اول جو کوئی گھوڑے پر سوار ہوا وہ قابیل تھا۔ جبکہ اُس نے ہابیل کو قتل کیا اور یہ کہتا تھا۔ کہ اجد الیوم وما ترک فی الناس دما۔ میں ایسا دیکھتا ہوں کہ لوگ اب کوئی خون نہ چھوڑینگے (یعنی آج سے میں نے سلسلہ خونریزی کا نکالدیا جس سے برابر خونریزی کیا کرینگے) اسیوجہ سے گھوڑے کو اجد کہتے ہیں اور خچر کو عد اسوجہ سے کہتے ہیں کہ پہلے پہل حضرت آدمؑ اسپر سوار ہوئے انکا ایک فرزند تھا جسکا نام معد تھا۔ وہ چوپایونکا بڑا شید اتھا اور جناب آدمؑ کو سوار کرکے لیجاتا تھا۔ پس جب خچر چلنے میں کوتاہی کرتا تو آپ فرماتے تھے اے معد اسے کھینچ کے لیچلو۔ اسوقت سے خچر معد کے نام کو پہچاننے لگا۔ کثرت استعمال سے لوگوں نے معد چھوڑکر عد کہنا شروع کر دیا۔ اور حمار (گدھے) کو حر اسوجہ سے کہتے ہیں کہ ابتداً اسپر حوا سوار ہوئیں اُسپر اپنے فرزند ہابیل کی قبر کی زیارت کو جایا کرتی تھیں۔ اور چلتے وقت واحراہ کہتی تھیں۔ اس آواز سے گدھا چلتا تھا۔ اور جب چُپ ہو جاتیں۔ تو ٹھیر جاتا۔ اس سبب سے اسکا نام حر ہو گیا۔

جناب صادقؑ سے مروی ہے تسعۃ اعشار الرزق مع صاحب الدابۃ روزی کے

نوحصے اُس شخص کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جو گھوڑا پالتا ہے۔ اور ازبسکہ یہ جانور انسانوں کے لئے فائدہ مند ہیں۔ اس لئے انکو شوق دلایا گیا اور ایسے ثوابات اُنکے واسطے مقرر کیے گئے۔ جن سے ان لوگوں کو ان حیوانات کے پالنے کا شوق ہو۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں مروی ہے من اشتری دابۃ کان لہ ظہرھا وعلی اللہ رزقھا۔ جو کوئی گھوڑا خریدتا ہے۔ سواری تو وہ خود کرتا ہے۔ مگر روزی اُس گھوڑے کی خدا کے ذمے لازم ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالی اُسکی علف وخوراک کا ذمہ وار ہوتا ہے۔ نیز کافی میں مروی ہے کہ حضرت نے یونس بن یعقوب سے فرمایا اتخذ حماراً یحمل رحلک فان رزقہ علی اللہ تو اپنے اسباب لادنے کیواسطے گدھا خرید کر اُسکی روزی کا ذمہ وار تو خدا تعالی ہے۔ نیز ثواب الاعمال میں جناب ابو الحسنؑ سے مروی ہے کہ من لی بتطرفرسًا اشقر اغر او اقرح فانکان اغر سائل الغرۃ بہ وضح فی قوائمہ فھو احب الی لم یدخل بیتہ فقرھا دام ذلک الفرس فیہ ما دام ایضا فی ملکہ لا یدخل فی بیتہ حنق۔ جو کوئی گھوڑا پالے (سُرخ رنگ کا۔ اغر۔ یا اقرح ہو جسکی پیشانی کی سفیدی لمبی ہو۔ اور اگر پاؤں میں بھی سفیدی ہو۔ تو وہ مجھے زیادہ پسند ہے) تو اُسکے گھر میں مفلسی نہ داخل ہو گی۔ جب تک وہ گھوڑا رہیگا۔ اور نہ لڑائی جھگڑا اُسکے گھر میں ہوگا۔ (حنق معنے کینہ و عداوت)

نیز حضرتؑ سے مروی ہے کہ فرماتے تھے کرھنا البھیم من الدواب الا الجمل والبغل یعنی ہمیں اور چوپائے بہائم مکروہ معلوم ہوتے ہیں سوائے اونٹ اور خچر کے۔ بظاہر اسکا سبب یہ ہے کہ یہ دونوں قسم کے مخلوق الہی بڑے زحمت کش کم خوراک اور حد سے زیادہ فائدہ رساں ہیں۔ نیز جناب امام محمد باقرؑ سے مروی ہے۔ ان احب المطایا الی الحمر کان رسول اللہ یرکب الحمار اسمہ یعفور۔ تمام سواریوں سے زیادہ پسند مجھ کو گدھے ہیں۔ کیوں رسولخداؐ یعفور نامی گدھی پر سوار ہوا کرتے تھے۔ نیز کتاب حیوۃ الحیوان دمیری میں منقول ہے کہ رسولخداؐ نے فرمایا۔ ان الشیطان لا یخبل احداً فی دار فیھا فرس عتیق۔ شیطان کسی ایسے شخص کے سامنے نہیں آتا جس کے گھر میں اصل عربی گھوڑا ہو۔

دمیری نے حیوۃ الحیوان میں خچر کے بیان میں لکھا ہے۔ البغل مرکب من الفرس والحمار ولذلک صار لہ صلابۃ الحمار وعظم الات الخیل وکذلک شحیحاء ای صوت تولد من صھیل الفرس ونھیق الحمار وھو عقیم لا یولد لہ لکن فی تاریخ ابن بطریق فی حوادث سنۃ اربع واربعین واربعمائۃ ان بغلۃ بنابلس ولدت وسبحان الطباع بالتجاذبۃ الاعراق المتضادۃ والاخلاق المتباینۃ والعناصر المتباعدۃ و اذا کان الذکر حماراً یکون شدید الشبہ بالفرس واذا کان الذکر فرسًا

يكون شديد الشبه بالحمار ومن العجب ان كل عضو فرضته منه يكون بين الفرس
والحمار وكذلك اخلاقه ليس له ذكاء الفرس ولا بلادة الحمار ويقال ان اول
انتجها قارون وله صبر الحمار وقوة الفرس ويوصف برداءة الاخلاق و
التلون لاجل التركيب لكنه يوصف مع ذلك بالهداية في كل طريق يسلكه
مرة واحدة وهو مع ذلك مركب الملوك في اسفارها وقعيدة الصعاليك في
قضاء اوطارها مع احتمال الاثقال وصبره على طول الانقال وروى ابن
عساكر في تاريخ دمشق عن علي بن ابي طالب ان البغال كانت تتناسل وكانت
اسرع الدواب في نقل الحطب لنار ابراهيم خليل الرحمن فدعا عليها فانقطع
الله نسلها وعن ابي اسحق ابن حماد بن ابي حنيفة انه قال كان عندنا
طحان رافضي له بغلان سمى احدهما ابابكر والآخر عمر فرمحه احدهما
فقتله فاخبر جدي ابو حنيفة بذلك فقال انظروا الذي رمحه فهو الذي
سماه عمر فوجده كذلك وفي معجم الطبراني الاوسط من حديث انس قال
لما انهزم المسلمون يوم حنين ورسول الله على بغلته الشهباء التي يقال
لها دلدل فقال لها رسول الله دلدل اسدي فالصقت بطنها بالارض حتى
اخذ النبي حفنة من تراب فرمى بها وجوههم قال حم لا ينصرون قال فانهزم
القوم وما رميناهم بسهم ولا طعناهم برمح ولا ضربناهم بسيف"
وقال في الحمار ليس في الحيوان ما ينزو على غير جنسه ويلقح الا الحمار و
الفرس وهو ينزو اذا تم له ثلثون شهرا ومنه نوع يصلح لحمل الاثقال
ونوع لين الاعطاف سريع العدو ويسبق براذين الخيل ومن عجيب امره
اذا شم رائحة الاسد رمى نفسه عليه من شدة الخوف منه يريد بذلك
الفرار ويوصف بالهداية الى سلوك الطرقات التي مشى فيها ولو مرة
واحدة وبحدة السمع وللناس في مدحه وذمه اقوال متباينة بحسب الاغراض
فمن ذلك ان خالد بن صفوان والفضل بن عيسى الرقاشي كانا يختاران
ركوب الحمير على ركوب البراذين فاما خالد فلقيه بعض الاشراف
بالبصرة على حمار فقال ما هذا يا ابن صفوان فقال هذا عير من نسل الكدار
يحمل الرحلة ويبلغني العقبة ويقل داؤه ويخف دواؤه ويمنعني من ان
اكون جبارا في الارض وان اكون من المفسدين واما الفضل فانه سئل
عن ركوبه فقال انه اقل الدواب مؤنة واكثرها معونة واخفضها مهوى

واقع بحار تھا الخ (بحار السماء والعالم)

خچر۔ مرکب ہے گھوڑے اور گدھے سے۔ اسیوجہ سے اُسمیں مضبوطی وسختی تو گدھے کی سی ہے۔ اور ہاتھ پاؤں کا بڑا ہونا گھوڑے کا سا ہے۔ اسی طرح اسکی آواز گدھے اور گھوڑے کی آواز سے مرکب ہے۔ اسکی نسل نہیں ہوتی۔ لیکن ابن بطریق کی تاریخ میں واقعات ۴۴۴ھ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ نابلس میں ایک خچری کے بچہ پیدا ہوا۔ اور بدترین طبائع وہ طبیعت ہے جسمیں متضاد نسلیں اور متخالف طبیعتیں اور متفاوت عناصر داخل ہوگئے ہوں۔ جبکہ نر گدھا ہو تو بچہ جو خچر پیدا ہوگا۔ وہ گھوڑے سے زیادہ مشابہ ہوگا۔ اور اگر نر گھوڑا ہو تو بچہ جو اس سے خچر پیدا ہوگا۔ وہ گدھے سے زیادہ مشابہ ہوگا۔ عجائبات میں تو یہ بات ہے کہ اس خچر کے جس عضو کو دیکھو۔ وہ گھوڑے اور گدھے دونوں کے درمیان درمیان ہوگا۔ علے ہذا القیاس اس کے اخلاق بھی ان دونوں کے اخلاق کے درمیان درمیان ہونگے۔ نہ تو اسمیں گھوڑے کی سی ذکاوت ہے اور نہ گدھی کی سی بلادت ہے کہتے ہیں کہ پہلے پہل قارون نے اس قسم کا بچہ پیدا کرایا تھا۔ اسمیں گدھے کا سا تو صبر وتحمل ہے اور گھوڑے کی سی طاقت ہے۔ اور بد اخلاق مشہور ہے۔ اپنی بدترکیبی کیوجہ سے۔ لیکن باوجود اسکے اسکی یہ صفت بھی ہے کہ جس راہ میں ایک مرتبہ چلا ہے۔ اُسے خوب پہچانتا ہے۔ اور باوجود اسکے یہ بھی ہے کہ سفروں میں یہ بادشاہوں کی سواری ہے اور فقیروں کی سواری ہے حاجتوں کے پورا کرنیمیں (یعنی امیر وغریب سب اسپر سوار ہوتے ہیں) بااینہمہ بوجھ بھی بہت اٹھاتا ہے۔ دُور تک لیجانے میں بوجھ کا بھی تحمل کرتا ہے ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ خچروں کی بھی نسل ہوتی تھی۔ مگر چونکہ حضرت ابراہیمؑ کے جلانے کے لئے جو لکڑیاں لائی جاتی تھی اُنہیں بہت جلد جلد لاتا تھا۔ اسوجہ سے انہوں نے بددعا کی۔ اسوجہ سے خدا نے اسکی نسل کو قطع کردیا۔ ابو اسحاق ابن حماد ابن ابوحنیفہ سے مروی ہے اس نے کہا کہ ہمارے مکان کے پاس ایک رافضی خراسی رہتا تھا۔ اسکے دو خچر تھے ایک کا نام ابوبکر رکھا تھا۔ دوسری کا عمر۔ انمیں سے ایک نے دوسری کو لات ماری۔ وہ مرگیا۔ اُس نے میرے دادا ابوحنیفہ سے بیان کیا۔ اُس نے کہا کہ جسنے مارا ہے اسکا نام عمر ہوگا۔ اب دیکھا تو ایسا ہی پایا کہ عمر نامی خچر نے ابوبکر نامی خچر کو مار ڈالا تھا۔ اور طبرانی کے مجمع اوسط میں انس سے مروی ہے کہ جب حنین کے دن مسلمانوں نے شکست کھائی۔ اور رسول اللہؐ اپنی سُرخ بغلے پر سوار تھے۔ جسکا دلدل نام تھا۔ اُسے فرمایا۔ کہ اسدی اسنے اپنا پیٹ زمین سے ملا دیا۔ یہاں تک کہ حضرتؐ نے ایک مٹھی مٹی زمین سے اُٹھائی اور کفار کیطرف پھینکا اور فرمایا ھم لا ینصرون انس کہتے ہیں کہ تمام فوج کفار بھاگ گئی بغیر لڑے۔ حالانکہ ہم نے نہ اُنہیں تیر مارا نہ نیزہ مارا۔ نہ تلوار ماری۔ نیز دمیری نے گدھے کے بیان میں یہ بھی لکھا ہے کہ حیوانوں میں سے کوئی جانور اپنی غیر جنس سے نہ جفتی کرتا ہے اور نہ اُسسے بچہ جنوا تا ہے مگر گدھے اور گھوڑے کہ یہ غیر جنس سے بھی

جفتی کرتے ہیں - اور کوئی تیس مہینہ کے بعد جفتی کرتے ہیں۔ ان گھوڑوں میں سے وہ بھی قسم ہے
جو صرف بوجھ لادنے کے کام میں آتی ہے - اور ایک قسم ایسے ہی نیک مزاج اور تیز رفتار ہوتی
ہے - اور برذون گھوڑوں سے بھی تیز رفتار ہوتی ہے - اسمیں عجیب بات یہ ہے کہ شیر کی بو سونگھ
کر اپنے تئیں اسپر گرا دیتا ہے - شدت خوف سے حالانکہ وہ بھاگنا چاہتا ہے - جن راہوں میں یہ چل
چکا ہے اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہو - تب بھی اُس راہ کو خوب پہچانتا ہے - اسکی قوت سماعت بہت زیادہ
ہے اور آدمی کی رائے اسکی مدح وذم میں مختلف ہے - مثلاً خالد ابن صفوان اور فضل ابن عیسےٰ
رقاشی گدھے کی سواری کو گھوڑے کی سواری پر ترجیح دیتے تھے - خالد کی یہ نقل ہے کہ اُسے بصرہ
میں کسی شریف آدمی سے ملاقات ہوئی - اور یہ گدھے پر سوار تھا - اُس نے پوچھا کہ اے فرزند
ابن صفوان یہ کیا - اسنے جواب دیا کہ یہ گدھا نسل سے کدار کے ہے بوجھ اٹھاتا ہے ناہموار
رستوں میں مجھے پہنچاتا ہے - مرض اس کا کم ہے اور دوا اسکی خفیف ہے - نیز یہ کہ مجھکو جابر اور مفسد
ہونیسے روکتا ہے - اور فضل سے جو پوچھا گیا - تو اُسنے کہا کہ گدھا تمام جانوروں سے مشقت میں
کم ہے اور مدد میں بڑھا ہوا ہے - اُترنے میں پست ہے اور چڑھنے میں نزدیک ہے اس کے پالنے
میں بہ نسبت اور جانوروں کے مشقت کم ہے - اور سفر میں یہ آدمی کا بہت معین ہوتا ہے - یہی سبب
پست قد ہونیکے اسپر چڑھنا اور اُترنا بہت آسان معلوم ہوتا ہے - بخلاف گھوڑے کے (بحار السماء والعالم)

(سورہ نحل رکوع ۲) هو الذی انزل من السماء ماء لکم منه شراب ومنه شجر فیه
تسیمون ۝ ینبت لکم به الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات
ان فی ذلک لآیة لقوم یتفکرون ۝ وسخر لکم اللیل والنهار والشمس والقمر
والنجوم مسخرات بامره ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون ۝ وما ذرا لکم
فی الارض مختلفا الوانه ان فی ذلک لآیة لقوم یذکرون ۝ وهو الذی
سخر البحر لتاکلوا منه لحما طریا وتستخرجوا منه حلیة تلبسونها وتری الفلک مواخر
فیه ولتبتغوا من فضله ولعلکم تشکرون ۝ والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم
وانهارا وسبلا لعلکم تهتدون ۝ وعلامات وبالنجم هم یهتدون ۝ یہ مجموعی
سات آیتیں ہیں - جنمیں خالق تعالیٰ شانہ نے - اٹھارہ نشانیاں اپنے وجود وقدرت کی بتائی ہیں
جنمیں بالاجمال ارضی اور سماوی کثیر نشانیاں آگئیں - بحیثیت موقوف اور موقوف علیہ ہونے کے -

تبصرۂ خدا تعالیٰ نے ان نشانیوں کو اور نیز ان ہی کے امثال اور آیات قدرت و بینات حکمت
کو قرآن مجید میں بہت سے مقامات اور مختلف مواقع پر بیان کیا ہے اور علےٰ ہذا القیاس قصص
وغیرہ کو بھی مکرر ارشاد کیا ہے - اس کے کئی سبب ہیں - منجملہ اُنکے ایک یہ ہے کہ قاعدہ کی بات ہے،

الکلام اذا تکرر تقرر۔ جب کوئی کلام مکرر کسی پر وارد کیا جاتا ہے تو وہ اُسکے ذہن میں راسخ ہوجاتا ہے۔ چونکہ مقصود خدا تعالیٰ یہ تھا۔ کہ اپنے وجود کی دلیلیں اور قدرت کے آثار کو منکرین و کفار و مشرکین کے دلوں میں ثابت و مستقر کردے۔ اسلئے کئی کئی مرتبہ ایک ہی بات کو بیان کیا گیا ہے تاکہ سنتے سنتے کچھ تو اثر ہوگا۔ اور علےٰ ہذا القیاس سابقین کے قصے جو لاحقین کے لئے عبرت ہوتے ہیں اور اُن سے پچھلے لوگ سبق حاصل کرکے راہ راست اختیار کرتے ہیں۔ مکرر بیان فرمائے خصوصاً جن قصوںمیں زیادہ عبرت ہے اُنہیں کئی کئی مرتبہ ارشاد فرمایا ہے دوسرے یہ کہ عموماً یہ بات اہل زبان کو معلوم ہے کہ کسی ایک بات کو دو چار مرتبہ بیان کرنا فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے کیونکہ سننے والا اُسے سنتے سنتے اور دیکھتے دیکھتے اُکتا اور گھبرا جاتا ہے تو اس تکرار سے ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی یہ غرض ہو کہ دیکھو ہم اپنے چھوٹے سے کلام میں ایک ہی بات کو مکرر بیان کرتے اور مختلف لفظوںمیں ادا کرتے ہیں۔ یہانتک کہ ایک ہی بات کو آٹھ آٹھ دس دس مرتبہ ہرا دیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی مخالف فصاحت و بلاغت نہیں ہوتا اور سننا اور دیکھنا کسی کو ناگوار معلوم ہوتا ہے بلکہ جسقدر اسے زیادہ پڑہے اُسیقدر کیفیت زیادہ آتی جاتی ہے اور حظ زیادہ بڑھتا رہتا ہے۔ تیسرا سبب یہ بھی ممکن ہے کہ قرآن مجید مجموعاً ایک مرتبہ نہیں نازل ہوا بلکہ ضرورت کے وقت پر ایک ایک دو دو یا اس سے زیادہ آیتیں نازل ہوا کرتی تھیں۔ جب کوئی موقع پیش آیا تب ہی چند آیتیں بذریعہ جبرئیل آگئیں۔ اور اسوقت جبکہ عہد رسول تھا۔ بہت ایسے مواقع مختلف اشخاص کے آنے جانے سے ایسے پیش آتے تھے۔ جنہیں اُسی بات کو دوہرانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ مثلاً ہم آدمیوں ہی کو اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ اختلاف جلسہ اور اختلاف اشخاص واردین و سائلین کیوجہ سے ایک ہی بات کو کئی مرتبہ دہرانا پڑتا ہے۔ اور یہ بات خلاف فصاحت بھی نہیں ہے گو اُنہیں جمع کرکے لکھنے میں یہ عیب پیدا ہوجاتا ہے مگر قرآن کا یہ معجزہ ہے کہ تب بھی اُس تکرار سے کوئی خرابی نہیں معلوم ہوتی بلکہ اُسکی تکرار ہی کچھ دلکو بھلی لگتی ہے!!

خلاصہ یہ کہ ان آیتوں کے بیان کرنیسے خدا تعالیٰ کی دو غرضیں ہیں ایک یہ کہ آثار دلیل موثر ہیں کیونکہ حوادث کا وجود عدم پر راجح نہیں ہوسکتا۔ جب تک کوئی مرجح نہو۔ لامحالہ کسی نہ کسی مرجح کا مان لینا لازم ہوجاتا ہے۔ اور چونکہ یہ حوادث حکمت و مصلحت کثیرہ پر مبنی ہیں۔ اس لئے یہ بھی ماننا لازم ہوتا ہے کہ انکا حادث کرنیوالا حکیم و مدبر و عالم و خبیر بھی ہے۔ تو اس ترکیب سے یہ آیات برہانی دلیلیں وجود صانع عالم کی ہوجاتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہی آیات خدا تعالیٰ کی قدم و وجوب کو بھی ثابت کرتی ہیں۔ اس لئے کہ جب یہ حادث بغیر محدث کے اور یہ آثار بغیر موثر کے موجود نہیں ہوسکتے تو ضروری ہے کہ وہ موثر واجب الوجود بھی ہو۔ کیونکہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ان حادث چیزوں کا

حادث کرنیوالا بھی اگر حادث ہی ہو۔ تو ضروری ہوتا ہے کہ اسکا بھی کوئی اور حادث کرنیوالا ہو۔ اور اگر یہ بھی حادث ہو۔ تو اسکا بھی کوئی حادث کرنیوالا ضروری ہوگا۔ پس اگر یہی سلسلہ قائم رہے تو تسلسل لازم آئیگا جو محال ہے۔ لہذا ضرور ہوا کہ اُسے واجب الوجود تسلیم کیا جائے۔ ورنہ اس سلسلہ میں کوئی ایسا نہ ملیگا جس سے ابتدائے عالم ہوسکے کیونکہ کوئی حادث اول نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ وہ بھی کسی کا پیدا کیا ہوا ہوگا۔

پس چونکہ ان آیات و آثار کا بیان کرنا عمدہ اغراض کو پورا کرتا ہے۔ اسلئے انکا مکرر بیان کرنا نہایت مستحسن ہوا۔ الغرض پہلی آیت ان آیتوں میں هو الذی انزل من السماء ماء لکم منه شراب و منه شجر فیه تسیمون ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ وہی معبود وہ ہے۔ جسنے آسمان سے مینہ برسایا۔ اسی سے تمہارے پینے کا پانی ہے اور اُسی سے اشجار پیدا ہوتے ہیں۔ جنمیں تم آزادی سے اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔ اس ایک نشانی میں تین نشانیاں خدا تعالی نے بیان کی ہیں۔ ایک آسمان سے مینہ برسانا جو بہت سے اسباب پیدا کرنے پر موقوف ہے۔ مثلاً دریا۔ ہوائے تند۔ بخارات۔ حرارت آفتاب۔ برودت کرہ زمہریر وغیرہ اور یہ تمام امور بجائے خود ایسے ہیں جو صانع حکیم کے بغیر نہیں پیدا ہوسکتے۔ کیونکہ اسطرح کا عجیب سلسلہ بغیر مدبر کے سوا ناممکن ہے۔ دوسرے اسکو ایسا بنانا جو ہر صورت سے ہمارے پینے میں استعمال ہوسکے اور اُسے ایسا لطیف بنانا جو ہماری غذا کو قابل ہضم بناوے۔ اور عروق میں اخلاط بدن کے ساتھ رکر انہیں ہر عضو پر پہنچاوے۔ جہاں جہاں انکا پہنچنا ضروری ہے اور پھر خود جزو بدن نہ ہوکر گردہ و مثانہ کی راہ سے باہر نکل جانا اور کچھ ہمیشہ مواد فاسدہ بدن کو اپنے ساتھ دفع کر دینا۔ تیسرے اُسی سے اشجار و نباتات کا پیدا کرنا جو ہزاروں ہی حکم و مصالح پر مبنی ہے۔ منجملہ انکے اُس سے نباتات کا پیدا ہونا جنسے حیوانات کا علف ہوسکے اور انسان اُس سے فائدہ اٹھا سکے ::

چونکہ یہ نشانی اعظم نعمات الہیہ سے ہے اسلئے بار بار خدا تعالی نے قرآن مجید میں اسکی یاد دہانی فرمائی ہے۔ چنانچہ سورہ بقر میں فرمایا و انزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لکم پھر فرمایا وما انزل الله من السماء من ماء فاحیی به الارض بعد موتها۔ پھر سورہ ابراہیم میں فرمایا و انزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لکم۔ پھر سورہ حجر میں فرمایا فانزلنا من السماء ماء فاسقیناکموه۔ پھر سورہ نحل میں فرمایا جو ابھی آیت مذکور ہوئی۔ پھر اسی سورہ میں فرمایا۔ و الله انزل من السماء ماء فاحیا به الارض بعد موتها۔ پھر سورت طہ میں فرمایا۔ و انزل من السماء ماء فاخرجنا به ازواجا من نبات شتی۔ پھر سورہ انبیاء میں فرمایا و جعلنا من الماء کل شیء حی افلا یومنون۔ پھر سورہ مومنون میں فرمایا و انزلنا من السماء ماء بقدر فاسکناه فی الارض و انا علی ذهاب به لقادرون۔ پھر سورہ نور میں فرمایا و الله خلق کل دابة من ماء فمنهم من یمشی علی بطنه ومنهم من یمشی علی رجلین ومنهم من یمشی علی اربع۔ پھر سورہ فرقان میں فرمایا و انزلنا من السماء ماء طهورا لنحیی به بلدة

میتا ونسقیہ مما خلقنا انعاماً واناسی کثیرا۔ پھر سورہ عنکبوت میں فرمایا ولئن سالتھم من انزل من السماء ماءً فاحیا بہ الارض من بعد موتھا۔ لیقولن اللّٰہ۔ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے مینہ برسا کر مردہ زمین کو زندہ کیا تو وہ ضرور کہیں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہے پھر سورہ روم میں فرماتا ہے۔ وینزل من السماء ماءً فیحیی بہ الارض بعد موتھا۔ اور نازل کرتا ہے (اللہ) آسمان سے پانی تو اُس سے زمین کو بعد اس کے مردہ ہونے کے زندہ کرتا ہے۔ پھر سورہ لقمان میں فرمایا وانزلنا من السماء ماء فانبتنا فیھا من کل زوج کریم اور ہم نے آسمان سے مینہ برسایا تو زمین میں ہر کریم جوڑہ پیدا کیا (جس سے حیوانات ونباتات مراد ہیں) پھر سورہ تنزیل میں فرمایا ہے اولم یروا انا نسوق الماء الی الارض الجرز فنخرج بہ زرعاً تاکل منہ انعامھم وانفسھم افلا یبصرون۔ کیا اُن لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو زمین خشک کیطرف بھیجتے ہیں۔ تو اُس سے ہم زراعت کو نکالتے (پیدا کرتے) ہیں۔ جس سے اُن کے چوپائے اور وہ خود کھاتے ہیں۔ پھر اسی سورہ میں فرمایا ہے۔ الم تر ان اللّٰہ انزل من السماء ماءً فاخرجنا بہ ثمرات مختلفاً الوانھا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے مینہ برسایا تو ہم نے اس سے مختلف رنگ کے پھل پیدا کئے۔ پھر سورہ زمر میں فرمایا۔ الم تر ان اللّٰہ انزل من السماء ماءً فسلکہ ینابیع فی الارض ثم یخرج بہ زرعاً مختلفا الوانہ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے مینہ برسایا۔ پھر اُسکو زمین میں چشمے بنا کر چلایا۔ پھر اُس سے مختلف رنگ کی زراعت پیدا کرتا ہے۔ پھر سورہ زخرف میں فرمایا ہے والذی نزل من السماء ماءً بقدر فانشرنا بہ بلدۃً میتا کذالک تخرجون۔ اور جس نے آسمان سے باندازہ مینہ برسایا پھر ہم نے اُس سے مُردہ شہر کو زندہ کیا۔ اسی طرح (مرنیکے بعد) تم بھی نکالے (زندہ کئے) جاؤ گے (یعنی قیامت کے قریب) پھر سورہ جاثیہ میں فرمایا وما انزل اللّٰہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا۔ اور جو اللہ نے آسمان سے روزی (مینہ) برسائی۔ پس اُس سے زمین کو بعد مُردہ ہونے کے جلایا۔ پھر سورہ واقعہ میں فرمایا۔ افرأیتم الماء الذی تشربون ءانتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون۔ کیا تم نے دیکھا اس پانی کو جسے تم پیتے ہو؟ کیا تم نے اُسے برسایا ہے بادل سے یا ہم (اُسکے) برسانے والے ہیں۔ پھر سورہ ملک میں فرمایا قل ارایتم ان اصبح ماؤکم غوراً فمن یاتیکم بماءٍ معین۔ اے ہمارے رسول (لوگوں سے) کہدو کہ تمہارا کیا خیال ہے۔ اگر تمہارا پانی گہرائی میں چلا جائے۔ تو کون تمہارے پاس آب شیریں لائیگا۔ (سوائے خدا کے کوئی نہیں) پھر سورہ نبا میں فرمایا وانزلنا من المعصرات ماءً ثجاجا۔ پھر سورہ عبس میں فرمایا فلینظر الانسان الی طعامہ انا صببنا الماء صبا الخ پس چاہیے کہ آدمی اپنے طعام کیطرف دیکھے کہ ہم نے پانی جاری کیا حق جاری کریگا۔ اور غرض پروردگار عالم کی اس تکرار سے یہی ہے

کہ دیکھو ہم نے تمکو اتنی بڑی نعمت مرحمت فرمائی۔ کہ اگر ہم اسے نہ پیدا کرتے یا اب اسے خشک کردیں۔ تو تم اس کی مانند پیدا کر لینے پر ہرگز قادر نہیں ہو۔ پھر بھی تم وجود خالق و منعم تعالیٰ شانہ کے منکر ہی رہوگے۔

دوسری آیت۔ ینبت لکم بہ الزرع والزیتون والنخیل والاعناب من کل الثمرات ان فی ذالک لاٰیۃ لقوم یتفکرون "۔ ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں۔ کہ تمہارے لئے اُس دینے سے زراعت اور زیتون۔ اور درختہائے خرما۔ اور انگور۔ اور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے۔ بیشک اُسمیں ضرور دلیل ہے۔ اُس قوم کیواسطے جو غور و فکر کرے "۔ یہ نشانی اگرچہ ایک ہی جملہ کے تحت میں ہے۔ لیکن اگر غور کرو۔ تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ دراصل اس آیت میں پانچ نشانیاں ہیں۔ ۱۔ زراعت کا پیدا کرنا جس سے انسان کو زیادہ تعلق ہے۔ اور قدرے حیوانات کو بھی۔ اس زراعت کے تحت میں تمام وہ چیزیں آگئیں۔ جنکی کاشت کیجاتی ہے۔ خواہ وہ ایسی ہوں جنکے تخم بیکر بصورت آرد استعمال میں آتے ہوں۔ جیسے جو۔ گیہوں وغیرہ اور خواہ وہ ایسی ہوں جو بغیر آرد کئے ہوئے استعمال میں آتی ہوں۔ پختہ کھائی جاتی ہوں یا خام یا نمک کے ساتھ مستعمل ہوں۔ یا بے نمک کے۔ الغرض اسکی بھی بہت سی قسمیں ہیں اور اسکی ہر قسم انسان کیلئے اعظم نعمات سے ہے کہ اسے کس کس صورت میں کیسے کیسے موقعوں پر استعمال میں لاتا ہے۔ ۲۔ زیتون کا پیدا کرنا۔ جو بہت سے اغراض و فوائد پر مشتمل ہے۔ منجملہ انکے یہ ہے کہ اسکے کھانے والے کے شیطان قریب نہیں آتا۔ چنانچہ امام رضاؑ سے مروی ہے کہ رسولخداؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا علیک بالزیت کلہ وادھن بہ فان من اکلہ وادھن بہ لم یقربہ الشیطان اربعین۔ تمکو لازم ہے کہ زیت کھایا کرو اور اس سے تدہین کرو۔ کیونکہ جو کوئی اُسے کھاتا ہے۔ یا اُس سے تدہین کرتا ہے۔ تو شیطان چالیس روز تک اُسکے قریب نہیں آتا۔ دوسرے یہ صفرا کا قاطع ہے اور بلغم کو دفع کرتا ہے پٹھونکو مضبوط کرتا ہے۔ صورت پر رونق لاتا ہے۔ سانس کو خوشبودار کر دیتا ہے۔ غم کو زائل کرتا ہے۔ چنانچہ عیون الاخبار میں جناب امام رضاؑ سے مروی ہے کہ آپنے فرمایا رسولخداؐ نے فرمایا ہے کہ علیکم بالزیت فانہ یکشف المرۃ و یذھب البلغم و یشد العصب و یحسن الخلق و یطیب النفس و یذھب بالغم۔ تیسرے یہ اس سے ریاح بھی دفع ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسحٰق بن عمار کہتے ہیں۔ کہ میں نے جناب صادقؑ سے عرض کی الھم یقولون الزیتون یھیج الریاح۔ لوگ کہتے ہیں کہ زیتون ریاح پیدا کرتا ہے۔ اور اُسے ہیجان میں لاتا ہے۔ آپنے فرمایا ان الزیتون یطرد الریاح۔ زیتون تو بے شبہ ریاح کو دفع کرتا ہے۔ چوتھے یہ اسکے کھانے میں انبیاءؑ کے کھانے سے مشابہت ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ ما اقفر بیت یاتدمون بالخل والزیت و ذالک ادام الانبیاء۔ وہ گھر ہمیشہ آباد رہیگا۔ جس کے رہنے والے سرکہ اور روغن زیتون کو استعمال میں لاتے ہیں۔ اور یہ سالن ہے انبیاء علیہم السلام کا۔ نیز مروی ہے کہ امام رضاؑ نے فرمایا۔ زیت

خوشبو پیدا کرتا ہے۔ بلغم کو دفع کرتا ہے۔ رنگ کو صاف کرتا ہے۔ پٹھونکو مضبوط کرتا ہے۔ درد
دفع کرتا ہے۔ غُصّہ کو بجھاتا ہے۔ اور حضرت صادق سے مروی ہے کہ زیت ابرار لوگونکا تیل
ہے اور اخیار لوگونکا کھانا ہے۔ اطباء کے نزدیک بھی یہ نہایت عمدہ چیز ہے۔ چنانچہ بحار میں نقل کیا
ہے کہ قال البغدادی الزیت اسم الدھن المعتصر من الزیتون ویعتصر من نفسہ
ویسمی زیتا عذبا۔ ومن خامہ یسمی زیت الفاق وزیت رکابی والاول حار باعتدال
والثانی بارد یابس فیہ قبض والشانی اوفق للاصحاء وجید للمعدۃ ویشد
اللثۃ وتقوی الاسنان اذا امسک فی الفم ویمنع من دود العرق والعتیق
من الزیت العذب صالح للادویۃ والح یکون فیہ حرارۃ ظاھرۃ یحلل ویلین
البشرۃ یمنع من الجمود ویلین الطبیعۃ ویضعف قوۃ الادویۃ ویکتحل بالعتیق
منہ لحدۃ البصر والکحل بالمغرل المبیض تزیل بیاض العین الرقیق وھو
دواء شریف للعین اذا ادیم استعمالہ حتی انہ یقوم مقام القدح فی العین
عند نزول الماء خصوصا اذا اقطر فی العین وحکت العین بطرف المیل انتہی
اس میں اور کتاب بحر الجواہر میں ہے کہ الزیت بارد فی الدرجۃ الاولی وقیل فیہ رطوبۃ
یقوی الاعضاء ویعین علی جبر ما انکسر منہا حتی انہ مثل دھن الورد فی
کثیر من افعالہ ویقاوم السموم ویقتل الدیدان ویقوی الاسنان والمعدۃ
ویحفظ الشعر ویمنع سرعۃ الشیب وینفع من الجرب والقروح کلہا واللثۃ الدامیۃ
ویشد الاسنان انتہی

۳- درختہائے خرما کا پیدا کرنا۔ جس کا طول قامت واستقامت واستحکام اور پھول اور پھل سب کے
سب عجائب قدرت پروردگار عالم کا نمونہ ہیں اور جو ایسے ملکوں کے واسطے نہایت ہی عظیم دولت
ہیں۔ جہاں انکو خدا تعالی نے پیدا کیا ہے۔ یعنی ملک عرب کیواسطے ۴- انگوروں کا پیدا کرنا۔ جو اپنے بیل
اور برگ و بار اور منافع و خواص کے لحاظ سے بہت بڑی آیت آیات الہیہ اور بہت بڑی نعمت نعمات
ربانیہ سے ہے۔ پانچویں مرتبہ یہ فرمایا کہ ومن کل الثمرات۔ یعنی دنیا کے تمام ہی پھل تو ہمارے
پیدا کئے ہوئے ہیں جنکو تم حصر کر سکتے ہو۔ اور نہ شمار اور نہ اُنکے فوائد کا جو برابر تمہیں پہنچتے رہتے
ہیں کسی طرح کا شکریہ ادا کر سکتے ہو۔ ان فی ذلک لاٰیۃ لقوم یتفکرون بیشک اسمیں
دلیل ہے اس قوم کے لئے جو فکر و غور کرے۔

چونکہ ان تمام چیزوں کی خلقت صرف ایک مینہ برسانے سے ہوئی ہے۔ اسوجہ سے خدا تعالی نے ان
تمام اشیا کو ایک ہی نشانی اور دلیل فرمایا ہے۔ اگرچہ ہر ایک انمیں سے بجائے خود اکبر دلائل اور اعظم

براہین سے ہے۔

ازبسکہ انسان کی زندگی بغیر کھانے اور پینے کے ناممکن ہے۔ اور یہ چیزیں زیادہ اس سے قریب ہیں۔ اور ان سے اسکی محبت بہت ہے۔ اس لئے خداتعالیٰ نے انکے اقرب الی الفہم ہونیکی وجہ سے جابجا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ پانی کا ذکر تو سابق میں ہوا۔ اور ان امور کو بھی مکرر ارشاد فرمایا ہے۔ سورہ رعد میں فرماتا ہے ومن کل الثمرات جعل فیھا زوجین اثنین۔ سورہ ابراہیم میں فرماتا ہے فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم۔ سورہ حجر میں فرمایا وانبتنا فیھا من کل شئ موزون۔ سورہ نحل میں وہ ہے جو ابھی مذکور ہوا۔ نیز فرمایا ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکرا ورزقا کھجوروں کے پھلوں اور انگور کو پیدا کیا۔ اس سے تم شراب اور روزی بناتے ہو سورہ طٰہٰ میں فرمایا فاخرجنا بہ ازواجا من نبات شتّٰی کلوا وارعوا انعامکم۔ پھر ہم نے پانی کے ذریعے سے مختلف قسم کی نباتات کے جوڑے پیدا کئے۔ تم بھی کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو بھی چراؤ۔ سورہ مومنون میں فرمایا فانشانا لکم بہ جنٰت من نخیل واعناب لکم فیھا فواکہ کثیرۃ ومنھا تاکلون۔ پھر ہم نے تمہارے لئے اُس (پانی) سے چھوارے اور انگوروں کے باغ لگائے۔ جنمیں تمہارے واسطے بہت سے میوے ہیں۔ اور اسکو تم کھاتے ہو" سورہ شعراء میں فرمایا۔ اولم یروا الی الارض کم انبتنا فیھا من کل زوج کریم ان فی ذٰلک لاٰیۃ۔ کیا لوگوں نے دیکھا نہیں زمین کو کہ ہم نے اُسمیں ہر کریم جوڑے (نباتات کے) اُگائے بیشک اسمیں ضرور دلیل ہے (وجود خدا کی) سورہ فاطر میں فرمایا فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانھا ہم نے پانی کے ذریعے سے مختلف اللون پھل پیدا کئے۔ سورہ یٰسین میں فرمایا۔ واٰیۃ لھم الارض المیتۃ احییناھا واخرجنا منھا حبا فمنہ یاکلون وجعلنا فیھا جنٰت من نخیل واعناب وفجرنا فیھا من العیون لیاکلوا من ثمرہ وما عملتہ ایدیھم افلا یشکرون سبحان الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون ط۔ اور ان آدمیوں کیواسطے ایک دلیل (وجود خالق عالم کی) مردہ زمین ہے۔ ہم نے اُسے زندہ کیا اور اُس سے دانہ نکالا تو یہ لوگ اُسکو کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اُس (زمین) میں باغ لگائے۔ خرما اور انگوروں کے اور اُسمیں چشمے جاری کئے۔ تاکہ لوگ اُسکے پھل کھائیں۔ حالانکہ اُنکے ہاتھوں نے (ان پھلوں اور باغوں کو) نہیں بنایا ہے۔ کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے (یعنی انکا تو فرض ہے کہ ہمارا شکریہ ادا کریں۔ نہ یہ کہ ہماری نعمتوں کا انکار کردیں اور اپنے خالق ہی کو بھول جائیں) پاک ہے وہ جسنے تمام جوڑے زمین کی نباتات اور اُنکے نفسوں اور اُن چیزوں سے پیدا کئے۔ جنہیں وہ جانتے بھی نہیں۔ سورہ زمر میں فرمایا ثم یخرج بہ زرعا مختلفا الوانہ پھر اُس سے پیدا کرتا ہے مختلف رنگ کی زراعت"۔ سورہ واقعہ میں فرمایا افرأیتم ما تحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون۔ تم نے دیکھا جسے بوتے ہو؟ کیا تم اسکی زراعت کرتے ہو یا ہم زراعت کرنیوالے ہیں؟ (یعنی دراصل تو ہم ہی اُسکے اُگانے

اور پیدا کرنیوالے ہیں)۔ سورہ نبا میں فرمایا لنخرج بہ حبًّا و نباتا و جنات الفافا۔ (ہم نے بادلوں سے مینہ برسایا) تاکہ اُس سے دانہ اور نباتات اور گھنے گھنے باغ پیدا کریں" پھر سورہ عبس میں فرمایا فانبتنا فیھا حبًّا و عنبًا و قضبًا و زیتونًا و نخلًا و حدائق غلبًا و فاکھۃ و ابًّا متاعًا لکم و لانعامکم" پس ہم نے اس (زمین) میں دانہ اُگائے اور انگور اور تازہ ثمرات اور زیتون اور درخت خرما اور گھنے گھنے باغ اور میوہ اور چرے۔ تمہارے فائدے اور تمہارے چوپاؤں کے واسطے"۔ تو کیا اسپر بھی منکر ہی رہوگے۔ اور وجود صانع عالم کا اب بھی تمکو یقین نہ ہوگا؟

تیسری آیت۔ وسخر لکم الیل و النھار و الشمس و القمر و النجوم مسخرات بامرہ ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون ہے۔ جسکے معنی یہ ہے کہ اور مسخر کیا تمہارے واسطے رات اور دن۔ آفتاب اور ماہتاب کو اور تمام ستارے اسکے حکم کے تابع ہیں۔ بیشک انمیں نشانیاں (یا دلیلیں) ہیں۔ عقل والی قوم کیواسطے" خدا تعالی نے اس آیت میں چھ نشانیوں کا ذکر کیا۔ ایک رات۔ دوسرے دن تیسرے آفتاب۔ چوتھے ماہتاب۔ پانچویں تمام ستارے۔ چھٹے ان سب کا مسخر لامرہ ہونا۔ کیا غیر خدا تعالی میں یہ طاقت ہے کہ رات۔ دن۔ چاند سورج اور ستارے پیدا کرسکے انمیں سے کسی ایک کا پیدا کرنا تو ممکن ہی نہیں چہ جائیکہ اتنی چیزوں کا پیدا کرنا اور پھر انکو اس طرح مسخر رکھنا کہ جب چاہے اور جسقدر چاہے۔ اسیوقت اور اسیقدر انکی حرکت ہوسکے نہ زیادہ نہ کم۔ جس کے لئے جو مقدار حرکت مقدر کردی ہے اسیقدر حرکت کرسکتے ہیں اور جو وقت مقدر کردیا ہے اسیوقت پر اپنے مقام معہودہ پر آجاتے ہیں۔ علاوہ اسکے انمیں ہزاروں قسم کے فوائد کا ہونا جنمیں کا کچھ حصہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ سوائے واحد ازلی قادر مطلق کے کس سے ہوسکتا ہے۔

از بسکہ یہ علامتیں بہت روشن دلیلیں حکمت و صنعت و قدرت و علم باری تعالی کی ہیں۔ اور جنہیں دیکھکر انسان اپنے خالق کے وجود پر نہایت اتقان کے ساتھ ایمان لا سکتا ہے اسلئے بطور یاد دہانی کے ان آثار و آیات و علامات کو بھی خدا تعالی نے مکرر قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے چنانچہ سورہ اسریٰ میں فرماتا ہے۔ وجعلنا الیل و النھار آیتین فمحونا آیۃ الیل و جعلنا آیۃ النھار مبصرۃ لتبتغوا فضلا من ربکم و لتعلموا عدد السنین و الحساب۔ ہم نے رات اور دن کی دو نشانیاں قرار دیں۔ پس رات کی نشانی کو تو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو روشن کردیا یا تو رات کی نشانی سے چاند اور دن کی نشانی سے آفتاب مراد ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ ہم نے چاند کو سیاہ پیدا کیا جسمیں بذاتہ روشنی نہیں ہے۔ بلکہ آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اور آفتاب کو بذاتہ روشن بنایا اور یا رات اور دن کی نشانی سے خود ہی شب و روز مراد ہوں۔ تو اس صورت میں یہ مطلب ہوگا۔ کہ ہم نے رات کو تاریک اور دن کو روشن بنایا تاکہ تم لوگ فضل خدا کو حاصل کرو۔ اور برسوں کے عدد او

حساب کو معلوم کرو) اور سورہ نور میں فرمایا یُقلّبُ اللّٰہ اللیل و النہار ان فی ذٰلک لعبرۃ
لاولی الابصار۔ اللہ تعالیٰ رات اور دن کو اُلٹتا رہتا ہے بیشک اسمیں آنکھ والوں کے لئے عبرت
ہے (کہ سمجھیں اور غور کریں۔ اپنے معبود کو انکے ذریعے سے پہچانیں۔ اور انکار سے درگزریں۔) سورہ
فرقان میں ارشاد فرمایا الم تر الیٰ ربک کیف مدّ الظل ولو شاء لجعلہ ساکنا ثم جعلنا
الشمس علیہ دلیلاً۔ ثم قبضناہ الینا قبضاً یسیرا وھو الذی جعل اللیل لباسا
والنوم سباتا وجعل النہار نشورا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں۔ کہ تمہارے پروردگار نے کیونکر
سایہ کو دراز کیا (بڑھایا) اور اگر وہ چاہتا تو اُسے ٹھیرا دیتا۔ پھر ہمنے اس پر آفتاب کو دلیل قرار دیا (ابن عباس
کہتے ہیں کہ آفتاب کا سایہ پر دلیل ہونا اس معنی سے ہے۔ کہ اگر آفتاب نہ ہوتا تو سایہ کی شناخت نہ ہوتی۔
اور اگر روشنی نہ ہوتی تو تاریکی کی شناخت نہ ہو سکتی تعرف الاشیاء باضدادھا) پھر ہم نے اُس
(سایہ) کو تھوڑا تھوڑا سمیٹا۔ (کیونکہ جسقدر آفتاب بلند ہوتا رہتا ہے۔ اُتنا ہی سایہ گھٹتا جاتا ہے)۔
اور وہی وہ (معبود برحق) ہے۔ جسنے رات کو لباس بنایا اور نیند کو بدنوں کی راحت اور دن کو روحوں
کے پھیلنے کا یا آدمیوں کے اپنی ضرورتوں کے لئے پھیلنے کا وقت بنایا۔ پھر فرمایا تبارک الذی
جعل فی السماء بروجا وجعل فیہا سراجا وقمرا منیرا وھو الذی جعل اللیل والنہار
خلفۃ لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا" مبارک ہے وہ معبود برحق ہے جسنے آسمان
میں برج قائم کئے۔ اور اسمیں چراغ (آفتاب) اور روشن چاند قرار دیا۔ اور اسی نے رات اور دن کو ایک
دوسرے کا خلیفہ بنایا۔ کہ دن کے فوت شدہ کام کو رات میں کر لو۔ اور رات کے فوت شدہ کام کو دن
میں کر لو۔ یا خلفۃً سے یہ مراد ہو۔ کہ ایک دوسرے کا مخالف بنایا کہ ایک تاریک ہے اور ایک روشن
اُن لوگوں کے لئے جو یاد کریں یا شکریہ بجالانیکا ارادہ کریں"۔ اور سورہ قصص میں فرمایا۔ ومن رحمتہ جعل لکم
اللیل والنہار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون۔ اور اپنی رحمت سے اُس
نے تمہارے لئے رات اور دن بنائے۔ تاکہ تم اسمیں تسکین حاصل کرو اور تاکہ اُس (خالق) کا فضل حاصل
کرو۔ اور تاکہ تم شکر بجالاؤ اور سورہ لقمان میں فرمایا۔ الم تر ان اللّٰہ یولج اللیل فی النہار و
یولج النہار فی اللیل وسخر الشمس والقمر کل یجری الیٰ اجل مسمّی۔ کیا تم دیکھتے
نہیں کہ بیشک خدا تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور
اسی نے آفتاب اور ماہتاب کو مسخر کیا ہے کہ ہر ایک چلتا رہیگا ایک مدت مقررہ تک"۔ سورہ
یٰسین میں فرمایا وآیۃ لھم اللیل نسلخ منہ النہار فاذا ھم مظلمون والشمس تجری
لمستقر لہا ذٰلک تقدیر العزیز العلیم والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون
القدیم لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النہار و
کل فی فلک یسبحون۔ اور ایک نشانی ہے اُنکے (آدمیوں کے) واسطے۔ رات جس سے ہم دن

کو نکال لیتے ہیں۔ تو ناگاہ وہ تاریکی میں پڑ جاتے ہیں۔ اور آفتاب چلتا ہے اپنے اندازہ معین پر (جو رفتار اُسکی گرمی و سردی۔ ربیع و خریف وغیرہ کے لئے مقرر ہے) یہ ہے غالب اور علم رکھنے والے کی تقدیر۔ اور چاند کیلئے ہم نے منزلیں (اٹھائیس) مقرر کیں۔ یہانتک کہ وہ ہوگیا مثل پرانی ٹہنی کے (جو خشک ہو کر خم ہو جاتی ہے) نہ سورج سے ممکن ہے کہ وہ چاند تک پہنچ جائے (کیونکہ سورج کی رفتار بہ نسبت چاند کے بہت سُست ہے) اور نہ رات سابق ہوتی ہے دن پر۔ اور ہر ایک آسمان میں تیرتے (چلتے) ہیں جیسے ملاح پانی میں)۔ اور سورہ مومن میں فرمایا اللّٰہ الذی جعل لکم اللیل لتسکنوا فیہ والنہار مبصرا۔ معبود برحق وہ ہے جسنے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اُسمیں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا۔ پھر سورہ زمر میں فرمایا خلق السموات والارض بالحق یکور اللیل علے النہار ویکور النہار علے اللیل وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمّی "پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ پھراتا ہے رات کو دن پر اور رات کو دن پر یعنی یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کو لاتا ہے۔ اور چاند سورج کو مسخر کیا کہ ہر ایک انمیں سے اندازہ مقرر کے مطابق رفتار کرتے ہیں۔

علے ہذا القیاس اور بھی اس مضمون کی آیتیں ہیں۔ اور انکے تکرار سے صرف یاددہانی مقصود ہے۔ تاکہ بار بار سنتے رہنے سے وہ غفلت جو لازمہ انسانی ہے۔ دور ہوتی رہے۔ نعمات خالق کا خیال دماغ میں پختہ ہو۔ اور ایمان میں تازگی ہوتی رہے۔

چوتھی آیت۔ وما ذرا لکم فی الارض مختلفا الوانہ ان فی ذلک لآیۃ لقوم یذکرون

اور نیز تمہارے لئے مسخر کردیا تمام اُن چیزوں کو جنہیں اس نے زمین میں پیدا کیا ہے درانحالیکہ وہ مختلف رنگونکی ہیں خواہ از قسم لباس ہوں یا از قسم طعام۔ یا از قسم منکوحات۔ اور خواہ از قسم نباتات ہوں یا جمادات یا حیوانات ان سبکو مختلف مختلف رنگوں۔ صورتوں اور ہیئتوں پر پیدا کرکے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ بیشک اسمیں اُن لوگوں کے لئے دلیل اور نشانی ہے جو یاد کریں اور عبرت و نصیحت پکڑیں۔

پانچویں آیت۔ وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا وتستخرجوا منہ حلیۃ تلبسونھا وتری الفلک مواخر فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون۔

اور وہی وہ ہے۔ جس نے دریا کو مسخر کیا تاکہ تم لوگ اُس سے تازہ گوشت (مچھلیونکا) کھاؤ۔ اور اُس سے زینت کی چیز (موتی مونگا وغیرہ) نکالو اور تم (اے رسول) کشتی کو اسمیں چلتے ہوئے دیکھتے ہو (کیسی عجیب حکمت خدا تعالیٰ نے اُسمیں قرار دی ہے۔ اور کیونکر لکڑی میں پانی پر تیرتے رہنے کی طاقت دی ہے اور پانی کو اُس کے اٹھائے رہنے کی) اور تاکہ تم لوگ اُسکا فضل حاصل کرو اور تاکہ تم لوگ اُسکا شکریہ ادا کرو"

اس آیت میں جس نشانی کا ذکر خدا تعالیٰ نے کیا ہے۔ وہ بھی ایسی عظیم الشان نشانی ہے۔ جسمیں اور ویسی ہی لاکھوں نشانیاں موجود ہیں نہ اسکے اندر جو مخلوقات پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کے اقسام کا حصر و شمار ہو سکتا ہے۔ اور نہ اُنکے فوائد کی انتہا دریافت ہو سکتی ہے۔ اسی دریا میں وہ جانور خدا تعالیٰ نے مخلوق فرمایا ہے جسمیں یہ طاقت ودیعت کیگئی ہے کہ قطرۂ نیساں کو بقول مشہور چند دنوں تک اپنے پیٹ میں رکھکر لولو لالا کر دیتا ہے۔ اور گوہر شاہوار۔ اُسی کو اتنا بڑا بنا دیتا ہے کہ کبوتر کے انڈے کے برابر ہو جائے اور اُسی کو اتنا چھوٹا کر دیتا ہے۔ جو رائی کے دانے سے ملجائے۔ اسی کی قیمت میں لاکھوں دینار بھی کبھی کافی نہیں ہوتے۔ اور یہی کبھی چند پیسوں میں بھی آجاتا ہے۔ اور اگر اسکے فوائد پر نظر کیجیے۔ تو وہ بھی بیشمار ہیں۔ جو کتب طبیہ کے دیکھنے سے معلوم ہو سکینگے۔ اسی دریا سے عنبر پیدا ہوتا ہے۔ جو اپنی خوشبو کی حیثیت سے ترویح روح بھی کرتا ہے۔ اور اپنے خواص و منافع کے لحاظ سے دوائے امراض بھی ہے۔ اسی سے مونگا پیدا ہوتا ہے۔ جو کسقدر عجیب مصنوع باریتعالیٰ ہے کہ اسمیں جمادیت اور نباتیت دونوں ہی صفتیں ہیں۔ یہی وہ پتھر ہے جو مثل نباتات کے شاخ و بیخ رکھتا ہے۔ اور نمو کرتا ہے اور یہی وہ نباتات ہے جو پانی سے نکلتے ہی پتھر کیطرح سخت ہو جاتی ہے مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیَانِ۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کو یاد کیجیے اور اسی سے ہزاروں قسم کی مچھلیاں پیدا ہوتی ہیں جنمیں ہر ایک عجائب قدرت الٰہیہ کا نمونہ ہے بعض تو اتنی چھوٹی ہوتی ہیں کہ ایک انگلی سے بھی قد اُنکا کم ہوتا ہے اور بعض اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ پہاڑ بھی اُنکے جسم سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مستطرف میں اس قسم کی چند حکایتیں نقل کی ہیں:

علاوہ اس کے اسقدر عجیب الخلقت ہونیکے جو اکبر دلائل وحدانیت باریتعالیٰ سے ہے اگر ان مچھلیونکے خواص و منافع پر نظر ڈالی جائے تو اور بھی حیرت ہوتی ہے۔ اور بے تامل کہنا پڑتا ہے کہ بیشک اسکا خالق بڑا حکیم اور توانا ہے۔

یہی وہ دریا ہے جسمیں تمام وہ چیزیں تقریبًا پیدا ہوتی ہیں۔ جنکی خلقت روئے زمین پر ہوتی ہے۔ مثلاً گھوڑا کہ جسطرح زمین پر پیدا ہوتا ہے۔ اُسیطرح پانی میں بھی پیدا ہوتا ہے۔ طاؤس زمین پر بھی پیدا ہوتا ہے۔ پانی میں بھی۔ انسان زمین پر بھی پیدا ہوتا ہے اور پانی میں بھی۔ اگرچہ ان میں کسیقدر اختلاف صورت و خواص و حالات ضرور ہوتا ہے۔ لیکن اکثر یہ مشابہت کیوجہ سے اُن پر بھی اُسی نام کا اطلاق ہوتا ہے۔ جو بریّ حیوانات پر ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ انسان بحری جسے ایک سیاح سنہ [illegible] میں شہر دہلی میں بطور نمائش کے لایا تھا۔ اور دو آنہ کے ٹکٹ کے ذریعے سے ہزاروں ہی آدمیوں نے اُسے دیکھا۔ اُسکی صورت ایک عورت کی تھی جسکے دونوں ہاتھ۔ ناک دونوں کان۔ دہانہ اور مُنہ۔ چہرہ۔ سینہ۔ غرض کمر تک عورت سے مشابہ تھی۔ شرمگاہ بھی مثل

عورتونکے تھی - البتہ اُس سے نیچے کا حِصّہ مچھلی سے مشابہ تھا - اُس سیّاح کا بیان تھا - کہ میں نے جس دریا سے اسے گرفتار کیا ہے - اُسمیں مجھکو ایک مرد - ایک عورت اور ایک بچہ دکھائی دیئے تھے - جال میں پھنساتے وقت دو تو نکل گئے - مگر یہ پھنسکر رہگئی" لیکن چونکہ اسکی زندگی پانی سے تھی - اس لیئے باہر آکر مرگئی !! یہ سیّاح اُسے دواؤنکی قوت سے محفوظ کرکے ہندوستان تک لایا تھا -

غرض اور اسی قسم کے عجائب بحر میں ہیں جو کسیطرح عجائب برّ سے کم نہیں ہیں - اگر انمیں چند قسمونکے عجائب پر اطلاع حاصل کرنی ہو تو کتاب عجائب المخلوقات یا حیوۃ الحیوان دمیری کا مطالعہ کرنا چاہیئے . یا جن کتابونکو اب یورپکے نئے سیّاح فا ... نہ دانوں نے ترتیب دیا ہے -

اسی میں وہ کشتی بھی چلتی ہے - جس سے انسان ہزاروں ہی قسم کے فوائد تجارت وسیاحت وغیرہ حاصل کرسکتا بلکہ کرتا رہتا ہے اور چونکہ یہ نشانی بھی اکبر آیات الٰہیہ سے تھی تو جا بجا قرآن مجید میں اسکا تذکرہ فرمایا گیا ہے - چنانچہ سورہ بقر میں فرمایا ہے والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس - اور (دلیل وجود خدا تعالیٰ ہے) اُس کشتی میں جو انسان کے فائدے کیواسطے دریا میں چلتی ہے - اور سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ربکم الذی یزجی لکم الفلک فی البحر لتبتغوا من فضلہ - تمہارا رب وہ ہے جو کشتی کو دریا میں ہنکاتا ہے - تاکہ تم اُسکا فضل حاصل کرو" اور سورہ فرقان میں فرمایا - وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج - وہی (معبود) وہ ہے جس نے دونوں دریاؤنکو ایک دوسرے میں داخل کردیا - یہ تو میٹھا اور شیریں ہے - اور یہ کھاری کڑوا ہے" کسقدر عجیب بات ہے کہ ایک ہی ساتھ دو دریا ملے ہوئے بہتے ہوں - ایک کا تو پانی میٹھا ہو اور دوسرے کا کھاری - نہ میٹھا کھاری کو میٹھا بنا سکے - نہ کھاری میٹھے کو کھاری کرسکے - حالانکہ دونوں ایک ہی خطہ پر بہتے ہیں اگر اسمیں کچھ شک ہو تو دیکھ لو - دجلہ اور سمندر کے اتصال اور دونوں کی ملوحۃ وعذوبۃ کو - اور سورہ روم میں فرمایا ومن آیاتہ ان یرسل الریاح مبشرات ولیذیقکم من رحمتہ ولتجری الفلک بامرہ - اسی کی نشانیوں میں سے ہے ہواؤنکا - بہ بشارت بھیجنا - اور تاکہ (اُنکے ذریعے سے) کشتی اُسکے حکم سے جاری ہوئی اور تاکہ تم اُسکا فضل حا ... ل کرو" اور سورہ لقمان میں فرمایا الم تر ان الفلک تجری فی البحر بنعمۃ اللہ لیریکم من آیاتہ - کیا تم دیکھتے نہیں کہ کشتی دریا میں اللہ تعالیٰ کی نعمت سے چلتی ہے - تاکہ وہ تمہیں (اپنے وجود و قدرت کی) نشانیاں دکھائے . کیونکہ بغیر کسی خالق حکیم کے ایسے امور کا صدور ناممکن ہے -

چھٹی آیت - والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم وانھارا وسبلا لعلکم تھتدون - اور ڈالے اُس نے زمین میں گڑے ہوئے پہاڑ - اور (بنائیں) نہریں اور راہیں تاکہ تم ہدایت حاصل کرو - یعنی ہم نے تمکو یہ دلیلیں سنائیں اور یہ علامتیں دکھائیں - تاکہ اب بھی

ہدایت یافتہ ہو۔ اور جہالت سے بھٹکتے نہ پھرو۔ فائدہ۔ بنا بر بیان صاحب مستطرف کے اسوقت تک جتنے پہاڑ روئے زمین پر شمار میں آسکے ہیں۔ اُنکی تعداد ایک سو اٹھانوے ہے جنمیں سے بعض کا طول ساٹھ میل کا ہے۔ اور بعض کا طول تین سو میل کا ہے۔ مثلاً کوہ سراندیپ ہے کہ اس کا طول دو سو کچھ اوپر ساٹھ میل ہے۔ اور یہی وہ پہاڑ ہے۔ جسپر نشان قدم حضرت آدم بتایا جاتا ہے اسکے حوالی میں یاقوت اور ہیرا بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی پہاڑ پر عود۔ اور سیاہ مرچ اور آہوے مشکی پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا کوہ روم ہے جسمیں سد سکندری واقع ہے۔ اسکا طول دو ہزار ایک میل کا ہے۔ اور یہ بحر ظلمات تک ختم ہوتا ہے۔ تیسرا کوہ بوقبیس ہے یہ اسوجہ سے مشہور ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسکا یہ نام رکھا ہے۔ کیونکہ اسی سے انہوں نے قبس یعنی آگ حاصل کی تھی۔ چوتھا جبل القدس ہے جو رات کے وقت بغیر چراغ کے روشنی دیتا ہے۔ پانچواں جبل اروند ہے جو ہمدان میں واقع ہے۔ اس کی چوٹی سے چشمہ بہتا ہے۔ مگر سال میں صرف چند روز اور ہر طرف سے اُسکا پانی جاری ہوتا ہے۔ اور لوگ اس سے زراعت کو سیراب کرتے ہیں۔ چھٹا جبل شام ہے جسکا رنگ کوئلہ کا سا سیاہ ہے۔ مگر اُسکی مٹی ایسی سفید ہے کہ جس سے کپڑے سفید کئے جاتے ہیں۔ ساتواں کوہ ہرمز ہے۔ اسمیں یہ عجیب بات ہے۔ کہ اسمیں سے ایک گڑھے میں پانی ٹپکتا رہتا ہے مگر جب آدمی اُسکے قریب پہنچتا ہے تو پانی رُک جاتا ہے اور اگر دوبارہ پہنچے تو پھر جاری ہو جاتا ہے۔ آٹھواں کوہ ارجان ہے۔ اسمیں یہ عجیب بات ہے کہ اسپر سے جو پانی کے قطرے ٹپکتے ہیں تو وہ زمین پر گر کر مسدس یا مثمن پتھر کی صورت میں ہو جاتے ہیں۔ نواں کوہ صور ہے جو کرمان میں واقع ہے اسمیں یہ عجیب بات ہے کہ جب اسکے پتھر کو توڑئے تو اُسکے اندر سے آدمی کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ بعضے کھڑے۔ بعضے بیٹھے۔ بعضے لیٹے ہوئے۔ انتہیٰ بقدر الضرورۃ

اس نشانی کو بھی خدا تعالی نے جابجا قرآن مجید میں یاد دلایا ہے۔ چنانچہ سورہ رعد میں ارشاد ہوا ہے۔ وجعل فیھا رواسی وانھارا۔ اس معبود نے زمین میں مضبوط گڑے ہوئے پہاڑ اور نہریں بنائیں۔ اور سورہ لقمان میں فرمایا والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم اور اُس (خالق حقیقی) نے گاڑے زمین میں پہاڑ تاکہ تمکو متحرک نکرے (یا تمھیں لئے ہوئے جھکولے نہ کھائے) اور سورہ فاطر میں فرمایا ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانھا وغرابیب سود۔ اور پیدا کیں پہاڑ و نمیں سخت زمین ہموار روشن اور سُرخ مختلف رنگ کی اور نہایت سیاہ بھورانی۔ اور سورہ یٰسین میں نہرونکی نسبت فرمایا وفجرنا فیھا من العیون لیاکلوا من ثمرہ اور ہمنے زمین میں چشمے جاری کر دیئے۔ تاکہ لوگ خدا تعالی کے پیدا کیئے ہوئے پھل کو کھائیں۔ پھر سورہ زمر میں فرمایا۔ الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فسلکہ

ینابیع فی الارض۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے بلندی سے مینہ برسایا۔ تو اُسکو زمین میں چشمے بنا کر جاری کیا؟ اور سورہ سجدہ میں زمین اور پہاڑ دونوں کی نسبت یوں فرمایا قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون لہ اندادا ذلک رب العالمین وجعل فیھا رواسی من فوقھا وبارک فیھا وقدر فیھا اقواتھا فی اربعۃ ایام۔ کہدے اے ہمارے رسول کہ تم لوگ اُس (معبود برحق) کا انکار کرتے ہو۔ جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔ اور اس کیلئے شرکاء قرار دیتے ہو (یعنی بتونکی پرستش کرتے ہو آگ کو سجدہ کرتے ہو۔ ستارونکو معبود سمجھتے ہو) وہ (معبود برحق) تمام جہاں کا پالنے والا ہے۔ اور اُس نے زمین میں مضبوط گڑے ہوئے پہاڑ قائم کئے اور اُس میں برکت دی۔ اور معین کیں۔ (انہی دنوں میں) اس میں اُسکی غذائیں (جو اُسمیں سے پیدا ہوتی ہیں) چار دن میں ؛

ساتویں آیت وعلامات وبالنجم ھم یھتدون۔ ہے۔ اور ہمنے علامتیں قائم کیں۔ اور لوگ ستارے سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں نے یہ علامتیں اور ستارے بنائے ہیں جنسے لوگ شب تاریک میں راہیں معلوم کرتے ہیں۔ سمتوں کا پتہ لگاتے ہیں۔ اور اگر ہم نے انکو نہ پیدا کیا ہوتا۔ تو کس میں یہ قدرت تھی۔ کہ ایسی ایسی علامات ونجوم پیدا کر سکتا۔ جو روشنی کا بھی کام دیں۔ آثار بھی انپر مرتب ہوں۔ راہبر بھی بنیں۔ سمتیں بھی بتائیں۔ تو کسقدر افسوس ہے کہ باوجود ان دلائل کے موجود ہونے کے لوگ منکر وجود خالق ہوتے ہیں ؛

سورہ روم۔ ومن آیاتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون ۝ ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون ۝ ومن آیاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذلک لآیات للعالمین ۝ ومن آیاتہ منامکم باللیل والنھار وابتغاؤکم من فضلہ ان فی ذلک لآیات لقوم یسمعون ۝ ومن آیاتہ یریکم البرق خوفا وطمعا وینزل من السماء ماء فیحیی بہ الارض بعد موتھا ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون ۝ ومن آیاتہ ان تقوم السماء والارض بامرہ ثم اذا دعاکم دعوۃ من الارض اذا انتم تخرجون ولہ من فی السموات والارض کل لہ قانتون ۝

یہ سات آیتیں ہیں جنمیں قرآن مجید نے خدا تعالیٰ عز اسمہ وجل قدسہ کی ہستی وحکمت وقدرت کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ پہلی آیت ومن آیاتہ ان خلقکم الخ ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں۔ کہ اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمکو مٹی سے پیدا کیا پھر ناگاہ تم آدمی ہوگئے۔ جو زمین پر پھیلتے ہو"

کیسا عجیب امر ہے کہ وہ مٹی جو بالکل بیجان ہو۔ اُسکو ایسی صورت میں مستحیل کر دینا کہ اصلی حالت کو اپنی چھوڑ کر ایک نرالا دفتر حکمت بنجائے۔ جب آدمی اس مرحلہ میں غور کرتا ہے۔ تو اُسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمارا پیدا کرنیوالا کسقدر حکمت اور تدبیر والا ہے۔ خصوصًا جبکہ اسکی ابتدا اور انداز تغیرات و استحالات پر نظر کرتا ہے تو اور بھی اُسکو جناب باری کے ساتھ ایمان و اذعان بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اُسوقت جان لیتا ہے کہ اتنی تدبیروں کے ساتھ مٹی سے انسان کا بنجانا کسی طرح آپ سے آپ ممکن نہیں۔ دیکھئے کہ کسطرح ایک نطفہ مخلوطہ آدمی بنتا ہے۔ جناب امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ نطفہ (جو صلب مرد سے جدا ہو کر رحم زن میں پہنچتا ہے وہ رحم میں تیس دن تک اسی صورت میں رہتا ہے اور تیس روز تک خون بستہ کی صورت میں رہتا ہے۔ اور تیس دن تک مضغہ (پارہ گوشت) کی صورت میں رہتا ہے۔ اور تیس روز تک مخلقہ رہتا ہے۔ پس جب چار مہینے (اسطرح تغیرات و تبدلات کو) گذر جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ دو خلاق فرشتوں کو بھیجتا ہے۔ جو اُسکی صورت بنائے (بظاہر اس سے مراد اچھی یا بُری صورت ہے) اور اُسکی روزی اور مدت عمر اور اُسکا شقی و سعید ہونا لکھتے ہیں (غالبًا اس حدیث میں تیس تیس روز کی تعداد اس لئے بیان کیگئی ہے کہ اتنے دن گذرنے پر نطفہ میں علقہ بنجانے کی قوت آجاتی ہے اور علقہ کو تیس دن گذرنے پر مضغہ بنجانے کی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور تیس روز تک مضغہ رہنے پر اُسمیں مخلقہ ہو جانے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پوری مدت چالیس روز ہے جیسا کہ آیندہ روایتوں سے معلوم ہوگا۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ نطفہ رحم میں سفید مثل نخامہ غلیظ کے رہتا ہے۔ جب اُسپر چالیس دن گزر جاتے ہیں۔ تو علقہ ہو جاتا ہے (گویا مطلب یہ ہے تیس روز تک نطفہ کی صورت میں رہکر متغیر ہونے لگتا ہے۔ جب چالیس روز ختم ہو جاتے ہیں۔ تو علقہ ہو جاتا ہے) آپنے فرمایا کہ یہ علقہ مثل علقہ خون نشتر کے ہوتا ہے جبکہ خشک ہو جائے۔ تو رحم میں علقہ بننے کے بعد چالیس روز تک رہتا ہے۔ پھر مضغہ ہو جاتا ہے۔ آپنے فرمایا۔ اور یہ سُرخ گوشت کا لخچہ ہوتا ہے جسمیں سبز سبز جالدار مشتبکہ رگیں ہوتی ہیں۔ پھر اُسکا استحالہ ہڈی کیطرف ہوتا ہے اور اُسمیں کان۔ آنکھ بنتی ہے۔ اور جوارح و اعضا ترتیب پاتے ہیں؛

نیز بحار میں جناب عبد صالح (امام موسی کاظم علیہ السلام) سے مروی ہے "قال انہ یخلق فی بطن امہ خلقًا من بعد خلق یکون نطفۃ اربعین یومًا ثم یکون علقۃ اربعین یومًا ثم مضغۃ اربعین یومًا۔ کہ فرمایا" انسان اپنی ماں کے بطن میں ایک خلقت سے دوسری خلقت میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ چالیس روز تک نطفہ رہتا ہے۔ پھر چالیس روز تک علقہ رہتا ہے۔ پھر چالیس روز تک مضغہ رہتا ہے

جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ کے اس ارشاد لقد خلقنا الانسان فی کبد "ہم نے انسان کو کبد میں پیدا کیا" کا مطلب یہ ہے کہ سیدھا اپنی ماں کے شکم میں رہتا

ہے۔ اُس کے مقادیم بدن ماں کے مقادیم بدن کیطرف رہتے ہیں اور اُسکے مواخیر بدن ماں کے مواخیر بدن کیطرف اُسکی غذا اُسی سے ہوتی ہے۔ جو اُسکی ماں کھاتی اور پیتی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا "پس جب ولادت کا وقت قریب آتا ہے۔ تو اسکے پاس ایک فرشتہ مسمی زاجر آتا اور اُسکو زجر کرتا ہے تو وہ منقلب ہو جاتا ہے اور اُسکے مقادیم بدن ماں کے موخر بدن کیطرف لوٹ جاتے ہیں اور اُس کے مواخیر بدن ماں کے مقدم بدن کیطرف۔ تاکہ خدا تعالیٰ عورت اور بچے پر امر ولادت کو آسان کر دے اور یہ بات تمام آدمیونکو پیش آتی ہے۔ مگر جو سرکش ہوتا ہے۔ تو جب اُسکو فرشتہ مسمی زاجر زجر کرتا ہے تو وہ ڈر کر منقلب ہو جاتا ہے اور زجر زاجر سے زمین پر روتا ہوا گر پڑتا ہے۔ اور میثاق کو بھول جاتا ہے"۔

مخفی نہ رہے کہ انسان اپنی بدو خلقت سے اُسوقت تک جبکہ اُسکے جسم میں روح داخل ہوتی ہے۔ سات عظیم التدبیر والحکمۃ درجات طے کرتا ہے۔ ا۔ ان میں سے پہلا درجہ مٹی ہے۔ کیونکہ نطفہ کی خلقت خون سے ہے اور خون کی غذا سے اور غذا کی نباتات سے اور نباتات کی پانی اور مٹی سے۔ لہذا نطفہ بھی دراصل مٹی اور پانی سے پیدا ہوا جسمیں اصل مٹی ہے۔ اور پانی اُسکے ساتھ مخلوط ہو کر اسے لزج ولازب بناتا ہے جسطرح کمہار مٹی میں پانی ملا کر اُسے چپکنے والی اور طاقتور بنا کر ظروف گلی اُس سے تیار کرتا ہے اور دوسرا درجہ نطفہ ہے۔ تیسرا درجہ علقہ ہے۔ چوتھا درجہ مضغہ ہے۔ پانچواں درجہ ہڈی ہے چھٹا درجہ ہڈی پر گوشت کا چڑھنا ہے۔ ساتواں درجہ اسمیں روح کا داخل ہونا ہے۔ یہ ساتوں درجے ایسی عجیب عجیب حکمتوں اور دلایل ربوبیہ پر مشتمل ہیں کہ انسان انکی حقیقتوں اور رموز کو کما حقہا ہرگز بیان نہیں کر سکتا۔ اور یہی وہ سات درجے ہیں جنکو خدا تعالیٰ نے سورہ مومنوں میں ارشاد فرمایا ہے۔ جو سابق میں نقل ہو چکا۔ یعنی آیۃ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین الخ

لیکن پہلا مرتبہ پس جب اُسمیں غور کیا جاتا ہے۔ ایک عجیب تدبیر و صناعی کا میدان وسیع نظر آنے لگتا ہے۔ کہاں ایک مردہ خاک۔ اور کہاں اُسکا نطفہ بنجانا۔ آخر اس کام کے لئے کتنے آلات عمل درکار ہونے ضروری ہیں۔ مگر صانع عالم نے محض اپنے حکم سے بغیر مدد آلات و زحمت عمل کے سب کچھ کر دیا۔ اسی مردہ مٹی پر مینہ برسایا اور اسمیں جان تازہ داخل کی۔ پھر اُس سے انواع و اقسام کے نباتات و اغذیہ و فواکہ پیدا کئے۔ پھر انسان کو انکے کھانے کی تعلیم دی۔ اور انمیں وہ طاقت پیدا کی کہ خون بن سکیں۔ اور معدہ و جگر انسان میں وہ طاقت خلق فرمائی۔ کہ انکو ہضم کر کے خون کیطرف مستحیل کر لیں۔ اور پھر عروق میں اُسکے جذب کرنیکی قوت پیدا کی۔ یہانتک کہ جب وہ باریک رگوں سے نکلکر اعضاء پر مثل شبنم کے جم جم کر اُنمیں جذب ہو جاتا ہے۔ تو بعض اعضا میں یہ قوت پیدا کی کہ اُسے نطفہ کیصورت میں مستحیل کرے پھر جب نطفہ بن گیا تو آخر اُسکے لئے کوئی ظرف ایسا ہونا چاہیئے تھا جسمیں اُسکی پرورش ہو لہذا عورت کے باطن جسم میں ایک ظرف جسے رحم کہتے ہیں بنا دیا۔ لیکن چونکہ نطفہ کا وہاں تک پہنچنا بلا مدد شوہر

تھا۔ اس لئے اُسمیں اُچھلنے کی طاقت پیدا کی تاکہ منتشرہ کے ذریعہ سے رحم تک پہنچ جائے۔ اور
جب رحم میں پہنچ لیا۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ سے آپ وہ آدمی بنگیا جبکہ اسمیں ایسی حکمتیں صرف
کی ہوئی پاتا ہے۔ جو کبھی انسانی امکان میں نہیں کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُسنے خود اپنے نفس میں
عمل کیا ہے؟ اگر کوئی یہ کہے تو اُس سے پوچھا جائیگا۔ کہ آیا اُسنے اپنی موجودگی میں یہ اثر کیا یا عدم موجودگی
میں یہ حالانکہ دونوں صورتوں میں تاثیر شے فی نفسہ ناممکن ہے۔ عدم موجودگی میں تو اسوجہ سے کہ تاثیر
فرع وجود ہے جب ایک چیز موجود ہی نہیں۔ تو تاثیر کیونکر کریگی۔ اور موجودگی میں اسوجہ سے محال ہے
کہ تاثیر کی ضرورت تو صرف وجود ہونے کیواسطے تھی۔ جب اُسمیں آپ وجود آچکا تو موجود ہونے کا
اپنے آپ میں اثر ایجاد کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ علاوہ بریں انسان جبکہ کامل ہو جاتا ہے ہر طرح
سے عقل و ہوش اُسکے درست ہو لیتے ہیں۔ اُسوقت بھی اُس سے ممکن نہیں۔ کہ بال برابر اپنے
میں کمی بیشی کر سکے تو جبکہ نطفہ تھا تو بھلا کیونکر اس سے ممکن ہوا ہوگا۔ کہ اپنے میں تاثیر کی ہو۔
اور ایسے اعضا و جوارح و قوے و حرکات پیدا کر سکا ہو ÷

یہی وہ درجہ ہے۔ جسمیں نقطۃ القلب اور نقطہ سر و جگر پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسکے بعد تیسرا
درجہ یعنی علقہ کا شروع ہوتا ہے۔ جسمیں یہ نطفہ بالکل سُرخ مثل خون کے ہو جاتا ہے۔ اور اُسمیں نقش
و نگار جسم بننے شروع ہوتے ہیں۔ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ عموماً نقاشی کسی سخت چیز پر ہوا کرتی ہے۔ نہ تر چیز
پر۔ اگر پانی پر نقش بناؤ تو مٹ جاتا ہے۔ لیکن یہ کیسی عجیب نقاشی ہے۔ کہ تر علقہ پر کیگئی ہے۔ کیا امکان
انسانی سے یہ بات باہر نہیں؟ دوسرے یہ کہ عموماً نقاشی کے واسطے ایک وسیع جگہ درکار ہے جہاں
بیٹھ کر یہ گلکاری کیجائے۔ لیکن یہاں دیکھئے تو وہ تنگ جگہ ہے کہ جسکی وسعت اسوقت میں ہرگز
ایک فٹ کی مقدار میں بھی نہیں۔ مگر صناعی ہو رہی ہے۔ ہاتھ پاؤں۔ آنکھ۔ ناک وغیرہ اعضا کی شکلیں
اسمیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ تیسرے یہ کہ نقاشی کے واسطے یہ بھی لازم ہے کہ روشن مقام میں بیٹھنا چاہئے
لیکن یہاں ایک تاریکی کیسی تین تین تاریکیاں موجود ہیں۔ ایک رحم کی دوسرے مشیمہ کی تیسرے
پیٹ کی۔ یاد رکھیئے یخلقکم فی بطون امھاتکم خلقاً من بعد خلق فی ظلمات ثلث کو۔ چوتھے
یہ کہ نقاشی کے واسطے یہ بھی لازم ہے کہ اُسکو مٹی سے۔ پانی سے۔ ہوا سے۔ آگ سے محفوظ رکھا جائے
کہیں ایسا نہ ہو کہ مٹی پڑ کر نقش خراب ہو جائے۔ اور پانی سے کہیں دُھل نہ جائے۔ آگ سے کہیں
جل نہ جائے۔ ہوا سے کہیں اُسکی تازگی جاتی نہ رہے۔ مگر یہاں خلقت انسانی میں سب ہی برخلاف
ہے۔ نطفہ خود مٹی سے ترتیب پایا اور حضرت آدمؑ بھی مٹی ہی سے بنے ان مثل عیسے عند اللہ
کمثل آدم خلقہ من تراب۔ اسپر شاہد ہے۔ اور عیسے علیہ السلام کو ہوا سے پیدا کیا۔ فنفخنا فیھا
من روحنا اسکی دلیل ہے۔ اور باقی حیوانات کو پانی سے پیدا کیا واللہ خلق کل دابۃ من ماء

اس مطلب کو ثابت کر رہا ہے اور نیز انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج اسکی بین
دلیل ہے۔ اور آگ سے جنوں کو پیدا کر دیا والجان خلقناہ من قبل من نار السموم اسکی برہان
ہے۔ اور یہ چاروں ہی چیزیں خود نطفہ میں بھی موجود ہیں فتبارک اللہ احسن الخالقین
پانچویں یہ کہ عموماً نقاشی پہلے ظاہر جسم مثلاً کاغذ پر کیجاتی ہے۔ اُسکے بعد اُسکا اثر باطن میں پہنچایا
جاتا ہے۔ مگر یہاں اسکے بھی برخلاف کارروائی ہے۔ کہ پہلے نطفہ میں سر۔ دل اور جگر کے نقطے تیار
ہوئے۔ پھر وہ نقش علقہ میں اوپر کو ابھار دیئے گئے جسمیں تکمیل کے اور اسباب مہیا کئے گئے چھٹے یہ کہ گوشت
ابتدا میں سُرخ ہوتا ہے اور جب اُسکو حرارت پہنچائی جاتی ہے۔ تو رنگ اُسکا بدلکر سفیدی مائل ہو جاتا ہے
لیکن یہاں یہ ہے کہ نطفہ پہلے سفید ہے۔ اور جتنی حرارت بدنی اور رحمی اُسمیں پہنچتی جاتی ہے اور جسقدر
حرارت غریزیہ اُسمیں بڑھتی جاتی ہے اُسیقدر سُرخ ہوتا جاتا ہے۔ یہانتک کہ خون بستہ کی صورت میں
آجاتا ہے۔ اور آخر کار گوشت بنجاتا ہے۔ جو چوتھا درجہ ترقی انسانی کا ہے۔ اور اسی درجے میں ہیئت
انسانیہ کسیقدر اور زیادہ مرتب ہو جاتی ہے۔ مگر قاعدہ یہ چاہتا تھا۔ کہ چونکہ نطفہ یا علقہ بالکل تر چیز ہے
اور ہڈی بالکل خشک چیز۔ اور گوشت ان دونوں کے درمیان متوسط واقع ہوا ہے۔ نہ زیادہ خشک ہے
نہ بہت تر۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ علقہ سے پہلے جسم کے گوشت کی ساخت ہوتی اُسکے بعد ہڈیونکی لیکن یہاں
اسکے بھی برخلاف ہے۔ کہ پہلے ہڈیاں بنتی ہیں۔ اور اُنکے بعد گوشت دیکھو فخلقنا المضغۃ عظاماً
فکسونا العظام لحماً۔ پھر ہمنے مضغہ کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہڈیونکو گوشت کا لباس دیا۔ جو پانچواں
اور چھٹا درجہ ترقی انسان کا ہے۔ تو آخر اسمیں حکمت کیا ہے؟ یہی نہ کہ دیکھو جس چیز کو تم محال یا دشوار
سمجھتے ہو۔ ہم اُسے کیسا آسان جانتے ہیں۔ اور تمہارے سارے قاعدونکو توڑ پھوڑ کر دکھلا دیتے
ہیں کہ قدرت اسکا نام ہے اور قادر ایسے خالق کو کہہ سکتے ہیں۔ جو اسطرح خلق فرمائے؛

غرض جب چھٹوں درجے طے ہو لیتے ہیں۔ تو ساتواں درجہ ترقی شروع ہوتا ہے۔ یعنی روح
کا داخل ہونا جس سے بالکل بے حس و ادراک چیز ایسی مدرک و عاقل ہو جاتی ہے۔ جو اپنی آپ نظیر
ہے "فجعلناہ سمیعاً بصیراً" اور جب اس حد ترقی پر آجاتا ہے۔ تو ارادہ کرتا ہے کہ باہر آئے۔ اور
عالم کے موجودات کی سیر کرے۔ تو کبھی صرف چھ مہینے میں پیدا ہوتا ہے۔ کبھی سات میں۔ کبھی نو اور کبھی
دس ہی مہینے میں۔ اور یہ اختلاف ازمان ولادت بہت سے اسباب سے واقع ہوتا ہے جنکی تفصیل باعث
طول ہے۔

خطابات انسانی۔ حضرت انسان کو بدو خلقت سے آخر عمر تک بہت سے تغیرات اور اُنہیں کے
لحاظ سے متعدد خطابات حاصل ہوئے ہیں کچھ تو خود خالق کیطرف سے اور کچھ مخلوق کیجانب سے جو
خطابات اور اسما کہ انکو خدا تعالیٰ کیطرف سے ملے ہیں۔ وہ تو یہی سات تھے۔ جو مذکور ہوئے سلالۃ نطفہ

٢ نطفہ ٣ علقہ ٤ مضغہ ٥ عظم ٦ لحم ٧ خلق آخر - اور اسکے بعد جو انکے نام خلق نے مقرر کئے ہیں وہ یہ ہیں
٨ جنین جب تک شکم مادر میں ہیں ٩ ولید جب آپکی ولادت ہو - ١٠ رضیع جب آپ دودھ پیتے ہوں -
١١ فطیم جب آپکی دودھ بڑھائی ہو - ١٢ طفل ١٣ صبی ١٤ یافع ١٥ ناشی ١٦ مترعرع ١٧ خرور ١٨ مراہق
١٩ محتلم ٢٠ بالغ ٢١ امرد ٢٢ طار ٢٣ باقل ٢٤ سیطر ٢٥ مطرخم ٢٦ مختط ٢٧ صمل ٢٨ ملتحی ٢٩ مستوی ٣٠
مصعد ٣١ مجتمع (اور لفظ شاب ان سب کا جامع ہے - یعنی یافع سے لیکر مجتمع تک لفظ شاب کا اطلاق
ہوتا ہے) ٣٢ ملہوز ٣٣ کہل ٣٤ اشمط ٣٥ شیخ ٣٦ محوقل ٣٧ اشیب ٣٨ صفسان ٣٩ رحم ٤٠ ہرم ٤١
میت یہ تمام نام بحسب ازدیاد زمانہ عمر بدلتے رہتے ہیں - مثلاً مراہق قریب بلوغ پہنچے ہوئے کو کہتے
ہیں - طار سبزہ آغاز کو مختط کسیقدر موچھ ڈاڑھی نکلنے پر آپکا نام قرار پاتا ہے اور جب ڈاڑھی پورے طور
پر نکل آئے تو ملتحی - اور اشمط جب بال کھچڑی ہو جائیں اور علیٰ ہذا القیاس -

دوسری آیت - (و من آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہا و جعل بینکم مودۃً و رحمۃ - ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون ○ اور اس (معبود برحق کے وجود) کی نشانیوں میں یہ ہے کہ اُسنے پیدا کیا تمہارے واسطے خود تمہارے نفسوں سے جوڑا (بیوی) تاکہ تم اُنکی طرف مائل و راغب ہو - اور تمکو اُنسے راحت و آرام ملے - اور اُسنے تم لوگوں (زن و شو) کے درمیان محبت اور شفقت پیدا کی بیشک اسمیں نشانیاں (دلیلیں) ہیں اُس قوم کے لئے جو فکر و غور کرے -

یہ ایک آیت بھی کئی نشانیوں اور دلیلوں پر مشتمل ہے منجملہ انکے ایک یہ کہ چونکہ یہ مقدر رہوا تھا - کہ نسل انسانی کا سلسلہ بذریعہ توالد بڑھتا رہے - اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ اسکے واسطے ایک جوڑا بھی پیدا کیا جائے - مگر چونکہ جوڑے کے واسطے ائتلاف وانس و محبت بھی ضروری ہے - ورنہ ایک دوسرے کے پاس جاوے ہی کیوں؟ اور اتصال ہی کیونکر ہو - اس لئے اُنکو انسان ہی سے پیدا کیا - کیونکہ عورتیں بھی عموماً مرد و زن کے اجتماع اور اختلاط نطفتیں ہی سے پیدا ہوتی ہیں - پھر ان میں انس و محبت پیدا کی - تاکہ ایک کو دوسرے کی طرف رغبت ہو - اور ایک کو بغیر دوسرے کے چین نہ ملے جس سے بقائے نسل انسانی میں مدد مل سکے ؛

واضح ہو - خلق لکم من انفسکم ازواجاً" کی تفسیر میں اہل تفسیر نے اختلاف کیا ہے بعضوں کا خیال یہ ہے - کہ تمہارے نفسوں سے تمہارے لئے جوڑے کے پیدا کرنیکا یہ مطلب ہے کہ انسانوں ہی کے نطفے سے (جو خلاصہ رطوبات جسم اور اصل قوت بدن انسان ہے) تمہارا جوڑا یعنی عورت پیدا کی - اور بعض کا خیال یہ ہے کہ اس سے مراد اصل خلقت حضرت حوا ام البشر ہے کہ نفس انسان یعنی حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کیگئی تھیں - اور پھر اسمیں اختلاف ہے کہ پسلی سے پیدا کرنیکے کیا معنی ہیں - کوئی تو کہتا ہے کہ سونے کی حالت میں حضرت آدم کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکال لی - اور

اسکو مادہ حضرت حوا قرار دیکر اُس سے اُنہیں پیدا کیا۔ اور کسی کا یہ خیال ہے کہ وہ حضرت آدم کے اسفل اضلاع
سے پیدا کیگئی ہیں۔ جیسا کہ علی بن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ مگر تفسیر اہل البیت اسکے برخلاف
نظر آتی ہے۔ وہ یہ بتاتی ہے کہ حضرت حوا اُس مٹی سے خلق کیگئی تھیں۔ جو حضرت آدم کے بنانے سے بچ
رہی یا بچالی گئی تھی۔ اسلیئے پروردگار نے من انفسکم فرمایا ہے کہ تمہارے لیئے بیوی تمہارے
ہی نفسوں سے پیدا کیگئی ہے۔ چنانچہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ انہ سئل من
ای شئی خلق اللہ حوا فقال ای شئی یقولون ھذا الخلق قلت یقولون خلقھا
من ضلع من اضلاع آدم فقال کذبوا اکان یعجزہ ان یخلقھا من غیر ضلعہ ثم قال
اخبرنی ابی عن آبائہ قال قال رسول اللہ ان اللہ تبارک و تعالیٰ قبض قبضۃ
من طین فخلطھا بیمینہ وکلتا یدیہ یمین فخلق منھا آدم وفضل فضلۃ من الطین
فخلق منھا حوا۔ یعنی امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ حوا کس چیز سے پیدا کیگئیں۔ تو آپ نے
فرمایا کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ میں (راوی) نے عرض کی لوگ کہتے ہیں کہ آدم کی پسلیوں میں سے
ایک پسلی سے پیدا کی گئیں۔ تو آپ نے فرمایا وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ عاجز تھا کہ پسلی کے
علاوہ کسی اور چیز سے پیدا کرے۔ پھر آپنے فرمایا مجھ کو میرے باپ (امام زین العابدین ع) نے خبر دی۔ اپنے
آبائے طاہرین سے کہ رسول خدا نے فرمایا بیشک خدائے تبارک و تعالیٰ نے ایک مٹھی مٹی لی۔ اور
اُسے مخلوط کیا اپنے یمین (دست قدرت) سے اور دونوں ہاتھ (دست قدرت) اُسکے یمین ہیں
پس اُس سے آدم کو پیدا کیا۔ اور تھوڑی بچ رہی تو اُس سے حواء کو خلق فرمایا

اور علل الشرائع۔ میں جناب صادق آل محمد علیہم السلام سے منقول ہے۔ جسکا محصل یہ ہے
کہ حضرت سے سوال کیا گیا خلقت حضرت حوا کی نسبت اور بیان کیا گیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ خدائے
عزوجل نے حوا کو آدم کی بائیں نیچے کی پسلی سے پیدا کیا ہے آپ نے فرمایا سبحان اللہ وتعالیٰ
عن ذالک علوا کبیرا۔ (خدا تعالیٰ اس سے زیادہ بالا و برتر ہے) جو جسکا جی چاہے کہے۔ کیا پروردگار
عالم کو یہ قدرت نہ تھی کہ آدم کیواسطے بیوی اُنکی پسلی سے علاوہ کسی اور چیز سے پیدا کرتا اور طعن و تشنیع
کرنیوالوں کو گفتگو کا موقع دیتا کہ وہ کہیں کہ "انسان تو اپنے جزوی بدن سے نکاح کرتا ہے"۔ جبکہ حوا اُنکی
پسلی سے پیدا کیگئی ہوتیں۔ (یعنی اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کو اعتراض کا موقع ملتا۔ اور وہ یہ کہتے کہ کیسا
انتظام ہے کہ ایک جزو بدن کو دوسرے کا زوج قرار دیکر باہم اُنمیں مناکحت قائم کی ہے) کیا ہوگیا ان
(کہنے والوں) کو خدا تعالیٰ ہمارے اور اُنکے درمیان فیصلہ کرے (کہ ہمارا منصب انہوں نے غصب
کر لیا اور جو چاہتے ہیں۔ تفسیر قرآن میں بک دیتے ہیں) پھر آپنے فرمایا کہ جب خدائے تبارک و تعالیٰ
نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور فرشتوں کو حکم دیا۔ تو انہوں نے (آدم کو) سجدہ کیا۔ (پھر) ان پر نیند غالب

کی (یعنی حضرت آدم کو سُلا دیا) پھر حوّا کو پیدا کیا - اور اُنہیں آدم کے پیچھے رکھا - اور یہ اسوجہ سے کیا تاکہ عورت مرد کے تابع رہے - پس حضرت حوّا نے حرکت کی - تو حضرت آدمؑ بیدار ہو گئے - پس حوّا کو آواز آئی - کہ تم اُنسے دُور رہو - جب آدم نے انہیں دیکھا - اور ایک حسین شکل میں اپنی صورت پر پایا البتہ اتنا فرق تھا - کہ وہ عورت تھیں - تو اُن سے اپنی زبان میں باتیں کیں - اور کہا کہ تم کون ہو - حوّا نے کہا - میں بھی خدا تعالیٰ کی ایک مخلوق ہوں - پس اسوقت حضرت آدمؑ نے عرض کی - خدایا یہ کون حسین وخوبصورت ہے - جسکے قرب سے مجھکو انس پیدا ہوا - جواب ملا کہ آدمؑ یہ میری کنیز حوّا ہے کیا تم پسند کرتے ہو - کہ یہ تمہارے ساتھ رہے - تمہاری دلچسپی کرے - اور تم سے باتیں کیا کرے اور تمہارے حکم کی عامل رہے - عرض کی ہاں - اے پروردگار - میں تیرا شکریہ ادا کرتا اور حمد بجالاتا رہونگا - جب تک زندہ رہونگا - تو خدا تعالیٰ نے فرمایا - تم اسکی مجھسے درخواست کرو - کیونکہ یہ میری ہی کنیز ہے اور تمہاری زوجہ ہونے کے بھی قابل ہے - اُسوقت اُنکو خواہش نفسانی بھی عطا کی - اور اس سے پہلے اُنکو ہر چیز کی معرفت بھی حاصل کر دی تھی - تو آدم نے عرض کی "میں تجھسے اے پروردگار حوّا کا خطبہ کرتا ہوں - پس تیری کیا خوشی ہے - خطاب ہوا کہ میری رضا یہ ہے کہ تم انکو میرے دین کے احکام سکھاؤ - عرض کی - تیری خوشی کے لئے ایسا کرونگا - اس امر پر کہ تو میرے لئے اس امر (نکاح حوّا) کو چاہے - خطاب ہوا کہ میں نے اسے چاہا اور میں نے انکا تمسے نکاح کر دیا - تم انہیں اپنے پاس رکھو پھر حضرت آدم نے کہا (اے حوّا) تم میری طرف آؤ - انہوں نے کہا نہیں - بلکہ تم میری طرف بڑھو اور خدا تعالیٰ نے بھی حضرت آدم کو یہی حکم دیا کہ تم حوّا کیطرف بڑھو - پس حضرت آدمؑ کھڑے ہوئے - (اور حوّا کیطرف متوجہ ہوئے) اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو (آج دُنیا میں) عورتیں ہی مردوں سے درخواست کرتیں ؎

جناب صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب من لایحضرہ الفقیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اما قول اللہ عزوجل یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا والخبر الذی روی ان حوّا خلقت من ضلع الایسر صحیح ومعناہ من الطینۃ التی فضلت من ضلعہ الایسر فلذالک صارت اضلاع الرجال انقص من اضلاع النساء بضلع - یعنی خدا تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ ایھا الناس ڈرو اپنے پروردگار سے جسنے تم کو نفس واحدہ (آدم) سے پیدا کیا اور اسی سے اسکا جوڑا (حوّا کو) پیدا کیا - اور وہ حدیث جسمیں یہ مروی ہے کہ حوّا حضرت آدمؑ کی بائیں طرف کی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں - دونوں ہی صحیح ہیں مگر مطلب اُسکا یہ ہے کہ حوّا اُس مٹی سے پیدا کیگئی ہیں - جو حضرت آدم کی بائیں طرف کی پسلی سے بچ رہی تھی یا بچائی گئی تھی - اسیوجہ سے عورتوں کی پسلیوں سے مردوں کی پسلیاں ایک کم ہوتی ہیں خلاصہ یہ کہ جس صورت سے بھی اس جوڑے کو خدا تعالیٰ نے خلق فرمایا - نہایت ہی عجیب

نشانی صنعت وحکمت خالق کی ہے فتعالی اللہ عما یشرکون (اگر اس مضمون کی تفصیل دیکھنی ہو
تو میری کتاب توحید الائمہ دیکھو)

تیسری آیت ومن آیاتہ خلق السماوات والارض واختلاف السنتکم والوانکم
ان فی ذالک لآیات للعالمین ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ اور منجملہ اسکی نشانیونکے (جو وجود وقدرت
وحکمت پر اُسکی دلالت کرتی ہیں) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے۔ اور تمہاری زبانونکا مختلف ہونا بیشک
اسمیں کئی دلیلیں ہیں۔ جاننے والوں کیواسطے۔ اس آیت میں خدائے واحد نے تین علامتیں اور دلیلیں
اپنی قدرت کی بلکہ چار ارشاد فرمائیں۔ جنمیں سے ہر ایک ہزاروں حکمتوں اور صنعتوں پر مشتمل ہے

ایک آسمانونکا پیدا کرنا مع اُن تمام ثوابت۔ سیارات۔ بروج۔ حرکات۔ مدارات۔ اقطاب واوتاد
کے جو واضح ترین دلائل سے ہے۔

دوسرے زمین کا پیدا کرنا مع قوت منبتہ۔ وسکون۔ وحیاۃ بعد الموت۔ اور لاتعد ولاتحصی نباتات کے
اپنے سے پیدا کرنیکے جنکے حکم ومصالح کو کوئی شمار نہیں کرسکتا اور مع قابلیت استحصال فوائد کے جو اس
سے مل سکتے ہیں۔ کسیقدر انکا بیان سابق میں بھی آچکا ہے) تیسرے زبانونکا اختلاف کہ جس ملک
میں دیکھو نئی زبان۔ جس شہر میں جاؤ۔ نیا لہجہ جس بستی میں پہنچو نیا طرز کلام۔ کسی شخص کو دیکھو نئی آواز
کوئی ایک دوسرے سے ملتا ہی نہیں۔ آخر یہ کس نے تدبیر کی اور کیوں یہ تدبیر ہوئی۔ اسی لئے نہ کہ خالق
کی قدرت کا کمال ظاہر ہو۔ چوتھے رنگونکا اختلاف۔ کہ کوئی کالا ہے کوئی گورا۔ کوئی گندمی رنگ کا ہے
کوئی سبزی مائل ہے کوئی سرخی مائل۔ اور پھر ہر شخص کا رنگ علیحدہ اور جداگانہ ہے۔ کیا یہ امور کمال
حکمت وقدرت صناع ازل کی دلیلیں نہیں ہیں؟

مخفی نرہے۔ کہ اکثر لوگونکا اہل اسلام میں یہ خیال ہے کہ اسماء ولغات اور زبانیں توقیفی ہیں یعنی
یہ سب زبانیں جو اول خلقت سے اسوقت انسانوں میں رائج رہی یا ہیں۔ مثلاً عربی۔ فارسی۔ ترکی۔
سنسکرت وغیرہ سب خدا تعالی نے حضرت آدم کو تعلیم کردی تھیں۔ یہ خیال اس سے پیدا ہوا۔ کہ
خدا تعالی سورہ بقر میں فرماتا ہے وعلم آدم الاسماء کلہا۔ یعنی خدا تعالی نے آدم کو تمام نام تعلیم کردیئے
تھے۔ اور انہیں سے اُنکی اولاد نے یہ نام اخذ کئے۔ اور لغات سیکھے۔ لیکن جب متفرق ہوئے۔ تو ہر
گروہ ایک علیحدہ زبان میں گفتگو کرنے لگا۔ یعنی اُن زبانونمیں سے اُس زبان کو اختیار کرلیا جو انہیں
پسند آگئی۔ مثلاً کسی کو عربی پسند آئی کسی کو سنسکرت۔ کسی کو عبرانی۔ اور علے ہذا القیاس۔ اور اسی زبان
کے عادی ہوگئے۔ یا طول زمانہ کے سبب سے اور زبانونکو بھول گئے تو ممکن ہے کہ جناب نوح کے زمانے تک
تمام آدمی تمام لغتوں اور زبانونکو جانتے رہے ہوں۔ لیکن جب سب کے سب طوفان میں تباہ ہوگئے۔ اور
چند متنفس باقی رہے۔ جنسے سلسلہ آدمیونکا چلتا ہے۔ تو وہی چند آدمی ان زبانون کے حافظ رہے
ہونگے۔ مگر کثرت تعداد اور افتراق بلاد کیوجہ سے کوئی ایک زبان اُنہیں یاد رہگئی اور باقی سہو ہوگئی۔ کچھ

لوگوں کا خیال یہ ہے کہ علم آدم الاسماء کے یہ معنی نہیں ہیں۔ بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو اشیاء عالم کے لغات و معانی اور خواص و منافع بتا دیئے تھے - نہ یہ کہ دُنیا بھر کی زبانیں۔ بلکہ یہ زبانیں تو آپس کی قرارداد سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور غالباً یہی رائے صحیح ہو۔ مگر بہر صورت حکمت و قدرت خدا تعالیٰ اس سے بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے۔ کہ تمام زبانیں اول روز خدا تعالیٰ نے حضرت آدم کو سکھا دی تھیں۔ اور اُنسے اُنکی اولاد کو حاصل ہوئیں۔ تب بھی کمال قدرت خدا تعالیٰ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اتنے الفاظ۔ اتنے معانی۔ اتنے لہجے۔ اتنے محاورات۔ جنکا شمار کسی طرح ممکن نہیں۔ ایک وقت میں آدمی کو سکھا دیئے۔ جسپر کوئی سوائے اُسکے قادر نہیں۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ لغات کا پیدا ہونا آپس کی قرارداد سے ہوا ہے۔ تب بھی کمال صنعت خدائی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کس طرح کا دماغ اور حافظہ اور زبان۔ انسان کو عطا ہوئی۔ جس سے وہ اس بات پر قادر ہو سکا کہ جسطرح کے لفظ چاہے بنا لے اور جس زبان میں چاہے گفتگو کرلے۔ کیا یہ آسان بات ہے۔ کہ ایک ہی آدمی میں وہ قوت ہو۔ کہ اُسکی زبان عبرانی میں بھی گفتگو کر سکے۔ سریانی میں بھی اور لیٹین۔ گریک۔ انگلش اور عربی فارسی۔ اردو سنسکرت اور بھاشا میں بھی۔ کسطرح ایک چھوٹے سے دماغ میں جسکا پورا قطر کبھی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہوگا۔ لاکھوں الفاظ۔ کروڑوں معانی۔ اور بیسیوں لغات آسکے۔ اور کسطرح ایک دو انگشت کے گوشت میں یہ طاقت پیدا ہوئی۔ کہ وہ ان سب کو علیحدہ علیحدہ صورتوں اور لہجوں میں ادا کر سکے۔

ممکن تھا کہ تمام عالم کے آدمیوں کی ایک ہی زبان ہوتی لیکن اس اختلاف میں یہ حکمت رکھی گئی کہ اگر آدمی غور کریگا۔ تو اُسے معلوم ہو سکیگا کہ یہ اختلاف کسیطرح خود اُسکی ذات سے نہیں پیدا ہوا ہے۔ بلکہ ایک بہت بڑے قادر کے اعطائے قوت سے ہوا ہے۔ جسکو یہ بھی طاقت ہے۔ کہ بیجان چیزوں سے بھی گفتگو پیدا کر دے ؛

یہ تو اُس بنا پر بیان ہوا کہ السنتکم سے مراد لغات اور مروّج زبانیں ہوں جو مختلف ملکوں میں بولی جاتی ہیں۔ ورنہ محتمل ہے کہ اس سے خاص یہ جارحہ مخصوصہ مراد ہو۔ جو منہ میں ہے۔ اور جسکی حرکت سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ تو اس بنا پر یہ معنی ہونگے۔ کہ منجملہ آیات وجود خالق کے تمہاری یہ مختلف زبانیں ہیں۔ جو تمہارے مُنہ میں موجود ہیں کہ باوجود ایک قسم کے مادہ سے پیدا ہونے کے کیسی شکل ہیئت اور ترکیب میں مختلف ہیں۔ کسی سے تو باریک آواز پیدا ہوتی ہے۔ کسی سے موٹی آواز کوئی سُریلی ہے کوئی بے سُری۔ یہانتک کہ دُنیا میں جتنے آدمیوں کو آپ دیکھینگے کبھی ایک طرح کی آواز دو آدمیوں کی نہ پائینگے اور نہ ایک طرح کا لب و لہجہ بلکہ ہر ایک اپنی حالت میں مختلف ہوگا۔ پس باوجود بیشمار آدمیوں کے جو آجتک دُنیا میں پیدا ہوتے رہے اور ہیں اور ہونگے۔ کسی کا ایک سان گفتگو میں ہونا

صاف دلیل اسبات کی ہے کہ کسی قادر مطلق نے اپنی قدرت نمائی کے لئے یہ کرشمہ کیا ہے۔ تاکہ اسے سمجھکر اہل علم غفلت وجہالت سے نکلیں اور راہ ہدایت پر چلیں۔

علاوہ اسکے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف اور بھی بہت سی حکمتوں پر مشتمل ہے۔ منجملہ انکے یہ بھی کہ اگر ایک طرح کی آوازیں اور زبانیں ہوتیں تو کبھی اشتباہ بھی واقع ہو جاتا۔ اور ایک آدمی بعض موقعوں پر دوسرے کو پہچان نہ سکتا۔ مثلاً فرض کیجئے۔ شب تاریک میں ایک شخص دوسرے سے ملنے کیلئے جاتا۔ اگر اُسکی آواز کسی اور کی آواز سے یا دس بیس آدمیوں کی آواز سے مشابہ ہوتی۔ تو سننے والا کسی طرح تمیز نہیں کر سکتا کہ یہ فلاں شخص ہے اور پھر نہ تمیز کرنیسے بہت سے امور میں خلل واقع ہوتا۔ او بہت سے فسادات قائم ہوتے۔ فرض کیجئے اگر صرف پچاس ہی آدمی کسی ایک شہر میں ایک آواز ایک زبان ولہجہ اور ایک رنگ روپ کے ہوتے۔ تو اہل شہر کو انسے کسقدر زحمتیں پہنچتیں۔ نہ تو معاملات میں تفرقہ کر سکتے کہ ہمارا صاحب معاملہ یہ ہے یا وہ۔ اور نہ وہ خود آپسمیں ایک دوسرے کی شناخت کر سکتے۔ اور نہ یہ سمجھا جا سکتا کہ انمیں کون ہمارا ملاقاتی اور رازدار ہے۔ اور کون دشمن ہے۔ کون کس عورت کا شوہر ہے اور کون کسکا۔ کون کس کا باپ ہے اور کون کسکا۔ اگر ایک دوسرے کی زوجہ سے ہم صحبت ہو جاتا تو وہ عورت کسیطرح اُسکو پہچان نہ سکتی کہ آیا یہی میرا شوہر ہے یا کوئی اور۔ اور نہ قرضخواہ یہ سمجھ سکتا کہ میرا قرضدار کون ہے۔ نہ صاحب راز جان سکتا کہ انمیں سے میرا رازدار کون ہے۔ غرض ہزاروں ہی قسم کی خرابیاں عالم میں پیدا ہو جاتیں۔ اسلئے مبدء فیاض نے ان سبکے رنگوں اور زبانوں کو ایسا مختلف کر دیا کہ کوئی ایک دوسرے سے مشابہت ہی نہ رکھے تاکہ نظام عالم میں خلل نہ پڑے (اسکی تفصیل کتاب توحید الائمہ میں ملاحظہ ہو)

چوتھی آیت وَمِنْ آیَاتِہٖ مَنَامُکُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّہَارِ وَابْتِغَاؤُکُمْ مِنْ فَضْلِہٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَآیَاتٍ لِقَوْمٍ یَسْمَعُوْنَ ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ منجملہ اُسکی نشانیوں کے تمہارا رات اور دن کو سونا اور اُسکے فضل کو تمہارا حاصل کرنا ہے۔ بیشک اسمیں نشانیاں ہیں اُس قوم کے لئے جو سُنے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمنے تمہارے نفع کیلئے نیند بنائی۔ جو تمہیں تعب کے دفع کرنیکی غرض سے دن کو یا رات کو آتی ہے۔ اگر یہ نیند تمہارے لئے مقرر نہ ہوتی جو کام کی مشقت اور تعب جسمانی کو جو چلنے پھرنے سے اور کام کرنیسے حاصل ہوا ہے۔ دفع کرتی تو کبھی تم زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ بہت بڑی نشانی ہماری حکمت وقدرت ووجود کی ہے کیونکہ ازبسکہ ہمیں یہ معلوم تھا۔ کہ انسان کی بسر زندگی بغیر چلنے پھرنے اور حرکات بدنی کے نہ ہوگی۔ اسکو زمین کھودنی پڑیگی۔ اسے پتھر تراشنے ہونگے اسے عمارت بنانی ہوگی۔ اسے لباس بننے ہونگے۔ اس سبب سے اسے تعب بھی لاحق ہوگا۔ او اگر برابر اسکو تعب ہی ہوتا رہا اور کوئی ذریعہ اسکی راحت کا نہ ہوا تو بہت جلد تحلیل ہو کر فنا ہو جائیگا لہذا نیند کو پیدا کیا۔ تاکہ اسکا بدل ہو سکے اور نیز حریص آدمی جو کبھی کام کو ترک کرنا نہیں چاہتے

وہ بھی ایک خاص وقت میں مجبور ہو کر سو رہیں گے۔ تاکہ اُنکا تعب دفع ہو۔ اس نیند میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کھانا بہت اچھی طرح ہضم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ سونے کے وقت حرارت باطن جسم کیطرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اور اس سبب سے وہ معین ہضم ہوتی ہے!! اطبّاء اور طبیعین کی رائے ہے کہ بخارات جو رطوبات بدن سے پیدا ہوتے اور دماغ کیطرف صعود کرتے ہیں۔ تو حواس ظاہرہ ادراکات محسوسات میں مشتغل رہنے کے تعب سے معطل ہو جاتے ہیں اور طبیعت آرام لینے اور فراغ حاصل کرنے کی طرف رغبت کرتی ہے۔ روح حیوانی ظاہر بدن سے باطن کیطرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اس سبب سے تمام اعضائے ظاہرہ میں سُستی پیدا ہو کر غفلت حادث ہوتی ہے۔ اسی کا نام منام ہے۔

دوسرا فائدہ نیند میں یہ بھی ہے کہ انسان پر بہت سے ایسے امور اس حالت میں منکشف ہو جاتے ہیں جو حالت بیداری میں کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ مثلاً وہ آئندہ کے واقعات جو مثلاً دس یا بیس برس بعد ہونیوالے ہیں۔ حالت نوم میں انسان کو معلوم ہو جاتے ہیں۔ یا اکثر سوالوں کا جواب جو دل میں ہوتا ہے۔ یا بیماری کا علاج یا دشمن کے دفاع کی تدبیر یا تحصیل دنیا کے طریقے وغیرہ جسکو لوگ اردو میں خواب دیکھنا کہتے ہیں۔ اور عربی میں رُؤیا۔ اگرچہ ہر خواب اسطرح کا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر نفس انسان صاف ہو غواشی مادّہ سے علیحدہ ہو۔ پردۂ اشتغال بدنیا سامنے نہ پڑا ہو تو اکثر یہ خواب سچے ہوتے ہیں جنسے آدمی بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور عجب نہیں کہ وابتغاءکم من فضلہ سے یہی مراد ہو۔ جو آیت میں مذکور ہے۔ اگرچہ اور احتمال بھی ہیں۔ بہر صورت انسان اگر تین قسموں کے خواب میں سے جنہیں لسان شریعت میں ۱۔ رویائے بُشریٰ ۲۔ رویائے تحزین ۳۔ رویاء یحدث بہ الانسان نفسہ فیراھا فی المنام کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔ اور کبھی اس تیسرے قسم کو اضغاث احلام سے بھی تعبیر کیگئی ہے اور جنہیں فلاسفہ کی زبان میں بھی ۱۔ صادقہ ۲۔ معبرہ ۳۔ تیسرے اضغاث احلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پہلی قسم کا خواب دیکھے یعنی رویائے بُشریٰ۔ یا اسی کو صادقہ کہہ لیجئے۔ تو ضرور اسپر بہت سے فوائد مرتب ہونگے۔ چنانچہ جناب امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسولخدا نے فرمایا الرؤیا الصادقۃ جزء من سبعین جزءاً من النبوۃ اور بعض میں بجائے الصادقہ کے "الصالحۃ" ہے یعنی سچا خواب نبوت کے ستّر جزوں میں سے ایک جزو ہے کیا معنی کہ جسطرح نبی پر وحی آتی ہے۔ اور وہ وحی اگلے اور پچھلے حالات کو صحیح طور پر نبی کے نزدیک واضح کر دیتی ہے۔ اسیطرح یہ خواب بھی انسان پر پچھلے اور اگلے حالات سچے طور پر منکشف کر دیتا ہے اسکی صحت کی صورت بھی معصوم نے ایک حدیث میں یوں بیان فرمادی ہے الرؤیا الصادقۃ والکاذبۃ مخرجھما من موضع واحد (یعنی القلب) فالرؤیۃ الکاذبۃ المختلفۃ ھی التی یراھا الرجل فی اول لیلۃ فی سلطان المردۃ الفسقۃ وانما ھی شیء

یخیل الیہ وھی کاذبۃ لاخیر فیھا واما الصادقۃ فیراھا بعد الثلثین من اللیل مع حلول الملائکۃ وذالک قبل السحر فھی صادقۃ لا تختلف الا ان یکون جنبا او نام علی غیر طھر ولم یذکر اللہ تعالیٰ فانھا تختلف وتبطی علی صاحبھا۔ (مجمع البحرین) سچا اور جھوٹا خواب ایک مخرج سے خارج ہوتا ہے۔ (یعنی دل سے) پس جھوٹا خواب جو مختلف ہوتا ہے وہ تو وہ خواب ہے۔ جسے آدمی اول شب میں سرکش اور فاسق (شیطانوں) کے غلبہ کے وقت دیکھتا ہے اور وہ محض خیالی چیز ہوتی ہے۔ جو جھوٹی ہے۔ اور اُسمیں کوئی خیر نہیں ہے۔ لیکن سچا خواب تو اُسے انسان دو تہائی رات گزرنے کے بعد دیکھتا ہے۔ جو فرشتوں کے آنیکا وقت ہے۔ اور یہ خواب صبح سے پہلے پہلے ہوتا ہے۔ اسمیں اختلاف نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ آدمی جنب ہو یا بلا طہارت اور بغیر ذکر خدا کے سو گیا ہو۔ تو اُسمیں اختلاف بھی ہوتا ہے۔ اور اُسکے وقوع میں دیر بھی لگتی ہے ؏

لسان فلسفہ میں جو لسان شریعت سے مطابق ہی ہے یوں بیان کیا گیا ہے۔ کہ موجودات عالم اور حوادث کی صورتیں تو جواہر عقلیہ اور عالم عقول میں موجود رہتی ہی ہیں (اس عالم عقول کو عالم روحانی اور جواہر روحانیہ بھی کہتے ہیں (یعنی فرشتے) یا اسکو لوح محفوظ سے تعبیر کر لو)۔ پس جس وقت نفس انسان کا حواس ظاہریہ میں مشتغل رہنے سے فراغت پا لیتا ہے (یعنی سونے کے وقت) اور اُسے تجرد حاصل ہو جاتا ہے۔ تو بہ سبب اسکے کہ نفس انسان بھی مجردات اور روحانیات میں سے ہے۔ اسکو تعلق ان روحانیا (فرشتوں یا لوح محفوظ) سے ہو جاتا ہے۔ اور جسقدر امور انمیں موجود ہیں بعض امور بحسب قوت نفس اس نفس میں منقش ہو جاتے ہیں۔ مثلاً فرض کیجیے کہ ایک آئینہ کے سامنے دوسرا آئینہ رکھا جائے تو جسقدر صورتیں اُس آئینہ میں نظر آتی ہیں۔ اُسکا عکس اس دوسرے آئینے میں بھی دکھائی دیگا بشرطیکہ یہ آئینہ صاف ہو۔ اور گرد و غبار سے پاک ہو۔ پھر وہی صورتیں نفس سے آکر حس مشترک پر چھپتی ہیں اور وہاں حافظہ انکو لے لیتا ہے۔ تاکہ بیداری کے وقت تک اُسے محفوظ رکھے۔ بغیر اسکے کہ قوت متخیلہ اسمیں کوئی تصرف کرے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعینہ وہی صورت تو نفس میں بسبب اُسکی کمزوری کے نہیں چھپتی بلکہ اُسکے مشابہ یا اُسکے ضد چھپ جاتی ہے۔ تو اسطرح کا خواب سچا سمجھا جاتا ہے۔ اور جسے خواب معتبر یعنی قابل تعبیر کہتے ہیں۔ وہ اس قسم کا خواب ہوتا ہے۔ کہ حالت بیداری اور خارج میں جسطرح چیزیں محسوس و مبصر ہوتی ہیں۔ اُسطرح سونے میں نظر نہ آئے بلکہ اُسکی مثل یا اُسکی ضد دکھائی دے۔ تو اُس خواب کی تعبیر دیجاتی ہے۔ مگر تعبیر دینے والا بہت بافہم اور لائق شخص ہونا چاہیئے۔ جو اُس شخص کی حالت اور وقت و عادت کو سمجھ کر تعبیر دے۔ اور جس خواب کو اضغاث احلام کہتے ہیں۔ وہ اس قسم کا خواب ہوتا ہے۔ جو اکثر بدنفس۔ یا بیمار آدمی۔ یا وہ لوگ جو آلائش دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ یا زیادتی اخلاط بدنیہ یا ہیجان اخلاط کی

وجہ سے دکھائی دیتا ہے۔ اسکا کچھ اعتبار نہیں۔ اور نہ اُسکی تعبیر ہے؛
خواب بعبر جسے حکمائے بھی مانا ہے۔ اور اُسکی تعبیر کی نسبت اہتمام کرنیکو فرمایا ہے۔ ......
...... اُسکی نسبت ہمارے حکمائے اسلامیین یعنی ائمہ طاہرین علیہم السلام کی یہ
ہدایت ہے کہ الرؤیا علی رجل طائر مالم تعبر فاذا عبرت وقعت۔ یعنی خواب بعبر دیکھنے والے
کے سر پر اُڑتا رہتا ہے (یعنی اُسوقت تک کوئی اُسکا اثر ظاہر نہیں ہوتا) پس جب اُسکی تعبیر (خواہ اچھی
یا بری) دیدی جاتی ہے۔ تو بیٹھ جاتا ہے (یعنے ویسا ہی واقع ہوتا ہے جیسی تعبیر بیان کیگئی ہے)۔
چنانچہ مجلسی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث کتاب السماء والعالم میں نقل فرمائی ہے۔ جسکا محصل یہ ہے
کہ ایک عورت نے خواب میں دیکھا کہ اُسکے مکان کا ستون گر گیا ہے۔ وہ عورت خدمت میں
جناب رسالتمآبؐ کے حاضر ہوئی۔ اور اپنے خواب کو حضرت سے بیان کیا۔ آپنے فرمایا۔ تیرا شوہر
سفر سے آئیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اُسکا شوہر سفر سے آگیا۔ پھر اُسنے یہی خواب دیکھا اور حضرت سے بیان
کیا۔ آپنے وہی تعبیر دی۔ چنانچہ پھر ویسا ہی ہوا۔ تیسری دفعہ پھر اُسنے وہی خواب دیکھا اور اپنے گھر سے
تعبیر دریافت کرنے کیلیئے چلی۔ راہ میں حضرت ثانی سے ملاقات ہوگئی۔ پوچھا کہاں جاتی ہے۔
کہا ایک خواب کی تعبیر کے لئے خدمت جناب رسولخدا میں جاتی ہوں۔ پوچھا وہ خواب کیا ہے۔ اس
نے بیان نہ کیا۔ مگر آپنے اسقدر اصرار کیا کہ اُس بیچاری کو بیان کرنا پڑا (کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر بیان
نکرونگی۔ تو یہ بزرگ کسیطرح بخشنے کے نہیں غصہ آئیگا تو ضرور دانت کاٹینگے۔ جیسی کہ انکی عادت
ہے) جھٹ آپنے بغیر اُسکی مرضی کے یہ تعبیر دیدی۔ کہ تیرا شوہر مر گیا۔ سنائی اُسکی آئیگی یہ خبر
جناب رسالتمآبؐ کو پہنچی۔ حضرت کو تاسف ہوا۔ آخر کو اثر اُسکا ویسا ہی ظاہر ہوا۔ کہ خبر موت
اُسکے شوہر کی آئی۔"

ایک لطیف حکمت خواب کے صادق وکاذب ہونیکی جو جناب صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمائی
ہے۔ حدیث مفضل میں حضرت سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا۔ فکر یا مفضل فی الاحلام
کیف دبّر الامر فیہا فمزج صادقہا بکاذبہا فانہا لو کانت کلہا تصدق لکان الناس
کلّہم انبیاء ولو کانت کلہا تکذب لم یکن فیہا منفعۃ بل کانت فضلاً لا معنی لہ
فصارت تصدق احیانا فینتفع بہا الناس فی مصلحۃ یہتدی لہا او مضرۃ یتحذر
منہا وتکذب کثیرا لئلا یعتمد علیہا کل الاعتماد۔" اے مفضل ان خوابوں کے معاملے میں
غور کرو کہ کیونکر اسمیں تدبیر امر کیگئی ہے۔ اور سچے خواب کو جھوٹے خواب سے ممزوج کر دیا گیا ہے
کیونکہ اگر سب کے سب خواب سچے ہی ہوتے۔ تو تمام نبی ہی ہو جاتے۔ واگر تمام جھوٹے ہی ہوتے۔ تو
فضول بے معنی ہوتے۔ اُنمیں کوئی نفع نہ ہوتا۔ لہذا کبھی کبھی خواب سچے ہوتے ہیں۔ تاکہ اُنسے
آدمی کسی مصلحت میں فائدہ اُٹھا سکے جسکی طرف اُسکی راہ ملی ہے۔ یا مضرت سے بچے اور

صاف دلیل اسبات کی ہے کہ کسی قادر مطلق نے اپنی قدرت نمائی کے لیئے یہ کرشمہ کیا ہے۔ تاکہ اسے سمجھکہ اہل علم غفلت وجہالت سے نکلیں اور راہ ہدایت پر چلیں۔

علاوہ اسکے رنگوں اور زبانوں کا اختلاف اور بھی بہت سی حکمتوں پر مشتمل ہے۔ منجملہ انکے یہ بھی کہ اگر ایک طرح کی آوازیں اور زبانیں ہوتیں تو کبھی اشتباہ بھی واقع ہوجاتا۔ اور ایک آدمی بعض موقعوں پر دوسرے کو پہچان نہ سکتا۔ مثلاً فرض کیجئے۔ شب تاریک میں ایک شخص دوسرے سے ملنے کیلئے جاتا۔ اگر اُسکی آواز کسی اور کی آواز سے یا دس بیس آدمیوں کی آواز سے مشابہ ہوتی۔ تو سننے والا کسی طرح تمیز نہیں کرسکتا کہ یہ فلاں شخص ہے اور پھر نہ تمیز کرنیسے بہت سے امور میں خلل واقع ہوتا۔ اور بہت سے فسادات قائم ہوتے۔ فرض کیجئے اگر صرف پچاس ہی آدمی کسی ایک شہر میں ایک آواز ایک زبان ولہجہ اور ایک رنگ روپ کے ہوتے۔ تو اہل شہر کو اُنسے کسقدر زحمتیں پہنچتیں۔ نہ تو معاملات میں تفرقہ کرسکتے کہ ہمارا صاحب معاملہ یہ ہے یا وہ۔ اور نہ وہ خود آپسمیں ایک دوسرے کی شناخت کرسکتے۔ اور نہ یہ سمجھا جاسکتا کہ انمیں کون ہمارا ملاقاتی اور رازدار ہے۔ اور کون دشمن ہے۔ کون کس عورت کا شوہر ہے اور کون کسکا۔ کون کس کا باپ ہے اور کون کسکا۔ اگر ایک دوسرے کی زوجہ سے ہم صحبت ہوجاتا تو وہ عورت کسیطرح اُسکو پہچان نہ سکتی کہ آیا یہی میرا شوہر ہے یا کوئی اور۔ اور نہ قرض خواہ یہ سمجھ سکتا کہ میرا قرضدار کون ہے۔ نہ صاحب راز جان سکتا کہ انمیں سے میرا رازدار کون ہے۔ غرض ہزاروں ہی قسم کی خرابیاں عالم میں پیدا ہوجاتیں۔ اسلیئے مبدء فیاض نے ان سب کے رنگوں اور زبانوں کو ایسا مختلف کردیا کہ کوئی ایک دوسرے سے مشابہت ہی نہ رکھے تاکہ نظام عالم میں خلل نہ پڑے (اسکی تفصیل کتاب توحید الائمہ میں ملاحظہ ہو)

چوتھی آیت وَمِنْ اٰیَاتِہٖ مَنَامُکُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَابْتِغَاؤُکُمْ مِنْ فَضْلِہٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَاتٍ لِقَوْمٍ یَسْمَعُوْنَ ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ منجملہ اُسکی نشانیوں کے تمہارا رات اور دن کو سونا اور اُسکے فضل کو تمہارا حاصل کرنا ہے۔ بیشک اسمیں نشانیاں ہیں اُس قوم کے لیئے جو سُنے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمنے تمہارے نفع کیلئے نیند بنائی۔ جو تمہیں تعب کے دفع کرنیکی غرض سے دن کو یا رات کو آتی ہے۔ اگر یہ نیند تمہارے لئے مقرر نہ ہوتی جو کام کی مشقت اور تعب جسمانی کو جو چلنے پھرنے سے اور کام کرنیسے حاصل ہوا ہے۔ دفع کرتی تو کبھی تم زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ بہت بڑی نشانی ہماری حکمت وقدرت و وجود کی ہے کیونکہ از بسکہ ہمیں یہ معلوم تھا۔ کہ انسان کی بسر زندگی بغیر چلنے پھرنے اور حرکات بدنی کے نہ ہوگی۔ اسکو زمین کھودنی پڑیگی۔ اسے پتھر تراشنے ہونگے اسے عمارت بنانی ہوگی۔ اسے لباس بننے ہونگے۔ اس سبب سے اسے تعب بھی لاحق ہوگا۔ اور اگر برابر اسکو تعب ہی ہوتا رہا اور کوئی ذریعہ اسکی راحت کا نہ ہوا تو بہت جلد تحلیل ہوکر فنا ہوجائیگا لہذا نیند کو پیدا کیا۔ تاکہ اسکا بدل ہوسکے اور نیز حریص آدمی جو کبھی کام کو ترک کرنا نہیں چاہتے

وہ بھی ایک خاص وقت میں مجبور ہو کر سو رہیں گے۔ تاکہ اُنکا تعب دفع ہو۔ اس نیند میں ایک فائدہ
یہ بھی ہے کہ کھانا بہت اچھی طرح ہضم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ سونے کے وقت حرارت باطن جسم کیطرف
منتقل ہو جاتی ہے۔ اور اس سبب سے وہ معین ہضم ہوتی ہے!! اطبا اور طبیعین کی رائے ہے کہ بخارات
جو رطوبات بدن سے پیدا ہوتے اور دماغ کیطرف صعود کرتے ہیں۔ تو حواس ظاہرہ ادراکات محسوسات
میں مشتغل رہنے کے تعب سے معطل ہو جاتے ہیں اور طبیعت آرام لینے اور فراغ حاصل کرنے کی
طرف رغبت کرتی ہے۔ روح حیوانی ظاہر بدن سے باطن کیطرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اس سبب سے
تمام اعضائے ظاہرہ میں سستی پیدا ہو کر غفلت حادث ہوتی ہے۔ اسی کا نام منام ہے۔
دوسرا فائدہ نیند میں یہ بھی ہے کہ انسان پر بہت سے ایسے امور اس حالت میں منکشف ہو جاتے
ہیں جو حالت بیداری میں کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ مثلاً وہ آیندہ کے واقعات جو مثلاً دس یا بیس برس
بعد ہونیوالے ہیں۔ حالت نوم میں انسان کو معلوم ہو جاتے ہیں۔ یا اکثر سوالوں کا جواب جو دل میں ہوتا
ہے۔ یا بیماری کا علاج یا دشمن کے دفاع کی تدبیر یا تحصیل دنیا کے طریقے وغیرہ جسکو لوگ اردو میں
خواب دیکھنا کہتے ہیں۔ اور عربی میں رؤیا۔ اگرچہ ہر خواب اسطرح کا نہیں ہوتا لیکن اگر نفس انسان
صاف ہو غواشی مادّہ سے علیحدہ ہو۔ پردۂ اشتغال بدنیا سامنے نہ پڑا ہو تو اکثر یہ خواب سچے
ہوتے ہیں جنسے آدمی بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور عجب نہیں کہ وابتغاءکم من فضلہ
سے یہی مراد ہو۔ جو آیت میں مذکور ہے۔ اگرچہ اور اور احتمال بھی ہیں۔ بہر صورت انسان اگر تین قسموں
کے خواب میں سے جنہیں لسان شریعت میں ۱ رویائے بُشریٰ ۲ رویائے تحزین ۳ رویا ر
یحدث بہ الانسان نفسہ فیراھا فی المنام کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔ اور کبھی اس تیسرے قسم
کو اضغاث احلام سے بھی تعبیر کیگئی ہے اور جنہیں فلاسفہ کی زبان میں بھی ۱ صادقہ ۲ معبرہ تیسرے
اضغاث احلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پہلی قسم کا خواب دیکھے یعنی رویائے بُشریٰ۔ یا اُسی کو صادقہ
کہہ لیجئے۔ تو ضرور اسپر بہت سے فوائد مرتب ہونگے۔ چنانچہ جناب امام رضا علیہ السلام سے مروی
ہے کہ رسولخدا نے فرمایا الرّؤیا الصّادقۃ جزءٌ من سبعین جزءً امن النبوۃ اور بعض
میں بجائے الصادقۃ کے "الصالحۃ" ہے یعنی سچا خواب نبوت کے ستّر جزوں میں سے ۱/۷۰ جزو ہے
کیا معنی کہ جسطرح نبی پر وحی آتی ہے۔ اور وہ وحی اگلے اور پچھلے حالات کو صحیح طور پر نبی کے نزدیک
واضح کر دیتی ہے۔ اسیطرح یہ خواب بھی انسان پر پچھلے اور اگلے حالات سچے طور پر منکشف کر دیتا ہے
اسکی صحت کی صورت بھی معصوم نے ایک حدیث میں یوں بیان فرمادی ہے الرؤیا الصادقۃ
والکاذبۃ مخرجھما من موضع واحدٍ (یعنی القلب) فالرویۃ الکاذبۃ المختلفۃ ھی
التی یراھا الرّجل فی اوّل لیلۃٍ فی سلطان المردۃ الفسقۃ وانّما ھی شیٔ

یخیل الیہ وھی کاذبۃ لاخیر فیھا واما الصادقۃ فیراھا بعد الثلثین من اللیل مع حلول الملائکۃ وذالک قبل السحر فھی صادقۃ لا تختلف الا ان یکون جنبا او نام علی غیر طھر ولم یذکر اللہ تعالیٰ فانھا تختلف وتبطی علی صاحبھا" (مجمع البحرین) سچا اور جھوٹا خواب ایک مخرج سے خارج ہوتا ہے۔ (یعنی دل سے) پس جھوٹا خواب جو مختلف ہوتا ہے وہ تو وہ خواب ہے۔ جسے آدمی اول شب میں سرکش اور فاسق (شیطانوں) کے غلبہ کے وقت دیکھتا ہے اور وہ محض خیالی چیز ہوتی ہے۔ جو جھوٹی ہے۔ اور اسمیں کوئی خیر نہیں ہے۔ لیکن سچا خواب تو اسے انسان دو تہائی رات گزرنے کے بعد دیکھتا ہے۔ جو فرشتوں کے آنیکا وقت ہے۔ اور یہ خواب صبح سے پہلے پہلے ہوتا ہے۔ اسمیں اختلاف نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ آدمی جنب ہو یا بلا طہارت اور بغیر ذکر خدا کے سو گیا ہو۔ تو اسمیں اختلاف بھی ہوتا ہے۔ اور اسکے وقوع میں دیر بھی لگتی ہے ۞

لسان فلسفہ میں جو لسان شریعت سے مطابق ہی ہے یوں بیان کیا گیا ہے۔ کہ موجودات عالم اور حوادث کی صورتیں تو جواہر عقلیہ اور عالم عقول میں موجود رہتی ہی ہیں (اس عالم عقول کو عالم روحانی اور جواہر روحانیہ بھی کہتے ہیں (یعنی فرشتے) یا اسکو لوح محفوظ سے تعبیر کر لو)۔ پس جس وقت نفس انسان کا حواس ظاہریہ میں مشتغل رہنے سے فراغت پالیتا ہے (یعنی سونے کے وقت) اور اسے تجرد حاصل ہو جاتا ہے۔ تو بہ سبب اسکے کہ نفس انسان بھی مجردات اور روحانیات میں سے ہے۔ اسکو تعلق ان روحانیات (فرشتوں یا لوح محفوظ) سے ہو جاتا ہے۔ اور جسقدر امور انمیں موجود ہیں انسے بعض امور بحسب قوت نفس اس نفس میں منقش ہو جاتے ہیں۔ مثلاً فرض کیجیے کہ ایک آئینہ کے سامنے دوسرا آئینہ رکھا جائے تو جسقدر صورتیں اس آئینہ میں نظر آتی ہیں۔ اسکا عکس اس دوسرے آئینے میں بھی دکھائی دیگا بشرطیکہ یہ آئینہ صاف ہو۔ اور گرد وغبار سے پاک ہو۔ پھر وہی صورتیں نفس سے آکر حس مشترک پر چھپتی ہیں اور وہاں حافظہ انکو لے لیتا ہے۔ تاکہ بیداری کے وقت تک اسے محفوظ رکھے۔ بغیر اسکے کہ قوت متخیلہ اسمیں کوئی تصرف کرے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعینہ وہی صورت تو نفس میں بسبب اسکی کمزوری کے نہیں چھپتی بلکہ اسکے مشابہ یا اسکے ضد چھپ جاتی ہے۔ تو اسطرح کا خواب سچا سمجھا جاتا ہے۔ اور جسے خواب معبر یعنی قابل تعبیر کہتے ہیں۔ وہ اس قسم کا خواب ہوتا ہے۔ کہ حالت بیداری اور خارج میں جسطرح چیزیں محسوس و مبصر ہوتی ہیں۔ اسطرح سونے میں نظر نہ آئے بلکہ اسکی مثل یا اسکی ضد دکھائی دے۔ تو اس خواب کی تعبیر دیجاتی ہے۔ مگر تعبیر دینے والا بہت بافہم اور لائق شخص ہونا چاہیئے۔ جو اس شخص کی حالت اور وقت اور عادت کو سمجھ کر تعبیر دے۔ اور جس خواب کو اضغاث احلام کہتے ہیں۔ وہ اس قسم کا خواب ہوتا ہے۔ جو اکثر بدنفس۔ یا بیمار آدمی۔ یا وہ لوگ جو آلائش دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ یا زیادتی اخلاط بدنیہ یا ہیجان اخلاط کی

وجہ سے دکھائی دیتا ہے۔ اسکا کچھ اعتبار نہیں۔ اور نہ اُسکی تعبیر ہے۔"
خواب معبر جسے حکماء نے بھی مانا ہے۔ اور اُسکی تعبیر کی نسبت اہتمام کرنیکو فرمایا ہے۔......
.... اُسکی نسبت ہمارے حکماء اسلامیین یعنی ائمہ طاہرین علیہم السلام کی یہ ہدایت ہے کہ الرؤیا علیٰ رجل طائر مالم تعبر فاذا عبّرت وقعت۔ یعنی خواب معبر دیکھنے والے کے سر پر اُڑتا رہتا ہے (یعنی اُسوقت تک کوئی اُسکا اثر ظاہر نہیں ہوتا) پس جب اُسکی تعبیر (خواہ اچھی یا بری) دیدی جاتی ہے۔ تو بیٹھ جاتا ہے (یعنے ویسا ہی واقع ہوتا ہے جیسی تعبیر بیان کیگئی ہے)۔
چنانچہ مجلسی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث کتاب السماء والعالم میں نقل فرمائی ہے۔ جسکا محصل یہ ہے کہ ایک عورت نے خواب میں دیکھا کہ اُسکے مکان کا ستون گر گیا ہے۔ وہ عورت خدمت میں جناب رسالتمآبؐ کے حاضر ہوئی۔ اور اپنے خواب کو حضرت سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ تیرا شوہر سفر سے آئیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اُسکا شوہر سفر سے آگیا۔ پھر اُسنے یہی خواب دیکھا اور حضرت سے بیان کیا۔ آپ نے وہی تعبیر دی۔ چنانچہ پھر ویسا ہی ہوا۔ تیسری دفعہ پھر اُسنے وہی خواب دیکھا اور اپنے گھر سے تعبیر دریافت کرنے کیلئے چلی۔ راہ میں حضرت ثانی سے ملاقات ہوگئی۔ پوچھا کہاں جاتی ہے۔ کہا ایک خواب کی تعبیر کے لئے خدمت جناب رسولخداؐ میں جاتی ہوں۔ پوچھا وہ خواب کیا ہے۔ اس نے بیان نہ کیا۔ مگر آپنے اسقدر اصرار کیا کہ اُس بیچاری کو بیان کرنا پڑا (کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر بیان نکرونگی۔ تو یہ بزرگ کسیطرح بخشنے کے نہیں غصہ آئیگا تو ضرور دانت کاٹینگے۔ جیسی کہ انکی عادت ہے) جھٹ آپنے بغیر اُسکی مرضی کے یہ تعبیر دیدی۔ کہ تیرا شوہر مرگیا۔ سنانی اُسکی آگئی۔ یہ خبر جناب رسالتمآبؐ کو پہنچی۔ حضرت کو تاسف ہوا۔ آخرکار اثر اُسکا ویسا ہی ظاہر ہوا۔ کہ خبر موت اُسکے شوہر کی آئی۔"
ایک لطیف حکمت خواب کے صادق و کاذب ہونیکی جو جناب صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمائی ہے۔ حدیث مفضل میں حضرت سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا۔ فکّر یا مفضل فی الاحلام کیف دبّر الامر فیھا فمزج صادقھا بکاذبھا فانھا لو کانت کلھا تصدق لکان الناس کلھم انبیاء و لو کانت کلھا تکذب لم یکن فیھا منفعۃ بل کانت فضلاً لا معنی لہ فصارت تصدق احیانا فینتفع بھا الناس فی مصلحۃ یھتدی لھا او مضرۃ یتحذر منھا وتکذب کثیراً لئلا یعتمد علیھا کل الاعتماد" اے مفضل ان خوابوں کے معاملے میں غور کرو کہ کیونکر اسمیں تدبیر امر کیگئی ہے۔ اور سچے خواب کو جھوٹے خواب سے ممزوج کر دیا گیا ہے کیونکہ اگر سب کے سب خواب سچے ہی ہوتے۔ تو تمام نبی ہی ہو جاتے۔ اور اگر تمام جھوٹے ہی ہوتے۔ تو فضول بے معنی ہوتے۔ اُنہیں کوئی نفع نہ ہوتا۔ لہذا کبھی کبھی خواب سچے ہوتے ہیں۔ تاکہ اُنسے آدمی کسی مصلحت میں فائدہ اُٹھا سکے جسکی طرف اُسکی راہ ملی ہے۔ یا مضرت سے بچے اور

اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ تاکہ آدمی اُسی پر پورا بھروسہ نکرے ؛

تیسرا فائدہ۔ اس نیند میں یہ بھی ہے کہ اس حالت کے طاری ہونے اور اسکے زائل ہونیسے انسان کو بہت بڑا سبق حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ نیند کیحالت موت کی حالت سے بہت مشابہ ہے۔ جسطرح نیند کیحالت میں انسان بالکل بے حس وحرکت ہو جاتا ہے۔ اور اسکا تعلق ظاہر سے قطع ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی اُسکو ذبح کر ڈالے تب بھی اُسکو خبر نہیں ہوتی۔ اسیطرح موت کیحالت ہے کہ روح حیوانی اور نفس ناطقہ کا تعلق بدن سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ نیند سے اکثر جاگنے کا بھی موقع ملتا ہے۔ اور موت کے بعد عموماً جاگنے اور جی اُٹھنے کا موقع نہیں ملتا (الا ماشذ ونادر) اور اسی کو خدا تعالیٰ نے ایک موقع پر قرآنمجید میں فرمایا ہے۔ (جزو ۲۴۔ رکوع ۱) اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمّیٰ ان فی ذالک لایات لقوم یتفکرون ۵۔ یعنی خدا تعالیٰ نفسونکو اُنکی موت کے وقت اپنے طرف قبض کرلیتا ہے (جبکہ اُنکے ابدان کے فساد وموت کا وقت آتا ہے) اور نیز اُس نفس (روح) کو بھی قبض کرلیتا ہے۔ جو سونے کی حالت میں نہیں مرتی (یعنے قبض نہیں کیجاتی) پس روک لیتا ہے (خدا تعالیٰ) اُس نفس (روح) کو جسپر موت مقرر کی ہے۔ اور پھر اُسے دُنیا کیطرف نہیں لوٹاتا۔ اور جسپر موت مقرر نہیں کی ہے۔ اُسے چھوڑ دیتا ہے۔ تاکہ سونے والے کے جسم میں پھر واپس آجائے۔ ایک وقت معین تک کیلئے بیشک اسمیں نشانیاں ہیں۔ اُن لوگوں کے لئے جو سوچیں ؛

حاصل اسکا یہ ہے۔ کہ بدن انسان میں دو روحیں ہیں۔ ایک روح حیوۃ اور دوسری روح تمیز وعقل۔ پس جو روح کہ سونے کی حالت میں قبض ہوتی ہے۔ وہ روح عقل وتمیز ہے۔ جسکے جُدا ہو جانے سے سونے والے کو کچھ خبر ظاہر کی نہیں رہتی۔ اور روح حیوۃ کے جُدا ہو جانے پر آدمی کو مردہ کہنے لگتے ہیں۔ جسکے جُدا ہو جانے پر پھر روح تمیز واپس نہیں آتی۔ تو موت اور نیند میں یہ فرق ٹھیرا۔ کہ قبض النوم بیداری کے مخالف ہے۔ اور قبض الموت حیوۃ کے۔ قبض النوم کے ساتھ روح الحیوۃ جسم میں رہتی ہے۔ اور قبض الموت کے ساتھ الگ ہو جاتی ہے۔ اور اسمیں دلیلیں سوچنے والوں کیلئے یہ ہیں۔ کہ کسطرح سونے کی حالت میں دو روحوں میں سے صرف ایک روح علیحدہ کرلیجاتی ہے۔ جسکا تعلق روحانیات سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ واپس آجاتی ہے۔ اور دوسری روح اُسی طرح قائم رہتی ہے۔ اور مرنے کے وقت دونوں روحیں علیحدہ ہو جاتی ہیں۔ کیا اس فعل پر خود انسان یا اور کوئی قادر ہے۔ سوائے خدا تعالیٰ جل مجدہٗ وعز قدرتہٗ؟

اسی آیت کی تفسیر میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے تفسیر صافی ومجمع میں منقول ہے کہ آپنے فرمایا کوئی ایسا شخص نہیں۔ جو سوتا ہو۔ مگر یہ کہ اسکا نفس (روح التمیز) آسمان کیطرف چلی جاتی ہے اور اُسکی روح (روح الحیوۃ) بدن میں رہتی ہے۔ اور ان دونوں میں مثل شعاع آفتاب کے تعلق باقی رہتا

ہے۔ پس اگر خدایتعالیٰ قبض روح کا حکم دیتا ہے۔ تو روح (روح الحیوۃ) نفس (روح التمیز) کی اجابت کرتی ہے۔ اور اگر روح کے واپس کردینے کا حکم دیتا ہے۔ تو نفس روح کی اجابت کرتا ہے۔ یہی مطلب ہے خدایتعالیٰ کے اس قول کا "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا" الخ

خلاصہ یہ کہ نیند اور موت کیحالت بظاہر ایک سی معلوم ہوتی ہے۔ تو گویا اسمیں یہ بھی تنبیہ ہے کہ جسطرح تم سونے کے بعد روزانہ جاگ اٹھتے ہو۔ اُسی طرح مرنے کے بعد جب حکم خدا ہوگا۔ تو جی اُٹھوگے کیونکہ جسطرح روح کا لوٹا دینا نیند کے بعد اُسکو ممکن ہے اسیطرح مرنے کے بعد بھی جسم میں اُسکا واپس کردینا ممکن ہے۔ پس کیوں انبیا علیہم السلام کے اس قول کی تکذیب کیجاتی ہے۔ جو وہ معاملہ بعث وحشر ونشر کو بیان کرتے ہیں۔ اور کیوں یہ کہا جاتا ہے۔ کیف یحیی العظام وھی رمیم۔

چوتھا فائدہ اس نیند اور نیند کیحالت میں خواب دیکھنے سے یہ ہے۔ جیسے حدیث میں فرمایا ہے کہ لم تکن الاحلام قبل وانما حدثت والعلۃ فی ذالک ان اللہ تعالیٰ بعث رسولا الی اھل زمانہ فدعاھم الی عبادۃ اللہ وطاعتہ فقالوا ان فعلنا ذالک فما لنا فقال ان اطعتمونی ادخلکم اللہ الجنۃ وان عصیتم ادخلکم النار فقالوا وما الجنۃ وما النار فوصف لھم ذالک فقالوا متی نصیر الی ذالک فقال اذا متم فقالوا لقد راینا امواتنا صاروا عظاما ورفاتا وازدادوا تکذیبا وبہ استخفافا فاحدث الاحلام فیھم فاتوہ واخبروا بما راو وما انکروا من ذالک فقال ان اللہ تعالیٰ اراد ان یحتج علیکم بھذا ھکذا تکون ارواحکم اذا متم وان بلیت ابدانکم تصیر الارواح الی عقاب حتی تبعث الابدان" (مجمع البحرین لغت حلم) خواب پہلے نہیں ہوا کرتے تھے۔ بلکہ یہ حادث ہوئے ہیں۔ اور سبب اسکا یہ ہوا۔ کہ خدایتعالیٰ نے ایک رسول کو اُنکے اہل زمانہ کیطرف بھیجا تو انھوں نے اپنے اہل زمانہ کو عبادت وطاعت خدایتعالیٰ کیطرف دعوت کی۔ وہ کہنے لگے۔ کہ اگر ہم یہ (عبادت) کریں تو ہمیں کیا ملیگا۔ رسول نے کہا اگر تم میری اطاعت کروگے۔ تو خدایتعالیٰ تمکو جنت میں داخل کریگا۔ اور اگر تم میری مخالفت کروگے۔ تو دوزخ میں ڈالیگا۔ وہ کہنے لگے جنت و دوزخ کیا چیز ہے؟ تو اس (رسول مبعوث) نے اُنسے اسے بیان کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم کب وہاں جائینگے۔ رسول نے کہا۔ جب مرو گے۔ کہنے لگے ہمنے تو اپنے مردوں کو دیکھا کہ وہ ہڈیاں بنکر ریزہ ریزہ ہوگئے۔ (اب کیونکر جنت یا دوزخ میں جائینگے) پھر تو اور زیادہ جھٹلانے اور اُن رسول کا استخفاف کرنے لگے۔ اسوقت اُنمیں خواب پیدا کیا گیا۔ تو رسول کے پاس آئے۔ اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا۔ اُسے بیان کیا۔ اور جس امر کا انکار کیا تھا۔ انمیں اُسے بھی بیان کیا پس رسول نے فرمایا۔ کہ خدایتعالےٰ نے چاہا ہے کہ اس سے تمہارے اوپر دلیل قائم کرے (یعنے جو تم جنت و دوزخ وعذاب وثواب کا انکار کرتے ہو اُسے تمہیں ثابت کرکے دکھادے) اسی طرح تمہاری روحیں مرنیکے بعد ہونگی جبکہ بدن زائل ہوجائینگے۔ تو

روحوں پر عذاب ہوگا - یہانتک کہ بدن دوبارہ پیدا کیا جائے"
حاصل یہ ہوا کہ جسطرح انسان خواب میں دیکھتا ہے - کہ مثلاً میں باغ میں ٹہل رہا ہوں اور
اُس سے پھلوں اور پھولوں کو سونگھ سونگھ کر لذت لے رہا ہوں - یا کسی بُرے مقام میں ہوں -
وہاں لوگ مجھ کو مار رہے ہیں - یا ڈرا رہے ہیں - اور اس سے روح کو سرور یا الم سونے کی حالت
میں پہنچتا ہے - جسکی کیفیت کو آدمی جاگنے کے بعد اپنی روح میں محسوس کرتا ہے - حالانکہ بدن کو
اُس سے کوئی ایذا بظاہر نہیں پہنچتی - گو اُس تعلق کیوجہ سے ایک عضو جسمی یعنی قلب پر اُسکا اثر ضرور
پڑتا ہے اُسی طرح مرنیکے بعد بھی روح پر عذاب ہوگا - یا اُسکو ثواب ملیگا جسکی لذت یا جسکی تکلیف
اُسے محسوس ہوگی - پس یہ نیند اور خواب دلیل ہیں اُن بیانات کی اور تصدیق ہیں اُن دعوٰوں کی جو
انبیاء اور اُنکے اوصیاء نے کئے - علیہم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ٭
لایخفی کہ آیت مذکورہ کے یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں - کہ خدا تعالیٰ کے وجود کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا
ہے رات اور دنمیں اور پھر نیند سے اُٹھ کر اُسکے فضل یعنی رزق کو حاصل کرنا ہے یعنی تمکو نیند میں
بھی ہم لیجاتے ہیں اور پھر جگاتے بھی ہیں کہ تم ہمارے فضل وعطایا کو حاصل کرو اور سمجھو کہ یہ بات
بغیر خالق حکیم کے ہرگز نہیں ہوسکتی !! واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ٭
پانچویں آیت - ومن اٰیاتہٖ یریکم البرق خوفاً وطمعاً وینزل من السماء ماءً
فیحیی بہ الارض بعد موتھا ان فی ذٰلک لاٰیات لقوم یعقلون ۞ ہے جسکی
معنی یہ ہوئے کہ اور خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمکو دکھلاتا ہے بجلی جس سے تمہیں خوف
وطمع دونوں عارض ہوتے ہیں - کبھی تو بجلی کی چمک دیکھ کر ڈر جاتے ہو اور کبھی تمہیں طمع ہوتی ہے
کہ اس کے ذریعے سے مینہ برسیگا - (چنانچہ عرب میں مشہور ہے کہ جب سو مرتبہ بجلی چمکتی ہے تو ضرور مینہ
برستا ہے) اور وہ آسمان سے مینہ برساتا ہے - پس اُس سے زمین کو بعد اُس کے مرجانیکے زندہ
کرتا ہے - بیشک اسمیں عاقل لوگوں کے واسطے کئی نشانیاں ہیں ٭
برق کی نسبت خواہ وہ قول تسلیم کیا جائے - جو محدود نظر والوں نے دریافت کرکے نہیں بلکہ
محض اپنے قیاس وخیال سے بیان کیا ہے - یعنی کہ بخارات آبی وخاکی جب زمین اور پانی سے اٹھکر
ہوا میں بلند ہوتے ہیں - اور ایک اُنمیں سے یعنی بخار آبی کرہ زمہریر تک پہنچکر ابر بنجاتا ہے - تو دوسرا
بخار خشک جو زمین سے اٹھا ہے - اور اُسمیں اجزائے دخانیہ بھی ہیں - اُس ابر تک پہنچنا چاہتا ہے
اور وہ بسبب بوجھل ہونیکے نیچے کیطرف آتا ہے اور ان دونوں بخاروں یعنی بخار ابر شدہ اور بخار
خشک دخانی میں تصادم اور مقاومت واقع ہوتی ہے - تو ہوا جو ان دونوں کے درمیان محبوس ہوتی
ہے - بسبب شرکت اجزائے دخانی کے جل اٹھتی ہے - اُسکے جلنے سے بخار دخانی میں شعلہ لگ جاتا
ہے - یا یہ کہ پہلے سے بخار دخانی اوپر متصاعد ہوگیا تھا - پھر نیچے اُسکے ابر ہوگیا اور وہ کرہ زمہریر کی

برودت سے کثیف و ثقیل ہو کر نیچے کیطرف مائل ہوا۔ اور ابر نے اُسے روکا اور اُسنے قوت سے ابر کو پھاڑنا چاہا۔ اس قوت و حرکت سے اُس بخار متقاتل میں آگ پیدا ہو گئی۔ اور ابر سے دکھائی دی وہ برق ہے۔ یا وہ قول تسلیم کیا جائے۔ جو آسمانی مخبروں نے بیان فرمایا ہے۔ جنپر وحی بھی آتی تھی۔ جنہیں الہام بھی ہوتا تھا۔ اور جو واقعی موجودات و کائنات کے حالات سے قرار واقعی مطلع تھے یعنی کہ البرق مخاریق الملائکۃ تضرب السحاب فتسوقہ الی الموضع الذی قدر اللہ فیہ المطر۔ بجلی فرشتوں کا کوڑا ہے۔ جس سے وہ سحاب کو مار کر اُس مقام کیطرف ہنکا لیجاتے ہیں جہاں مینہ برسنا خدا تعالیٰ نے مقدر کیا ہے۔ نیز دوسرے لفظوں میں جناب رسولخدا سے مروی ہے کہ آپسے کسی نے پوچھا کہ رعد کیا چیز ہے۔ تو آپنے فرمایا ملک موکل بالسحاب معہ مخاریق من نار یسوق بہا السحاب۔ رعد ایک فرشتہ ہے جو سحاب پر موکل ہے۔ اُس کے پاس آگ کے کوڑے یا ڈنڈے ہوتے ہیں جنسے وہ سحاب کو ہنکاتا ہے۔ اور ابن عباس سے مروی ہے جو شاگرد علی بن ابیطالب علیہ السلام کے تھے۔ الرعد ملک اسمہ الرعد وھو الذی یسمع صوتہ والبرق سوط من نور یزجر بہ السحاب" جسکا حاصل وہی ہے جو سابق میں مذکور ہوا۔ بہرصورت اسکے آیت وجود و قدرت خداوندی ہونیمیں کوئی شبہ نہیں۔ اگر وہ ہے جو دنیاوی حکما نے بیان کیا ہے۔ تب بھی یہ عجیب بات کیونکر پیدا ہوئی۔ کہ ابر کے اندر آگ لگے جسمیں پانی ہی پانی بھرا ہوا ہے۔ بلکہ خود ہمہ تن پانی ہے۔ آگ اور پانی کا اجتماع سوائے ایک اقدر القادرین کی قدرت کے کسطرح ممکن ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ ہے جسے الہی حکمانے بیان کیا ہے۔ تو اسمیں صاف دلیل موجود ہے کہ ابر کیواسطے ایک خاص قانون مقرر کرنا کہ اُسپر ایک ابر موکل رہے اور اُسے خاص خاص مقامات پر پہنچایا کرے۔ جہاں پانی برسنا مقدر ہو چکا ہے۔ تاکہ ہر ایک ملک و شہر کے آدمی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ سوائے ارحم الراحمین اور رؤف الجبار کے جو حکیم و قادر بھی ہو۔ کس سے ممکن ہے؟ اس آیت میں بھی خداتعالےٰ نے کئی نشانیاں بیان فرمائیں۔ ایک برق کا پیدا کرنا ابر سے دوسرے بخارات کو پانی بناکر برسانا تیسرے مُردہ زمین کو زندہ کرنا۔ جن میں سے ہر ایک نشانی دلیل ربوبیۃ ہونے کے لئے کافی ہے۔

رہی قید عاقل ہونیکی جو آیت میں مذکور ہے یعنی کہ "یہ چیزیں عاقلوں کے واسطے نشانیاں ہیں" اسکی وجہ یہ ہے کہ کسی امر کا سمجھنا۔ اُسمیں غور کرنا۔ اپنے غور سے فائدہ اٹھانا چونکہ عاقلوں ہی کا کام ہے نہ کہ بےعقلوں کا۔ کیونکہ بسبب کم عقلی کے اُس سے محروم ہیں۔ لہذا ضرورت اس قید کی واقع ہوئی

چھٹی آیت۔ ومن آیاتہ ان تقوم السماء والارض بامرہ ثم اذا دعاکم دعوۃ من الارض اذا انتم تخرجون ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ اور اُسکی نشانیوں میں سے

آسمان اور زمین کا اُسکے حکم سے قائم رہنا ہے۔ پھر جس وقت تمکو پکاریگا زمین سے ناگاہ تم لوگ نکل پڑوگے" یعنی اُسکے وجود کے دلائل میں سے یہ بھی ہے۔ کہ اتنا بڑا آسمان باوجود اس جسامت و عرض و طول کے اور اتنی بڑی وزنی زمین باوجود اس وسعت و گرانباری کے بغیر کسی ستون و عمود اور بغیر کسی بندش کے قائم ہے۔ ایک چھوٹا سا خیمہ جب نصب کیا جاتا ہے۔ تو اُسکے واسطے کتنی رسیاں۔ کتنی مینخیں۔ کتنے اور مدات درکار ہوتے ہیں۔ لیکن آسمان کے خیمہ کے واسطے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ کیا بغیر کسی قادر مطلق کی صنعت کے ایسا ہو گیا ہے؟

امر سے مراد یا حکم ہے۔ جیساکہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے انما امرنا لشئ اذا اردناہ ان تقول لہ کن فیکون" ہمارا حکم کسی چیز کے لئے جبکہ ہم اسکا ارادہ کرتے ہیں۔ تو یہ ہے کہ کہدیتے ہیں "ہو جاؤ" پس وہ ہو جاتی ہے۔ اور یا مراد امر سے فعل اور امساک ہے۔ یعنی ہمارے عمل اور ہمارے روکے رہنے سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ اور اسصورت میں امر کا لفظ زیادہ بلیغ فی المطلب ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں زیادہ اقتدار معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی کہتا ہے۔ فلان امر فکان۔ فلاں شخص نے حکم دیا اور ایسا ہو گیا۔ یا اراد فکان یعنی ارادہ کیا اور ایسا ہو گیا۔ تو یہ کلام بہ نسبت فعل فکان (یعنی اپنے ہاتھ سے کیا تو ایسا ہو گیا) سے زیادہ اقتدار اُس کام پر ظاہر کرتا ہے۔

بامرہ تک تو خدا تعالےٰ نے اپنے وجود و قدرت و حکمت و کمال صنعت و علم کے دلائل بیان فرمائے اُسکے بعد اُس آخری معاملہ کیطرف بھی اشارہ کر دیا جسکا ہونا ضروری اور لابدی ہے یعنی قیامت کا دن اور اسمیں بھی اپنی قدرت بیان فرمادی کہ جب بالکل سڑ گل کر بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکے ہوگے اسوقت ہم (یعنی ہمارا فرشتہ اسرافیل) تمکو پکاریگے۔ تو ناگاہ تم قبروں سے ہمارے حکم پر نکل ہی پڑوگے اور میدان حشر کیطرف حساب و کتاب کی غرض سے روانہ ہو جاؤگے۔

یہ وہی عظیم الشان امر ہے۔ جسپر دنیا کے تمام نیک و بد امور و اصلاح تمدن و بقائے تمدن اور اصلاح اخلاق اور نظام عالم موقوف ہے۔ ایک اسی دن کے ہونے کا تمام عالم کے دلوں میں مختلف صورتوں سے خیال ہے۔ جس سے انکو اپنے اخلاق کی اصلاح اور تمدن کے ابقا پر توجہ کرنی پڑتی ہے۔ ورنہ اگر قیامت کے وقوع کا خیال اُٹھ جائے۔ اور کسی کو یہ خیال نہ ہو۔ کہ ہمیں نیک کاموں کا معاوضہ ملیگا۔ اور بُرے کاموں کی سزا حاصل ہوگی۔ اگر ہم بد اخلاق ہونگے تو ہمارا پیدا کرنیوالا ایک روز ہمیں زندہ کرکے سخت سزا و عذاب میں مبتلا کریگا۔ اگر ہم نیک اخلاق ہونگے تو وہ ہمکو راحت کے اسباب دیگا۔ تو ہرگز کسی کو ضرورت نہ معلوم ہوتی۔ کہ وہ مصیبتوں سے بچے۔ اور اعمال حسنہ کیطرف متوجہ ہو کیونکہ اُسے تو صرف یہی خیال ہے کہ جو کچھ کرنا ہے آج ہی کر لو۔ یہی ایک زندگی ہے اسی میں جاہو تو اب حاصل کر لو۔ خواہ تکالیف اُٹھاؤ۔ تو کیوں وہ بلا ضرورت لذات سے پرہیز کرتا جسمیں کوئی اخلاقی خرابی۔ یا تباہی تمدن ہے اور اُسے کیا ضرورت پڑی ہوتی۔ کہ وہ خواہ مخواہ عبادت میں سے اپنے جسم میں تکلیف

پہنچاتا۔ اور کیوں وہ کسی سے نیکی کرتا۔ اور کیوں تنہائی میں جبکہ کسی غیر آدمی کے دیکھنے کا خیال نہ ہوتا تو وہ زنا سے یا شراب خواری یا سرقہ سے باز رہتا۔ اُسی دن کا خیال تو اُسے روک رہا ہے اور گناہوں سے اُسکو بچاتا اور نیک کاموں کی طرف متوجہ کرتا ہے ؛

اور اسکا ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جب ثابت ہو گیا کہ کوئی نہ کوئی عالم کا خالق ضرور ہے اور اُسی نے ہر عاقل و غیر عاقل کو پیدا کیا ہے۔ تو کوئی نہ کوئی غرض بھی اُسکی ضرور ہوگی۔ کیونکہ بلا فائدہ اور بلا غرض کوئی کام کرنا خلاف عقل ہے۔ حالانکہ ہم اُسکے تمام کاموں کو مطابق عقل پاتے ہیں۔ تو کیونکر سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ عالم کا پیدا کرنا بلا فائدہ و غرض ہے۔ اور جب کوئی غرض ہوئی۔ تو ضرور اُس کے پورا ہونے پر وہ راضی ہوگا۔ اور اُس کے نہ پورا ہونے پر ناراض ہوگا۔ اور جب اُس نے اتنا بڑا عالم بنایا ہے۔ تو ضرور اسکے لیے کوئی قانون بھی مقرر کیا ہوگا۔ جسکے نفاذ میں اُسکی خوشی ہوگی۔ اور عدم نفاذ میں ناخوشی۔ اور جب ایسا ہوا۔ تو یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی خاص دن اس رضامندی اور ناراضی کے ظاہر ہونے کا بھی ہو۔ تاکہ معلوم ہو۔ کہ کسنے اُسکے اغراض خلقت اور قوانین تمدن کو پورا کیا۔ اور کس نے نہ کیا۔ کس نے اُسکی اطاعت کی اور کس نے اُسکی مخالفت۔ اور تاکہ اسپر جو سزا یا جزا مترتب ہونیوالی ہو۔ اُسکا اجرا اُس روز کیا جائے۔ جس سے اُسکا عدل قائم رہے ؛

پس لامحالہ خدا کے وجود کے ماننے اور اُسکے ایجاد و خلق کے تسلیم کرنیکے بعد اس روز کا ماننا بھی لازم ہے۔ اور چونکہ اُس دن کا ہونا ضروری اور لابدی ہے۔ تو خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں بہت سے مقامات پر اسکا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور لوگوں کو اُس دن کے آنیسے متنبہ کیا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ لوگ بے پروا ہو کر غرض الٰہی کو جو خلقت عالم میں ہے پورا نہ کریں اور لہو و لعب میں پڑکر اس معنی کو کہ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (یعنے جن و انس کو نہیں پیدا کیا ہے مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں) بھول جائیں۔ تو نظام عالم میں خلل پڑ جائے۔ جو ہرگز اُسے پسند نہیں ہے۔ تو کہیں اسطرح فرمایا و نفخ فی الصور ذالک یوم الوعید و جاءت کل نفس معہا سائق و شہید۔ اور صور پھونکا گیا۔ یہی وہ دن ہے جس سے تمکو ڈرایا گیا تھا۔ کہ (ایک روز تملوگونکے لیے حساب و کتاب اور سزا و جزا کا ضرور ہوگا) اور ہر شخص آیا (یعنی آئیگا اسطرح کہ) اُسکے ساتھ ایک کھینچنے والا اور گواہ ہے (یعنی ہوگا) کہیں فرمایا یوم یسمعون الصیحۃ بالحق ذالک یوم الخروج جسدن کہ لوگ سنینگے چیخ (صور اسرافیل کی) سچوٹ ہونیکی (یا یہ کہ یقیناً سنینگے) وہی (قبروں سے) نکلنے کا دن ہے۔ انا نحن نحیی و نمیت و الینا المصیر۔ بیشک ہم ہی زندہ کرتے اور مار ڈالتے ہیں۔ اور ہماری ہی طرف بازگشت ہے یوم تشقق الارض عنہم سراعا ذالک حشر علینا یسیر۔ جس دن کہ شق ہوگی اُن سے زمین۔ درحالیکہ لوگ بھاگتے ہوئے اور جلدی

کرتے ہوئے ہونگے۔ یہی حشر ہے جو ہمارے نزدیک آسان ہے۔ اور کہیں فرمایا ہے۔ ما ینظرون
الا صیحۃ واحدۃ تاخذھم وھم یخصمون۔ فلا یستطیعون توصیۃ ولا الی
اھلھم یرجعون قالوا یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا ھذا ما وعد الرحمان و
صدق المرسلون۔ ان کانت الا صیحۃ واحدۃ فاذا ھم جمیع لدینا محضرون
نہ انتظار کرتے ہیں یہ لوگ مگر ایک بلند آواز کا (صور کا پھنکنا مراد ہے) جو انہیں پکڑ لیگا ایسی حالت
میں کہ وہ اپنے کاروبار میں جھگڑ رہے ہونگے "یعنی یکبیک یہ دن آجائیگا۔ جبکہ صور پھونکا جائیگا"
پس نہ تو وصیت ہی کرسکینگے اور نہ اپنے اہل وعیال کیطرف واپس آسکینگے۔ پھر فرمایا کہ جب قیامت
کے دن قبروں سے زندہ ہوکر اُٹھینگے۔ تو یہ مُردے کہینگے کہ ہمیں کس نے ہماری قبروں سے اٹھایا۔
یہ تو وہی ہے جسکا وعدہ خدا نے کیا تھا اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا" ایک ہی چیخ ہوگی۔ پس سبکے
سب ہمارے سامنے حاضر ہوجائینگے ۔

پھر اسکا نتیجہ بھی ظاہر کردیا کہ اُسدن کیا ہوگا کہیں یہ فرمادیا ینبؤ الانسان یومئذ بما
قدم واخر۔ اسدن آدمی کو بتادیا جائیگا۔ جو اُسنے احکام خدا میں آگے پیچھے کیا ہے کہیں یہ فرمایا
یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالھم۔ اُس دن لوگ متفرق طور پر آئینگے
تاکہ اُنکے اعمال اُنہیں دکھادیے جائیں۔ کہیں فرمایا وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ
ووجوہ یومئذ باسرۃ تظن ان یفعل بھا فاقرۃ (سورہ قیامت) کچھ لوگونکے چہرے تو ترو
تازہ ہونگے۔ اپنے پروردگار کی رحمت کو دیکھتے ہونگے۔ اور کچھ لوگونکے چہرے متغیر ہونگے کیونکہ
اُنہیں اپنی بداعمالی کیوجہ سے یقین ہوگا۔ کہ سخت سزا پائینگے۔ کہیں یہ فرمادیا فیومئذ لا یسئل
عن ذنبہ انس ولا جان فبای الاء ربکما تکذبان۔ یعرف المجرمون بسیماھم
فیؤخذ بالنواصی والاقدام۔ فبای الاء ربکما تکذبان۔ پس اُس روز اپنے گناہ
سے انسان اور جن نہ پوچھے جائینگے۔ (بلکہ بے پرسش جہنم میں داخل کیے جائینگے۔ پس اے جن وانس
تم خداتعالیٰ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ گناہگار لوگ اپنی پیشانیوں سے پہچان لیے جائینگے پس
سر اور پاؤں سے پکڑے جائینگے۔ یعنی گلے میں طوق ہوگا۔ اور پاؤں میں زنجیریں۔ پس اے جن وانس
تم کن کن نعمتوں خدا کی جھٹلاتے رہوگے۔ کہیں یہ فرمادیا ان المجرمین فی ضلال وسعر یوم یسحبون
فی النار علی وجوھھم ذوقوا مس سقر۔ بیشک گناہگار لوگ ہلاکی ضلالت اور دہکتی ہوئی
آگ میں ہونگے۔ جبدن کہ منہ کے بل کھینچے جائینگے (اور اُن سے کہا جائیگا کہ) دوزخ کا مزا چکھو
اور کہیں یہ فرمادیا ان المتقین فی جنات ونھر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر
بلاشک پرہیزگار لوگ باغوں میں اور نہروں میں ہونگے۔ یعنے اُنکے سامنے نہریں جاری ہونگی۔

نشستگاہ صحیح میں ہونگے اپنے قادر بادشاہ (خداتعالیٰ) کے پاس۔) جسکا حاصل یہ ہوا۔ کہ نافرمانوں کو سخت سزائیں ملینگی اور فرمانبردار انکو سرور بہت کچھ آرام پہنچایا جائیگا۔ اور طرح طرح کی نعمتوں سے انکو کامیاب کیا جائیگا۔

ازبسکہ یہ موقع اس مضمون کو وسعت سے لکھنے کا نہیں ہے اسلیئے اسیقدر پر اکتفا کیجاتی ہے ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

ساتویں آیت۔ ولہ من فی السماوات والارض کل لہ قانتون۔ اور اسی کیلیئے ہے۔ یعنی اسی کے ہیں جو لوگ از قسم ملائکہ و روحانیات و جن و انس و نجوم و کواکب و حیوانات و نباتات و جمادات ہیں۔ (بر سبیل تغلیب سب پر من کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور نیز بلحاظ قانتون کے بھی) رب کے سب اُس کے مطیع و فرمانبردار ہیں کہ جو کچھ اُس نے حکم دیا ہے۔ اُسی کے مطابق عامل ہیں اگر پیدا ہونے کا حکم دیتا ہے۔ تو پیدا ہو جاتے ہیں۔ زندہ رہنے کا حکم دیتا ہے تو زندہ رہتے ہیں۔ مرجانے کا حکم دیتا ہے تو مرجاتے ہیں۔ جب محشور ہونیکا حکم دیگا تو سب کے سب اپنے اپنے مقامات سے خواہ قبروں میں ہوں یا اوکار طیور میں بطون سباع میں ہوں۔ یا شعاب جبال میں اور خواہ قعور بحار میں نکل نکل کر میدان حشر کیطرف روانہ ہونگے اور سوال جواب و حساب و کتاب کے بعد داخل جنت یا دوزخ ہونگے اللھم قد سبقت رحمتک غضبک فارحمنا برحمتک و ادخلنا فی جنتک مع عبادک الصالحین وصل علی محمد و آلہ الطاہرین۔

دوسرا باب توحید خداتعالیٰ میں

جسطرح مذاہب عالم کی کتابیں شرک کا سبق تعلیم کرتی ہیں۔ مثلاً کتاب انجیل محرف حضرت عیسیٰ پیغامبر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتاتی ہے۔ یا پارسیوں کی کتاب نور و ظلمت کو خالق العالم تسلیم کراتی ہے یا ہندوؤں کے وید مادہ اور روح کو خداتعالیٰ کے ساتھ قدیم اور واجب الوجود بتلاتے ہیں۔ اُسی طرح مسلمانوں کی کتاب مقدس یعنی قرآن اُن کتابوں کے برخلاف توحید کا سبق سکھاتی ہے اور ایسی پختہ توحید جس سے بہتر توحید بیان ہی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ سورہ اخلاص میں فرماتا ہے۔ قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔ ان آیتوں میں قرآن مجید نے ہر قسم کی توحید بیان کردی ہے۔ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے۔ کہ وہ ایسا احدی الذات ہے کہ اُسمیں کسی قسم کے اجزائے ترکیبیہ یا تحلیلیہ بھی نہیں ہیں۔ اور ایسا یکتا ہے کہ اُسکو کسی معین و مددگار کی بھی ضرورت نہیں ہے اور ایسا متفرد ہے کہ اُسکی اولاد بھی نہیں ہے۔ اور ایسا یکتا ہے کہ اُس کیلیئے ماں باپ بھی نہیں ہیں۔ اور ایسا متوحد ہے کہ اُسکا کوئی ہمسر نہیں۔ خواہ زوجہ ہو اور خواہ کوئی اور ہو۔

قُل کہدے اے رسول اُن لوگوں سے جو تجھ سے کہتے ہیں کہ انسب لنا ربک اپنے رب کا نام و نسب بیان کرو۔ یا جو کہتے ہیں کہ صف لنا ام من ذہب ھو ام من فضۃ ام من حدید ام من خشب ہم سے بیان کرے محمد کہ تیرا پروردگار سونے کا ہے یا چاندی کا۔ لوہے کا ہے یا لکڑی کا۔ یا جو یہ کہتے ہیں کہ توریت میں توصفات پروردگار مذکور ہیں۔ ذرا تم بھی تو اے محمدؐ اپنے پروردگار کی صفات بیان کرو۔ تاکہ ہم ان دونوں میں تمیز کرکے ایمان لا سکیں۔

ھو اللہ احد وہ معبود برحق یکتا ہے نہ اُسکا کوئی شریک ہے نہ نظیر۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپنے فرمایا کہ ھُوَ اسم کنایہ کردہ شدہ ہے۔ اور اس سے ایک غائب کیطرف اشارہ کیا گیا ہے پس ھُوَ میں جو حرف ھا ہے۔ اُس سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ ذات احدیۃ قائم و ثابت ہے اور و سے اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ وہ حاسوں سے محسوس نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ تمہارا لفظ ھذا اشارہ ہے۔ اسی کی طرف جو حاسوں سے محسوس ہو (اسیطرح ہو اشارہ ہے اُسکی طرف جو حاسوں سے محسوس نہ ہو سکے) اور اس لفظ کے اشارہ فرمانے کا سبب یہ ہے کہ کفار اپنے بتونکو اُس لفظ سے اشارہ کرتے تھے۔ جو محسوس و مشاہدہ کیواسطے بنایا گیا ہے (یعنی ہذا یا ہذہ) تو کہتے تھے۔ ھذہ الھتنا پس یہ ہیں ہمارے معبود جو مشاہدہ میں آتے ہیں۔ اور آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں فاشر انت یا محمد الی الھک الذی تدعو الیہ حتی نراہ و ندرکہ ولا نالہ فیہ تو اے محمدؐ تم بھی اپنے اُس معبود کو اشارہ سے بتادو جکی طرف تم لوگونکو دعوت کرتے ہو۔ تاکہ ہم اُسے دیکھ لیں اور ادراک کرلیں۔ اور اُسکی بابت حیران نرہیں۔ (جیسے اب بغیر اُسکے دیکھنے کے حیران ہیں کہ آخر ہم اُسکو کیسا سمجھیں) تو خداتعالیٰ نے یہ نازل فرمایا کہ قل ھو اللہ احد۔ پس حرف ھا وجود ثابت کو ظاہر کرتا ہے اور واو سے مراد غائب عن درک الابصار و لمس الحواس ہے۔ یعنی نہ اُسے آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ اُسے حواس ظاہرہ ادراک کر سکتے ہیں۔ بلکہ وہ خود مدرک الابصار یعنی آنکھونکا ادراک کرنیوالا۔ اور مبدع الحواس یعنی حواس کا پیدا کرنیوالا ہے۔ (حضرت فرماتے ہیں کہ) میرے پدر بزرگوار نے روایت کی ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام سے کہ میں نے خضر (علیہ السلام) کو خواب میں دیکھا۔ جنگ بدر سے ایک شب پہلے تو میں نے اُنسے کہا کہ کوئی چیز ایسی آپ مجھے تعلیم کریں۔ جس سے میں دشمنوں پر فتحمند ہوں۔ تو فرمایا (حضرت خضر نے) کہ کہو یا ھو یا من لا ھو الا ھو۔ پس جب صبح ہوئی تو اس قصہ کو جناب رسالتمآبؐ سے میں نے بیان کیا۔ آپنے فرمایا یا علیؑ تمہیں تو اسم اعظم تعلیم کیا گیا ہے اور یہ کلمہ میری زبان پر جنگ بدر کے دن جاری ہوا تھا۔ ایک مرتبہ امیر المومنین علیہ السلام نے قل ھو اللہ احد پڑھا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا یا ھو یا من لا ھو الا ھو اغفر لی وانصرنی علی القوم الکافرین۔ اور یہی کلام آپ جنگ صفین کے دن بھی کہتے تھے۔ تو عمار بن یاسر نے عرض کی کہ یا امیر المومنین یہ کیا کنایات ہیں۔ آپنے فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ اور اے عمار توحید خداتعالیٰ

ہے لا الٰہ الا ھو۔ اُسکے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ پھر آپؑ نے آیہ شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو اور سورہ حشر کے
آخری آیات تلاوت فرمائے پھر گھوڑے سے اتر کر قبل زوال کے چار رکعتیں پڑھیں" (امام محمد باقر علیہ السلام
فرماتے ہیں کہ) امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے اللہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا معبود ہے کہ یالہ فیہ الخلق
ویولہ الیہ جسکے معاملہ میں مخلوق حیران ہے اور اسیطرف احتیاج لیجاتی ہے۔ اور اللہ کے معنی یہ
بھی ہیں کہ وہ آنکھوں کی بینائی سے مستور و مخفی ہے (یعنی اُسکو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔) اور وہموں
اور خطروں سے چھپا ہوا ہے۔ یعنی وہم و خیال اُس تک نہیں پہنچ سکتے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں
کہ اللہ کے معنی یہ ہیں کہ مخلوقات اُسکی ماہیت کے دریافت کرنے اور اُسکی کیفیت کے معلوم کرنے سے عاجز
ہے۔ عرب کا مقولہ ہے۔ کہ اَلِہَ الرَّجُل جبکہ کوئی شخص کسی چیز کی بارے میں حیران رہجاتا ہے۔ اور اسکا علم
حاصل نہیں کر سکتا۔ اور وَلِہَ الرجل بھی اُس موقع پر بولتے ہیں، جبکہ کوئی شخص کسی طرف پناہ لیجائے
کسی خوفناک شے سے (مطلب یہ ہوا کہ لفظ اللہ مشتق ہے اَلِہَ یا وَلِہَ سے جسکے معنی حیران ہونے یا محتاج
ہونیکے ہیں۔ چونکہ انسان ذات خدا تعالیٰ کی پوری پوری معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ اور اس معاملہ میں
حیران ہے۔ اسوجہ سے خدا تعالیٰ کو اللہ کہتے ہیں۔ یا اس سبب سے کہ احتیاج کے وقت اُسی کے سامنے اپنی
حاجت پیش کرتے ہیں۔ پس اِلٰہ وہ ہے جو خلق کے حاسوں سے مخفی ہے (یعنی اُسکو انسانی حواس محسوس
نہیں کر سکتے۔ نہ وہ جسم و رنگ ہے۔ جسے آنکھ سے دیکھ سکیں۔ اور نہ وہ از قسم خوشبو ہے جسے ناک
سے سونگھ سکیں۔ نہ وہ آواز ہے۔ جسے کان سے سُن سکیں۔ اور نہ وہ مطعوم ہے جسے چکھ کر معلوم کر سکیں
نہ وہ ایسی چیز ہے جسے حاسہ لامسہ سے چھو کر محسوس کر سکیں)

(آپؑ نے فرمایا) اَحَد کے معنی فرد متفرد کے ہیں (یعنی اکیلا اور یکتا)۔ احد اور واحد کے ایک ہی
معنی ہیں۔ یعنی وہ ایسا متفرد ہے کہ اُسکی کوئی نظیر نہیں۔

توحید صدوق اور امالی سے توحید بحار میں منقول ہے کہ مقدام بن شریح بن ہانی نے اپنے باپ سے
روایت کی ہے کہ اِنَّ اعرابیا قام یوم الجمل الی امیر المومنین علیہ السلام فقال یا
امیر المومنین اتقول اِنَّ اللہ واحد قال فحمل الناس علیہ وقالوا یا اعرابی
اما تری ما فیہ امیر المومنین علیہ السلام من تقسم القلب فقال امیر المومنین
دعوہ فان الذی یریدہ الاعرابی ھو الذی نریدہ من القوم ثم قال یا اعرابی
ان القول فی ان اللہ واحد علی اربعۃ اقسام فوجہان منہا لا یجوزان علی
اللہ عزوجل ووجہان یثبتان فیہ فاما اللذان لا یجوزان علیہ فقول القائل
واحد یقصد بہ باب الاعداد فھذا ما لا یجوز لان ما لا ثانی لہ لا یدخل فی باب
الاعداد اما تری انہ کفر من قال انہ ثالث ثلثۃ وقول القائل ھو واحد من
الناس یرید بہ النوع من الجنس فھذا ما لا یجوز لانہ تشبیہ وجل ربنا وتعالی

عن ذالک و اما الوجهان اللذان یثبتان فیہ فقول القائل ھو واحد لیس لہ فی الاشیاء شبہ کذالک ربنا و قول القائل انہ عزوجل احدی المعنی یعنی بہ انہ لاینقسم فی وجود ولا عقل ولا وھم کذالک ربنا عزوجل۔ ایک اعرابی جنگ جمل کے دن امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے اُٹھ کھڑا ہوا اور عرض کی کہ یا امیر المومنین علیہ السلام کیا آپ کہتے ہیں کہ "اللہ واحد ہے"۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سنکر لوگوں نے اُسپر حملہ کیا۔ اور کہا کہ اے اعرابی (جنگلی آدمی) کیا تو دیکھتا نہیں کہ امیر المومنین اسوقت (لڑائی کیوجہ سے) متردد ہیں" آپ نے فرمایا تم لوگ اس اعرابی کو چھوڑ دو۔ (جو پوچھنا چاہتا ہے۔ اُسے پوچھنے دو۔) کیونکہ جو بات یہ چاہتا ہے۔ یعنی معرفت خدایتعالیٰ حاصل کرنی۔ وہی تو ہم اس قوم (ہمراہیاں بی بی عائشہ) سے چاہتے ہیں۔ (کیونکہ ابھی تک ان لوگونکا اسلام ہی درست نہیں ہے اور توحید خدا پر انکو پورا یقین نہیں ہوا ہے۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو انکو رسول کی معرفت ہوتی اور اُسکے سچے جانشین کو پہچانتے اور مانتے۔ حالانکہ ابھی تک یہ لوگ راہ حق سے برگشتہ ہیں)۔ پھر آپنے فرمایا کہ اے اعرابی اللہ واحد (خدا ایک ہے) کہنے کے چار معنی ہو سکتے ہیں۔ اُنمیں سے دو تو خدایتعالیٰ کی ذات پر صادق نہیں آتے (یعنی ان دو معنوں سے خُدا کو واحد نہیں کہہ سکتی) اور دو معنی اُسکی ذات کے لئے ثابت ہیں۔ لیکن وہ دو معنی جو اُسکے لئے جائز نہیں ہیں۔ انمیں سے ایک یہ ہے کہ کوئی کہے اللہ واحد ہے اور اس سے مراد لے کہ وہ بہت سے خداؤں کا ایک خدا ہے (جیسے مثلاً لات جو ایک بت تھا اور عربوں کے زعم میں اُنکا خدا بھی تھا۔ اور وہ بہت سے خداؤنمیں کا ایک خدا تھا۔ کیونکہ انکے تین سو سے زیادہ خدا تھے۔ جو لکڑی پتھر لوہے تانبے سونے وغیرہ کے بنے ہوئے خانہ کعبہ کی چھت پر بیٹھے رہتے تھے) پس یہ تو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جس کا ثانی ہی نہیں۔ وہ باب اعداد میں داخل نہیں ہو سکتا (یعنی کئی ہیں کا ایک تو اسوقت کہنا صحیح ہو سکتا ہے۔ جبکہ اُس قسم کے کئی شخص یا کئی چیزیں ہوں حالانکہ خدایتعالیٰ کے مانند کوئی دوسرا ایک بھی خدا نہیں چہ جائیکہ کئی خدا۔ تو پھر کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ اُسکو واحد من الاحاد (یا کئی خداؤنمیں کا ایک خدا کہا جا سکے۔) کیا تم دیکھتے نہیں۔ کہ جو لوگ خدایتعالیٰ کو تین میں کا تیسرا کہتے تھے۔ (جیسے عیسائی لوگ کہ اُنکے نزدیک قدیم و واجب الوجود تین چیزیں ہیں۔ خدا۔ روح القدس اور عیسےٰؑ) وہ کافر کہے گئے۔ اور (دوسرے) کسی کا یہ کہنا کہ واحد من الناس ہے۔ جس سے مراد اُسکی یہ ہو کہ وہ کسی جنس کی ایک نوع ہے (جیسے انسان ایک نوع ہے حیوان کی) تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ یہ تشبیہ ہے۔ اور خدایتعالیٰ مشابہت خلق سے برتر ہے۔ (یعنی جب اُسکو ہم یہ کہینگے کہ وہ بھی کسی جنس کی نوع کا ایک حصہ یا اسکی کوئی فرد ہے۔ جیسے اور ممکنات میں ہم دیکھتے ہیں۔ تو اُسکو مشابہت لازم آئیگی ممکنات سے حالانکہ واجب الوجود ہے۔ اور وہ دو معنی جو اُسکی ذات کیلئے صحیح ہیں۔ پس ایک یہ کہ اللہ واحد (خدا ایک ہے) سے یہ مراد بھی ہے۔ وہ ایسا اکیلا اور یکتا ہے کہ کوئی شئے اُسکی نظیر و شبیہ نہیں (اللہ دوسرے

یہ کہ (واحد سے مراد) احدی المعنی ہو۔ اور اس سے یہ مراد ہو کہ نہ تو اُسکی تقسیم وجود میں ہو سکتی ہے نہ عقل میں اور نہ وہم میں۔ (یعنی واحد سے یہ مطلب لیا جائے) تب بھی صحیح ہے کہ وہ ایسا یکتا ہے کہ اُسمیں کسی قسم کے اجزا نہیں۔ نہ اجزاء عقلیہ ہیں۔ اور نہ اجزاء خارجیہ جن سے مل کے وہ مرکب ہُوا ہو بلکہ وہ بسیط مطلق ہے اُسمیں کسی قسم کی ترکیب نہیں) اسی طرح کا ہمارا پروردگار عزوجل ہے ۔

حاصل یہ کہ اللہ احد کے یہ معنی ہیں۔ کہ وہ ایسا معبود برحق بے نظیر و بے مانند ہے۔ کہ اُسکی ماہیت وحقیقت کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ بلکہ خلق اُسکی ماہیت کے معلوم کرنے سے حیران ہے اور اُسی کیطرف حاجتوں میں پناہ لیجاتے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ جب احد اور واحد کے ایک ہی معنی ہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے "احد" کیوں فرمایا واحد کیوں نہ کہا؟ اسکا سبب یہ ہے کہ لفظ واحد کبھی اعداد میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اسمیں اختلاف بھی ہے لیکن لفظ احد ایسے یکتائی کے معنی دیتا ہے۔ جو شمار اعداد میں داخل ہی نہیں۔ تو از بسکہ خدا تعالیٰ من جمیع الوجوہ واحد ہے۔ اُسمیں دوئی کی بالکل بو بھی نہیں۔ اور عدد سے اُسکو کوئی تعلق نہیں اسلئے اَحَدٌ فرمایا۔ واحد نہ فرمایا۔ گویا اس سے کمال توحید حقیقی کا بیان مقصود ہے۔ واللہ العالم۔

اَللّٰہُ الصَّمَدُ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے میرے پدر بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار حسین بن علی سے روایت کی کہ صمد اُسے کہتے ہیں جسمیں جوف نہ ہو (اس لحاظ سے اللہ الصمد کے یہ معنی ہونگے کہ اللہ تعالےٰ بسیط حقیقی ہے۔ اس میں اجزاء ترکیبیا ور تحلیلیہ کا وجود نہیں) اور صمد اُسے بھی کہتے ہیں جسکی سرداری انتہا کو پہنچی ہو۔ اور صمد اسے بھی کہتے ہیں جو نہ کھائے نہ پئے۔ اور صمد اسے بھی کہتے ہیں جو نہ سوئے۔ اور صمد اسے بھی کہتے ہیں جو دائم و باقی ہو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔ نیز حضرتؑ نے فرمایا کہ محمد بن حنفیہ فرمایا کرتے تھے کہ صمد قائم بنفسہ غنی عن غیرہ (جو بغیر کسی کی مدد یا ایجاد کے موجود و قائم ہو اور اُسے کسی کی احتیاج نہ ہو) کو کہتے ہیں۔ نیز حضرتؑ نے فرمایا الصمد السید المطاع الذی لیس فوقہ اٰمر و لا ناہٍ۔ صمد اس سردار اطاعت کردہ شدہ کو کہتے ہیں جس سے بالادست کوئی حاکم نہ ہو نیز آپؑ نے فرمایا کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے کسی نے صمد کے معنی دریافت کئے تو آپؑ نے فرمایا الصمد الذی لا شریک لہ ولا یؤدہ حفظ شئ ولا یعزب عنہ شئ۔ صمد وہ ہے جسکا کوئی شریک نہ ہو۔ اور نہ اُسے کسی شئے کی حفاظت عاجز کرتی ہو۔ اور نہ اُس سے کوئی شئے مخفی ہو۔

وہب بن وہب قرشی راوی ہے کہ زید بن علی علیہ السلام نے فرمایا الصمد الذی اذا اراد شیئا قال لہ کن فیکون۔ صمد وہ ہے۔ جس نے جسوقت کسی چیز کا ارادہ کیا اُس سے کہہ دیا کہ ہو جا بس وہ ہو گئی۔ اور صمد وہ بھی ہے۔ جس نے اشیاء کا ابداع فرمایا اور اُنکو مختلف المواد اور مختلف الاشکال فرد و زوج پیدا کیا۔ اور خود منفرد بالوحدہ رہا۔ کہ نہ اُسکی کوئی ضد ہو۔ نہ شکل اور نہ کوئی مثل و ہمسر۔ نیز

وہب بن وہب قرشی راوی ہے کہ مجھ سے جناب صادقؑ آل محمدؐ نے اپنے پدر بزرگوار باقر علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ کہ اہل بصرہ نے امام حسین علیہ السلام کو ایک خط لکھا۔ اور معنی صمد کے دریافت کئے۔ آپ نے اُنکو جواب میں لکھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اما بعد فلا تخوضوا فی القرآن ولا تجادلوا فیہ ولا تتکلموا فیہ بغیر علم فقد سمعت جدی رسول اللہ یقول من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار وانہ سبحانہ قد فسر الصمد فقال اللہ احد اللہ الصمد ثم فسرہ فقال لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد لم یلد لم یخرج منہ شئی کثیف کالولد وسائر الاشیاء الکثیفۃ التی تخرج من المخلوقین ولا شئی لطیف کالنفس ولا یتشعب منہ البدوات کالسنۃ والنوم والخطرۃ والھم والحزن والبھجۃ والضحک والبکاء والخوف والرجاء والرغبۃ والسامۃ والجوع والشبع تعالی ان یخرج منہ شئی وان یتولد منہ شئی کثیف او لطیف ولم یولد لم یتولد من شئی ولم یخرج من شئی کما یخرج الاشیاء الکثیفۃ من عناصرھا کالشئی من الشئی والدابۃ من الدابۃ والنبات من الارض والماء من الینابیع والثمار من الاشجار ولا کما یخرج الاشیاء اللطیفۃ من مراکزھا کالبصر من العین والسمع من الاذن والشم من الانف والذوق من الفم والکلام من اللسان والمعرفۃ والتمیز من القلب وکالنار من الحجر۔ لا۔ بل ھو اللہ الصمد الذی لا من شئی ولا فی شئی ولا علی شئی مبدع الاشیاء وخالقھا ومنشئ الاشیاء بقدرتہ یتلاشی ما خلق للفناء بمشیتہ ویبقی ما خلق للبقاء بعلمہ فذالکم اللہ الصمد الذی لم یلد ولم یولد عالم الغیب والشھادۃ الکبیر المتعال ولم یکن لہ کفوا احد۔ حاصل ترجمہ بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم کے یہ ہے۔ کہ اما بعد۔ پس تم لوگ قرآن مجید میں (خود) خوض و غور نکرو (بلکہ اُسکے معانی اہل معرفت و علم سے دریافت کرو) اور نہ اُسمیں آپسمیں بحث کرو۔ اور نہ بغیر علم کے اُسمیں گفتگو کرو۔ کیونکہ میں نے اپنے نانا رسول اللہؐ سے سنا ہے۔ فرماتے تھے۔ کہ جو کوئی قرآن مجید میں بغیر علم کے گفتگو کرتا ہے۔ اُسے چاہیئے کہ اپنی نشستگاہ جہنم میں مہیّا کرے۔ اور بیشک خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ نے لفظ صمد کی تفسیر آپ کر دی ہے پس فرمایا کہ اللہ احد اللہ الصمد پھر اُسکی تفسیر کی کہ لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔ لم یلد کے معنی یہ ہیں کہ اُس سے کوئی شے کثیف مثل فرزند یا اور تمام اشیا کثیفہ کے جو مخلوقین سے خارج ہوتی ہیں نہیں نکلی۔ اور نہ اُس سے کوئی شے لطیف مثل نفس (روح و جان) کے نکلی اور نہ اُس سے اونگھ۔ اور نیند۔ اور خطرۂ قلب اور فکر اور حزن۔ اور خوشی اور ہنسی۔ اور رونا اور خوف اور امید اور رغبت۔ اور تھکن اور بھوک۔ اور سیری وغیرہ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ اس سے برتر ہے کہ اُس سے کوئی شے خارج ہو اور یہ کہ اُس سے کوئی لطیف یا کثیف چیز پیدا ہو۔ اور لم یولد کے یہ معنی ہیں کہ وہ کسی چیز سے نہیں پیدا ہوا اور نہ کسی شے سے نکلا۔

جیسے اشیائے کثیفہ (مثل نباتات وجمادات وغیرہ کے) اپنے عناصر سے نکلتی (پیدا ہوتی) ہیں جیسے ایک شے دوسری شے سے۔ اور ایک چوپایہ دوسرے چوپایہ سے۔ اور نباتات زمین سے۔ اور پانی چشموں سے۔ اور پھل درخت سے (اسطرح سے خدا تعالیٰ کسی چیز سے نہیں پیدا ہوا) اور نہ اسطرح جسطرح کہ اشیائے لطیفہ اپنے مرکزوں سے نکلتی ہیں۔ مثلاً نظر آنکھ سے سماعت کان سے۔ سونگھنا ناک سے چکھنا منہ سے۔ گفتگو زبان سے۔ معرفت وتمیز دل سے۔ اور مثلاً آگ پتھر سے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ وہی اللہ صمد ہے۔ جو نہ کسی چیز سے پیدا ہوا۔ اور نہ کسی چیز کے اندر ہے اور نہ کسی چیز کے اوپر ہے۔ اُسی نے اوّل اوّل چیزوں کو پیدا کیا۔ اور وہی اُنکا خالق ہے۔ اور از سر نو اپنی قدرت سے خلق فرمانے والا ہے جس شے کو فنا ہونے کیلئے اُسنے بنایا ہے وہ تتر بتر ہو جائیگی۔ اور جسے باقی رہنے کے لئے بنایا ہے وہ اُس کے علم سے باقی رہیگی!! یہ ہے تمہارا معبود برحق جو نہ جنا اور نہ جنا گیا۔ غائب وحاضر کا جاننے والا۔ بڑا۔ بڑے رتبے والا ہے اور اُسکا ہمسر کوئی نہیں"۔

واضح ہو کہ ایک لفظ کے بہت سے معنی بھی ہوا کرتے ہیں۔ اور اس قسم کے لفظ کو اہل لسان ومنطق مشترک لفظی کہتے ہیں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اُس لفظ کے جتنے معنی ہوں۔ وہ سب کسی ایک چیز پر صادق آسکیں۔ پس لفظ صمد کے جو معصومین اور غیر معصومین نے بہت سے معنی بتائے ہیں۔ وہ سب ذات خدا تعالیٰ پر صادق آتے ہیں۔ اور وہ ہر معنی کے لحاظ سے صمد ہے۔ وہی غیر ذی جوف بھی ہے۔ وہی سردار بھی ہے۔ وہی دائم وباقی بھی ہے۔ وہی قائم بنفسہ اور مستغنی عن الغیر بھی ہے۔ وہی سید مطاع بھی ہے۔ وہی حافظ ولاشریک وغیر عاجز بھی ہے۔ وہی مبدع الاشیاء بھی ہے۔ وہی لم یلد بھی ہے اور وہی لم یولد۔ ان معانی میں باہم کوئی منافات نہیں ہے۔ پس ہر لحاظ سے وہ صمد ہے۔

ایک اور لطیف معنی جو معصوم سے مروی ہے۔ نقل کرتا ہوں۔ توحید بحار میں۔ وہب بن وہب سے مروی ہے کہ میں نے جناب صادق ؑ سے سنا فرماتے تھے۔ کہ فلسطین سے کچھ لوگ امام محمد باقر علیہ السلام کیخدمت میں حاضر ہوئے اور آپسے چند مسئلے دریافت کئے۔ آپنے اُن سب کے جواب دیئے پھر انہوں نے صمد کے معنی پوچھے۔ آپنے فرمایا کہ اُسکی تفسیر اُسی میں ہے الصمد میں پانچ حرف ہیں۔ الف تو اُسکی انیت (وجود) کی دلیل ہے۔ اور یہی مطلب ہے اسکے کلام شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو۔ کا اور اسمیں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ وہ حاسوں سے محسوس نہیں ہو سکتا۔ اور لام دلیل ہے اسکے الہ ہونے پر کہ وہی اللہ ہے۔ (معبود برحق) اور الف لام مدغم جو لکھنے میں آتے اور پڑھنے میں نہیں آتے ہیں اور نہ سنائی دیتے ہیں اور صرف کتابہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ دلیل ہیں اس امر پر کہ اسکی الھیتہ اپنی لطافت میں ایسی ہے کہ نہ اُسے حواس محسوس کر سکتے ہیں اور نہ کوئی بیان کرنیوالا زبان سے (اُسکی حقیقت) بیان کر سکتا ہے۔ اور نہ کان کسی سننے والے کا اُسے سن سکتا ہے) کیونکہ تفسیر ہے الالہ ھو الذی

اَلۡخلقُ عن درکِ ماھیّته وکیفیته بحسٍ اَوۡ بوھمٍ" یعنی اللہ وہ ہے جسکی ماہیت وکیفیت دریافت
کرنیسے خلق عاجز ہے خواہ بذریعہ حس ہو یا بذریعہ وہم ۔ (ہرگز ان قوتوں سے اُسکا ادراک نہیں ہوسکتا)
بلکہ وہ خود اوہام وحواس کا خالق ومبدع ہے اور چونکہ یہ دونوں کتابت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ تو اس
امر کی دلیل ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ربوبیۃ کو خلقت کے پیدا کرنے اور جسم کثیف کے اندر روح لطیف
کی ترکیب دینے میں ظاہر کیا ہے۔ پس جبکہ بندہ اپنے نفس کیطرف نظر کرتا ہے تو اُسے اپنی روح
نظر نہیں آتی۔ جیساکہ لام صمد کا نہیں ظاہر ہوتا۔ اور نہ حواس خمسہ میں سے کسی حاسہ میں داخل
ہوتا ہے پس جبکہ کتابت وتحریر کیطرف دیکھتا ہے۔ تو وہ پوشیدہ ومخفی ظاہر ہوجاتا ہے (یعنی لام جو بولنے
اور سننے میں نہ آیا تھا۔ کتابت میں ظاہر ہوگیا) پس جبکہ بندہ باریتعالیٰ کی ماہیۃ اور کیفیت میں فکر و
غور کرتا ہے تو اُسے حیرت رہجاتی ہے اور اُسکی حقیقت کچھ بھی نہیں جان سکتا جبکہ اُسے تصوّر ہوسکے
کیونکہ وہی عزوجل خالق صور ہے۔ اور جب اپنی خلقت اور ساخت پر نظر ڈالتا ہے تو اُسے ثابت ہوجاتا
ہے کہ وہی خدائے عزوجل اُسکا خالق ہے اور اُسکی روح کو اُسکے بدن میں ترکیب دینے والا۔ اور
صاد اس امر کی دلیل ہے کہ وہ عزوجل صادق ہے × × × × × × × × × × اُسکا قول صدق
اور اُسکا کلام صدق (سچ) اور اُسنے اپنے بندونکو صدق کے اتباع کیطرف دعوت دی ہے۔ اور وعدہ
بالصدق (سچا) کیا ہے دار صدق (جنت یا دوزخ) کا۔ اور میم اُسکے ملک پر دلیل ہے اور اس پر
کہ وہی ملک حق ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اُسکا ملک زائل نہ ہوگا۔ اور دال اُسکے دوام ملک پر
دلیل ہے اور اسپر کہ وہ خود دائم ہے۔ پیدا ہونے اور زوال سے برتر ہے بلکہ خود ہی کائنات کا پیدا کرنیوالا
ہے جس کے پیدا کئے سے سب چیزیں پیدا ہوگئیں۔ لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احدٌ
یعنی فرماتا ہے کہ وہ معبود برحق کسیکو نہیں جنا کہ اُسکے بیٹا یا بیٹی ہو۔ اور وہ اُسکے ملک کا وارث بنے
نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ کہ اُسکا کوئی شخص باپ ہو جو ربوبیت وملک میں اُسکا شریک ہو اور نہ
اسکا کوئی ہمسر ہے کہ اُسکی سلطنت میں اُسپر غلبہ کرے۔

سورۂ انبیا۔ لوکان فیھما اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللہ لفسدتا فسبحان اللہِ ربِّ العرش
عما یصفون۔ اگر ہوتے آسمان وزمین کے درمیان کئی معبود تو ہر آئینہ یہ دونوں (آسمان وزمین)
فاسد ہوجاتے۔ پس پاک ہے عرش کا مالک معبود برحق اُس امر سے جسے وہ (کفار) کہتے ہیں (کہ
ہمارے تو بہت سے خدا ومعبود ہیں) اس آیت شریفہ میں خدایتعالےٰ نے برہانی توحید بیان فرمائی ہے
اور دلیل سے ثابت کیا ہے۔ کہ کسی طرح ایک سے زیادہ معبود والہ نہیں ہوسکتے۔ جیساکہ ثنویہ کا خیال
ہے کہ نور وظلمت دو الٰہ ہیں۔ یا ہندوؤں کا مسلک ہے کہ برمیشر اور رچھو اور پرگرتی تین قدیم ہیں یا عیسائیوں
کا گمان ہے کہ خدایتعالیٰ اور روح القدس اور عیسٰے تین اقنوم ہیں۔ یا عرب کے بت پرستوں کا یہ خیال

تھا کہ اُنکے تین سو ساٹھ معبود ہیں۔ غرض اس قسم کے جتنے خیالات ہیں ان سب کی نفی اسی ایک آیت سے ہو جاتی ہے۔

علمائے مذہب اسلام نے اس آیت کے مطلب کو اور اس دلیل کے سوق کو کئی طرح سے ادا کیا ہے۔

(۱) **اول** یہ کہ اگر دو اِلٰہ ہونگے تو لامحالہ دونوں ہی قدیم ہونگے۔ اور چونکہ صفت قدم اخص صفات میں سے ہے۔ تو جب اسمیں دونوں کا اشتراک ہوگا تو لامحالہ اور باقی صفتوں میں مثل حیاۃ۔ قدرت۔ علم۔ کے بھی ضرور اشتراک ہوگا۔ تو اب دونوں قدیم۔ قادر۔ عالم۔ حی ہوئے اور جب ایسا ہوا تو ممکن ہوگا۔ کہ ایک خدا تو مثلاً زید کو پیدا کرنا چاہتا ہے اور دوسرا نہیں چاہتا۔ ایک مثلاً عمرو کو مار ڈالنا چاہتا ہے۔ دوسرے کی خواہش ہے کہ عمرو جیتا رہے۔ ایک مثلاً کسی کو غنی کرنا چاہتا ہے دوسرا اُسکو فقیر بنانا چاہتا ہے۔ وغیر ذالک من التضاد۔ پس یا تو دونوں کے ارادے پورے ہونگے۔ یا دونوں کے ارادے نہ پورے ہونگے یا ایک کا ارادہ پورا ہوگا۔ اور دوسرا مُنہ دیکھتا رہجائیگا۔ اگر یہ کہو کہ دونوں کے ارادے پورے ہونگے تو یہ بالکل ناممکن بات ہے کیونکہ مثلاً ایک ہی وقت میں زید کا پیدا ہونا اور نہ بھی پیدا ہونا جمع نہیں ہوسکتا۔ عمرو کا ایک ہی وقت مرجانا اور اُسی وقت میں جیتا رہنا ممکن نہیں۔ احمد کا ساڑھے دس بجے دن کے وقت کسی خاص روز میں فقیر بھی ہونا اور مالدار بھی ہونا بالکل محال بات ہے۔ لہذا دونوں کی مراد تو کسی طرح بر نہیں آسکتی۔ اور اگر کہو کہ دونوں کی مرادیں پوری نہ ہونگی۔ تو یہ بھی ناممکن ہے اس لئے کہ اِلٰہ قدیم و قادر و عالم و حی ہوکر ایسے ٹھس اور کمزور ہونے کہ کسی کی مراد نہ بر آوے۔ بالکل مہمل بات ہے۔ آخر وہ خدا ہی کس دن کیلئے تھے۔ جو اپنے ارادے کو پورا نہ کرسکے۔ لامحالہ جب دو شخص برابر کی قوت والے کسی ایک کے ہونے اور نہ ہونے پر ضد کرتے ہیں۔ تو آخر ایک غالب آہی جاتا ہے۔ خواہ زور و قوت سے ہو یا حیلہ و مکر سے۔ اور اگر بالفرض یہی مان لو کہ دونوں ہی کے ارادے نہ پورے ہونگے۔ تو ارتفاع نقیضین لازم آئیگا۔ جو یقیناً محال ہے۔ پس لامحالہ یہ کہنا پڑیگا کہ ایک کا ارادہ پورا ہوگا۔ اور دوسرا یونہیں دیکھتا رہجائیگا پس جسکی مراد بر آئے اور جو اپنے ارادہ میں کامیاب ہوسکا۔ وہی اِلٰہ ہے اور جو اپنے ارادہ کو نافذ نہ کرسکا۔ وہ کوئی خیالی دیوتا رہا ہوگا۔ وہ ہرگز خدائی کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ اُسکی کمزوری ثابت ہوگئی اور خدا کمزور نہیں ہوسکتا۔

اسی مطلب کو اور آسان کرکے یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔ کہ جب دونوں اِلٰہ معبود مانے جائیں۔ اور انمیں سے ایک کسی چیز کو پیدا کرے۔ تو آیا دوسرے کو اُسکا رد کردینا ممکن ہے یا نہیں۔ اگر کہو کہ ممکن ہے تو پہلا ارادہ کرنیوالا اِلٰہ نہ رہا کیونکہ اسکا ارادہ ناتمام رہا اور اگر کہو کہ ممکن نہیں تو یہ دوسرا اِلٰہ مفروض اِلٰہ نہ رہا۔ کیونکہ اس سے نہ ممکن ہوسکا۔ کہ اُس پہلے کے ارادہ کو باطل کرسکتا۔ لہذا دونوں ہی خدا و معبود نہ ہوئے پس کسی اور تیسرے کو ڈھونڈو۔ جسکے ساتھ کوئی اور شریک بھی نہ ہو اور نہ کوئی اُس کے ارادہ کا باطل کرنیوالا ہو وهو الله الحق لا إله إلا هو۔

(۲) **دُوسرے** یہ کہ اگر دو خدا ہونگے تو اُنمیں سے ایک کا وجود ضرور معطل ہوگا۔ اور جو معطل الوجود ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا اور نہ اُسکی خدائی سے کچھ فائدہ مل سکتا ہے۔ دلیل اُسکی یہ ہے کہ ہم پوچھتے ہیں کہ آیا انمیں سے ایک خدا تمام عالم آسمان و زمین جن و انس۔ حیوانات و نباتات و جمادات و قوٰے و ارواح وملائکہ و نفوس کے پیدا کرنیکے لئے کافی تھا۔ یا نہ تھا۔ اگر کہو کہ کافی تھا۔ تو یا دونوں نے مل جلکر عالم کو بنایا یا ایک ہی نے بنایا۔ اگر دونوں نے مل جلکر بنایا تو یقیناً ایک نے اپنا وقت عبث ضائع کیا اور محنت بیکار کی کیونکہ پہلے مان لیا جا چکا ہے۔ کہ عالم کے پیدا کرنیکے واسطے ایک ہی کافی تھا۔ اور جو شخص عبث فعل کرے۔ وہ حکیم نہیں ہو سکتا اور جو حکیم نہیں وہ الٰہ و معبود نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ دوسرا الٰہ نہ ہوا علاوہ بریں ایک اور محال یہ لازم آتا ہے کہ اگر دونوں نے ملکر ہر ہر شے کے ہر ہر جزو ساخت و اندازہ و تقدیر کو ترکیب دیا ہے تو ایک معلول پر دو علت تامہ کا عمل کرنا لازم آتا ہے۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے اور اگر کہو کہ ایک ہی نے بنایا ہے اور دوسرا معطل بیٹھا رہا تو اس دوسرے کا وجود فضول ہوا جاتا ہے۔ حالانکہ خدا کا وجود فضول نہیں ہو سکتا اور نہ سلسلہ موجودات میں آجتک کوئی شے فضول ثابت ہوئی ہے تو یہ خدا کیونکر فضول ہوگا اور اگر کہو ان دونوں میں ایک کافی نہ تھا۔ عالم کے پیدا کرنیمیں بلکہ بالاشتراک پیدا کیا ہے تو دونوں کی کمزوری ثابت ہوتی ہے۔ اور کمزور و عاجز خدا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کہو کہ ایک نے کام کیا اور ایک باوجود قدرت کے اُسکے فعل و حکمت پر راضی رہا اور کچھہ کام نہ کیا تو کم از کم اس دوسرے کی معطلیت لازم آتی ہے۔ اور معطل وجود خدا ناممکن ہے اور اگر کہو کہ دونوں ہی نے حصہ بانٹ کر عالم کو پیدا کیا ہے کسی نے اوپر کے حصہ کو پیدا کیا اور کسی نے نیچے کے حصہ کو تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ جو قطعی طور پر محال ہے :-

(۳) **تیسری** تقریر یہ ہو سکتی ہے کہ اگر دو خدا پائے جائیں اور کسی ایک چیز کے پیدا کرنیکا دونوں ارادہ کریں تو آیا اُسکا وجود دونوں کے فعل و قدرت سے ہوگا۔ یا ایک کے اگر دونوں کے فعل و قدرت سے ہوا تو توارد علتین علے معلول واحد آئیگا جو محال ہے اور اگر ایک کے قدرت و عمل سے ہوا تو ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی۔ اور وہ بھی محال ہے لہذا دو خدا کا ہونا ہی محال ہے۔

(۴) **چوتھی** تقریر یہ ہو سکتی ہے کہ اگر عالم میں ایک سے زیادہ خدا ہونگے۔ تو آیا کائنات اور مخلوقات کا انتظام بالمصالحت کرتے ہونگے۔ یا بالمحاربہ اگر بالمصالحت کرتے ہونگے۔ تو ظاہر ہے کہ آپسمیں صلح کرنی اور رکھنی کمزوری کی علامت ہے کیونکہ صلح وہی کرتا ہے جسکو اپنے یا اپنی رعایا کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہو۔ اور ایسا کمزور خدا نہیں ہو سکتا اور اگر بالمحاربہ اور جنگا جنگی سے انتظام کرتے ہونگے تو چاہیے تھا کہ آجتک عالم میں کیا کچھہ نہ اختلاف پہنچگیا تھا۔ نہ زمین ہی قائم رہتی اور نہ آسمان ہی۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایکسطرح سے انتظام قائم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں دو شخصوں کا انتظام ہی نہیں ہے بلکہ صرف

ایک منتظم ہے جس سے نظام عالم برقرار ہے "

علاوہ اسکے اور بھی عقلی دلائل عدم تعدد الٰہ کے ہیں جنہیں علمائے اسلام نے مبسوط طور پر کتب کلامیہ میں درج کیا ہے اور چونکہ اُنکا سمجھنا دیگر مطالب عقلیہ کے سمجھنے پر موقوف ہے اور وہ عام لوگوں کو معلوم نہیں ہیں۔ اور نیز اُنکے سمجھانے میں اردو دان آدمیوں کو مشکل پیش آئیگی۔ اس لیئے انکو فروگذاشت کیا جاتا ہے۔ علاوہ بریں حد اعتدال سے بھی خارج ہے کیونکہ ہماری بحث اسوقت صرف اُن بیانات و دلائل سے ہے جو قرآن مجید سے مستنبط ہیں۔ نہ اُن دلائل سے جو عقل صرف نے استنباط کئے ہیں۔ لیکن تاہم دو ایک دلیلیں قریب الوصول بیان کر دیتا ہوں۔ تاکہ ناظرین کو زیادہ بصیرت حاصل ہو جائے

(۱) **ایک** یہ کہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہونگے۔ اور کم از کم دو۔ تو ضروری ہے کہ دونوں قدیم ہوں حالانکہ دو خدا ہونے اور پھر اُنکا قدیم رہنا ناممکن ہے اسوجہ سے کہ جب دو ہوئے تو ضرور ہے کہ کسی ایک چیز کی دو فرد ہونگے۔ جیسے دو آدمی۔ یہ انسان کی دو فردیں ہیں۔ یا مثلاً سرخ و سبز۔ یہ دونوں رنگ کی دو فردیں ہیں۔ یا رات اور دن۔ کہ یہ دونوں زمانے کی دو فردیں ہیں۔ اسیطرح جب دو خدا ہونگے۔ تو مطلق خدا یا واجب الوجود کی دو فردیں ہونگی تو اب لازم ہوا کہ ان دونوں میں کوئی ایسی شے بھی موجود ہے جس سے یہ دونوں خدائی میں مشترک ہیں۔ جیسے زید۔ اور عمرو۔ دونوں انسان کیوں ہیں؟ صرف اسیوجہ سے تو ان دونوں میں جوہر انسانیت مشترک ہے۔ پس اُن دو خداؤں میں بھی جوہر خدائی مشترک ہوگا لیکن جب کسی دو چیزوں کو دو کہا جاتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ اُنمیں کوئی سبب تمائیز کا ہوتا ہے جیسے زید و عمرو کو دو شخص اسوجہ سے کہا جاتا ہے کہ اُنکی صورتیں مختلف ہیں پس اس طرح اُن دو خداؤںمیں بھی کوئی وجہ تمیز ضرور ہوگی۔ مثلاً صورت کا اختلاف کیفیت کا اختلاف جہتہ و مکان وغیرہ کا اختلاف تو اب دونوں خداؤنمیں دو چیزیں ہونی ضرور ہوئیں۔ ایک وہ جس سے دونوں مشترک ہیں۔ اور ایک وہ جس سے دونوں متفرق ہیں۔ پس دونوں ہی ان دو چیزوں سے مرکب ہو جائینگے ایک مابہ الاشتراک اور دوسرے مابہ الامتیاز۔ اور جب مرکب ہونگے۔ تو قدیم نہ رہ سکینگے۔ اور جب قدیم نہ رہینگے۔ تو خدا کیونکر ہونگے؟

(۲) **دوسرے** یہ کہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہونگے تو دونوں کی امتیاز اور شناخت علیحدہ علیحدہ ہوگی یا خود اُنکی ذات سے ہوگی۔ یا کسی اور امر خارج از ذات سے۔ اگر کہو کہ ذات سے ہوگی۔ تو لامحالہ مفہوم واجب الوجود ان دونوں پر بحمل عرضی محمول ہوگا۔ حالانکہ عرضی اپنے معروض کا معلول ہوتا ہے تو لازم آئیگا کہ ان دونوں کلی واجب الوجود ہونا انکی ذات کا معلول ہے۔ حالانکہ یہ بالکل محال ہے۔ کہ وجوب وجود معلول ہو کیونکہ وجوب قدم کو چاہتا ہے اور معلولیتہ حدوث کو اور یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اور اگر غیر ذات سے اُن دو کی امتیاز و علیحدگی ہے۔ تو احتیاج الی الغیر لازم آئیگی اور محتاج خدا ہو نہیں سکتا ۔

تیسرے یہ کہ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ایک خدا کا ہونا تو ثابت ہے۔ رہے دوسرے صاحب انکا ثبوت کیا ہے اگر کہو کہ نقلی دلیل ہے تو اُسے پیش کرو۔ تاکہ اسکی صحت وغلطی پر بحث کیجائے۔ اور اگر کہو عقلی دلیل ہے تو اسمیں بھی یہی گفتگو ہوگی۔ اور جب دونوں ہی قسم کی دلیلیں دوسرے خُدا کے موجود ہونے پر قائم نہ ہوئیں۔ تو محض ظن وتخمین سے وجود ثابت نہیں ہوسکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ شک رہیگا اور وہ اصل عدم سے نفی ہوسکیگا

چوتھے یہ کہ آجتک جتنے انبیا اور ہادی آتے رہے۔ سبکے سب ایک ہی خُدا کی خبر دیتے رہے کسی نے نہ کہا کہ دو خُدا ہیں۔ اور نہ کسی نے یہ کہا کہ میں تو فلاں خدا کا بھیجا ہُوا آیا ہوں۔ اور وہ فلاں خُدا کا بھیجا ہُوا پس اگر دو خُدا ہوتے۔ تو دوسرا خُدا بھی ضرور بالضرور کچھ اپنی قدرت کے آثار دکھلاتا اور اپنی معرفت کراتا۔ جیسا کہ ہمارا معبود حقیقی اپنی دلائل وجود وقدرت کو عقلاً اور حسّاً ظاہر کررہا ہے۔ اور وہ بھی اپنے رسول و سفیر بھیجتا۔ جیسے ہمارے خدا نے اپنے رسول بھیجے۔ حالانکہ آجتک تو کوئی نہ آیا پھر کیونکر دوسرے خُدا کا یقین کیا جاسکتا ہے۔

اسی مضمون کو مولانا امیر المومنین علیہ السلام نے جناب امام حسن علیہ السلام سے فرمایا کہ واعلم انہ لو کان لربک شریک لاتتک رسلہ ولرایت آثار ملکہ وسلطانہ ولعرفت صفتہ وفعالہ لکنہ الٰہ واحد کما وصف نفسہ لا یضادہ فی ذلک احد ولا یحاجہ وانہ خالق کل شئی "اور جانو کہ اگر تمہارے پروردگار کا کوئی شریک ہوتا تو ضرور تمہارے پاس اُسکے پیغامبر بھی آتے۔ اور اُسکی سلطنت اور اُسکے ملک کے آثار بھی تمہیں دکھائی دیتے۔ اور تم اُسکے اوصاف اور افعال کو بھی پہچانتے لیکن وہ تو ایک ہی معبود ہے۔ جیسا کہ خود اس نے بیان کیا ہے (شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو گواہی دیتا ہے خدا تعالیٰ کہ نہیں ہے کوئی معبود برحق مگر خود وہی) نہ کوئی اسکا اس امر میں مخالف ہے اور نہ بحث کرنے والا۔ اور وہی ہر شے کا خالق ہے"۔

اس مطلب توحید کو خُدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں بیشمار مقاموں میں بیان کیا ہے منجملہ اُنکے سورہ بقر میں فرمایا ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے۔ سوائے اُسکے کوئی معبود حقیقی نہیں۔ وہی بڑا رحم والا۔ مہربان ہے یہ ہے قرآنی تعلیم جو اپنے معبود کی سچی صفتوں کو بتاکر بندوں کو اسکی مائل وراغب کرتی ہے۔ اور نیز اُس سے خوف بھی دلاتی ہے۔ اُسکی وحدانیت اور یکتائی کو یاد دلاکر اُسکی طرف سے امید بندھوادی۔ تاکہ دونوں پہلو برابر رہیں۔ جو بقائے نظام عالم کیلئے نہایت ضروری ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ

بعض وہ لوگ بھی ہیں جو علاوہ خدا کے شرکا اختیار کرتے

كحب الله والذين آمنوا اشد حباً لله (سورہ بقر)

ہیں (مثلاً ستاروں کو پوجتے ہیں۔ آگ۔ ہوا۔ پانی۔ پتھر اور اسکی مورتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اور عبادت میں ان چیزوں کو اس حقیقی معبود کا شریک گردانتے ہیں) اور اُن (شرکار) سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی خدا سے محبت رکھنی چاہیئے۔ اور جو لوگ کہ ایمان لائے ہیں وہ خدا تعالیٰ سے بہت محبت رکھنے والے ہیں۔

V الله لا اله الا هو الحي القيوم ۵ (سورہ بقر)
وما من اله الا الله (آل عمران)

الله۔ سوائے اُسکے کوئی معبود نہیں۔ جو حیات والا اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے مگر اللہ تعالےٰ۔

VI قل يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا و
بينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئاً
ولا يتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله
فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون ۵
(آل عمران)

کہدو اے رسول کہ اے کتاب والو (یہود و نصارے) آؤ (تم سب لوگ) اُس کلمہ کیطرف جو ہمارے تمہارے درمیان کا معدل ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم تم دونوں ہی نہ عبادت کریں مگر صرف اللہ تعالیٰ کی۔ اور اس کے ساتھ ذرا بھی شرک نہ کریں۔ اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو پروردگار بنائے سوائے اللہ تعالیٰ (یہ اُس آیت کی طرف اشارہ ہے جسمیں پروردگار عالم نے فرمایا اتخذوا احبارهم ورهبانهم ارباباً من دون الله۔ ان یہود و نصرانیوں نے اپنے علمار اور پوجاریوں کو اپنا پروردگار بنا لیا ہے اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ رکھا ہے۔ پس اگر (یہ یہود و نصارے) تم سے (اے رسول) منہ پھیر لیں۔ (اور تمہاری بات نہ مانیں) تو کہدو (اے رسول اور اُسکے ساتھیو) کہ تم لوگ گواہ رہو کہ بیشک ہم مسلمان ہیں (اور تمہاری طرح رھبان و احبار کو اپنا پروردگار نہیں سمجھتے۔ اور نہ کسی آدمی کو خُدا یا خدا کا بیٹا جانتے ہیں۔ بلکہ ہم تو صرف ایک معبود برحق کے ماننے والے ہیں)

VII ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون
ذلك لمن يشاء ومن يشرك بالله فقد افترى

بیشک خدا تعالیٰ اس گناہ کو نہ بخشیگا کہ اسکے ساتھ کسی کو شریک سمجھا جائے یا عبادت میں شریک کیا جائے

اثما عظیما (سورہ نساء)

اور اسکے علاوہ اور گناہوں کو جسکے لئے اُسکی مشیت مصلحیہ
کا مقتضا ہوگا بخشدیگا۔ اور جو کوئی خدا تعالیٰ کے ساتھ
شرک کرتا ہے۔ وہ بالکل جھوٹ بولتا ہے۔ اور بڑے گناہ کا
مرتکب ہوتا ہے۔ یعنی ایسا جھوٹ بولتا ہے جسکا کوئی
وجود واثر نہیں۔ کیونکہ جب کوئی بھی خدا تعالیٰ کا ہمسر
ومثل یا معین ومددگار یا بیٹا بیٹی نہیں ہے تو پھر
ان چیزوں میں سے کسی ایک کو اُسکے لئے ثابت کرنا
یا اُسکے علاوہ اور چیزونکی بھی عبادت کرنی جو اُسی کی
مخلوقات میں سے ہیں۔ افترائے محض ہے اور
گناہ عظیم۔ پس جو کوئی ایسا کریگا۔ اُسے خدا تعالیٰ ہرگز
نہ بخشیگا۔ اور علاوہ اس گناہ کے اُسے اختیار ہے
کہ اپنی وسعت رحمت سے بخشدے ؛

VIII اللہ لا الٰہ الا ہو لیجمعنکم الی یوم القیامۃ
لا ریب فیہ ومن اصدق من اللہ حدیثا ۵
(سورہ نساء)

اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور ضرور تمہیں وہ
جمع کریگا یعنی مرنیکے بعد زندہ کرکے موقف حساب و میدان
حشر کیطرف لیجائیگا۔ اور وہاں جمع کریگا اسمیں کچھ شک
نہیں۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ سچ بولتا ہو؟
(یعنی ہم سے زیادہ کوئی سچا نہیں۔ جو کچھ ہم کہتے ہیں
وہ ہوکر رہیگا اور ہرگز اُسمیں تخلف نہ ہوگا۔)

IX ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالا بعیدا ۰
ان یدعون من دونہ الا اناثا وان
یدعون الا شیطانا مریدا لعنہ اللہ ۵
(سورہ نساء)

جسنے خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔ وہ بہت دور
کی گمراہی میں پڑگیا۔ یعنی حق سے بہت دور ہوگیا
(یہ مشرکین) نہیں پکارتے ہیں۔ اُسکے سوا مگر مونثوں
کو (یعنی ایسے بتوں کو جنکے نام مونثونکے سے رکھ لئے
جیسے عزیٰ کہ مونث ہے۔ اعز کا یا اللات کہ مونث ہے
اللہ کا۔ یا مثلاً منات۔ اساف نائلہ وغیرہ ہیں۔ کہ یہ
سب اسمائے مونثہ ہیں۔ اور یہ احمق انکو خدا اور معبود سمجھتے
ہیں۔ یا اناث سے یہ مطلب ہو کہ یہ مشرکین خدا تعالیٰ کو
چھوڑکر فرشتوں کو پوجتے ہیں اور انکو خدا تعالیٰ کی لڑکیاں

تصوّر کرتے ہیں) اور نہیں پکارتے مگر سرکش شیطان
کو (یعنی یہ مشرکین بالکل خدا کی عبادت نہیں کرتے
اور نہ اس سے عرض کرتے ہیں۔ بلکہ یہ تو شیطان سرکش
کی بندگی کرتے ہیں۔) خدا اُس پر لعنت کرے۔

X قل ارأیتکم ان اتاکم عذاب اللہ او اتتکم
الساعۃ اغیر اللہ تدعون بل ایاہ تدعون
فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء ان کنتم
صادقین و تنسون ما تشرکون ؏

کہدو اے رسول کہ اگر تم پر خدا کا عذاب آجائے۔ اور
تمہارے سر پر قیامت آپہنچے تو کیا تمہارا یہ خیال ہے
کہ اللہ کے سوا کسی اور کو پکاروگے (بھلا سچ بتاؤ تو)
اگر تم سچے ہو۔ بلکہ اُسی کو پکاروگے۔ اور وہ اُس عذاب
یا مصیبت کو جسکے ہٹانے کیواسطے تم نے اُسے پکارا
ہے۔ دفع کریگا۔ اگر چاہیگا۔ اور تم (تمام اپنے) شرکا
کو بھول جاؤگے (کیونکہ جب مصیبت پڑتی ہے۔ تو سوائے
خدا کے کوئی یاد نہیں رہتا۔ یہ پتھر کے کھلونے یونہی
پڑے گوہ کھایا کرتے ہیں مصیبت کے وقت انکو کوئی
بھی نہیں پوچھتا اور سوائے خدا کے کسی کو یاد نہیں کرتا۔

XI وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ
شرکاء ان یتبعون الا الظن و ان ھم الا
یخرصون ۵ (سورہ یونس)

یہ مشرکین جو سوائے خدا کے اور شرکا کو پکارتے ہیں
(آخر) کس چیز کی پیروی کرتے ہیں؟ (پھر آپ ہی
جواب دیا ہے کہ) وہ سوائے ظن و گمان کے کسی کی
پیروی نہیں کرتے (پس جو انکے خیال نے کہدیا کہ
اسے بھی پوجو اور اسے بھی خدا سمجھو اور اسے بھی معبود
مانو فوراً انکی اطاعت کر لی اور انکے نام لے لیکر ان
سے دعائیں مانگنے لگے۔) اور بس یہ لوگ تخمینہ کرتے
ہیں (یعنی انکی یہ بات تحقیقی نہیں ہے کہ خدا کے
کئی شریک ہیں۔ بلکہ محض تخمینہ اور اندازہ سے ایک
بات کہ لی ہے۔ چاہے غلط ہو یا صحیح)

XII قل یا ایھا الناس ان کنتم فی شک من
دینی فلا اعبد الذین تعبدون من
دون اللہ و لکن اعبد اللہ الذی
یتوفکم و امرت ان اکون من المومنین
(سورہ یونس ۱۱)

کہدو اے رسول کہ ایہا الناس اگر تمکو میرے دین
میں شک ہو تو (یہ سن لو کہ) میں اُن (پتھروں
اور مورتوں) کی عبادت نہیں کرتا جنکی تم عبادت
کرتے ہو۔ اللہ تعالے کے سوا۔ اور لیکن (یعنی بلکہ)

میں عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو تمہیں موت دیگا اور مجھے حکم دیا گیا ہے (اللہ کیطرف سے) کہ میں ایمان لانیوالوں میں ہوں (یعنی مومن بنوں)،

الا تعبدوا الا اللہ اننی لکم منہ نذیر و بشیر۔ (سورہ ہود)

(یہ کتاب اس لئے نازل کیگئی ہے کہ تمہیں بتائے کہ) نہ عبادت کرو تم لوگ مگر اللہ کی بیشک میں تمکو اس (اللہ کے عذاب) سے ڈرانیوالا اور (اسکی رحمتوں کی) بشارت دینے والا ہوں ؛

X١١١ یا صاحبی السجن ء ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموہا انتم و اباءکم ما انزل اللہ بہا من سلطان ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم و لکن اکثر الناس لا یعلمون (سورہ یوسف)

(حضرت یوسف کا قول نقل فرمایا ہے کہ آپ اپنے ساتھ والے دونوں قیدیوں سے کہ رہے ہیں) اے میرے قید کے ساتھیو! کیا متفرق اور کئی پروردگار (کو ماننا) اچھا ہے یا ایک یکتا اور غالب اللہ (کو ماننا بہتر ہے) تم لوگ نہیں عبادت کرتے سوائے خدا کے مگر اُن ناموں کی جنہیں مقرر کر لیا ہے۔ (مثلاً ود۔ سواع یغوث۔ یعوق وغیرہ) تمنے اور تمہارے آباؤ اجداد نے اسپر اللہ نے کوئی دلیل نہیں اُتاری۔ بس حکم اللہ ہی کے واسطے ہے۔ اس نے حکم دیدیا ہے کہ سوائے اُسکے کسی کی عبادت نکرو۔ یہی مذہب ٹھیک ہے (کہ ایک خدا کو مانو اور اسکی عبادت کرو۔) لیکن اکثر آدمی اُس بات کو نہیں جانتے۔

X١٧ قل افاتخذتم من دونہ اولیاء لا یملکون لانفسہم نفعا و لا ضرا قل ہل یستوی الاعمی و البصیر ام ہل تستوی الظلمات و النور ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیہم قل اللہ خالق کل شیء و ہو الواحد القہار (سورہ رعد)

کہ اے رسول کہ کیا تم لوگوں نے اللہ کے علاوہ اور لوگونکو اپنا ولی بنا لیا ہے۔ جو اپنے ہی نفع و نقصان پر قادر نہیں ہیں (سچ تو ہے آخر یہ مورتیں۔ کب اپنے تئیں فائدہ پہنچا سکتی۔ یا اپنے سے نقصان کو رفع کر سکتی ہیں)۔ کہدے اے رسول کہ کیا۔ اندھا اور آنکھ والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ یا اندھیرا اور اُجالا دونوں ایک سے ہو سکتے ہیں ؟ (ہرگز نہیں) کیا ان مشرکوں نے اللہ تعالےٰ کے ایسے شریک بنائے ہیں۔ جنہوں نے مثل اُسکی خلقت کے خلق

کیا ہے - اور ان لوگوں پر خلقت مشتبہ ہو گئی ہے ؟ (حالانکہ
ہرگز ایسا نہیں - ان مورتوں نے کہاں کوئی چیز پیدا
کی جس سے اشتباہ ہو سکتا - کہ شاید یہ بھی خدا ہوں تو
پھر انکو کیوں خدا و معبود مانا جاتا ہے) کہدے اے
رسولؐ کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے - اور وہی
یکتا و غالب ہے ؛

قل انما امرت ان اعبد الله ولا اشرك XI
به اليه ادعوا واليه مآب (سورہ رعد)

اے رسول کہدے کہ بس مجھکو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں
اللہ کی عبادت کروں اور اسکا شریک کسی کو نہ سمجھوں
اسی کی طرف میں دعوت دیتا ہوں - اور اسی کی
طرف واپسی ہے ؛

وليعلموا انما هو اله واحد (سورہ ابراہیم) XV
لا تتخذوا الهين اثنين انما هو اله واحد
فاياي فارهبون وله ما في السموات
والارض وله الدين واصبا افغير الله
تتقون ○ وما بكم من نعمة فمن الله
ثم اذا مسكم الضر فاليه تجأرون
(سورہ نحل)

اور تاکہ لوگ جانیں کہ وہ ایک ہی معبود برحق ہے -
نہ اختیار کرو دو خدا - بس وہ تو ایک ہی خدا و معبود
ہے - پس مجھی سے ڈرو اور اسی کا ہے - جو کچھ آسمانوں
اور زمینوں میں ہے - اور اسی کے لئے ہے طاعت دائمہ
دائمہ - تو کیا تم لوگ غیر خدا سے بھی ڈرتے ہو (حالانکہ
تمکو اسی سے تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے اور جو کچھ تمہارے
پاس نعمت ہے وہ خدا ہی کیطرف سے ہے پس جب
تمکو کوئی تکلیف پہنچتی ہے - تو اسی سے استغاثہ و فریاد
کرتے ہو (اسوقت تمکو اور کوئی بت نت یاد نہیں رہتا)

لا تجعل مع الله الها اخر فتقعد ملوما مخذولا XVI
وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه ○

خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ قرار دے - ورنہ تو ملامت زدہ
اور چھوڑا ہوا بیٹھیگا - اور حکم جاری کر دیا ہے - تیرے
پروردگار نے کہ تم لوگ نہ عبادت کرو مگر اسی کی ؛

قل لو كان معه الهة كما يقولون اذا لابتغوا X
الى ذي العرش سبيلا سبحانه وتعالى عما
يقولون علوا كبيرا (بنی اسرائیل)

اے رسول کہدے کہ اس (اللہ) کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے
جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں - تو وہ عرش کے مالک کیطرف
جانیکا ارادہ کرتے (کیونکہ انکو اسپر غلبہ کرنیکا ارادہ ہوتا
جیسا کہ دنیاوی بادشاہوں میں دیکھا جاتا ہے کہ ہمیشہ
ایک دوسرے کی سلطنت کے چھیننے اور ضبط کرنے کی

ذکر میں رہتا ہے۔ پھر تو خوب ہی ان خداؤں میں جنگ و جدل واقع ہوتی۔ اور زمین و آسمان میں فساد پھیلتا) وہ پاک ہے اور اس سے بہت برتر ہے جو یہ لوگ (مشرکین) کہتے ہیں۔

XVIII فقالوا ربنا رب السموات والارض لن ندعوا من دونه الٰهاً لقد قلنا اذاً شططاً هٰؤلاء قومنا اتخذوا من دونه اٰلهة لولا یاتون علیهم بسلطان بین فمن اظلم ممن افتریٰ علی الله کذباً (سورہ کہف)

(نقل قول اصحاب کہف) انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ہرگز ہم اُس کے سوا اور کو خدا نہ کہینگے (ورنہ) ہم نے نہایت باطل اور جھوٹ بات کہی ہوگی۔ ہماری ان قوم کے آدمیوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی کئی خدا اختیار کرلئے ہیں (تو آخر) اپنے اس فعل پر کوئی ظاہر دلیل کیوں نہیں لاتے۔ پس کون زیادہ ظالم ہوگا بہ نسبت اُسکے جو خدا پر بہتان اور جھوٹ باندھے۔

XIX لکنا هو الله ربی ولا اشرک بربی احداً (")

لیکن ہم تو یہی کہینگے کہ وہی اللہ ہمارا پروردگار ہے اور ہرگز ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نکرینگے"

XX قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰهکم الٰه واحد فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادة ربه احداً (سورہ کہف)

اے رسول کہدے کہ بس میں تو تمہاری ہی مانند ایک آدمی ہوں کہ میرے طرف وحی کیجاتی ہے اس بات کی کہ بس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ پس جو امیدوار ہو اپنے پروردگار کی ملاقات کا اسے چاہیے۔ کہ نیک عمل کرے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے"

XXI واتخذوا من دون الله اٰلهة لیکونوا لهم عزاً کلا سیکفرون بعبادتهم ویکونون علیهم ضداً (سورہ مریم)

ان مشرکین نے اللہ کے سوا اور بہت سے معبود ٹھیرا لئے ہیں تاکہ وہ انکے لئے باعث عزت ہوں۔ ہرگز ایسا نہ ہوگا (بلکہ) عنقریب یہ انکی عبادت کا انکار کردینگے اور کہدینگے۔ کہ ہم نے تو انہیں پوجا ہی نہ تھا (یا یہ کہ وہ اصنام اس بات کا انکار کردینگے۔ کہ ان لوگوں نے ہماری عبادت نہیں کی تھی۔ بلکہ جنوں کی پرستش کرتے تھے۔) اور ہوجائینگے یہ اُنکے دشمن و مخالف (جب دیکھینگے کہ اس بت پرستی کے معاوضہ میں

آتشیں طوق وزنجیر پہنائے جارہے ہیں اور بہت
تیز بھبھکتے ہوئے شعلہ ور جہنم میں ڈالے جاتے
ہیں)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ
هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَمَا اَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (سورہ انبیاء)

کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور بھی خدا قرار دیے
ہیں (یعنی ہاں ایسا کیا ہے) اے رسول کہدے
کہ (اگر بہت سے خدا ہیں تو) لاؤ اپنی اپنی دلیل
یہ (قرآن) ذکر ہے ان لوگوں کا جو میرے ساتھ
ہیں اور نیز ان لوگوں کا جو مجھ سے پہلے ہو چکے
ہیں۔ بلکہ اکثر انہیں کے تو حق کو جانتے ہی نہیں۔
پس وہ حق سے منحرف ہیں (حالانکہ) ہم نے نہیں
بھیجا تمسے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ اسکی طرف وحی
کی کہ مجھ ایک و یکتا معبود کے سوا کوئی معبود نہیں
پس (ایہا الناس) تم لوگ میری عبادت کرو۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ
لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا
لَا يَسْمَعُوْنَ (انبیاء)

بیشک تم لوگ اور جنکی تم پرستش کرتے ہو سب کے
سب جہنم کے ایندھن ہیں تم سب اسمیں وارد ہوگے۔
(یعنی جہنم میں جاؤگے۔ اگر وہ (جنکی تم عبادت کرتے
ہو) خدا ہوتے۔ تو جہنم میں نہ پڑتے۔ حالانکہ سب کے
سب اسمیں ہمیشہ رہینگے۔ اُن کے واسطے اسمیں
زفیر (جہنم کی آواز) ہوگی۔ اور وہ اسمیں (کچھ) نہ سنینگے
(بلکہ انکے کان مثل بہروں کے ہوجاینگے)

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ
اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ
عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ۔ (سورہ مومنین)

خدا نے نہ تو کوئی اپنا بیٹا بنایا ہے اور نہ اسکے ساتھ
کوئی معبود ہے (اگر ایسا ہوتا) تو ہر خدا اپنی اپنی
مخلوق کیطرف مائل ہوتا۔ اور ایک دوسرے پر چڑھائی
کرتا!! پروردگار عالم منزہ و پاک ہے اس بات
سے جیسے یہ لوگ کہتے ہیں (کہ خدا کے کوئی بیٹا بھی
ہے جیسے عیسیٰ) وہ پروردگار (غائب و موجود چیزوں
کا جاننے والا ہے۔ پس وہ ان مشرکین کی شرک

کی باتوں سے بالاتر ہے (یعنی ہرگز اُسکا کوئی شریک و مثل نہیں ہے) ۔

فتعالی اللہ الملک الحق لا الٰہ الا ھو رب العرش الکریم ۔ ومن یدع مع اللہ الٰھاً آخر لا برھان لہ بہ فانما حسابہ عند ربہ انہ لا یفلح الکافرون (سورہ مومنین)

XXV پس برتر ہے اللہ ۔ جو بادشاہ برحق ہے اُسکے سوا کوئی معبود برحق نہیں ۔ عرش کا مالک اور مکرم ہے ۔ جو کوئی اللہ کے سوا کسی اور خدا کا قائل ہے اُسکے پاس کوئی دلیل نہیں ہے ۔ اُسکا حساب خدا کے پاس ہے (جب قیامت ہوگی ۔ تو اُسے خوب معلوم ہو جائیگا ۔ کہ اس شرک اور کفر کا کیا نتیجہ ہوا) بیشک کفر کرنیوالے فلاح نہ پائینگے ۔

واتخذوا من دونہ آلھۃ لا یخلقون شیئاً وھم یخلقون ولا یملکون موتاً ولا حیوۃً ولا نشوراً (سورہ فرقان)

XXVI لوگوں نے خدا کے علاوہ اور بہت سے خدا بنالئے ۔ جو نہ کسی چیز کو پیدا کرتے ہیں ۔ بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں (یعنی بنائے جاتے ہیں جیسی پتھروں سے مورتیں وغیرہ) اور وہ مصنوعی خدا نہ موت پر اختیار رکھتے ہیں نہ زندگی پر ۔ اور نہ حشر و نشر پر (یعنی یہ بت بالکل بے حس و بے اختیار ہیں ۔ قابل خدائی کے کب ہو سکتے ہیں) ۔

قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ آللہ خیر اما یشرکون ۔ امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماءً فانبتنا بہ حدائق ذات بھجۃ ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا ءالٰہ مع اللہ بل ھم قوم یعدلون ۔ امن جعل الارض قراراً وجعل خلالھا انھاراً وجعل لھا رواسی وجعل بین البحرین حاجزاً ءالٰہ مع اللہ بل اکثرھم لا یعلمون ۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ءالٰہ مع اللہ

XXVII کہدے اے رسول ۔ سب تعریفیں خدا کیلئے ہیں ۔ اور سلام اُسکے برگزیدہ بندوں پر ۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جسے یہ کفار خدا کا شریک بناتے ہیں کون ہے ۔ جس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور تمہارے لئے آسمان سے مینہ برسایا ۔ (ہم ہی نے تو یہ سب کچھ کیا ہے) پھر اُس پانی سے ہرے بھرے باغ اُگائے ۔ جس کے درخت تم اُگانے کی تمہیں بالکل قدرت نہ تھی ۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ۔ (ہرگز نہیں) بلکہ یہ قوم حق سے پھری ہوئی ہے!! کس نے زمین کو قرارگاہ بنایا ۔ اور اُس کے بیچ میں نہریں جاری کیں ۔ اور دو دریاؤں کھاری اور میٹھے

قلیلاً ما تذکرون ○ امّن یھدیکم فی ظلمٰت
البرّ والبحر ومن یرسل الرّیاح بشرًا
بین یدی رحمتہ ءالٰہ مع اللہ تعالی اللہ
عما یشرکون ○ امّن یبدء الخلق ثم
یعیدہ ومن یرزقکم من السّماء والارض
ءالٰہ مع اللہ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین

(سورہ نحل)

ولا تکوننّ من المشرکین ولا تدع مع XXVIII
اللہ الٰھًا آخر لا الٰہ الا ھو کل شیء ھالک
الا وجھہ لہ الحکم والیہ ترجعون ○

(سورہ قصص)

مثل الذین اتخذوا من دون اللہ XXIX
اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا و
ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت
لو کانوا یعلمون ○ (سورہ عنکبوت)

ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا XXX
دینھم وکانوا شیعًا کل حزب بما لدیھم فرحون
واذا مسّ النّاس ضرٌّ دعوا ربّھم منیبین
الیہ ثم اذا اذاقھم منہ رحمۃ اذا فریق
منھم بربھم یشرکون ○ (سورہ روم)

کے درمیان روک قائم کی (کہ کھاری دریا میٹھے دریا سے ملکر اُس کے مزے کو خراب نہ کردے) کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے (ہرگز نہیں) بلکہ اکثر یہ لوگ جاہل ہیں (جو خدا کا شریک کسی دوسرے کو بتاتے ہیں)۔ کون ہے جو مضطر کی دعا کو اس کے دعا کرنے کے وقت قبول کرتا اور اُسکی بدحالی کو دفع کرتا ہے اور کس نے تمہیں زمین کا حاکم بنایا ہے۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے؟ تم لوگ تو بہت کم یاد کرتے ہو!! کون تمکو خشکی وتری کی تاریکی میں ہدایت کرتا ہے اور کون ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے بھیجتا ہے؟ کیا خدا کے علاوہ کوئی اور ہے؟ اللہ تعالی ان مشرکین کی باتوں سے برتر ہے۔ کون خلقت کی ابتدا کرتا ہے اور کون اسے دوبارہ لوٹا لائیگا۔ اور کون تمکو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے؟ اے رسول کہدو کہ اگر کسی اور خدا کے وجود کا تمہیں دعوے ہو تو اُسکی دلیل پیش کرو اگر سچے ہو۔ (سورہ نمل)

تو مشرک نہ ہو۔ اور نہ خدا کے سوا کسی اور کو معبود کہ سوائے اُس معبود برحق کے کوئی خدا نہیں ہے سوائے اُسکے سب فنا ہونے والے ہیں اُسی کے ہاتھ میں حکم ہے اور تم سب اسی کیطرف واپس جاؤ گے

(سورہ قصص)

جو لوگ خدا کے سوا اوروں کو اپنا مالک ٹھیراتے ہیں۔ اُنکی باتیں مثل مکڑی کے جالے کے ہیں اور مکڑی کا جالا بہت ہی بودا اور کمزور ہوتا ہے اسکا اعتبار ہی کیا) کاش یہ لوگ سمجھتے (کہ کیسی بیہودہ بات کہہ رہے ہیں) (سورہ عنکبوت)

ایہا الناس تم شرک نہ کرو۔ اور ایسے لوگوں میں

داخل نہ ہو جنہوں نے اپنے دین کو پراگندہ کردیا حالانکہ وہ گروہ گروہ تھے۔ ہر گروہ اپنی باتوں پر خوش ہے (آدمیوں کی حالت یہ ہے) کہ جب انکو کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ تو خدا تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہیں۔ پھر جب انپر خدا تعالیٰ رحم کردیتا ہے تو اسکے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں (سورہ روم)

XXXI اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم
ھل من شرکائکم من یفعل من ذالکم من
شیٔ سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون
(سورہ روم)

خدا ہی وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں مار ڈالیگا۔ پھر جلائیگا۔ کیا تمہارے شرکاء میں سے بھی کوئی ایسا ہے۔ جو ان باتوں پہ قادر ہو؟ پاک و برتر ہے خدا ان کافروں کے شرک سے۔

XXXII یا بنیّ لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم
(لقمان)

(لقمان فرماتے ہیں) اے فرزند تو خدا کے ساتھ شرک نکر۔ شرک تو بیشک بڑا ظلم ہے۔

XXXIII قل ادعوا الذین زعمتم من دون اللہ لا یملکون
مثقال ذرۃ فی السموات ولا فی الارض
وما لھم فیھما من شرک وما لہ منھم من ظھیر
(سورہ سبا)

اے رسول ان کافروں سے کہدو کہ پکارو انکو جو تمہارے خیال میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ خدا ہیں۔ وہ تو آسمانوں و زمین میں ایک ذرہ برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ اور نہ انکو ان چیزوں میں کچھ شرکت ہے۔ اور نہ ان جعلی خداؤں میں سے کوئی خدائے حقیقی کا مددگار ہے۔

XXXIV یا ایھا الناس اذکروا نعمت اللہ علیکم ھل من
خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض
لا الٰہ الا ھو فانی تؤفکون (سورہ فاطر)

ایہا الناس یاد کرو اس نعمت کو جو خدا نے تمہیں دی ہے کیا کوئی شخص سوائے خدا کے بھی پیدا کرنیوالا ایسا ہے جو تمکو آسمان و زمین دونوں سے روزی دیتا ہے؟ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو؟

XXXV والذین تدعون من دونہ ما یملکون من
قطمیر ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم ولو
سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیامۃ
یکفرون بشرککم ولا ینبئک مثل خبیر (فاطر)

اے کافرو۔ جن جعلی خداؤں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ تم خدا کہتے ہو۔ وہ تو ذرا سی چیز کے بھی مالک و مختار نہیں ہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو تمہاری آواز کو سنتے نہیں اور اگر (بالفرض) سنیں بھی تو تمہاری دعا کو قبول نہیں کرسکتے۔ اور جب قیامت ہوگی۔ وہ جعلی خدا تمہارے اس شرک سے انکار کردینگے (اور صاف کہدینگے کہ ہم تو انکے خالق نہ تھے) اے رسول جیسا کہ خدا تمہیں

باتیں بتاتا ہے۔ ویسا کوئی نہیں بتا سکتا۔

واتخذوا من دون اللہ آلہۃً لعلہم ینصرون
ولا یستطیعون نصرہم وہم لہم جندٌ محضرون
(سورہ یٰسین)

ان کافروں نے اللہ کے علاوہ خدا ٹھیرلئے ہیں۔ اس خیال سے کہ شاید وہ انکی مدد کریں۔ حالانکہ وہ مصنوعی وجعلی خدا انکی مدد نہیں کرسکتے۔ بلکہ دوزخ میں یہ وہ دونوں ساتھ ہی موجود ہونگے۔ (سورہ یٰسین)

اِنّ اِلٰہکم لواحدٌ ربُّ السماوات والارض
وما بینہما وربُّ المشارق (صافات)

بیشک تمہارا معبود ایک ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ اور نیز اُن تمام چیزوں کا مالک ہے۔ جو انکے درمیان ہیں۔ اور وہ مشرقوں کا بھی مالک ہے۔ (صافات)

واذا مسّ الانسان ضُرٌّ دعا ربّہٗ منیباً الیہ
ثم اذا خوّلہٗ نعمۃً منہ نسی ما کان یدعوا الیہ
من قبل وجعل للہ انداداً لیضلّ عن سبیلہ
قل تمتّع بکفرک قلیلاً انّک من اصحاب النار
(سورہ زمر)

جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو رو رو کر خدا کو پکارتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی نعمت اُسے دیتا ہے۔ تو وہ اپنی پہلی مصیبت کو بھول جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو شریک کرنے لگتا ہے تاکہ اُسکے رستے سے لوگوں کو بھٹکائے۔ اے ہمارے رسول کہدو کہ اے کافر تو تھوڑے دن اپنے کفر سے فائدہ اٹھالے پھر تو تجھے دوزخ والوں میں جانا ہی ہے۔

قل أفغیر اللہ تأمرونّی اعبد ایّہا الجاہلون
ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک
لئن اشرکت لیحبطنّ عملک ولتکوننّ من
الخاسرین بل اللہ فاعبد وکن من
الشاکرین (زمر)

اے رسول ان کافروں سے کہدو کہ تم مجھسے یہ کہتے ہو کہ خدا کے علاوہ کسی اور کی عبادت کروں۔ اے جاہلو اور بیشک وحی کیگئی ہے تم پر اے رسول اور نیز تم سے پہلے آئے ہوئے رسولوں پر کہ اگر تم شرک کروگے تو تمہارے عمل حبط ہوجائینگے۔ اور تمکو نقصان ہوگا بلکہ اللہ کی عبادت کرو۔ اور شکرگزار رہو۔

قل انّما انا بشرٌ مثلکم یوحی الیّ انّما الٰہکم
الٰہٌ واحدٌ فاستقیموا الیہ واستغفروہ
وویلٌ للمشرکین (سجدہ)

کہدو اے رسول کہ میں بھی مثل تمہارے آدمی ہوں میری طرف وحی کیجاتی ہے کہ بس تمہارا تو اللہ ہی ایک معبود ہے۔ پس تم استقامت وراستی کرو اُسکی طرف اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ اور مشرکین کے واسطے ویل (وائے) ہے (سجدہ)

XLI ویوم ینادیہم این شرکائی قالوا آذناک ما
منا من شہید وضل عنہم ما کانوا یدعون
من قبل وظنوا ما لہم من محیص (سجدہ)

اور جب ہم انہیں پکارینگے کہ کہاں ہیں میرے
شرکاء تو وہ کہینگے کہ اے پروردگار ہم تجھے بتلاتے ہیں
کہ ہم میں سے کوئی اس کا گواہ نہیں ہے کہ تیرا کوئی شریک
ہے۔ اور یہ کفار جو کچھ اپنے بتوں سے امید رکھتے تھے
وہ سب امیدیں ضائع ہو جائینگی۔ اور انہیں یقین
ہو جائیگا کہ اب انہیں کوئی چھٹکارا نہیں۔

XLII ومن آیاتہ اللیل والنہار والشمس والقمر
لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا
للہ الذی خلقہن ان کنتم ایاہ تعبدون
فان استکبروا فالذین عند ربک یسبحون
لہ باللیل والنہار وہم لا یسامون
(سورہ سجدہ)

خدا کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور شمس و قمر ہیں
ایہا الناس تم لوگ شمس و قمر کو سجدہ نہ کرو بلکہ اُس
معبود برحق کو سجدہ کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے
اگر تم اُسکی عبادت کرنا چاہتے ہو۔ پس اگر یہ مشرک
تکبر کریں تو خدا کو اُنکی کچھ پروا نہیں۔ کیونکہ جو فرشتے
وغیرہ خدا کے پاس ہیں۔ وہ اُسکی عبادت رات
دن کرتے ہیں۔ اور کبھی نہیں تھکتے۔ (سورہ سجدہ)

XLIII ام اتخذوا من دونہ اولیاء فاللہ ہو الولی
وہو یحیی الموتی وہو علی کل شیء قدیر

کیا ان کافروں نے خدا کے سوا اوروں کو اپنا مالک بنایا
ہے۔ حالانکہ خدا ہی مالک ہے۔ اور وہی مُردوں کو
زندہ کریگا اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

XLIV واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا
اجعلنا من دون الرحمان الہۃ یعبدون
(سورہ زخرف)

اے رسول پوچھ لو اُن رسولوں سے جو تم سے پہلے
ہو گزرے ہیں کیا ہم نے خدا کے سوا اور معبودوں
کو بنایا ہے جنکی عبادت کیجائے (سورہ زخرف)

XLV ولا یغنی عنہم ما کسبوا شیئا ولا ما اتخذوا
من دون اللہ اولیاء ولہم عذاب عظیم
(سورہ جاثیہ)

جو کچھ ان کافروں نے عمل کیا ہے نہ وہ انہیں فائدہ
دیگا اور نہ وہ فائدہ دینگے جنکو خدا کے علاوہ ان
کافروں نے اپنا مالک بنایا تھا۔ اور ان کافروں
کے واسطے بڑا عذاب ہے۔

XLVI فاعلم انہ لا الہ الا ہو (سورہ محمد)
الذی جعل مع اللہ الہا آخر فالقیاہ
فی العذاب الشدید (سورہ ق)

پس جان لے کہ نہیں ہے کوئی معبود برحق مگر وہ (اللہ)
جس نے اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی خدا مقرر کیا۔ پس
تم دونوں اُسکو عذاب سخت میں ڈالو۔

XLVII ولا تجعلوا مع اللہ الہا آخر انی لکم منہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ سمجھو۔ میں تم کو

نذیر مبین (سورہ ذاریات)

اُس سے کھلم کھلا ڈراتا ہوں ۔

ام لهم الٰہ غیر الله سبحان الله عما یشرکون (سورہ طور)

آیا انکا سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی اور بھی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) پاک ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے ۔

قد كانت لكم اسوة حسنة فی ابراهیم والذین معه اذ قالوا لقومهم انا برءٰؤا منكم ومما تعبدون من دون الله ۔ (سورہ ممتحنہ)

تم لوگوں کے لئے اُسوۂ حسنہ ہے ابراہیم اور اُنکے ساتھ والوں میں جبکہ انہوں نے کہا اپنی قوم سے کہ ہم تو تم سے اور اُن (پتھر کی مورتوں) سے جنکی تم عبادت کرتے ہو ۔ خدا کو چھوڑکر الگ ہیں ۔

قل انما ادعوا ربی ولا اشرك به احدًا (سورہ جن)

اے رسول کہدے کہ بس میں پکارتا ہوں اپنے پالنے والے کو (نہ کسی اور سے دعا کرتا ہوں اور نہ اسکی عبادت کرتا ہوں) اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا (یعنی ایک خدا چھوڑ کر دو خدا کا قائل نہیں ہوں)

رب المشرق والمغرب لا الٰه الا هو فاتخذه وکیلا (مزمل)

پورب اور پچھم کا مالک اسکے سوا کوئی معبود برحق نہیں ۔ پس (ایہا الناس) تم لوگ اُسی کو وکیل بناؤ (یعنی اُسی کے حوالے اپنے سارے کام کردو کہ وہ بڑا رحیم و کریم و مدبر و حکیم ہے)

تیسرا باب ۔ بتوں ستاروں اور درختوں وغیرہ کی عبادت کے منع میں

بہت قدیم زمانے سے سلسلہ ستارہ پرستی اور بت پرستی کا جاری ہے ۔ اور غالباً اسکی ابتدا بیان کرنی کسی قدر دشوار ہو ۔ مگر اسباب اس کے البتہ قرینے سے اسقدر معلوم ہوسکے ہیں ۔ کہ جس زمانے میں علم ریاضیات کا چرچہ زیادہ ہوا ہے ۔ اور بالخصوص علم نجوم میں لوگوں نے دستگاہ پیدا کی ہے پھر اسکے ذریعے سے ستاروں کے افعال و خواص اور انکی تاثیرات معلوم کیں ۔ تو ان لوگوں کی سمجھ میں اور تو کچھ نہ آیا سوائے اسکے کہ ان ستاروں کو پوجنے لگیں ۔ تاکہ اس پرستش کے سبب سے یہ ستارے انکو نقصان نہ پہنچائیں ۔ بعضوں نے صرف اسوجہ سے انکو پوجنا شروع کیا کہ انسے اکثر فوائد پہنچتے ہیں ۔ مثلاً آفتاب سے زراعت و بقول و ثمار کو بہت کچھ نفع پہنچتا ہے ۔ علی ہذا القیاس عناصر پرستی کی ابتدا بھی یونہیں معلوم ہوتی ہے ۔ کہ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا ۔ کہ آگ ۔ پانی ۔ ہوا اپنے خواص طبیعی سے اہل عالم کے لئے مفید ہیں ۔ تو انکو پوجنے لگے ۔ تاکہ اور بہت سے فائدے انکو انسے ملیں ۔ اور بتوں کی پرستش کا آغاز یادگار تصویریں ہیں ۔ جو بادشاہوں حکیموں اور اولوالعزم لوگوں کی بطور یادگار کے

پتھر یا لوہے یا تانبے وغیرہ سے بنائی گئی تھیں۔ اور بسبب اسکے کہ وہ تصویریں باعزت لوگونکی تھیں اس نے ان تصویروں کی بھی عزت کرتے تھے یہانتک کہ رفتہ رفتہ عبادت تک نوبت پہنچگئی۔ اور اصلی معبود کو بالکل بھول گئے۔

توحید بحار میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جسکا حاصل یہ ہے۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے سنا کہ آپ جدہٴ نبیؐ میں فرماتے تھے "پہلا وہ شخص جس نے ایک تصویر آدم علیہ السلام کی بنائی وہ ابلیس ملعون ہے: تاکہ لوگ اُس سے فتنہ میں پڑجائیں۔ اور تاکہ لوگونکو خدا یتعالی کی عبادت سے بھٹکادے۔ اور وُدّ۔ قابیل کی اولاد میں سے تھا۔ وہی قابیل کا خلیفہ و جانشین تھا۔ انکی اولاد۔ اور نیز اُن لوگونکا جو اُنکے قریب سفح جبل میں رہتے تھے۔ لوگ اُس (وُدّ) کی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔ جب وہ مرگیا تو اُسکے بھائی بند اُسکی جدائی سے بے قرار ہوئے وہ بھی مرتے وقت اپنے بیٹے سُواع کو خلیفہ کرگیا تھا۔ مگر وہ مثل اپنے باپکے لوگونکو مفید نہ ثابت ہوا۔ پس اُنکے پاس ابلیس ایک مرد پیر کی صورت میں آیا اور کہا کہ مجھے اُس مصیبت کی خبر معلوم ہوئی جو تمپر وُدّ کے مرنے سے پڑی تو کیا تمہاری خواہش ہے کہ وُدّ کی ایک مورت بنادوں۔ کہ تم اس سے استراحت حاصل کرو۔ اور تمکو اُس سے انس پیدا ہو۔ لوگوں نے منظور کرلیا۔ پس اس خبیث نے وُدّ کی تصویر اُس کے مکان میں بنادی دیکھتے ہی اُسکے لوگ اُس تصویر پر ٹوٹ پڑے۔ اُسے بوسہ دینے لگے۔ اور اپنے رخسارے اُسپر رکھنے لگے اور اُسے سجدہ کرنے لگے۔ سُواع یہ چاہتا تھا۔ کہ لوگ اُسکی تعظیم کریں اور اُسکو سجدہ کیا کریں۔ تو اُس نے وُدّ کی تصویر چھیل ڈالی۔ اور اُسے ذرا بھی باقی نہ رکھا۔ تب تو لوگ اس کے قتل کے درپے ہوئے۔ مگر اُس نے انہیں وعظ و نصیحت کردی۔ اور کہا کہ (تم گھبراؤ نہیں) میں بھی تمہارے ساتھ وہی برتاؤ کرونگا۔ جو برتاؤ وُدّ کا تمہارے ساتھ تھا۔ میں اسکا فرزند ہوں۔ اگر تم لوگ مجھے مار ڈالوگے تو تمہارا کوئی سردار نہ رہیگا آخر لوگ سُواع کیطرف مائل ہوئے۔ اور اُسکی اطاعت و تعظیم کرنے لگے۔ تھوڑے دنوں بعد سُواع بھی مرگیا اور ایک فرزند اپنے بعد چھوڑا جسکا نام یغوث تھا۔ پس لوگ سُواع کے مرنیسے بیقرار ہوئے۔ پھر ابلیس اُنکے پاس آیا۔ اور کہا۔ کہ میں وہی ہوں جسنے تمہارے لئے وُدّ کی مورت بنادی تھی کیا چاہتے ہو۔ کہ اب سُواع کی تصویر بھی ایسی بنادوں جسے کوئی تغیر نہ دے سکے۔ لوگوں نے کہا ہاں ایسا کر۔ بس اسنے ایک تازی لکڑی لی۔ اُسے تراشا اور اُنکے سامنے سُواع کے مکان میں اُسکو نصب کردیا (معصوم فرماتے ہیں کہ اسی عود کا نام پہلے پہل خلاف پڑا ہے) کیونکہ ابلیس نے سُواع کی تصویر برخلاف تصویر وُدّ کے بنائی تھی۔ معصوم فرماتے ہیں کہ پھر تو لوگ اُسکو سجدہ کرنے اور تعظیم دینے لگے۔ اور یغوث سے کہا کہ ہم اس تصویر کی بابت تم سے بیخوف نہیں ہیں کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ جیسا تمہارے باپنے کید کیا تھا۔ اُسیطرح تم بھی کرو۔ اس لیئے ان لوگوں نے اُس مکان میں نگہبان اور دربان مقرر کیئے۔ پھر وہ ایکا ان اس بُت کے پاس آئے۔ اور سواع سے زیادہ اس (تصویر سُواع) کی تعظیم و توقیر کرتے۔ جب یغوث نے ایسا دیکھا۔ تو نگہبانوں اور دربانونکو رات کے وقت قتل کردیا اور اس بُت کو ریزہ ریزہ کرڈالا۔ جب اُن لوگونکو خبر ہوئی

تو اسکے قتل پر متوجہ ہوئے۔ آخر یہ اُنسے چھپ گیا۔ مگر لوگوں نے اسے تلاش کر کے پھر اسے اپنا سردار منتظم بنایا۔ پھر وہ بھی مرگیا۔ اور اپنے فرزند یعوق کو خلیفہ بنا گیا۔ تو انکے پاس ابلیس آیا۔ اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ یغوث مرگیا۔ اب میں اُسکی تصویر ایسی چیز میں بنا دونگا۔ کہ کوئی اُسکے تغیر دینے پر قادر نہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا ہاں ایسا کر۔ پس اس خبیث نے ایک سفید پتھر بیچ لوہے سے اسکو تراشا۔ یہانتک کہ ان کے لئے یغوث کی تصویر بنادی۔ پس لوگ اول سے زیادہ اسکی تعظیم کرنے لگے۔ اور اسکے اوپر پتھر کا ایک مندر بنادیا۔ اور آپسمیں بیعت کرلی اس بات پر کہ اسکے دروازے کو کوئی نہ کھولے مگر ہر سال کے شروع میں ایک دن (اُسی دن سے مندر کا نام بیعہ قرار دیا۔ کیونکہ لوگوں نے اسپر معاہدہ اور بیعت کی تھی) مگر یہ بات یعوق کو ناگوار گذری۔ تو اس نے ایک پرانی چادر لی اور اس مندر کے اندر ڈال کر اُسمیں رات کو آگ لگادی۔ جب صبح ہوئی۔ تو وہ مکان۔ بت اور نگہبان سب جل چکے تھے۔ اور بت ٹوٹ کر گر پڑا تھا۔ پس لوگ بہت بیقرار ہوئے۔ اور یعوق کے مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ اُسنے کہا کہ اگر تم اپنے رئیس (یعنی مجھکو) کو مار ڈالوگے۔ تو تمہارے کام درہم و برہم ہو جائینگے۔ لہذا اس امر سے باز آؤ۔ غرض تھوڑے دنوں بعد وہ بھی مرگیا۔ پھر ابلیس انکے پاس آیا۔ اور کہا کہ مجھکو تمہارے رئیس کے مرنے کی خبر معلوم ہوئی ہے۔ تو میں تمہارے لئے یعوق کی مورت ایسی چیز میں بنائے دیتا ہوں۔ جو بوسیدہ ہی نہ ہو۔ لوگوں نے کہا اچھا ایسا کر۔ اُسنے سونا لیا اور اسپر آگ دہکائی۔ جب پگھل کر پانی کی مانند ہوگیا تو اُس نے ایک مورت مٹی کی یعوق کی صورت پر بناکر سونے کو اُسمیں ڈھال دیا۔ پھر اُسے اُنکے سامنے اُنکے بت خانہ میں قائم کردیا۔ یہ بات نسر کو زیادہ ناگوار گزری۔ اور اُس سے اس دیر میں گھسنا ممکن نہ ہوا۔ تو ان لوگوں سے تھوڑے آدمیونکو لیکر الگ ہوگیا۔ جو اس نسر کی عبادت کرتے تھے۔ اور باقی لوگ بت کی پرستش کرتے تھے۔ یہانتک کہ نسر بھی مرگیا۔ وہ زمانہ نبوت ادریسؑ کا تھا۔ اُنکو یہ خبر معلوم ہوئی۔ کہ یہ لوگ ایک جسم کی جو یعوق کی مورت ہے۔ عبادت کرتے ہیں۔ اور نسر بھی خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرتا ہے تو ان لوگوں کے پاس اپنے اصحاب کے ساتھ گئے۔ یہانتک کہ شہر نسر میں پہنچے۔ اور وہ لوگ وہیں تھے۔ پس انکو شکست دی کچھ لوگ قتل ہوئے اور کچھ بھاگ کر ادھر ادھر شہروں میں متفرق ہوگئے۔ آپنے حکم دیا کہ بت کو اُٹھا کر دریا میں ڈالدو۔ پس آخر ہر فرقہ نے ایک ایک بت بنالیا۔ اور ان کے ناموں پر نام رکھ لئے۔ پس برابر قرناً بعد قرن لوگ سوائے ان ناموں کے اور کچھ نہ جانتے تھے۔ (اور انہیں کی عبادت کرتے تھے) پھر نبوت نوح علیہ السلام ظاہر ہوئی۔ حضرت نے ان لوگونکو خدائے وحدہ کی عبادت کیطرف دعوت کی اور بتونکی عبادت ترک کرنے کا حکم دیا۔ پس بعض آدمیوں نے کہا کہ اپنے خداؤں وَدّ اور سُواع۔ اور یغوث اور یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا۔ انتہیٰ۔

علیٰ ہذا القیاس اور بھی اسباب بت پرستی و ستارہ پرستی ہیں!! اگر انسان غور کرے۔ تو اُسے معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ میں کس قدر غلطی میں ہوں۔ جبکہ ایسی چیزونکی عبادت کرتا ہوں۔ جو مجھکو بالکل

فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ میں نے ہی انہیں اپنے ہاتھوں سے بنایا اور پھر انکی پرستش کرتا ہوں۔ اور جو واقعی قابل پرستش ہے اُسکی طرف بالکل التفات نہیں ہے۔ کسطرح کی عقلمندی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جنکی یہ مورتیں ہیں ہم دراصل انکو سجدہ کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں نفع پہنچائیں۔ تو یہ بھی خیال غلط ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی ان مورتوں ہی کو فائدہ پہنچا نہیں سکتے۔ جو اُنسے ذاتاً تعلق رکھتی ہیں تو اوروں کو کیا نفع پہنچائینگے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان مورتوں کو توڑ ڈالے۔ یا نجاسات میں پھینکر اُنکو ڈالدے۔ تب بھی تو صاحبان تصویر اُسکو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور ایسا ہوا بھی۔ اسی امر کو دیکھکر ایک عربی نے بہت خوب شعر نظم کیا ہے۔ ایکروز اُس نے دیکھا کہ ایک بُت کے اوپر لومڑی پیشاب کر رہی ہے۔ حالانکہ وہ اُسے کچھہ نہیں کہہ سکتا۔ اور نہ اس امر ذلت کو اپنے سے رفع کر سکتا ہے۔ تو اُس نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

وَرَبٌّ یبولُ الثُعْلُبانُ بِرَاسِہٖ + لقد ذَلَّ مَن بالَت عَلیہ الثَعالِبُ

ہائیں پروردگار (مصنوعی) اور اسپر لومڑیاں موتیں ؟ بیشک ذلیل ہے وہ جسپر لومڑیوں نے پیشاب کیا۔ (کیونکہ وہ اپنی اس ذلت کو اپنے سے رفع نہیں کر سکتا) اسیطرح ایک مرتبہ ایک اور عرب اپنے اونٹونکو بغرض برکت حاصل کرنے کے ایک بُت کے پاس لیگیا۔ تاکہ اُس سے اپنے اونٹونکے بدن کو مس کرے۔ اور اس فعل سے برکت حاصل کرے۔ مگر اونٹونکو دیکھئے کہ اس مورت کو دیکھتے ہی کچھہ ایسے متوحش ہوئے کہ نکیل تُڑا تُڑا کر بھاگ نکلے۔ اور چاروں طرف متفرق ہوگئے۔ بیچارے عرب کو ان حضرت بُت صاحب پر غصّہ آیا کہ آپ عجیب طرح کے خُدا ہیں۔ کہ میرے اونٹوں ہی کو بھگا دیا ہم تو آپ سے فائدہ اٹھانے آئے تھے۔ اُلٹا نقصان لے چلے۔ جھٹ یہ دو شعر انکی ہجو میں راست کئے

؎ اَتیتُ اِلیٰ سعدٍ لیجمع شملنا + فشتّتنا سعدٌ فما نحنُ من سعدٍ

وماسعدُ الّا صخرۃٌ مسوّدۃ + من الارض لاتھدی لغیٍّ ولا رُشدٍ

میں تو سعد (اُس بُت کا نام ہے) کے پاس آیا تھا۔ کہ وہ ہماری پراگندگی کو جمع کریگا۔ سعد نے لیکر ہماری جماعت ہی کو پراگندہ کر دیا۔ پس ہم سعد سے نہیں ہیں۔ سعد کیا ہے ؟ زمین کا پتھر ہے جو کالا کیا ہوا ہے جسے کسی نیک و بد کی تمیز نہیں ہے۔" اور واقعی اس غریب نے ٹھیک کہا کہ پتھر یا لکڑی وغیرہ کی اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی چیزیں جو فی الواقع مُردہ ہیں۔ کیا فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ اسی سبب سے تو خدا تعالیٰ نے جا بجا اس مطلب کو نہایت بلاغت سے ادا فرمایا ہے۔ سورہ انعام میں فرماتا ہے

قل اندعوا من دون اللہ مالا ینفعنا ولا یضرنا

اے رسول کہدے کہ کیا ہم خدا تعالیٰ کے سوا اُسے پکاریں۔ جو نہ ہمیں فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اور نہ نقصان ؟ (یعنی کیا ان پتھر کی مورتوں سے حاجت طلب کریں ؟)

پھر سورہ اعراف میں فرمایا ہے۔ ایشرکون

کیا یہ مشرکین خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہیں

ما لا يخلق شيئا وهم يخلقون ولا يستطيعون
لهم نصرا ولا انفسهم ينصرون وان تدعو
هم الى الهدى لا يتبعوكم سواء عليكم
ادعوتموهم ام انتم صامتون - ان الذين
تدعون من دون الله عباد امثالكم فادعو
هم فليستجيبوا لكم ان كنتم صادقين - الهم ارجل
يمشون بها ام لهم ايد يبطشون بها ام لهم
اعين يبصرون بها ام لهم اذان يسمعون
بها قل ادعوا شركاءكم ثم كيدون فلا تنظرون
ان وليي الله الذي نزل الكتاب وهو
يتولى الصالحين والذين تدعون من دونه
لا يستطيعون نصركم ولا انفسهم ينصرون
وان تدعوهم الى الهدى لا يسمعوا
وتراهم ينظرون اليك وهم
لا يبصرون -

اُن چیزوں کو جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ جیسے یہ پتھر کی
مورتیں ہیں جنمیں بالکل جان وحس نہیں بلکہ وہ
خود پیدا کئے ہوئے ہیں (اگر بلحاظ اصل دیکھو۔ تو
پیدا کئے ہوئے تھے ہیں کیونکہ یا تو وہ پتھر کی ہیں یا فلزات متفرقہ
کے مثل سونے چاندی تانبے وغیرہ کی اور ظاہر ہے
کہ یہ سب چیزیں خداتعالی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور
اجزاے ارضیہ سے انکی ترکیب ہوئی جنمیں گندھک
پارہ ہرتال وغیرہ کے اجزا شریک ہیں اور اگر بلحاظ
اب کے دیکھو تو بھی مخلوق ہیں۔ کیونکہ جب کسی آدمی نے
لکڑی کو یا پتھر کو لوہے سے تراشا اور اُسے خراد پر
چڑھایا اور اسمیں ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان وغیرہ
کی شکلیں بنائیں۔ تب حضرت بُت صاحب تیار ہوئے
پس اگر ایسی ہی عبادت ضروری ہے تو زیادہ مناسب
یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ جیتے جاگتے آدمی کی عبادت کیجاتی
جسنے ان خوبصورت پتلیوں کو بنایا نہ کہ پتلیوں کی۔ ورنہ
فی الواقع تو عبادت کا مستحق وہ ہے جسنے اشیاے مرکبہ
اور حضرت انسان دونوں ہی کی خلقت فرمائی ہے) اور
یہ مشرکین ایسوں کی عبادت کرتے ہیں۔ جو نہ ان عبادت
کرنیوالوں کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی مدد کر سکتے
ہیں اور اگر تم ان مشرکین کو ہدایت کی طرف دعوت دو تو
تمہاری پیروی نہ کرینگے۔ برابر ہے خواہ تم انکو حق کیطرف
دعوت دو یا چپکے رہو۔ اے مشرکین جنکو تم اللہ کے
سوا پکارتے ہو۔ یعنی جن بتوں سے اپنی حاجتیں مانگتے
ہو یا جنکو خداتعالی کے سواے معبود کہتے ہو۔ وہ بھی
مثل تمہارے بندے ہی ہیں۔ پس اگر تم اپنے دعوے
میں سچے ہو تو انہیں اپنی حاجتوں کے بر لانے کے لئے پکارو
اور یہ تمہاری دعائیں قبول کریں تو دیکھا جائے کہ

کیونکہ وہ تمہاری دعائیں مستجاب کرتے ہیں) کیا ان
مورتوں کے ایسے پاؤں ہیں جنسے چل سکیں یا ایسے ہاتھ ہیں
جنسے پکڑ سکیں۔ یا انکی آنکھیں ہیں جنسے دیکھ سکیں۔
یا انکے کان ہیں جنسے سن سکیں؟ (کچھ بھی نہیں ہے بلکہ
ٹھوس مورتیں ہیں) کہدے اے ہمارے رسول کہ اے
مشرکین پکارو اپنے شرکاء (بتوں) کو پھر مجھ سے کید و مکر
کرو۔ اور مہلت و موقع مت دو (اگر تم اپنے دعوے میں سچے
ہو) (کہ اے رسول کہ) بیشک میرا مالک و ولی وہ معبود
برحق ہے جسنے کتاب (قرآنمجید) نازل فرمائی۔ اور وہ
نیکوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور جنکو تم معبود کہتے ہو۔ وہ نہ تو
تمہاری مدد کرنے پر قادر ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں
اور اگر تم ان مورتوں کو پکارو اور دعوت دو ہدایت کیطرف
تو تمہاری پکار کو نہ سنیں گے اور اے رسول بظاہر تو تمہاری
طرف دیکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ دیکھتے نہیں (کیونکہ اُنمیں
قوت باصرہ ہی نہیں۔ اسوجہ سے کہ اپنے بدنوں میں روح
حیوانی نہیں رکھتے اور نہ کسی قسم کی اور طاقت رکھتے ہیں

نیز سورہ یونس میں فرمایا ہے۔ قُل ھل من شرکائکم من یبدءُ الخلق ثم یعیدہ کہ اے رسولؐ ہمارے
ان بُت پرستوں سے کہ آیا تمہارے شرکاء میں سے یعنی جنہیں معبود کہکر خدا کا شریک بناتے ہو۔ کوئی ایسا
بھی ہے جو پیدا کرے خلقت کو نشأ اولے میں۔ پھر اُسے دوبارہ لوٹا سکے۔ جیسا کہ ہمارا پروردگار حقیقی اِس
امر پر قادر ہے۔ کہ پیدا بھی کرتا ہے۔ پھر مار بھی ڈالتا ہے۔ پھر دوبارہ حساب و کتاب کی غرض سے قیامت
میں زندہ کریگا۔ قل اللہ یبدءُ الخلق ثمّ یعیدہ۔ کہدے اے رسول کہ (وہ تو ابتدائے خلقت یا اعادہ
خلقت نہیں کر سکتے مگر) اللہ تعالیٰ خلقت کی ابتدا بھی کرتا ہے اور اُسے دوبارہ بھی واپس لائیگا۔ اور پھر زندہ
کریگا۔ فانّیٰ تؤفکون۔ پس اے مشرکین تم کدھر حق سے بھٹکے جاتے ہو۔ قُل ھل من شرکائکم من
یھدی الی الحقّ قل اللہ یھدی للحقّ۔ کہ اے رسول کہ آیا تمہارے شرکاء میں سے۔ بھی
ایسا ہے جو راہ حق کی بھی ہدایت کر سکے۔ (وہ بیچارے تو آپ مُردہ ہیں دوسروں کو کیا ہدایت کرینگے۔) کہ اے
رسولؐ کہ اللہ (تو) حق کیطرف ہدایت کرتا ہے (پس کیونکر تم خدا تعالیٰ کو اور بتوں کو برابر سمجھتے ہو) افمن
یھدی الی الحقّ احقّ ان یتبع ام من لا یھدّی الا ان یھدیٰ فما لکم کیف تحکمون

پس جو کہ حق کیطرف ہدایت کرتا ہے۔ وہ پیروی کیئے جانے کے قابل ہے۔ یا وہ جو بغیر ہدایت کیئے ہوئے ہدایت ہی نہیں پاتا ؟ پس اے مشرکین تمکو کیا ہو گیا ہے آخر یہ کس طرح کا حکم لگاتے ہو۔ (کہ تراشی ہوئی مورتیں بھی قابل پرستش ہیں بڑے غضب کی بات ہے۔ سمجھو اور اپنی رائے سے واپس ہو)

اور سورہ ہود میں فرمایا ہے فلا تک فی مریۃ مما یعبد ھؤلاء پس اے رسول ہمارے تم شک میں نہ پڑو۔ اُس سے جسکی یہ مشرکین عبادت کرتے ہیں۔ کیونکہ دراصل یہ پتھروں ہی کو پوجتے ہیں ما یعبدون الا کما یعبد اباؤھم من قبل۔ اسی طرح یہ لوگ بھی عبادت کرتے ہیں جیسے انکے باپ دادا پہلے عبادت کرتے تھے۔ یہ لوگ اُن ہی کی تقلید پر قائم ہیں وانا لموفوھم نصیبھم غیر منقوص اور بے شک ہم ان کو انکے اس فعل کا بدلہ پورا دینگے۔ یعنی انپر خوب عذاب کرینگے۔ جیسا دوسرے مقام پر فرمایا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ بیشک خدا تعالی شرک کو نہ بخشیگا۔ نیز اسی سورہ میں فرمایا ہے۔ ویعبدون من دون اللہ ما لا یملک لھم رزقا من السموات والارض شیئا و لا یستطیعون یعنی یہ مشرکین اللہ تعالی کو چھوڑکر اُن چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ طاقت رکھتی ہیں کہ آسمانوں سے مینہ برسا سکیں اور نہ یہ کہ زمین سے انکے لئے غلے پیدا کر سکیں اور کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے۔

سورہ مریم میں فرمایا ہے۔ نقل قول حضرت ابراہیم جو بطور نصیحت کے آذر سے آپنے کہا تھا۔ یا ابت لم تعبد ما لا یسمع و لا یبصر و لا یغنی عنک شیئا "اے باپ تو کیوں عبادت کرتا ہے۔ اس چیز کی جو نہ سُنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے اور نہ تجھکو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے"

سورہ حج میں فرمایا ہے یدعو من دون اللہ ما لا یضرہ و لا ینفعہ ذلک ھو الضلال البعید۔ بعض آدمیوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو خدا تعالی کو چھوڑکر ایسوں کو خدا کہتے ہیں۔ جو نہ انکو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع یہی وہ گمراہی دور و دراز ہے۔ یعنی یہی وہ ضلالت ہے جو حق سے بہت دور رہے۔ نیز فرماتا ہے ان الذین تدعون من دون اللہ بیشک جن لوگوں کو تم اے مشرکین خدا کہتے ہو۔ اور انکی تعداد تین سو ساٹھ بتاتے ہو۔ جو مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے گرد خانہ کعبہ کے دھرے ہوئے ہیں لن یخلقوا ذبابا و لو اجتمعوا لہ ہرگز ہرگز ننھی سی مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے۔ اگرچہ سب کے سب ملکر پیدا کرنا چاہیں تو پھر کس طرح یہ مورتیں خدا ہو سکتی ہیں۔ اور کیا وجہ انکی عبادت کی سمجھ میں آسکتی ہے وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ اور اگر مکھی اُنکے جسم پر سے کچھ چھین لیجائے یعنی وہ مصالح و عطر وغیرہ جو انپر ملے جاتے ہیں تو اُسکو چھوڑا نہیں سکتے اور واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ جناب صادق علیہ السلام سے توحید بحار میں مروی ہے کہ قریش اپنے بتوں کو جو گرداگرد خانہ کعبہ کے رکھے ہوئے تھے۔ مشک و عنبر لگاتے تھے۔ (جیسے یہاں ہندوستان میں بتوں کی پیشانی پر سیندور گیرو اور تیل وغیرہ لگا دیتے ہیں یا سُرخ صندل سے اُنکو رنگین کر دیتے ہیں) اور یغوث نامی بت دروازے کے آگے دائیں ہاتھ پر رکھا ہوا تھا۔ اور نسر بائیں ہاتھ پر جب یہ لوگ وہاں جاتے تو یغوث کے آگے سجدہ کرتے

اور خم نہ ہوتے تھے۔ پھر گردش کرکے یعوق کیطرف آتے تھے پھر نسر کیطرف۔ پھر تلبیہ کرتے تھے یعنی لبیک اللھم لبیک۔ الخ پڑھتے تھے۔ پس خدا تعالیٰ نے ایک مکھی بھیجی جسکے چار بازو تھے۔ وہ تمام مشک و عنبر جو ان بتوں کو لگا ہوا تھا۔ چاٹ گئی۔ اُس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی۔ ضعف الطالب والمطلوب طالب بھی کمزور ہے اور مطلوب بھی (یعنی حالانکہ یہ مکھی کیسی ننھی سی ہے اور کمزور بھی، پھر بھی اُس سے یغوث و یعوق وغیرہ اپنی کمزوری کے سبب عطریات کو نہ بچا سکے (آخر یہ کس قسم کے معبود ہیں)

۸ سورہ شعراء میں فرمایا ہے واتل علیھم نباء ابراھیم اذ قال لابیہ وقومہٖ ما تعبدون قالوا نعبد اصناما فنظل لھا عاکفین۔ بیان کرلے ہمارے رسول ان مشرکین سے ابراہیمؑ کا قصہ جبکہ انہوں نے اپنے باپ (یعنی پالنے والے چچا) سے اور اپنی قوم والوں سے کہا کہ تم لوگ کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم مورتوں کی عبادت کرتے ہیں پس برابر ہم رہینگے بھی انکی پرستش نہ چھوڑینگے۔ قال ھل یسمعونکم اذ تدعون کہا ابراہیم نے جب تم پکارتے ہو تو کیا یہ بت سنتے بھی ہیں۔ او ینفعونکم او یضرون یا تمکو نفع یا نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ قالوا بل وجدنا اٰباءنا کذالک یفعلون۔ اُن لوگوں نے جواب دیا کہ بلکہ ہم نے اپنے باپ داداؤں کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا یعنی ہمارے پاس کوئی دلیل تو اس بات کی مَوجُود نہیں ہے کہ کیوں انکی عبادت کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ باپ داداؤنکو ایسا ہی کرتے دیکھا لہٰذا ہم بھی انکی پرستش کرتے ہیں" کسقدر کمزور جواب ہے کیا بھلا اس جواب سے یہ لوگ بچ سکتے ہیں؟ جبکہ دلائل بطلان واضح ہیں یہی جواب اہل ہنود کا بھی ہے حالانکہ جب انکو سمجھایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو لیکھ کے پابند ہیں۔ یعنی جو رفتار قدیم سے چلی آتی ہے خواہ حق ہو یا باطل اُسی ڈھرّے پر چلے جاتے ہیں" ایسی عقل سے خُدا پناہ میں رکھے۔

۹ سورہ نمل میں فرماتا ہے زبانی ہُدہُد کی جو حضرت سلیمانؑ سے حالات بلقیس کو بیان کر رہا ہے۔ وجدتھا وقومھا یسجدون للشمس من دون اللہ وزین لھم الشیطان اعمالھم فصدھم عن السبیل فھم لا یھتدون الا یسجدوا للہ الذی یخرج الخبأ فی السمٰوٰت والارض ویعلم ما تخفون وما تعلنون۔ میں نے اُس (بلقیس) کو اور اُسکی قوم کو پایا (دیکھا) کہ وہ خدا تعالےٰ کو چھوڑ کر سورج کو پوجتے ہیں۔ اور شیطان نے انکی آنکھوں میں اُنکے اعمال کو زینت دیدی ہے (پس انکو راہ راست سے روک دیا ہے کہ ہدایت نہ پائیں) کہ وہ اللہ کو تو سجدہ نہ کریں۔ جو آسمانوں اور زمین کے اندر کی مخفی چیزوں کو نکالتا ہے۔ مثلاً آسمان سے مینہ برساتا ہے اور زمین سے غلے اُگاتا ہے یا کہ آسمان و زمین کی غائب چیزوں کو جانتا ہے اور اُسکو جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو۔ اور اُسے بھی جسے تم ظاہر کرتے ہو۔ پھر بھی اُسکی عبادت نہیں کرتے (کیسے غضب کی بات ہے)۔

۱۰ سورہ عنکبوت میں فرمایا ہے۔ انما تعبدون من دون اللہ اوثانا وتخلقون

انکا ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقاً فابتغوا عند اللہ الرزق
واعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون ۔ پس تم لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کو پوجتے ہو۔ اور افترا پردازی کرتے ہو۔ کہ ان بتوں کو خدا کہتے ہو۔ بیشک جنکی تم عبادت کرتے ہو۔ خدا تعالیٰ کو چھوڑکر وہ تمہیں روزی دینے پر قادر نہیں ہیں۔ پس خدا کے پاس سے روزی چاہو۔ اور اُسکی عبادت کرو اور اسکا شکر ادا کرو۔ اُسی کیطرف لوٹائے جاؤگے۔ (پھر جب وہ تم سے تمہارے ان بدافعال کی پرسش کریگا توکیا جواب دوگے)۔

نیز فرماتا ہے وقال انما اتخذتم من دون اللہ اوثاناً مودۃ بینکم فی الحیوۃ 11
الدنیا ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضاً وماوٰکم النار ومالکم من ناصرین۔ (اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ بھی) کہا کہ تم جو خدا کے سوا بتوں کو مانتے ہو۔ توصرف دنیاوی محبت باہمی کے لحاظ سے مانتے ہو۔ پھر قیامت کے دن (تو تمہارا یہ حال ہوگا کہ) ایک دوسرے کا انکار کروگے اور ایک دوسرے کو لعنت کروگے (وہ کہیگا تو نے بت پرستی مجھ کو سکھائی وہ کہیگا تو میرے جہنم میں جانیکا باعث ہوا) اور آخری ٹھکانا تمہارا جہنم ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں (یعنی قیامت کے دن پھر عذاب خدا سے تمکو کوئی بچانیوالا نہ ہوگا)۔

پھر سورہ یسین میں فرماتا ہے أأتخذ من دونہ آلھۃ ان یردن الرحمان بضر لا 12
تغن عنی شفاعتھم شیئاً ولا ینقذون انی اذاً لفی ضلال مبین۔ (اس شخص نے جو مسلمان تھا کہا کہ) کیا میں اُس (معبود برحق) کے سوا اور بھی کئی معبود مان لوں۔ (ہرگز ایسا نہ ہوگا کیونکہ) اگر رحم والا (خدا) مجھکو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے۔ تو مجھکو اُن فرضی خداؤں کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہ دیگی اور نہ وہ مجھے بچاسکینگے۔ بیشک میں اُسوقت (جبکہ خدا تعالیٰ کے سوا اور خداؤں کا قایل ہو جاؤں تو) صاف گمراہی میں ہونگا۔ (لہذا میں سوائے اپنے اصلی معبود کے جو ایک ہی ہے۔ دوسرے خدا کا قایل نہ ہونگا۔

پھر سورہ صافات میں فرماتا ہے۔ انھم کانوا اذا قیل لھم لا الہ الا اللہ یستکبرون۔ 13
(یہ مشرکین جہنم میں کیوں ڈالے گئے؟ صرف اسوجہ سے کہ) بیشک جب ان سے کہا جاتا تھا کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود برحق نہیں ہے تو اکڑ بیٹھتے تھے۔ ویقولون ائنا لتارکوا الھتنا لشاعر مجنون اور کہتے تھے کہ کیا ہم چھوڑدیں اپنے خداؤں کو ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے۔

نیز فرمایا ہے اتعبدون ما تنحتون واللہ خلقکم وما تعملون (ایہا الناس) کیا 14
تم عبادت کرتے ہو اُنکی جنہیں خود تراشتے ہو۔ (اپنے ہاتھوں سے) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمکو بھی پیدا کیا ہے اور نیز اُسے بھی جسے تم بناتے ہو (یعنی ان پتھروں کو بھی تو اُسی نے پیدا کیا ہے پھر تم انکو

کیوں پوجتے ہو۔ اور خدا تعالیٰ کی عبادت کیوں نہیں کرتے۔ جو خالق اصل ہے)

۱۵ نیز فرماتا ہے۔ اتدعون بعلا وتذرون احسن الخالقین الله ربکم ورب اٰبائکم الاولین۔ کیا تم پکارتے ہو۔ بت کو اور اپنے پالنے والے معبود برحق (اللہ) کو جو سب سے اچھا پیدا کرنیوالا ہے۔ اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا بھی خالق ہے چھوڑتے ہو۔ (یہ کیسا انصاف ہے اور یہ کس قسم کی عقل ہے)۔

۱۶ اور سورہ زمر میں فرماتا ہے فاعبد الله مخلصا له الدین الا لله الدین الخالص والذین اتخذوا من دونه اولیاء ما نعبدهم الا لیقربونا الی الله زلفی ان الله یحکم بینهم فیما هم فیه یختلفون۔ پس (اے رسولؐ) عبادت اللہ کی در انحالیکہ اُسکے لئے دین کو خالص کرنیوالا ہو۔ آگاہ ہو کہ اللہ ہی کے واسطے خالص دین ہے۔ اور جن لوگوں نے اُس کے سوا اوروں کو اپنا ولی مقرر کیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تو انکی صرف اسوجہ سے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمکو خدا کا مقرب بنا دیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ انکے درمیان انکے اختلاف کا قیامت کے دن فیصلہ کر دیگا۔

۱۷ نیز فرماتا ہے ولئن سالتهم من خلق السموات والارض لیقولن الله قل افرایتم
×××××××××××××
ما تدعون من دون الله ان ارادنی الله بضر هل هن کاشفات ضره او ارادنی برحمة هل هن ممسکات رحمته قل حسبی الله علیه یتوکل المتوکلون اے رسول اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو ضرور کہینگے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے تو ان کافروں سے کہو کہ دیکھو تو سہی تم جو اللہ کے سوا اور معبودوں کو پکارتے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھکو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا تمہارے فرضی معبود اسکی بھیجی ہوئی تکلیف کو دفع کر سکینگے یا وہ مجھ پر رحمت کرنی چاہے۔ تو کیا تمہارے فرضی معبود اُسکی رحمت کو روک سکینگے؟ (ہرگز نہیں۔ تو ان سے) کہدو (اے رسول کہ) اللہ میرے لئے کافی ہے (اور وہی میرا مددگار ہے) اُسی پر بھروسہ کرنیوالے بھروسہ کرتے ہیں۔ (نہ کہ تمہارے بنائے اور گھڑے ہوئے خداؤں پر جو نہ ہاتھ ہلا سکتے ہیں نہ پاؤں)۔

۱۸ اور سورہ مومن میں فرماتا ہے قل انی نهیت ان اعبد الذین تدعون من دون الله لما جاءنی البینات من ربی وامرت ان اسلم لرب العالمین۔ اے ہمارے حبیب رسولؐ کہدو کہ میں اس بات سے منع کیا گیا ہوں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے نہی فرمائی ہے کہ انکی پرستش کروں جنکی تم پرستش کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جبکہ دلیلیں اور حجتیں میرے پروردگار کیطرف سے آئیں تو اس امر کو مجھے بتا دیا کہ ان سوا تو نکی عبادت نہ کرنی چاہیئے۔ اور مجھے خدا تعالیٰ کیطرف سے حکم ملا ہے کہ میں تمام جہان کے پالنے والے اور مالک کی اطاعت کروں۔

۱۹ سورہ سجدہ میں فرماتا ہے۔ لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذی

خلقهن ان كنتم اياه تعبدون - تم لوگ سورج اور چاند کو سجدہ مت کرو - اور اللہ کو سجدہ کرو - جس نے ان (سورج اور چاند وغیرہ) کو پیدا کیا ہے اگر تم اُسی کی عبادت کرنی چاہتے ہو یعنی اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ ان بتوں کی پرستش سے دراصل ہمارا مقصود خدا تعالیٰ کی عبادت ہے (جیسا کہ بعض اصنام پرستوں سے مشافہتہً سنا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں دراصل تو ہمکو مقصود اُسی کی عبادت ہے لیکن چونکہ ہمارا خیال اُس پر قائم نہیں ہوتا - اس لئے ہمنے یہ مختلف قسم کی مورتیں خیال کی یکسوئی کیواسطے قائم کر لی ہیں تاکہ انپر خیال پختہ کر کے ترقی کریں - اور خدا تعالیٰ کی عبادت تک پہنچیں -) - تو تمہیں لازم ہے کہ اُسی اصل خالق کیطرف اپنے خیال کو متوجہ کرو - اور اسمیں استحالہ اور دشواری ہی کیا ہے - یہ تو ظاہر ہے کہ وہ بے مثل و بے نظیر ہے اُسکی کوئی صورت نہیں ہے - اُسکے لئے کوئی جسم نہیں ہے وہ جسم و جسمانیات و مکان و مکانیات سے مبرا ہے - اور اپنی قدرت سے ہر ایک چیز کی حالت اور ہر دل کے خیال اور ہر عضو بدن کے افعال سے واقف ہے اُس سے کوئی جگہ خالی نہیں تو اُسی ذات مقدس بے ہمتا و بے مانند کو مقصود اصلی ٹھیرا کر کیوں نہیں سجدہ کرتے - دیکھو قرآن یہ تعلیم فرماتا ہے - کہ اینما تولوا فثم وجه الله - جدھر مُنہ پھیرو اُدھر ہی ذات خدا ہے - یعنی اُس سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے پس ایسے موجود کی عبادت کیواسطے کیا ضرورت کسی نمونہ قائم کرنیکی ہے - اور اگر یہی ہے تو پھر تخصیص چاند - سورج - پتھر کی کیا ہے - انمیں کیا خدا بیٹھا ہوا ہے یا انکو کوئی خاص تعلق ذات اللہ تعالیٰ سے ہے؟ یہ تو ویسی ہی مخلوق ہیں - جیسے تم مخلوق ہو - یہ بھی ویسے ہی مسخر ہیں جیسے تم مسخر ہو - یہ بھی ویسے ہی عبد خدا ہیں جیسے تم ہو - تو پھر انکو پوجنا کیا خالق عالم کی جناب میں بے ادبی نہ ہوگی؟ بیشک یہ بہت بڑی بے ادبی ہے کہ ایسے خالق و قادر و عالم و مالک الملک و الملکوت کے ہوتے ہوئے اُسی کے سامنے اُسکی مخلوقات خسیسہ کو تو سجدہ کیا جائے - اور باوجود استحقاق حقیقی کے خود اُسکو نہ سجدہ کیا جائے - مورتوں اور چاند سورج - درخت - پانی اور آگ وغیرہ سے رفع حاجات کے لئے دعا مانگی جائے - اور جو اقدر القادرین ہے - اُس کی طرف التفات بھی نہ کیجائے - فالحیف ثم الحیف!!

سورہ زخرف میں فرمایا ہے ولا يملك الذين يدعون من دونه الشفاعة ۲۰
الا من شهد بالحق وهم يعلمون ولئن سألتهم من خلقهم ليقولن الله
فانی یؤفکون ٥ اور جن بتوں کو یہ کفار پکارتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ وہ ہماری سفارش کرینگے - اس لئے ہم اُنکو سجدہ کرتے ہیں - وہ تو سفارش کرنے پر قادر ہی نہیں ہیں - البتہ وہ لوگ سفارش کر سکینگے جنہوں نے حق کی شہادت دی ہے یعنی توحید خدا کے قائل ہیں - اور سچے موحد ہیں (مثل حضرت عیسےٰ اور عزیر علیہما السلام اور فرشتوں کے) اور وہ علم بھی رکھتے ہیں - اور اے رسول اگر تم ان بت پرستوں سے پوچھو کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو کہدینگے - کہ اللہ نے پیدا کیا ہے - پس (باوجود اس اقرار کے) کدھر بھٹکے پھرتے ہیں؟

سورہ جاثیہ میں فرمایا ہے افرأيت من اتخذ الٰهه هواه - اے رسول دیکھا ۲۱

تم نے اُن لوگونکو جنہوں نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے۔ یہ آیت قریش کی نسبت اس موقع پر نازل ہوئی ہے جبکہ اُنکی معاش ان پر تنگ ہو گئی تھی۔ تو مکہ سے نکلے اور متفرق ہو گئے۔ اور انمیں سے جب کوئی شخص کسی خوبصورت درخت یا پتھر کو دیکھتا تو اُسکی عبادت کرنے لگتا اور اسپر اپنی بھیڑ ونکو قربانی چڑھاتا اور اُنہیں ان جانورونکے خون سے رنگین کرتا۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم نے اے رسول دیکھا ان لوگونکو کس طرح اپنی خواہش نفس کے پیرو ہیں جسے انکا دل کہتا ہے اُسی کی عبادت کرنے لگتے ہیں۔ اور خدائے حقیقی کو بھولے ہوئے ہیں!!

سورہ احقاف میں فرماتا ہے۔ قل ارأیتم ماتدعون من دون اللہ اروني ماذا ۲۲
خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السماوات ائتونی بکتاب من قبل ھذا او اثارۃ من علم انکنتم صادقین ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون۔"

اے رسول ان مشرکین سے کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی کہ تم جن لوگوں (جن مورتوں) کو سوائے اللہ تعالیٰ کے معبود کہتے ہو یا انکو اپنی حاجتوں کے وقت پکارتے ہو ذرا دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کردی یا آسمانوں کے بنانے میں انکا ساجھا ہے۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو لاؤ اس سے پہلے کی کوئی کتاب جسمیں لکھا ہو کہ ان مورتونکی عبادت درست ہے یا کوئی علمی روایت میرے سامنے پیش کرو۔ جس سے تمہارے دعوے کی تصدیق ہو سکے!! اور (اے رسول) اُس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا۔ جو اللہ کے سوا اُنکو پکارتا ہے۔ جو کبھی اُنکی دعا قیامت تک نہ قبول کرینگے۔ اور وہ انکی دعا سے غافل بھی ہیں۔ یعنی انکو خبر بھی نہیں۔ کہ ہم سے کوئی کچھ کہتا بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اُنمیں قوت سامعہ ہی نہیں۔ اور نہ کوئی خاص ایسی طاقت ہے جس سے وہ انکی دعاؤنکو ادراک کرسکیں۔

سورہ نجم میں فرمایا ہے۔ افرأیتم اللات والعزی ومنوۃ الثالثۃ الاخری الکم ۲۳
الذکر ولہ الانثی تلک اذاً قسمۃ ضیزی ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم و اباءکم ما انزل اللہ بھا من سلطان ؕ کیا تم نے دیکھا لات۔ اور عزیٰ اور تیسرے منات کو جنکی تم عبادت کرتے ہو۔ کیا انہوں نے کوئی نفع یا نقصان پہنچایا؟ یا کوئی ایسا کام کیا جس سے خدا ہی جانے کے قابل ہوئے؟ اور کیا تم انہی کو کہتے ہو کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں؟ کیا خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے تو بیٹے پیدا کئے اور اپنے لئے بیٹیاں اختیار کیں۔ (یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کچھ لوگ کہتے تھے کہ فرشتے خدا تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں) یہ تقسیم تو اسوقت بہت ہی نامنصفانہ ہے کہ تمہارے لئے تو بیٹا ہو اور خدا کے بیٹیاں ہوں۔ (یہ سب غلط ہے بلکہ) یہ تو صرف وہ نام ہیں۔ جو تم نے اور تمہارے آبا و اجداد نے قرار دے لئے ہیں۔ یہ محض فرضی ڈھکوسلے ہیں۔ انکی بابت خدا تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں نازل فرمائی ہے جس سے سمجھا جائے کہ یہ بت قابل عبادت ہو سکتے ہیں۔"

سورہ جحد میں فرماتا ہے قل یاایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون.. کہدے اے رسول کہ اے کافرو میں نہ عبادت کرونگا اُسکی جسکی تم عبادت کرتے ہو۔ کیونکہ وہ مخلوقات ہیں مثل تمہارے نہ اُنمیں قوت احساس ہے اور نہ قوت حرکت اور نہ کسی اور قسم کی طاقت جس سے قابل پرستش ہو سکیں؛

چوتھا باب اس بیان میں کہ اُسکے نہ بیوی ہے نہ بچہ۔

کچھہ لوگ اپنی جہالت سے اس امر کے قائل ہوگئے۔ کہ خدا تعالیٰ کے بیوی بھی ہے چنانچہ خود مجھ سے ایک عالم ہندو نے جو اپنے فن میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ کہ " پرمیشر اپنے اسّی برس کے کاموں کو قدرت میں حوالہ کرکے اپنی استری کو لیکر سوچیت عرش پر سوتا ہے " اور حضرات عیسوئیں اس امر کے مدعی ہوگئے کہ خدا تعالیٰ کے بیٹا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسےٰ مسیح کو جو پیغامبر برگزیدہ تھے۔ خدا کا بیٹا کہدیا اور غالباً یہ لوگ حضرت مریمؑ کو نعوذ باللہ خدا کی بیوی سمجھے ہونگے۔ کیونکہ خدا کا بیٹا ان ہی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ ان لوگوں سے کچھہ بیشتر حضرت عزیر کو لوگوں نے خدا کا بیٹا کہدیا تھا۔ چنانچہ ان دونوں تولونکی نقل خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کی ہے قالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح بن اللہ ذٰلک قولھم بافواھھم یضاھئون قول الذین کفروا من قبل۔ یہود نے کہدیا کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے اور نصرانیوں نے کہدیا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ یہ انکے منہ کی باتیں ہیں اگلے کافرونکی سی باتیں کرتے ہیں یعنی یہ محض زبانی انکا دعویٰ ہے اسکی دلیل انکے پاس کوئی نہیں اور پھر انکے رد میں فرمایا ہے کہ انما المسیح عیسےٰ بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الیٰ مریم۔ پس عیسےٰ مسیح بن مریم تو اللہ کا رسول تھا۔ اور اسکا ایک حکم تھا جسے مریم کیطرف ڈالدیا تھا پھر فرمایا لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملٰئکۃ المقربون۔ خدا کا بندہ ہونے سے مسیح نے ہرگز انکار نہیں کیا اور نہ مقرب فرشتوں نے بلکہ سب اس بات کے معترف رہے اور ہیں کہ ہم سب بندگان خدا ہیں اور اُس کے مخلوق ہیں علےٰ ہٰذا القیاس توریت بھی اس امر کی اقراری نظر آتی ہے۔ کہ خدا کے بیٹے ہیں۔ چنانچہ کتاب پیدائش باب ۶ آیت ۲-۳ میں مذکور ہے " جب روئے زمین پر آدمی بہت ہونے لگے۔ اور ان سے بیٹیاں پیدا ہوئیں تو خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وے خوبصورت ہیں اور ان سبھوں میں جسے جو پسند آئیں اپنے لئے جورواں لیں۔ تب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مزاحمت نکریگی۔ وہ تو بشر ہے۔ تو بھی اسکے دن ایک سو بیس برس اور ہونگے " لیکن اس مقام پر ایک سوال یہ ہے کہ کسی کو خدا کا بیٹا کہنا کس معنی سے ہے؟ اگر اسکا یہ مطلب ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا محبوب اور پیارا ہے اور وہ اُس سے ایسی محبت کرتا ہے جیسی باپ بیٹے سے تو اس لحاظ سے تمام گذشتہ انبیا خدا کے بیٹے ہوئے کیونکہ وہ نیک چلن اور عابد و زاہد ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے محبوب تھے۔ اور نیز وہ لوگ بھی خدا کے بیٹے ہوئے جنکے واسطے بسبب انکے

حسنات کے خدا تعالیٰ درجات عالیہ پر فائز کریگا۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ وہ عام بندوں پر حد سے زیادہ مہربان ہے الرحمان الرحیم۔ ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین۔ تو تمام بندے اُسکے بیٹے ہیں۔ کیونکہ وہ انہیں اسیطرح پالتا ہے جیسے باپ بیٹے کو بلکہ اُس سے بہتر۔ لہذا تخصیص شخصی کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اور اگر اسکا یہ مطلب ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ چونکہ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اسوجہ سے وہ خدا کے بیٹے ہیں کیونکہ کوئی نہ کوئی باپ اُنکے لئے ضرور تجویز کیا جانا چاہیئے۔ تو حضرت آدمؑ بطریق اولیٰ خدا کے بیٹے ہوئے۔ اور حوّا خدا کی بیٹی کیونکہ اُنکا بھی کوئی باپ ظاہر ہیں نہ تھا۔ تو خدا تعالیٰ ہی انکا بھی باپ ہؤا اور یہ اُسکے فرزند حالانکہ کوئی بھی آدمؑ و حوّا کو خدا کا بیٹا بیٹی نہیں کہتا۔ اور اگر مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص خدا کا بیٹا اسوجہ سے ہے کہ اُس نے کسی عورت سے اُسی طرح صحبت کی ہے۔ جیسے مرد عورت سے اور نطفہ قرار پاکر بچہ پیدا ہوا ہے تو پناہ بخدا اس قول سے اس لئے کہ اگر ایسا مان لیا جائے تو پھر خدا تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آئیگا۔ کیونکہ صحبت کا واقع ہونا آلات جماع پر موقوف ہے اور نطفہ کا خارج ہونا اجزائے ترکیبیہ عنصریہ پر پس اگر خدا تعالیٰ کے پاس آلات جماع ہیں۔ اور اُس کے لئے ایسا کوئی جسم ہے جسمیں اجزائے عنصریہ کو ترکیب حاصل ہوتی ہے تو وہ خاصہ مُرکّب ہوا اور جو چیز مرکب ہے۔ وہ معدوم الاصل ہے پس خدا تعالیٰ معدوم الاصل ہوگا۔ اور جب ایسا ہوا تو کسی کا پیدا کیا ہوا ہوگا۔ پھر تو وہ خدائے واجب الوجود و قدیم نہ ہو سکیگا۔ بلکہ جو اسکا پیدا کرنے والا ہے وہ خدا ہونے کے زیادہ قابل ہوگا۔ بشرطیکہ اُس میں بھی یہی عیب نہ ہو۔ وذالک مستحیل فی جناب کبریائہ تعالیٰ اللہ عن ذالک علوًّا کبیرا۔ نیز بنا بر مسئلہ تولید مثل کے کہ کسی درخت کے بیج سے وہی درخت پیدا ہوتا ہے اور کسی نبات کی شاخ سے وہی نبات اُگتی ہے۔ کسی پرندے کے انڈوں سے ویسا ہی پرندہ پیدا ہوتا ہے اور کسی حیوان کے نطفہ سے ویسا ہی انسان۔ اگر خدا تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہو۔ تو یقیناً جنس و نوع میں مغائر ہوگا۔ کیونکہ وہ واجب الوجود اور قدیم ہے اور اسکے نور چشم ممکن الوجود اور حادث ہونگے پس قاعدہ تولید مثل برہم ہو جائیگا ؛

اور چونکہ یہ بات بالکل ناممکن۔ بلکہ بے معنی تھی کہ خدا تعالیٰ کے لئے کوئی جورو یا بچہ ہو اسلئے قرآن مجید میں اکثر مقام پر اسکی نفی فرمائی ہے۔ سورہ نساء میں فرماتا ہے انما اللہ الٰہٌ واحدٌ سبحانہ ان یکون لہ ولد لہ ما فی السماوات وما فی الارض۔ بس اللہ تو ایک ہی معبود برحق ہے۔ پاک ہے اس سے کہ اُسکے کوئی بیٹا ہو (البتہ یہ بات ضرور ہے کہ) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ سب اُسی کی (پیدا کی ہوئی) ہے۔

اور سورہ مائدہ میں فرمایا لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم قل فمن یملک لکم من اللہ شیئا ان اراد ان یھلک المسیح بن مریم وامہٗ

وَمَن فِی الاَرضِ جَمِیعًا وَلِلّٰہِ مُلکُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَمَا بَینَھُمَا یَخلُقُ مَا یَشَآءُ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ" اس آیت شریفہ میں خدا تعالیٰ نے اُن نصرانیوں کی رد فرمائی ہے جو اس سے متجاوز ہو کر کہ عیسٰے کو خدا کا بیٹا کہیں، عین خُدا تعالیٰ کہنے لگے تھے چنانچہ شہرستانی نے ملل ونحل میں لکھا ہے وقالت الملکانیۃ المسیح ناسوتٌ کُلّیٌ لا جزئیٌ وھو قدیمٌ ازلیٌ من قدیمٍ ازلیٍ وقد ولدت مریمُ الٰھًا ازلیًا الخ فرقہ ملکانیہ قائل ہے کہ مسیح ناسوت کلی تھے ناسوت جزئی نہ تھے اور قدیم ازلی تھے۔ قدیم ازلی سے پیدا ہوئے تھے۔ اور مریم نے خدائے ازلی کو جنا تھا" (ص ۲۲ ج ۲)

تو خدا تعالیٰ انکی رد میں فرماتا ہے کہ کافر ہو گئے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مسیح خدا ہے۔ اے رسول کہدو کہ کون اس بات پر قادر ہے کہ مسیح کو مرنے نہ دے۔ اگر اللہ چاہے کہ انکو مار ڈالے اور نیز انکی ماں کو بھی اور تمام ان لوگوں کو بھی جو روئے زمین پر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مسیح خُدا ہوتے تو کیونکر مر سکتے اور کیوں نہ اپنے نفس سے اس ہلاکت کو دفع کر سکتے۔ حالانکہ اُنمیں نہ کسی اور میں یہ طاقت ہے کہ اپنے مرنیکو اور قضائے الٰہی کو روک سکے۔ وللّٰہ الخ یعنی اور خدا ہی کے لئے ہے۔ آسمانوں اور زمین اور مابینہما کا ملک جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ نہ کوئی اور۔ تو جس طرح تمام زمین اور آسمان اور انکے درمیان کی چیزیں مملوک خُدا ہیں۔ اُسی طرح مسیح بن مریم بھی مملوک خُدا ہے۔ نہ یہ کہ خود وہ خدا ہو

اسی مطلب کو اسی سورہ میں ایک اور مقام پر ادا فرمایا ہے لقد کفر الذین قالوا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا تیسرا ہے یعنی تین خدا ہیں انمیں کا ایک خُدا ہے۔ اور وہ تین یہ ہیں ۱۔ خود خدا تعالیٰ ۲۔ روح القدس ۳۔ عیسٰے مسیح جنہیں اقانیم ثلثہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اور تینوں کو قدیم ازلی جانتے ہیں۔ غالباً یہ یعقوبیہ فرقہ عیسوی کا اعتقاد ہے۔ جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات مسیح سے متحد ہو گیا اور دونوں ملکر ایک ہو گئے۔ پس ناسوت لاہوت بنگیا اور لاہوت ناسوت ہو گیا۔ وَمَا مِن اِلٰہٍ اِلَّا اِلٰہٌ وَّاحِدٌ حالانکہ ایک معبود کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے وَاِن لَّم یَنتَھُوا عَمَّا یَقُولُونَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِینَ کَفَرُوا عَذَابٌ اَلِیمٌ۔ اور اگر یہ اپنے اس قول سے باز نہ آئے تو یہ عیسائی جو اس قول کے قائل ہیں اور اسکی وجہ سے کافر ہو گئے ہیں۔ عذاب دردناک میں مبتلا ہونگے !!

پھر اسی سورہ میں اُنکی رد میں جو کہتے تھے کہ ہم بھی خُدا کے بیٹے ہیں۔ فرماتا ہے۔ وقالت الیھود والنصارٰی نحن ابناء اللّٰہ واحبآؤہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق یغفر لمن یشآء ویعذب من یشآء۔ یہود و نصارے نے کہا کہ ہم خدا کے بیٹے اور اسکے دوست ہیں۔ اے رسول کہدو کہ پھر کیوں تم پر خدا تعالیٰ تمہارے گناہوں کے سبب عذاب کریگا۔ کیا کوئی باپ بیٹے پر یا کوئی دوست اپنے دوست پر بھی عذاب کرتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ تمکو فرماتا ہے اور تم پر ضرور عذاب کریگا۔ اور اگر یعذبکم کے معنی عذبکم کے ہوں۔ تو یہ مطلب ہوگا۔ کہ اگر تم خدا کے بیٹے اور اس کے

دوست ہو تو پھر تمکو گوسالہ پرستی کے عوض میں کیوں معذب کیا۔ اور تمہاری بد فعالیوں کی وجہ سے تمکو بندر اور سُور کی صورت میں کیوں مسخ کردیا۔ کیا کوئی باپ اپنے بیٹے پر یا دوست اپنے دوست پر اسطرح کا بھی عذاب کرتا ہے۔ بل انتم بشر الخ بلکہ تم بھی منجملہ اور مخلوق آدمیوں کے آدمی ہی ہو۔ نہ کہ خدا کے بیٹے یا دوست ہو۔ اللہ جسکو چاہتا ہے بخشدیتا ہے اور جسکو چاہتا ہے معذب کرتا ہے (جبکہ اُسمیں بخشے جانے یا عذاب کیئے جانے کے قابل افعال دیکھتا ہے!!)۔

سورہ یونس میں فرماتا ہے قالوا اتخذ اللہ ولدًا سبحانہ ھو الغنی لہ مافی السماوات ومافی الارض ان عندکم من سلطان بھذا اتقولون علی اللہ ما لا تعلمون۔ ان لوگوں نے کہدیا کہ اللہ نے تو بیٹا اختیار کیا (یعنی اپنا ایک بیٹا پیدا کیا) پاک ہے وہ اس سے جو یہ ناسمجھ لوگ کہتے ہیں۔ اُسے کیا ضرورت ہے بیٹا پیدا کرنیکی کیا اُسے یہ ڈر ہے کہ اگر میرا کوئی بیٹا نہ ہوگا۔ تو میری نسل قطع ہو جائیگی یا اُسے یہ ضرورت ہے کہ بیٹا ہوگا تو ضعیفی کا سہارا ہوگا۔ یا کمزوری کے وقت مدد دیگا یا کسب معاش کرکے روزی بہم پہنچائیگا۔ یہ تو کچھہ ضرورت ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ ان سب باتوں سے مستغنی ہے۔ اُسی کا ہے جو کچھہ آسمانوں میں ہے خواہ وہ ملائکہ ہوں یا تارے ہوں یا آفتاب و ماہتاب ہوں سب اُسی کے پیدا کیئے ہوئے ہیں اور نیز جو کچھہ زمین میں ہے خواہ نباتات ہوں یا جمادات ہوں یا حیوانات۔ اے کفار تم جو خدا کے لیئے بیٹا تجویز کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس اسکی کوئی دلیل ہے؟ کیا تم لوگ خدا پر اس بات کی تہمت لگاتے ہو جسکا تم کو علم نہیں ہے؟

سورہ اسرے میں فرمایا۔ افاصفاکم ربکم بالبنین واتخذ من الملائکۃ اناثا انکم لتقولون قولًا عظیما۔ یہ آیت رد میں ان لوگوں کے ہے جو کہتے تھے کہ فرشتے خدا تعالےٰ کی بیٹیاں ہیں اور ہم اُنہیں کی عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ ہماری سفارش خدا کے نزدیک کریں۔ تو پروردگار عالم فرماتا ہے کہ کیا تمکو تو پروردگار نے بیٹے دیئے ہیں۔ اور فرشتونکو اپنی بیٹیاں بنایا ہے۔ بیشک تم بڑی بات کہتے ہو۔ جو کہنے کے قابل نہیں ہے۔

سورہ کہف میں فرماتا ہے وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدًا مالھم بہ من علم ولا لاٰبائھم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا اور اللہ تعالےٰ نے یہ کتاب اس لیئے نازل فرمائی ہے کہ ڈرائے ان لوگونکو یعنی قریش کو جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹے اختیار کیئے یعنی فرشتے اُسکی بیٹیاں ہیں۔ یا وہ یہود و نصاریٰ جو اپنے تئیں خدا کا بیٹا رکھتے ہیں۔ یا عزیر اور مسیح کو خدا کے بیٹے بتاتے ہیں۔ ان لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے اور نہ انکے باپ دادا اسے جانتے تھے۔ کہ خدا کی اولاد ہے یا نہیں۔ بلکہ محض ظن و تخمین سے یہ تجویز صحیح مان لیگئی ہے کہ اللہ تعالےٰ صاحب اولاد ہے۔ بڑی بات انکے مُنہ سے نکلی۔ جو کچھہ یہ لوگ کہتے ہیں جھوٹ ہی کہتے ہیں۔ یعنی

اس معاملے میں انکی گفتگو محض جھوٹ ہے

سورہ مریم ماکان للہ ان یتخذ من ولد سبحانہ اذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون "کیا ہے اللہ کے لئے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ اس سے پاک و منزہ ہے کہ اسکی اولاد ہو۔ کیونکہ اُسکی کوئی بیوی نہیں۔ اور نہ اُسکے لئے جسم ہے جسمیں آلات جماع ہوں۔ اور نہ اُسمیں خواہش نفسانی ہے جسے پورا کرنیکی اُسے ضرورت ہو۔ (بلکہ) جسوقت وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے۔ بس اتنا ہی ہوتا ہے کہ اُسے کہدے کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے۔ نہ یہ کہ اُن آلات کے استعمال کی اُسے ضرورت پڑتی ہو۔ جو بچہ پیدا ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ تو کیونکر اسکو کوئی بیٹا اصطلاحی ہوگا۔ رہاں ان معنوں سے تو سب اُس کے فرزند ہیں کہ انکا رازق و منعم ہے اور انپر ایسی مہربانی فرماتا ہے جیسی باپ بیٹے پر۔)

نیز فرماتا ہے وقالوا اتخذ الرحمان ولداً لقد جئتم شیئاً اداً تکاد السماوات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھداً ان دعوا للرحمان ولداً وما ینبغی للرحمن ان یتخذ ولداً ان کل من فی السماوات والارض الا اٰتی الرحمن عبداً یہودیوں۔ عیسائیوں اور مشرکین عرب نے یہ کہدیا کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ بڑے رحم والے خدا نے اپنے لئے اولاد اختیار کی ہے۔ (اے محمدؐ ان سے کہو کہ) بیشک تمنے نہایت نامناسب منکر اور شنیع بات کہی۔ جس سے قریب ہے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے۔ اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں۔ اسوجہ سے کہ ان لوگوں نے خدا کیلئے اولاد تجویز کی۔ بڑے رحم والے خدا کو سزاوار نہیں ہے یعنی یہ اُسکی صفت نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے اولاد اختیار کرے۔ (بلکہ) تمام وہ مخلوقات جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اُس کے سامنے بندے ہی ہو کر آئینگے۔ خواہ آدمی ہوں یا جن ہوں یا فرشتے۔ کوئی انمیں سے اُسکا بیٹا یا اُسکی بیٹی نہیں ہے!!

سورہ انبیا میں فرمایا ہے۔ وقالوا اتخذ الرحمان ولداً سبحانہ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون۔ ان مشرکون نے کہدیا ہے کہ رحمان (خداوند کریم) نے (فرشتوں کو) اپنی اولاد بنایا ہے۔ (ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ) وہ پاک و مقدس ہے (کسی کو بیٹا یا بیٹی بنانے سے) بلکہ وہ فرشتے تو باعزت بندے ہیں۔ جیسے آدمی اور جن وغیرہ۔ نہیں سبقت کرتے ہیں۔ اُس سے بات میں یعنی نہیں کہتے مگر وہی بات جو خدا تعالیٰ اُنسے کہتا ہے۔ اور نہیں کلام کرتے مگر وہی جو انکو حکم ملتا ہے اور وہ اُسکے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ فرزند ہونے اور بندہ ہونے میں فرق ہے۔ فرزند ہونے کی تو صرف دو صورتیں ہیں۔ یا تو بذریعہ توالد تناسل کے ہوگا۔ یعنی نطفہ کو رحم میں داخل کرنا اور اس سے بچہ پیدا ہونا۔ تو یہ بات خدا تعالیٰ کی جناب میں بالکل ناممکن ہے۔ کیونکہ توالد و تناسل کیواسطے جسمیت لازم ہے۔ اور وہ جسم و جسمانیات سے منزہ و مقدس ہے۔ ورنہ اُسکا حدوث

لازم آئیگا۔ جو محال ہے۔ اور یا بذریعہ تبنیہ کے ہوگا یعنی مُنہ بولا بیٹا بنانا جسکی ضرورت اسیوجہ سے پڑتی ہے کہ کسی کے اولاد نہ ہو۔ اور وہ کسی کے بچے کو لیکر پرورش کرے اور اُسے بیٹا بنائے یہ بھی باریتعالی کی جناب میں محال ہے کیونکہ اسے کسیکا ڈر نہیں کہ یہ فرضی بیٹا اُسکی قائم مقامی کریگا اور نہ اُسمیں کمزوری ہے کہ کسی وقت یہ اُسکی مدد کریگا۔ اور نہ اُسکو اپنے ملک وجائداد کے تلف ہوجانے کا ڈر ہے جسکو یہ فرزند اُسکے بعد سنبھالیگا۔ بلکہ وہ ان تمام باتوں سے مستغنی ہے۔ پس اُسکے لئے بیٹے یا بیٹی کا ہونا بھی ناممکن ہے اور بندہ مخلوق ہونے میں کسی کے اُسکے لیے کوئی خرابی لازم نہیں آتی جیسے خصوصیت و محبّت کیوجہ سے کسی کا دوست ہونا جیساکہ حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ کا خطاب دیا۔ یا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حبیب اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا اسمیں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ کوئی استحالہ عقلی اسپر لازم آتا ہے۔

سورہ صافات میں ارشاد فرمایا ہے فاستفتھم الربک البنات ولھم البنون ام خلقنا الملائکۃ اناثا وھم شاھدون الا انھم من افکھم لیقولون ولد اللہ وانھم لکاذبون اصطفے البنات علے البنین مالکم کیف تحکمون افلا تذکرون ام لکم سلطان مبین فأتوا بکتابکم ان کنتم صادقین وجعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبا ولقد علمت الجنۃ انھم لمحضرون ۔ پس اے رسول ان مشرکین عرب سے پوچھو کہ کیا میرے پروردگار کے تو بیٹیاں ہیں اور ان مشرکین کے لئے بیٹے ہیں۔ آخر کیونکر انہوں نے یہ بات کہی کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ کیاہم نے فرشتوں کو مونث (عورتوں کی علامتوں والی) پیدا کیا۔ اور یہ مشرکین دیکھ رہے تھے اور وہاں موجود تھے۔ (یعنی انکو کسطرح علم ہوگیا کہ فرشتے مونث ہیں کیا پیدا ہوتے وقت یہ لوگ وہاں موجود تھے۔ اور اُنکی علامات انوثۃ کو دیکھا ہے) بیشک یہ لوگ (مشرکین عرب) اپنے جھوٹ کیوجہ سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اولاد ہے (یا وہ جنا ہے۔ اُس سے بچے لڑکے یا لڑکیاں پیدا ہوئی ہیں) اور بیشک یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹوں پر بیٹیوں کو ترجیح دی ہے اسلئے اپنے واسطے بیٹیاں پسند کیں (ان مشرکوں کو کیا ہوگیا ہے۔ تمکو کیونکر یہ حکم لگاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے) کیا تم نصیحت نہ حاصل کروگے؟ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟ تو لاؤ اپنی کتاب اگر تم سچ کہتے ہو کہ اللہ تعالےٰ کی اولاد ہے اور ان کافروں نے (فرشتے تو فرشتے) جنوں اور خدا یتعالیٰ کے درمیان بھی رشتہ قرار دیدیا ہے۔ یعنی کہتے ہیں کہ خدا یتعالیٰ اور ابلیس بھائی بھائی ہیں یا یہ کہ جنات کی عورتوں سے خدا یتعالیٰ نے بیاہ کرلیا تھا۔ اُن سے فرشتے ہوئے یا یہ کہ جن بھی خدا یتعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (باختلاف اقوال) حالانکہ جن اس امر کو جانتے ہیں کہ وہ بھی (قیامت کے دن) خدا یتعالیٰ کے حضور میں حاضر کئے جائینگے اور اُن سے بھی نیک و بداعمال کی پرسش

کیجائیگی اور انکو بھی سزا و جزا دیجائیگی - یا یہ کہ جن بھی اس امر کو جانتے ہیں کہ یہ مشرکین اپنے اس قول کیوجہ سے
جہنم میں ڈالے جائینگے - کیونکہ جنکو وہ خدا تعالیٰ کی اولاد کہتے ہیں - وہ تو بندے ہیں نہ کہ اولاد !!

۱۲ اور سورۂ زمر میں فرمایا ہے - لو اراد اللہ ان یتخذ ولدا لاصطفیٰ مما یخلق ما یشاء
سبحانہ ھو اللہ الواحد القھار - اگر ارادہ کرتا اللہ کہ کسی کو بیٹا یا بیٹی بنائے - تو اپنی مخلوقات
میں سے جسے چاہتا منتخب کرلیتا - اسکی کیا تخصیص ہے کہ جن یا فرشتوں ہی کو اپنی اولاد قرار دیا -
پاک ہے وہ (اس سے کہ کسی کو وہ اپنا فرزند پسری یا دختری بنائے) وہی معبود برحق یکتائے غالب ہے"
اور سورہ زخرف میں فرمایا ہے وجعلوا لہ من عبادہ جزءا - اور ان مشرکین نے کہا کہ بعض اس
(معبود برحق) کے بندے اسکے جزء ہیں یعنی اولاد ہیں جیسے فرشتے یا جن - ان الانسان لکفور مبین
آدمی ناشکرا ہے (کچھ بھی خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا اور کفر و شرک کی باتیں کئے جاتا ہے) ام اتخذ
مما یخلق بنات و اصفاکم بالبنین - کیا اس نے تو اپنی مخلوقات میں سے اپنے لئے بیٹیاں اختیار
کی ہیں اور تمہیں بیٹے دیدیے ہیں (ہرگز ایسا نہیں ہے) واذا بشر احدھم بما ضرب للرحمٰن
مثلا ظل وجھہ مسودا وھو کظیم - یعنی خود انکی تو یہ حالت ہے کہ جب انمیں سے کسی کو اس
چیز کی بشارت دیجاتی ہے جسکی مثل یہ لوگ خدا کو دیتے ہیں - تو اسکا منہ مارے غصے کے سیاہ ہو جاتا ہے -
عرب ایک زمانہ دراز تک بیٹیوں کے نام سے چڑتے تھے - بلکہ زندہ لڑکیوں کو زمین میں دفن کردیا
کرتے اور اگر کوئی یہ کہہ دیتا کہ تمہارے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے - تو مارے غصے کے چہرہ تمتما جاتا تھا - تو خدا تعالیٰ
فرماتا ہے کہ اپنی تو یہ حالت کہ بیٹیوں کا نام سنتے ہی جل جاتے ہو - اور خدا تعالیٰ کیلئے بیٹیاں تجویز کرتے
ہو - ؟ یہ کیسا انصاف ہے - اور کیا عقل ہے ؟

۱۳ نیز فرمایا ہے قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین - کہدو اے رسول کہ اگر
خدا تعالیٰ کے کوئی بیٹا ہوتا تو میں پہلا وہ شخص ہوتا - جو اسکی عبادت سے نفرت کرتا - حالانکہ میں اس کی
عبادت کرتا ہوں اور اسکا موحد ہوں جس سے معلوم ہوا - کہ اسکا کوئی فرزند نہیں ہے اور یہ بھی معنی
بیان کئے گئے ہیں کہ اگر خدا کا کوئی فرزند ہوتا تو میں پہلا وہ شخص ہوتا جو اس فرزند کی عبادت کرتا حالانکہ
سوائے خدائے واحد و یکتا کے میں کسی کی پرستش نہیں کرتا جس سے معلوم ہوا کہ اسکا کوئی فرزند
نہیں ہے - اور یہ بھی معنی بیان کئے گئے ہیں کہ ان بمعنی مائے نافیہ ہے یعنی نہیں ہے خدا تعالیٰ کا
کوئی فرزند - پس میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں اور اسی معبود یکتا کی عبادت کرتا ہوں - جس کا
کوئی فرزند نہیں -

اسی آیت کے تتمہ میں فرمایا ہے سبحان رب السمٰوات والارض رب العرش
عما یصفون - پاک ہے آسمانوں اور زمین کا مالک جو عرش کا مالک ہے اس امر سے جو یہ مشرکین
بیان کرتے ہیں یعنی اولاد سے منزہ و مقدس ہے - اس کے لئے اولاد کا ہونا محال عقلی ہے -

14 سورہ طور میں فرمایا۔ ام لہ البنات ولکم البنون۔ کیا اُسکے تو بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیئے بیٹے ہیں؟ یہ کیسی تقسیم تم نے سوچی۔ اور یہ کیا مہمل بات تم نے کہدی۔ کہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے؟ (ہرگز نہیں)

15 سورہ نجم میں فرمایا الکم الذکر ولہ الانثیٰ تلک اذاً قسمۃ ضیزیٰ۔ کیا تمہارے لیئے تو لڑکے ہیں۔ اور اُس (معبود) کیلیئے لڑکیاں ہیں؟ (جو تم فرشتوں کو اُسکی بیٹیاں کہتے ہو۔) یہ تو اسوقت تقسیم ناجائز و غیر صحیح ہے کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند کرو اور خدا تعالیٰ کی نسبت کہو کہ اُسکی بیٹیاں ہیں

16 اور سورہ جن میں۔ جن کی زبانی فرمایا ہے۔ وانہ تعالیٰ جد ربنا ما اتخذ صاحبۃ ولا ولداً۔" اور بیشک جلال ہمارے پروردگار کا برتر اور ارفع ہے۔ اُس نے نہ اپنے لئے کوئی جورو قرار دی ہے اور نہ فرزند۔ کیونکہ جورو کی احتیاج اُسے ہوتی ہے جسے خواہش نفسانی ہو۔ اور مادہ منویہ گدگدی پیدا کرتا ہو۔ جسکے دفع کی ضرورت پڑے اور وہاں (یعنی خدا تعالیٰ کیلیئے) نہ جسم ہے نہ خواہش نفسانی اور نہ اُسے کسی ایسی چیز کی احتیاج ہے۔ لہذا اُسکے لئے بیوی کہاں ہوسکتی ہے۔ اور جب بیوی نہ ہوئی تو بیٹا بیٹی کس سے پیدا ہونگے۔ پس بعض معروف عام اُس کے لئے فرزند کی تجویز سفاہت و حماقت ہے :

پانچواں باب۔ ذاتِ خدا تعالیٰ کے مُعاملے میں غور کرنا کچھ مُفید نہیں۔

مطلب اسکا یہ ہے کہ اس امر میں غور کرنا کہ خدا تعالیٰ کیا چیز ہے کس طرح کا ہے کس کیفیت کا ہے۔ کب سے ہے۔ کب تک رہیگا۔ کہاں ہے۔ کس جگہ ہے۔ بالکل بیکار اور غیر مفید بات ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ عالم میں جتنی چیزیں از قسم موجودات پائی جاتی ہیں۔ خواہ وہ علوی ہوں یا سفلی۔ نورانی ہوں یا ظلمانی۔ جسمانی ہوں یا روحانی۔ جنسی ہوں یا نوعی۔ فردی ہوں یا شخصی۔ جوہر ہوں یا عرضی۔ غرض بالائے آسمان سے لیکر زیر زمین تک جتنی چیزیں موجود ہیں۔ وہ سب کی سب مخلوق باریتعالیٰ ہیں تو لا محالہ وہ خود ان سب سے علیحدہ اور غیر قسم کا ہوگا۔ کیونکہ یہ سب چیزیں حادثات ہیں۔ اور خود وہ واجب الوجود ہے۔ اور ممکن نہیں کہ دونوں قسموں میں کسیطرح کی باہم شباہت ہو۔ پس جتنے اوصاف اور حالات ان ممکنات کیلیئے لازم یا عرضی مفارق ہیں۔ وہ ہرگز اُسکی ذات میں نہ پائے جاتے ہونگے۔ یہ تمام ممکنات اپنے وجود خاص میں محتاج مکان و حیز ہیں۔ تو لا محالہ اُسکے لئے کوئی مکان نہ ہوگا۔ پس یہ کہنا کہ وہ کہاں ہیں کیا معنی رکھتا ہے۔ یا یہ کہ یہ تمام ممکنات لازم التشکل ہیں تو لا محالہ وہ انسے مغائر ہونے کے سبب کوئی شکل و صورت نہ رکھتا ہوگا۔ پس یہ کہنا کہ وہ کس شکل کا ہے کیا معنی رکھتا ہے۔ یا یہ کہ تمام ممکنات ایک خاص زمانے سے وجود میں آئی ہیں تو انکو کہا جاسکتا ہے کہ فلاں وقت سے موجود ہیں۔ پس لا محالہ خالق الکل کے واسطے کوئی زمانہ ابتدائے وجود نہ ہوگا۔ ورنہ وہ بھی مثل انکے حادث ہوگا۔ یا یہ کہ جتنے ممکنات ہیں انمیں کوئی نہ کوئی کیفیت ضرور پائی جاتی ہے اور کوئی نہ کوئی عرض انمیں ضرور موجود ہے۔ مثلاً نرمی سختی گرمی

سردی۔ ثقل وخفت۔ رنگ وبُو۔ این و وضع وغیرہ وغیرہ۔ پس لامحالہ اُسمیں یہ اعراض قائم نہ ہونگے ورنہ وہ محل حوادث ہوگا۔ اور پھر حادث ٹھیریگا۔ حالانکہ وہ واجب الوجود ہے۔ ہم جو کسی موجود چیز کی حقیقت معلوم کرتے ہیں تو ہمارے پاس اُسکے معلوم کرنیکے صرف چھ آلے ہیں۔ یا مس کرکے معلوم کرینگے۔ تو لازم ہے کہ وہ جسم ہو۔ حالانکہ خدا تعالیٰ جسم نہیں۔ پس مس کیونکر ہو سکیگا۔ یا سونگھ کر معلوم کرینگے۔ تو لازم ہے کہ وہ خوشبو یا بدبو ہو۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کوئی عرض نہیں۔ خوشبو اور بدبو اعراض میں ہیں۔ جو اپنے وجود میں غیر کے محتاج ہیں جس میں انکا قیام ہو۔ یا چکھ کر معلوم کرینگے۔ تو ضرور ہے۔ وہ ذائقہ دار چیز ہو حالانکہ خدا تعالیٰ کوئی کھانے یا پینے کی چیز نہیں۔ جسے چکھ کر معلوم کیا جاسکے۔ یا دیکھ کر معلوم کرینگے۔ تو لازم ہے کہ اُسمیں رنگ ہو۔ کیونکہ بغیر رنگ کے کوئی چیز دکھائی نہیں دے سکتی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے لئے جسم نہیں۔ جسمیں رنگ قائم ہو۔ ورنہ لازم آئیگا کہ وہ مرکب - اور پھر حادث ہو۔ یا سنکر معلوم کرینگے۔ تو ضرور ہے وہ آواز ہو حالانکہ خدا تعالیٰ میں آواز کا نام نہیں ہے۔ کیونکہ آواز ایک حادث شے ہے۔ جو ہوا کے تصادم و دو جسموں کے تصاک سے پیدا ہوتی ہے۔ جب ان پانچوں حاسوں سے اُسکا محسوس ہونا ناممکن ہے۔ تو اسکی حقیقت کوئی شخص کس ذریعے سے معلوم کرسکتا ہے۔ رہی قوت دماغیہ وہ صرف اُسی وقت کام کرتی ہے۔ جبکہ کوئی شے ان حواس خمسہ ظاہریہ کے ذریعے سے بطور مادہ یا صورت یا اثر کے اُس تک پہنچتی ہے۔ پس چونکہ حواس ظاہرہ آجتک خدا تعالیٰ کا مادہ اور نہ صورت معلوم کرسکے۔ لہذا اُسکی حقیقت کا معلوم ہونا قوت مفکرہ سے بھی ناممکن ہے۔ باقی رہا اثر سے موثر کا پتہ چلانا سو وہ بحمد اللہ ہمکو اور نیز ہر باعقل و تمیز شخص کو معلوم ہے۔ دیکھتے ہیں کہ اُسکے آثار قوت کروڑ در کروڑ عالم میں موجود ہیں اسوجہ سے ہمکو یہ کہنا پڑتا ہے کہ کوئی نہ کوئی انکا موثر ضرور ہے اور وہی خالق الکل اور مبدع الکل ہے مگر اتنا جاننے سے اُسکی حقیقت تک پے لیجانا ناممکن ہے اسوجہ سے سخت حماقت ہے کہ اُسکی ذات کے معاملہ میں غور کیا جائے بلکہ صرف ہمکو اسقدر معلوم کرلینا کافی ہے کہ وہ ایک ذات واجب الوجود و قدیم ازلی ہے۔ جو خالق کل موجودات ممکنہ ہے اور اُسمیں وہ تمام صفات پائی جاتی ہیں۔ جو حیثیت کمال لازم ہوتی ہیں۔ مگر یہ کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے؟ اسمیں غور کرنا نہ مفید ہے اور نہ اس سے اُس کی حقیقت کا معلوم ہونا امکان بشری میں ہے۔

اسی مطلب کو خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں ظاہر فرمایا ہے وماقدروا اللہ حق قدرہٖ (سورہ زمر رکوع ۷) نہیں عظمت کی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جو حق عظمت ہے کیونکہ اس کے لئے ایسے اوصاف بیان کئے جو اسکی شان عظیم کے لئے زیبا نہیں ہیں۔ کسی نے تو کہدیا کہ وہ اولاد والا ہے کسی نے کہدیا اُسکے لئے جسم ہے۔ کسی نے کہا وہ بخیل ہے۔ کسی نے کہا وہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ کسی نے کہدیا کہ وہ عرش پر بیٹھا ہے۔ کسی نے اسکے لئے شرکا ہی تجویز کر دیئے جنکی

یہ عبادت کرتے ہیں۔ کسی نے کچھ کہا۔ اور کسی نے کچھ۔ غرض حق تعظیم خدا تعالیٰ کسی نے ادا نہ کیا!! اور
وجہ اسکی صرف یہی ہے کہ اُسکو پہچان تو سکے نہیں۔ لہذا تخمین و ظن سے جو جی میں آیا۔ وہی اُس کے لئے
تجویز کر دیا۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپنے فرمایا ان اللہ لا یوصف وکیف
یوصف وقد قال فی کتابہ وما قدروا اللہ حق قدرہ فلا یوصف بقدرہ الا کان
اعظم من ذلک۔ بیشک خدا تعالیٰ کا وصف حقیقی بیان نہیں ہو سکتا اور کیونکر بیان ہو سکے۔
حالانکہ اُسنے خود اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ ما قدروا اللہ حق قدرہ پس جسقدر و انداز
سے اسکا وصف بیان کیا جائیگا۔ یقیناً وہ اُس سے اعظم و برتر ہوگا!! کیونکہ ہم جو کچھ بیان کر سکینگے۔ وہ
محسوسات ہی سے قیاس کر کے کہہ سکینگے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ تمام محسوسات اور اُنکے اوصاف سے بالا تر
ہے۔ (تفسیر صافی)

توحید بحار میں مروی ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام سے کسی نے اس معاملہ میں عرض
کی تھی۔ تو آپنے ایک خطبہ فرما کر یہ ارشاد کیا کہ۔ علیک یا عبد اللہ بما دلک علیہ القرآن
من صفتہ وتقدمک فیہ الرسول من معرفتہ فائتم بہ استضئ بنور هدایتہ فانما هی
نعمۃ وحکمۃ اوتیتها فخذ ما اوتیت وکن من الشاکرین۔ اے بندہ خدا تجھہ کو اسی
قدر اوصاف خدا تعالیٰ کا جاننا لازم ہے جسقدر قرآن نے تجھ کو بتایا ہے اور اس سے پہلے رسولؐ نے
اُسکی معرفت کے معاملہ میں ارشاد فرمادیا ہے پس تو اُسی کی اقتدا کر اور اُسی کے نور ہدایت سے روشنی
حاصل کر بس یہی نعمت و حکمت ہے جو تجھے دیگئی ہے بس لے جو تجھے دیا گیا ہے اور شکر کر۔ (کیونکہ اگر
قرآن کے بیانات اور رسولؐ کے ارشادات سے زیادہ تو غور و خوض کرنا چاہیگا۔ تو بالکل لاحاصل ثابت
ہوگا۔ جبکہ خود رسول خدا سے مروی ہے کہ ما عرفناک حق معرفتک (اے معبود جو تیرا حق معرفت
ہے ویسی معرفت اور شناخت تو ہمکو حاصل نہیں ہوئی) تو دوسرا کوئی کیا جان سکتا ہے اور اسکی حقیقت
کو کیا پہچان سکتا ہے۔ تمام انبیاء اور بڑے بڑے فلاسفر جو عموماً توحید خدا تعالیٰ کے قائل تھے۔ سوائے چند
مجنون سائنٹفک فلسفیوں کے (جو غرور ہمہ دانی ہی کیوجہ سے محض نادان ثابت ہوئے) سب اس
معاملہ میں ساکت رہے۔ اتنا سب نے بتایا کہ وہ قدیم ہے ازلی ہے۔ حکیم ہے قادر ہے عالم ہے خبیر ہے مدرک
ہے۔ حی ہے متکلم ہے۔ اور تمام ممکنات کے اوصاف سے بالاتر ہے لیکن یہ کہ وہ کیا چیز ہے کوئی نہ بتا سکا۔ تو تو
بیچارہ اسمیں غور کر کے کیا پا سکتا ہے۔ زیادہ برین نیست کہ جب تیری سمجھ میں اُسکی حقیقت نہ آئیگی۔ تو اصل
ہی کا انکار کر دیگا۔ اور کافر ہو جائیگا) پھر آپ فرماتے ہیں وما کلفک الشیطان علمہ مما لیس علیک
فی الکتاب فرضہ ولا فی سنۃ الرسول وائمۃ الهدی اثرہ فکل علمہ الی اللہ
ولا تقدر علیہ عظمۃ اللہ الخ اور جس امر کے جاننے کی تکلیف شیطان نے تجھہ کو دی ہے۔ (یعنی
تجھے یہ کہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی حقیقت معلوم کر) جو نہ تجھ پر کتاب خدا کے ذریعہ سے فرض ہے اور نہ حدیث

رسولؐ اور احادیث ائمہ ہداۃ میں اسکا اثر ہے۔ تو اُسکا علم خدا ہی کے حوالہ کر۔ دا اور اُسکے معلوم کرنیکے درپے نہو)
اور (جان لے کہ) اسپر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔" نیز توحید بحار میں جناب صادق علیہ السلام
سے مروی ہے سلیمان بن خالد کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا "ایاکم و التفکر فی اللہ
فان التفکر فی اللہ لا یزید الا تیہا ان اللہ تبارک و تعالیٰ لا تدرکہ الابصار و لا
یوصف بمقدار" یعنی ڈرو تم لوگ ذات خدا تعالیٰ میں غور و خوض کرنے سے کیونکہ خدا تعالیٰ کے معاملہ
میں فکر کرنا سوائے حیرانی و سرگردانی کے اور کچھ زیادہ نہیں کرتا۔ بیشک کہ خداوند تبارک و تعالیٰ کو نہ آنکھیں
محسوس کر سکتی ہیں اور نہ کسی مقدار و انداز سے اوسکا وصف بیان کیا جا سکتا ہے (تو کیونکر اُسکی حقیقت
کسی کو معلوم ہو سکتی ہے)۔

ہشام سے مروی ہے کہ جناب صادق علیہ السلام سے ایک زندیق (منکر وجود خدا تعالیٰ) نے سوال
کیا کہ ان اللہ تعالیٰ ما ھو۔ خدا تعالیٰ کیا چیز ہے۔ آپنے فرمایا ھو شیٔ بخلاف الاشیاء وہ
بخلاف تمام چیزوں کے ایک شے ہے۔ (یعنی اُسکے مثل کوئی شے نہیں) ارجع بقولی شیٔ الی انہ شیٔ
بحقیقۃ الشیئیۃ غیر انہ لا جسم و لا صورۃ و لا یحس و لا یجس و لا یدرک بالحواس
الخمس لا تدرکہ الاوھام و لا تنقصہ الدھور و لا تغیرہ الازمان" اور میرا مطلب
شے سے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ایک شے ہے۔ جس کے لئے وجود اور شیئیۃ فی حد ذاتہ ثابت ہے۔ البتہ یہ بات
ہے کہ نہ تو وہ جسم ہے نہ صورت ہے۔ نہ محسوس ہو سکتا ہے اور نہ ٹٹول کر دریافت کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ
حواس خمسہ سے ادراک کیا جا سکتا ہے (وہم و خیال اُسے معلوم نہیں کر سکتے (کیونکہ انمیں اتنی طاقت ہی نہیں) اور
نہ دہر اُسے گھٹا سکتے۔ اور نہ زمانے اُسمیں تغیر پیدا کر سکتے (کیونکہ جتنی چیزیں عالم کی زمانے کے ساتھ ساتھ
متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ وہ سب حادث ہیں اور پروردگار عالم حدوث سے بری ہے۔ پس کیونکر اُسکی ذات
میں تغیر کو دخل ہوگا)۔

نیز توحید بحار میں سہل سے مروی ہے کہ میں نے ابو محمد علیہ السلام کیخدمت میں ۲۵۵ ہجری میں ایک عریضہ
لکھا کہ آقا توحید ہمارے اصحاب معاملہ توحید میں اختلاف رکھتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ جسم ہے کوئی
کہتا ہے وہ صورت ہے۔ پس آپکی رائے ہو کہ اس معاملہ میں کچھ تعلیم فرما دیں۔ جس سے مجھ کو واقفیت ہو جائے۔
(معاملہ توحید میں) اور میں اُس سے تجاوز نکروں۔ تو اپنے بندہ پر کرم کرکے ضرور ایسا فرمائیے تو آپنے اپنے دستخط
خاص سے یہ تحریر فرمایا کہ سالت عن التوحید و ھذا عنکم معزول اللہ تبارک و تعالیٰ واحد
احد صمد لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفوا احد۔ خالق لیس بمخلوق یخلق
تبارک و تعالیٰ ما یشاء من الاجسام و غیر ذالک و یصور ما یشاء و لیس بمصور جل ثناؤہ
و تقدست اسمائہ و تعالیٰ ان یکون لہ شبہ ھو لا غیرہ۔ لیس کمثلہ شیٔ و ھو السمیع العلیم

تونے توحید کے معاملہ میں سوال کیا حالانکہ یہ بات تم لوگوں سے اٹھالیگئی ہے۔ یعنی اس قسم کے سوال کی تمکو تکلیف نہیں دیگئی ہے اللہ ایک ہے یکتا ہے بے نیاز ہے نہ اوسکی کوئی اولاد ہے۔ اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ اور نہ اُسکا کوئی ہمسر ہے۔ خالق ہے مخلوق نہیں ہے۔ جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے خواہ جسم والی چیز ہو یا بے جسم۔ جس قسم کی چاہتا ہے صورت بناتا ہے اسکی کسی نے صورت نہیں بنائی۔ اُسکی تعریفیں بزرگ ہیں اور اُسکے نام مقدس ہیں اور اس سے برتر ہے کہ اسکی کوئی شبیہ ہوسکے۔ بس وہی وہ ہے۔ اُسکے علاوہ کوئی نہیں۔ اسکی مثل کوئی شے نہیں اور وہی سننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ بعض روایات میں مروی ہے کہ فکر ساعۃٍ خیر من عبادۃ سنۃ (یا) سبعین سنۃٍ اور ایک حدیث میں مروی ہے کہ اتمام العبادۃ فی التفکر فی اللہ تعالیٰ۔ تو اُسکا مطلب یہ ہے کہ عظمت وقدرت وحکمت خداتعالیٰ میں غور کرنا اُسکی نعمتوں میں خوض وفکر کرنا کہ کسقدر اُسنے ہمیں اپنی نعمتیں مرحمت فرمائی ہیں۔ جس سے اُسکی محبت دل میں پیدا ہو۔ اور شوق عبادت زیادہ ہو۔ بہت بہتر بلکہ عمدۂ عبادات یہی ہے۔ چنانچہ حدیث میں مروی ہے کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام نماز تہجد کیلئے اُٹھے۔ اور مطہرہ وضو کیواسطے طلب کیا۔ جب پانی لینے کے لئے ظرف آب میں ہاتھ ڈالا تو آپکی نظر آسمان پر پڑ گئی۔ اُسوقت ستاروں کا جگمگانا اور اُنکا ایک دوسرے سے متباعد متقارب نسبتیں رکھنا کچھ ایسا آپکو بھلا معلوم ہوا کہ اُسی حالت سے ان ستاروں پر نظر فرماتے رہے۔ یہانتک کہ صبح صادق ہوگئی اور اذان کی آواز آئی۔ تو اس سے مقصد صرف یہی تھا۔ کہ آپ غور فرما رہے تھے۔ کہ سبحان اللہ کیسا وہ اقدر القادرین ہے۔ جس نے ایسے ایسے روشن اور مضی بنفسہ ستارے پیدا کئے۔ اور جنکو نہایت عمدہ اور باثر نسبتوں کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل میں قائم فرمایا۔ اور کیا کیا آثار انپر مترتب فرمائے۔ اور کیا کیا عجائب حکمت انسے ظاہر کئے۔ اور چونکہ یہ فعل اعظم عبادات سے تھا۔ اس لئے اسمیں غور فرماتے رہے۔ اور نماز تہجد کا بدل اس عبادت کو قرار دیا۔ فصلوات اللہ علیہ وعلی آبائہ الطاہرین وابنائہ المعصومین

چھٹا باب دین حنیف اور فطرت اللہ اور صبغۃ اللہ کے بیان میں

سورہ بقر میں خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ (چونکہ یہود ونصارے نے اپنے مذہب میں داخل کرنیکا ایک طریقہ نکالا تھا۔ اور جسے وہ اپنے پیغامبر علیہ السلام کیطرف بھی منسوب کرتے ہیں جیساکہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ نے یوحنا کو بپتسما دیا اور اُسکا طریقہ یہ ہے۔ کہ پانی لیکر اُس شخص پر چھڑکتے ہیں۔ جسے یہودی یا نصرانی بنانا چاہتے ہیں۔ اور کچھ کلمات پڑھتے ہیں۔ گویا اس سے وہ پاک وطاہر ہوکر اُنکے دین میں داخل ہوجاتا ہے اور یہ طریقہ بنام بپتسما اب بھی عیسائیوں میں رائج ہے۔ اور تفسیر بیضاوی میں مذکور ہے کہ ان النصاریٰ کانوا یغمسون اولادھم فی ماءٍ اصفر یسمونہ المعمودیۃ ویقولون ھو تطہیر لھم الخ

یعنی نصاری اپنے بچوں کو زرد پانی میں غوطہ دیتے تھے۔ اور اس فعل کا نام عمودیہ رکھا تھا۔ اور کہتے تھے۔
کہ یہی انکی تطہیر ہے اور اسی سے انپر نصرانیت حقہ صادق آتی ہے۔ اسلئے خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ ایہا الناس
تمکو اس صبغ کی تبعیت و پیروی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ پیروی کرو تم لوگ صبغۃ اللہ کی یعنی دین خدا
کی اور کون اچھا ہے اللہ سے دین میں۔ یعنی خدا کے دین کے سوا کسکا دین اچھا ہے پس تمکو اس دین
کی تبعیت لازم ہے۔ جو ہمارا رسول تمہیں تعلیم کرتا ہے۔ نہ اور دوں کے دین کی جو منسوخ ہوچکے یا اُنمیں بہت
سے تغیرات واقع کردیئے گئے۔ جس سے وہ ادیان اب دین خدا نرہے۔
محمد بن مسلم نے جناب امام ابو جعفر محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپنے فرمایا عروۃ اللہ
الوثقی التوحید والصبغۃ الاسلام۔ یعنی قرآن مجید میں جو عروہ وثقی کا ذکر آیا ہے۔ اس سے
مراد توحید ہے اور صبغۃ سے مراد اسلام ہے!! پس اس بنا پر معنی آیت یہ ہونگے۔ کہ ایہا الناس تملوگ
دین اسلام کی پیروی کرو۔ اور خداتعالیٰ کا یہی دین اسلام سب دینوں سے احسن و بہتر ہے۔
اس آیت کی تفسیر یوں بھی کیگئی ہے کہ صبغنا اللہ صبغۃ وھی فطرۃ اللہ التی فطر الناس
علیھا۔ یعنی اے ایمان والو تم لوگ ان عیسائیوں سے کہو کہ ہمکو اللہ نے اپنے رنگ سے رنگا ہے
یعنی ہمیں اس فطرت پر پیدا کیا ہے۔ جسپر تمام آدمیوں کو خلق فرمایا ہے اور وہ دین اسلام ہے پس
ہمکو تمہارے رنگ کی ضرورت نہیں جسمیں رنگ دیکر تم دین نصاریٰ میں لوگوں کو داخل کرتے ہو یا
اپنے بچوں کو اُسمیں رنگ دیکر نصرانی بناتے ہو۔)
اور تفسیر صافی میں جناب صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ھی صبغ المومنین
بالولایۃ فی المیثاق قیل سمی صبغۃ لانہ ظھر علیھم اثرہ ظھور الصبغ علی المصبوغ
وتداخل الصبغ الثوب وللمشاکلۃ فان النصاریٰ کانو یغمسون اولادھم
فی ماء اصفر یسمونہ المعمودیۃ ویقولون ھو تطھیر لھم یعنی صبغۃ اللہ سے مراد اس
آیت میں یہ ہے کہ خداتعالیٰ نے مومنین کو رنگ ولایت علی بن ابیطالب علیہ السلام میں بروز میثاق
رنگا ہے بعض علماء نے اسکی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ مومنین پر محبت علی بن ابیطالب علیہ السلام کا
اثر اسیطرح ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے کپڑے پر رنگ کا اثر اس وجہ سے اس محبت وولایت کو رنگ
سے تعبیر کی۔ نیز یہ وجہ ہے کہ جسطرح نصاریٰ اپنے بچوں کو زرد پانی میں رنگ کر پاک کرتے تھے۔ اُسی
طرح یہ ولایت مومنین کی پاک کرنیوالی ہے۔ خلاصہ یہ کہ صبغۃ اللہ سے مراد خواہ دین اسلام ہو خواہ ولایت
اہلبیتؑ دونوں کا مرجع ایک ہی ہے کیونکہ مطلق اسلام بھی بغیر ولایت اہلبیت کے مفید نہیں ہے
اگر کوئی شخص شہادتین کہتا ہو اور اہلبیت کا دشمن ہو تو ویسا ہی مستحق جہنم ہے۔ جیسے ایک مشرک
جیسا کہ کتب کلامیہ میں ظاہر و مبرہن کیا گیا ہے!!
سورہ روم میں فرماتا ہے فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی

فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذٰلک الدّین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۝ (حنیف کے معنی مائل الی الاسلام او ثابت وقائم علی الاسلام کے ہیں یعنی حنیف وہ شخص ہے جو اسلام کیطرف مائل ہو۔ اور اسپر ثابت وقائم ہو اور نیز حنیف کے معنی طاہر کے بھی بیان کئے گئے ہیں۔ عرب جناب ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم رہنے والیکو حنیف کہتے تھے۔ م معنی آیت یہ ہوئے کہ اے ہمارے حبیب رسولؐ قائم کر اپنے رخ کو یعنی قائم کر اپنے قصد کو دین کے لئے در حالیکہ تو پاک ہو یا یہ کہ میل و رغبت اور ثبات و استقلال کے ساتھ دین کا معتقد رہ (اور وہ دین کونسا ہے اور کس دین کی پیروی کرو) فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ اُس فطرت اللہ (دین خدا) کی پیروی کر جسپر تمام آدمیونکو اُسنے پیدا کیا ہے۔ جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فطرت اللہ سے مراد توحید ہے اور دوسری حدیث میں مروی ہے کہ فطرۃ اللہ سے مراد توحید اور محمدؐ رسول اللہ اور علی امیر المومنین کا اقرار ہے (اسی پر تمام آدمیونکو خدا تعالیٰ نے خلق فرمایا ہے۔ حاصل کہ یہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس دین اسلام پر تمام آدمیونکو ہمنے پیدا کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی توحید کے قائل ہوں اور محمد مصطفےٰ کو رسولخدا جانیں۔ اور علی بن ابیطالب کو امیر المومنین۔ اس دین کی تم پیروی کرو اگرچہ اس آیت میں حکم صریح جناب رسولخدا کو ہے لیکن مراد اس سے تمام وہ لوگ ہیں جنکی طرف آنحضرت مبعوث ہوئے تھے۔ حسب مذاق ایاک اعنی واسمعی یا جارہ یعنی خطاب تو کس سے ہے اور مراد اُس سے کوئی اور ہے۔ یعنی اے امت محمدیہ دین اسلام کی پیروی کرو۔ جو کہ وہ فطرۃ اور طریقہ ہے جسپر تمام آدمیونکو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اللہ کے خلق فرمانے میں تبدیلی نہیں ہے کہ کسی کو تو اسلام پر پیدا کیا ہو۔ اور کسی کو دین مجوس پر کسی کو دین نصرانیہ پر اور کسی کو یہودیہ وغیر ذالک پر بلکہ سب کو اسی اقرار توحید و اسلام پر خلق فرمایا ہے۔ یہی دین قیم و مستقیم ہے لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے

واضح ہو کہ دین حنیف بطور علم خاص کے اُس مذہب کا نام قرار پا گیا ہے۔ جو جناب ابراہیم علیہ السلام کیطرف منسوب تھا اور وہ توحید خدا تعالیٰ ہے۔ چنانچہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے حنفاء للہ غیر مشرکین بہ کی تفسیر میں (جبکہ ایک شخص نے حضرت سے پوچھا کہ حنیفیۃ کیا ہے ؟) یہ فرمایا کہ ھی الفطرۃ التی فطر الناس علیھا فطر اللہ الخلق علیٰ معرفتہ،، حنیفیۃ سے مراد وہ فطرت ہے۔ جسپر اللہ تعالیٰ نے تمام آدمیونکو پیدا کیا ہے خدا تعالیٰ نے تمام خلق کو اپنی معرفت پر پیدا کیا ہے یعنی اس اقرار پر پیدا کیا ہے کہ سب لوگ اُسکی معرفت حاصل کریں اور موحد رہیں اور چونکہ یہی مسلک دین اسلام اور مذہب محمدی کا بھی ہے کہ خدا تعالےٰ کو واحد و یکتا سمجھا جائے اور اسی کی خالص عبادت کیجائے۔ اس لئے کئی مقام پر قرآن مجید میں اس امر کو بیان کیا گیا ہے سورہ بقر میں فرمایا قالوا کونوا ھودًا او نصارٰی تھتدوا قل بل ملۃ ابراھیم حنیفاً،،

لوگ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصاریٰ ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ اے رسول تم کہدو بلکہ تم لوگ مذہب ابراہیم کی پیروی کرو۔ جو ایک خدا کے ہو رہے تھے" پھر سورہ آل عمران میں فرمایا ہے ما کان ابراھیم یھودیا و لا نصرانیا و لکن کان حنیفا مسلما" ابراہیم یہودی یا نصرانی نہ تھے۔ لیکن موحد صاحب اسلام تھے۔ نیز سورہ آل عمران میں فرمایا۔ قل صدق اللہ فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا" اے رسول کہدو کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ پس تم لوگ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو ایک خدا کے ہو رہے تھے۔ اور سورہ نساء میں فرمایا ہے من احسن دینا ممن اسلم وجھہ للہ وھو محسن و اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔ کون اچھا ہو سکتا ہے از روئے دین و مذہب کے اُس شخص سے جو اللہ کے آگے سر تسلیم خم کرے۔ اور وہ نیکوکار بھی ہو۔ اور ملت ابراہیم کی باستقامت پیروی کرتا ہو" سورہ انعام میں حضرت ابراہیم کا قول نقل فرمایا ہے۔ انی وجھت وجھی للذی فطر السماوات والارض حنیفا" میں نے اپنے رُخ کو اُس خالق عالم کیطرف پھیرا ہے یعنی اُسکا مطیع و فرمانبردار بنا ہوں جسنے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور یہ میری توجیہ وجہ یا اطاعت و اسلام مضبوطی اور استقامت کے ساتھ ہے۔ نیز سورہ انعام میں فرمایا قل اننی ھدانی ربی الی صراط مستقیم دینا قیما ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین۔ اے رسول کہدو کہ مجھکو میرے پروردگار نے سیدھی راہ کی ہدایت کردی۔ اُس نے ایسے دین کیطرف ہدایت کی ہے جو ٹھیک ہے اور مذہب ابراہیم ہے جو موحد تھے۔ اور مذہب اسلام و توحید پر باستقامت و استحکام قائم تھے اور وہ مشرک نہ تھے۔ سورہ یونس میں فرمایا و ان اقم وجھک للدین حنیفا ولا تکونن من المشرکین اے رسول کہدو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کہ (اے محمد) تو دین کیطرف متوجہ ہو۔ درحالیکہ تو اُس دین پر مستقیم ہو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔ سورہ نحل میں فرمایا ہے ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا بیشک ابراہیم خدا تعالیٰ کے فرمانبردار موحد تھے" نیز فرمایا ہے ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔ پھر ہم نے تجھکو (اے ہمارے رسول) وحی کی کہ مذہب ابراہیم کی پیروی کر۔ جو موحد اور توحید پر قائم تھے۔ (یا یہ کہ تو اسطرح اُس مذہب کی تبعیت باستقامت کر۔

پس معلوم ہوا کہ فطرۃ اللہ اور صبغۃ اللہ اور دین حنیفیہ ان سب سے مراد ایک ہی ہے یعنی اقرار توحید خدا تعالیٰ۔ اور یہی مطلب اُس حدیث کا بھی ہے۔ جو جناب رسالتمآب سے مروی ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ حتی یکون ابواہ یھودانہ وینصرانہ۔ ہر بچہ فطرت یعنی طریقہ اسلام اور اقرار توحید خدا تعالیٰ پر پیدا ہوتا ہے۔ یہانتک کہ اُسکے والدین اُسکو یہودی و نصرانی بنا دیتے ہیں۔ اور یہی مراد اُس حدیث سے بھی ہے کہ جسمیں فرمایا گیا ہے احب الادیان الی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ تمام مذہبوں میں سے خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ حنیفیہ سہلہ ہے اور یہی مطلب اس آیت کا بھی ہے جسمیں ارشاد فرمایا ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ بیشک دین تو خدا تعالیٰ

کے نزدیک اسلام ہی ہے"۔ یہی فطرۃ ہے۔ یہی صبغۃ ہے۔ یہی حنیفیہ ہے اور یہی اسلام ہے۔

ساتواں باب قدمِ باریتعالیٰ کے بیان میں

یعنی کہ خدا تعالیٰ قدیم ازلی ہے۔ اور وہی ابدی ہے نہ اُسکی کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ سورہ بقرمیں ارشاد فرمایا ہے (آیۃ الکرسی) اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اللہ نہیں ہے کوئی معبود برحق مگر وہی۔ حی وقیوم ہے۔ یعنی وہ ایسا ہے کہ بنفس ذاتہ زندہ ہے اور اس کے لئے موت جائز نہیں۔ قائم دائم بلا زوال ہے۔ قیوم کے معنی اگرچہ یہ بھی بتائے گئے ہیں کہ القائم بتدبیر خلقہ۔ یعنی اپنی مخلوقات کی تدبیر واصلاح کا قائم کرنیوالا یا یہ کہ اُنکی اصلاح وتدبیر کو قائم رکھنے والا ہے مگر کفعمی اور صاحب عدہ نے تحریر فرمایا ہے کہ قیوم کے معنی قائم دائم بلا زوال کے ہیں۔ غرض اس آیت سے اُسکی ازلیۃ ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب وہ حی ہے۔ یعنی زندہ تو لامحالا اُسکی زندگی کسی اور شخص یا کسی اور چیز کے سبب سے نہ ہوگی۔ ورنہ وہ شے خدا ہوگی۔ جس نے اسکو زندہ کیا ہے اور اسمیں حیات داخل کی ہے۔ حالانکہ اس نے سب کو زندگی اور حیات دی ہے نہ یہ کہ اُسکو کسی نے زندگی دی ہو۔

اور اپنے ابدی ہونے کو اُسنے یوں بیان کیا ہے وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ اے رسول اور بھروسا کر اُس خدائے زندہ پر جسکے لئے موت نہیں!! دلیل اس مطلب کی یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ قدیم نہ ہوگا۔ تو لامحالہ حادث ہوگا۔ اور جب حادث ہوگا۔ تو کسی کا پیدا کیا ہوگا۔ پس یہ دوسرا شخص جسنے خدا کو پیدا کیا ہے۔ اگر وہ اسی خدا سے پیدا ہوا ہے۔ تو دور لازم آئیگا جو محال ہے کیونکہ اپنے موجود ہونے سے پہلے اپنا موجود ہونا لازم آتا ہے۔ اس لیئے کہ تم نے یہ مانا ہے کہ اس دوسرے نے تو خدا کو پیدا کیا اور خدا نے اس دوسرے شخص کو پیدا کیا تو جبکہ اس کو خدا نے پیدا کیا اُسوقت یہ معدوم تھا۔ اور جب اس نے خدا کو پیدا کیا تو موجود نہ تھا۔ پس جب اسکا وجود خدا کے بعد مانا جاتا ہے تو اُس سے پہلے موجود نہ رہا ہوگا۔ حالانکہ اُسی نے خدا کو پیدا کیا ہے تو ضرور اُس سے پہلے موجود رہا ہوگا۔ اور یہی معنی اسکے ہیں کہ اپنے موجود ہونے سے پہلے موجود ہونا لازم آتا ہے اور محال ہے اور اگر خدا نے اُس دوسرے کو نہیں پیدا کیا تو آیا وہ دوسرا قدیم ہے یا نہیں اگر قدیم ہے تو اُسی کو خدا کہا جائیگا اور اگر وہ بھی حادث ہے تو ضرور اسکو بھی کسی اور نے پیدا کیا ہوگا۔ اب اگر یہی سلسلہ چلا جائے تو تسلسل لازم آئیگا۔ جو محال ہے۔ اور تسلسل کے محال ہونے کی ایک صاف اور موٹی دلیل یہ ہے کہ ابتدا نا ممکن ہے اسکی توضیح یوں ہے کہ اگر سلسلہ ممکنات ہی چلا جائے۔ اور کوئی اس سلسلہ کے درمیان میں قدیم نہ ہو۔ بلکہ جو بھی پیدا کرنیوالا تسلیم کیا جائے وہ حادث ہی ہو تو کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ کسی شے کی ابتدا ہو سکے۔ اسوجہ سے کہ معدوم حادث کی ابتدا تو کسی ابتدا کرنیوالے سے ہو سکتی ہے اور جب اُس ابتدا کرنے والے کو بھی حادث ہی مانا گیا۔ تو اُس سے پہلے بھی کوئی ہوگا جس نے اُسے بنایا ہوگا۔ اور وہ بھی حادث ہے تو اُسے بھی کسی اُس سے پہلے والے نے بنایا ہو جو حادث ہوگا۔ تو کہیں سے ابتدا نہ نکلیگی۔ حالانکہ حادثات کے سلسلہ کیواسطے ابتدا کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ

اصل میں معدوم تھے اور عدم سے وجود میں آئے ہیں تو لامحالہ کوئی وقت ابتدا کا ہوگا۔ جسمیں انکا عدم سے وجود میں آنا شروع ہوا۔ اور ضرور کوئی ایسا ہوگا۔ جس نے انکو عدم سے وجود میں لانا شروع کیا۔ پس لامحالہ اُسکو قدیم ہونا چاہیئے ؂

دوسرے یہ کہ عالم میں جسقدر موجودات ہیں۔ انمیں اگر کوئی موجود قدیم بھی ہے تو وہی خدا تعالےٰ ہے اور اگر کوئی بھی قدیم نہیں ہے تو ان موجودات ممکنہ کو عدم سے وجود میں کون لایا۔ یہ تو ہوا نہیں کہ سب آپسے آپ موجود ہو گئے ہوں۔ کیونکہ عدم میں خود صلاحیت موجود ہونے کی نہیں ہے جب تک کوئی دوسرا وجود نہ پیدا کرے۔ دیکھو مٹی سے گھڑا آپ سے نہیں پیدا ہو جاتا۔ جب تک کمہار اُس مٹی کو گھڑے کی صورت میں موجود نہیں کرتا۔ تو یا یہ کہوگے۔ کہ ان تمام ممکنات نے ملکر اپنے تمام کو پیدا کیا ہے۔ یا ایک نے دوسرے کو اگر کہو کہ تمام نے ملکر تمام کو پیدا کیا ہے تو لازم آتا ہے کہ کوئی شے اپنے وجود کی آپ علت ہو۔ حالانکہ یہ محال ہے کیونکہ علت ہونے کیلئے موجود ہونا ضروری ہے حالانکہ وہ ابھی آپ ہی موجود نہیں۔ اور اگر ایک نے دوسرے کو پیدا کیا ہے تو آیا اپنی حالت عدم میں دوسرے کو پیدا کیا یا حالت وجود میں۔ اگر کہو کہ حالت عدم میں پیدا کیا ہے تو بھلا تمہیں بتاؤ۔ کہ بھلا معدوم شے بھی فاعل ہو سکتی ہے؟ اور اگر اپنے موجود ہونے کی حالت میں دوسرے کو پیدا کیا۔ تو آپ کیونکر موجود ہوئے جبکہ خود بھی ممکن اور معدوم تھے۔ تو لامحالہ کسی اور نے اُسے موجود کیا ہوگا۔ پس اُسکا موجود کرنیوالا ان ممکنات میں سے تو کوئی ہو نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ خود بھی معدوم الاصل ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ کوئی اور شخص انکا خالق مانا جائے جو اس سلسلہ ممکنات سے علیحدہ ہو تو لامحالہ قدیم ہوگا۔ کیونکہ سلسلہ ممکنات سے الگ ہو کر سوائے قدیم ہونیکے اور کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ لہذا معلوم ہوگا کہ وہی قدیم خدا تعالیٰ ہے وہو المراد ؂

کسی نے جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ یا امیرالمومنین متیٰ کان ربک۔ اے امیرالمومنین آپکا پروردگار کب پیدا ہوا اور کب سے ہے؟ آپ نے فرمایا ثکلتک امک ومتیٰ لم یکن حتیٰ یقال متیٰ کان۔ تیری ماں تجھکو روئے۔ وہ کب نہ تھا۔ جو یہ کہا جائے کہ کب سے ہے اور کب پیدا ہوا۔ کان ربی قبل القبل بلا قبل ویکون بعد البعد بلا بعد ولا غایۃ ولا منتھیٰ لغایتہ انقطعت الغایات عنہ فھو منتھیٰ کل غایۃ میرا پروردگار ہر پہلے سے پہلے تھا جس سے پہلے کچھ نہیں۔ اور ہر بعد کے بعد رہیگا۔ جس سے بعد کچھ نہیں اور نہ کوئی حد ہے۔ اور نہ اُسکی انتہا کی کوئی غایت ہے۔ تمام انتہائیں اُس سے علیحدہ اور جُدا ہیں۔ پس وہی معبود ہر انتہا کی انتہا ہے۔ اُسکی کوئی انتہا نہیں ؂

نافع بن ازرق نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کی اخبرنی عن اللہ تعالیٰ متیٰ کان

فقال له ویلک اخبرنی انت متی لم یکن حتی اخبرک متی کان سبحان من لم یزل ولا یزال فرداً صمداً لم یتخذ صاحبة ولا ولداً" مجھے آپ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کب سے ہے؟ آپ نے اُس سے فرمایا تو مجھے بتا کہ وہ کب نہ تھا تاکہ میں تجھے بتاؤں کہ وہ کب سے ہے (یعنی جبکہ اسکے لئے عدم کا کوئی وقت ہی نہیں۔ بلکہ ہر وقت موجود ہی تھا۔ تو کیونکر بتایا جا سکتا ہے کہ فلاں وقت سے اُسکا وجود ہوا۔) پاک و منزہ ہے وہ (معبود) جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ اکیلا ہے۔ بے نیاز ہے۔ نہ اُس کے لئے بیوی ہے اور نہ بچہ" (بحار جلد توحید)

(اس سے زیادہ حدیثیں اس بارے میں دیکھنی ہوں تو دیکھو ہماری کتاب توحید الائمہ)

آٹھواں باب اس بیان میں

کہ خدا تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جسمانی۔ نہ مکان ہے نہ مکانی۔ نہ زمانہ ہے اور نہ زمانی۔ نہ صورت ہے نہ مادہ۔ نہ اُسپر حلول جائز ہے۔ اور نہ وہ کسی شے سے متحد ہے۔ نہ اسمیں حرکت ہے اور نہ انتقال۔ اور نہ وہ محال حوادث ہے۔

اس مطلب کے بیان کیواسطے خدا تعالیٰ نے ایک آیت ایسی ارشاد فرمادی ہے جسکے معنی کی وسعت کا اندازہ دشوار ہے۔ البتہ بالاجمال اُسکا احاطہ ممکن ہے۔ تمام وہ دعاوی جو آغاز میں بیان ہوئے۔ وہ کل اس ایک آیت سے ثابت ہوتے ہیں۔ جو سورہ حمعسق میں فرمائی ہے لیس کمثله شئ وھو السمیع البصیر مثل اُسکے کوئی شے نہیں اور وہی سمیع و بصیر ہے۔ یعنی جس قدر چیزیں عالم میں موجود ہیں۔ وہ اس سے خالی نہیں کہ یا جوہر ہیں یا عرض۔ اور اگر جوہر ہیں تو بسیط ہیں یا مرکب۔ اور اگر عرض ہیں۔ تو یا کم ہیں۔ یا کیف فعل ہیں یا انفعل۔ این ہیں یا وضع۔ ملک ہیں یا اضافت۔ یا متی جو بھی انمیں سے ہیں۔ وہ حادث اور ممکن ہیں۔ کیونکہ جواہر بسیط۔ مثل عقل۔ نفس۔ مادہ۔ صورت اور روح سب کے سب بسبب اسکے کہ انمیں تغیرات ہوتے رہتے ہیں مثلاً کمی سے زیادتی۔ زیادتی سے کمی۔ ضعف سے قوت۔ قوت سے ضعف وغیرہ وغیرہ تو کسی طرح یہ واجب الوجود نہیں ہو سکتے۔ اور جب واجب الوجود نہیں ہو سکتے تو خدا تعالیٰ کے مثل کیونکر ہو سکتے ہیں اور جواہر مرکبہ جنہیں جسم کہا جاتا ہے۔ مثلاً افلاک۔ عناصر اربعہ۔ یا موالید ثلاثہ یہ سب خود ہی معدوم الاصل ہیں اور عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ پھر یہ کیونکر خدا تعالیٰ سے مشابہ ہو سکتے ہیں۔ یا وہ کب اُن سے مشابہ ہو سکتا ہے کیونکہ شباہت کیواسطے اشتراک نوعی ضروری ہے اور جبکہ نوع ممکن نوع واجب میں داخل ہی نہیں اور دونوں غیر غیر ہیں تو شباہت کیونکر ہو سکتی ہے پس نہ تو وہ فرشتوں کے مثل ہے نہ روح کے مثل۔ آسمان کے مثل ہے نہ تاروں کے مثل۔ انسان کے مثل ہے نہ حیوانات کے مثل۔ آگ کے مثل ہے نہ پانی کے مثل۔ زمین کے مثل ہے نہ ہوا کے مثل۔ کسی کیفیت سے مشابہ ہے نہ کسی کمیت سے۔ بلکہ وہ ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے۔ اور جب اُن سے

مشابہ نہیں تو جو اوصاف ذاتیہ انکے ہیں اُنسے بھی مشابہ نہ ہوگا۔ مثلاً جسقدر جواہر و اعراض ہیں۔ خواہ بسائط ہوں یا مرکبات اُنکو شکل کی احتیاج ہے۔ مکان کی احتیاج ہے۔ زمانہ کی احتیاج ہے۔ یہ کوئی بات اُسمیں نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر یہ مانا جائے کہ اُسکی کوئی شکل ہے۔ تو ضرور ہے کہ وہ مقدار ہوگا۔ اسلئے کہ شکل بغیر مقدار کے ممکن ہی نہیں۔ اور جب مقدار ہوگا۔ تو کسی نہ کسی ذو المقدار میں قائم ہوگا۔ تو لازم آئیگا کہ ذو المقدار اُس سے پہلے موجود ہو کیونکہ عرض کا وجود بغیر جوہر کے محال ہے۔ پس اسوقت میں اُسکا حدوث لازم آئیگا۔ جو ناممکن ہے اور اگر اُس کے لئے کوئی مکان ہو۔ تو محتاج مکان کا ہوگا۔ اور لازم آئیگا کہ مکان اس سے پہلے موجود ہو کیونکہ متمکن کا وجود ہمیشہ مکان سے متاخر ہوتا ہے۔ پھر بھی حدوث لازم آئیگا۔ اور علےٰ ہذا القیاس زمانے میں یہی تقریر ہے۔ کیونکہ زمانہ خود حادث ہے پس محتاج الی الحادث بطریق اولےٰ حادث ہوگا۔ حالانکہ اُسے بدلیل تسلیم کر لیا گیا ہے کہ وہ قدیم ازلی ہے۔

اب چونکہ آیت قرآنیہ محکمہ اس مادے میں بطور نص کے قرآنمجید میں موجود ہے جسمیں تاویل کی گنجائش نہیں ہے اور دلیل عقل سے مطابق ہے۔ تو اگر اسکے خلاف کسی شخص کی رائے ہوگی۔ وہ تسلیم نہ ہوگی۔ اور اگر آیات قرآنیہ متشابہہ بظاہر اسکے برخلاف ہونگی۔ تو انکی تاویل کیجائیگی!! (تاویل سے یہ مطلب نہ سمجھ لیا جائے۔ کہ خواہ مخواہ اُسکے معنی بدلکر کچھ کا کچھ کہا جائیگا بلکہ ازبسکہ اُسمیں دو قسم کے پہلو نکلتے ہیں ایک تو وہ جو آیت محکمہ قرآنیہ اور برہان عقلی کے مطابق ہیں اور دوسرے وہ جو آیت محکمہ کے خلاف اور عقلی دلیل کے متضاد و مخالف ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اُن آیات سے وہی معنی مراد لیا جائے۔ جو خلاف عقل اور خلاف محکمات ہو۔ بلکہ وہ معنی مراد ہوگا۔ جو مطابق ہو۔ کیونکہ یہ کلام حکیم مطلق کا ہے اور حکیم کوئی بات خلاف عقل نہیں کہتا۔ خصوصاً وہ جو سب سے بڑا حکیم ہو۔ تو اگرچہ لفظوں سے احتمال معنی خلاف عقل کا ہو سکے مگر چونکہ وہ کلام حکیم ہے اسلئے اُسکا وہی دوسرا معنے سمجھا جائیگا جو موافق عقل ہو۔ مثلاً یوں سمجھو کہ ایک فلاسفر آدمی تم سے یوں کہے کہ "میں دو بجے تمہارے مکان پر آؤنگا"۔ تو اگرچہ یہ بھی احتمال ہے کہ دو بجے دن کو اُسنے مراد لیا ہو یا دو بجے رات کو۔ اور مکان سے مراد خاص وہ جگہ لی ہو جسمیں تم اپنے جسم سے موجود ہو یا تمہارا گھر مراد لیا ہو۔ اور آؤنگا سے پیدل مراد لیا ہو یا سواری پر۔ اور چاروں ہاتھ پاؤں سے مثل بندروں کے اوچکتا ہوا مراد لیا ہو یا مثل انسان کے دو پاؤں سے چلتا ہوا۔ اور دھوپ میں چلتا ہوا مراد لیا ہو یا چھتری لگائے ہوئے دوڑتا ہوا آنا مراد لیا ہو یا سکینہ و وقار کے ساتھ آنا۔ پس اگرچہ اُسکے کلام میں یہ سب احتمالات موجود ہیں لیکن تم اُسکے اس کلام سے کہ "آج میں تمہارے مکان پر آؤنگا" یہی سمجھوگے۔ کہ دو بجے دنکو آئیگا اس لیے کہ دو بجے رات کو کوئی ملاقات کا وقت نہیں ہوتا۔ اور ایسے وقت ملنے میں تقریباً ملاقی اور ملاقی منہ دونوں ہی کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور ضرور ہے کہ اگر ممکن ہوگا۔ تو سواری پر آئیگا۔ کیونکہ بلا وجہ کوئی تکلیف نہیں اُٹھاتا اور اگر سواری ممکن نہ ہوئی تو پیدل ہی آئیگا مگر چونکہ چاروں ہاتھ

پاؤں سے چلنا یا خواہ مخواہ دوڑنا یا باوجود دھوپ کی تکلیف کے چھتری نہ لگانا خلاف عقل ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ رساں رساں سکون و وقار کے ساتھ دو پاؤں پر چلتا ہوا چھتری لگائے ہوئے آئیگا۔ پس جبکہ تم ایک معمولی آدمی کے کلام کو خلاف عقل معنی پر محمول نہیں کرتے بلکہ اُس سے وہی معنی مراد لیتے ہو۔ جو عقل کے مطابق ہو۔ تو خدا تعالیٰ کے کلام حکیمانہ نے کیا قصور کیا ہے کہ اُس سے وہی معنی سمجھو۔ جو خلاف عقل ہے۔ آخر یہ کونسا انصاف ہے اور یہ کس قسم کی عقل ہے۔ تو مطلب تاویل سے یہی کہ وہ آیات جو محکم قرآن کے معنی سے بظاہر الفاظ خلاف سمجھ میں آتے ہیں۔ وہ معنی اُنکے مراد نہ ہونگے بلکہ جو مطابق محکم آیات اور موافق برہان عقل ہونگے۔ وہ مراد لئے جائینگے)۔

پس وہ آیات جو لیس کمثلہ شئے سے بظاہر مخالف معلوم ہوتی ہیں حالانکہ مخالف نہیں ہیں ذیل میں ترتیب وار بیان کیجاتی ہیں:۔

پہلی آیت هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا ثم استوی الی السماء فسوٰھن سبع سماوات" (سورہ بقر رکوع ۳) وہی وہ معبود برحق ہے۔ جس نے پیدا کیں۔ تمہارے نفع کے واسطے تمام وہ چیزیں جو روے زمین پر ہیں۔ پھر مستوی ہوا طرف آسمان پس انکو سات آسمان بنایا۔" استواء کے معنی اعتدال اور استقامت کے ہیں۔ اور استیلا یعنی غلبہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیساکہ شاعر کہتا ہے

فلما علونا واستوینا علیھم ❊ ترکناھم صرعیٰ لنسر وکاسر

(یعنی جب ہم اپنے مخالف دشمنوں پر غالب ہوگئے ❊ تو انکو پچھڑا ہوا زمین پر چھوڑ دیا گدوں اور پرندوں کے واسطے کہ وہ آکر انکا گوشت کھائیں) استواء بمعنی اقبال بھی آیا ہے یعنی متوجہ ہونا جو حرف علےٰ اور الیٰ دونوں سے موصول ہوتا ہے۔ جیساکہ کہتے ہیں کان فلانٌ مقبلاً علےٰ فلان ثم استویٰ علیّ (یا الیّ) یعنی فلاں شخص فلاں پر متوجہ تھا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوگیا۔ نیز استواء بمعنی قصد بھی آیا ہے۔ جیسے کہتے ہیں کان الامیر یدبر امر الشام ثم استویٰ الی الحجاز امیر۔ شام کے امور کی تدبیر کرتا تھا پھر اُس نے حجاز کا ارادہ کرلیا یعنی اپنی تدبیر اور اپنے ارادے کو حجاز کیطرف پھیر دیا تو جبکہ استویٰ کے معنی اتنے ہیں۔ تو انیں سے خاصکر اعتدال یعنی چار زانو ہوکر بیٹھنے ہی کے لئے جائیں۔ اور غلبہ۔ یا متوجہ ہونا یا قصد کرنے کے معنی نہ لئے جائیں۔ اسکی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ خصوصًا جبکہ پہلے معنی خلاف عقل بھی ہیں کیونکہ چار زانو تو وہ بیٹھے جو جسم بھی ہو۔ اور خدا تعالیٰ کے لئے جسم نہیں بلکہ وہ بسیط مطلق ہے اسمیں ترکیب کا شائبہ بھی نہیں ورنہ واجب الوجود نہ رہیگا۔ پس معنی آیت یہ ہوئے کہ اُسی معبود نے تمہارے لئے تمام روئے زمین کی چیزوں کو پیدا کیا۔ پھر وہ متوجہ ہوا۔ آسمان کے پیدا کرنیکی طرف یا یہ کہ پھر اسنے اپنے ارادے کو آسمان کیطرف پھیرا اور اُسکے پیدا کرنیکا قصد کیا!! اور اس معنی میں کوئی خرابی عقلی لازم نہیں آتی۔ اور نہ مخالفت قرآن و حدیث بس یہی معنی درست

ہیں۔ اور یہی مراد خدا تعالیٰ ہے۔ انشاء اللہ

۲ دوسری آیت اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (سورہ اعراف رکوع ۷) بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے جسنے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر مستوی ہوا عرش پر۔ اسمیں بھی استوا اور عرش کے معنی کو دیکھنا چاہیئے۔ استوار کے تو وہی معانی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے اور عرش تخت کو بھی کہتے ہیں۔ عرش نویں آسمان کو بھی کہتے ہیں۔ اور عرش سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام نے علم بھی بتایا ہے۔

پس ثم استویٰ علے العرش کے یا تو یہ معنی ہیں کہ استوی امرہٗ علے الملک غالب ہوگیا امر اُسکا ملک پر یعنی ملک اُسکا مستقر و مستقل ہوا۔ یا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کر چکا تو فرشتوں پر اپنے استقرار و استقامت ملک و سلطنت اور اپنے غلبہ کو ظاہر کیا تا انکو اپنی عبدیت اور خدا تعالیٰ کی معبودیت کا اذعان تام حاصل ہو۔ یا عرش کے معنی کل شے کے لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنیکے بعد پروردگار تمام چیزوں پر غالب ہوا۔ یعنی اپنا غلبہ ہر شے پر ظاہر فرمایا۔

جناب صادق علیہ السلام سے اسکی تفسیر میں مروی ہے کہ آپنے فرمایا استوی من کل شئ فلیس شئ اقرب الیہ من شئ یعنی استوی علے العرش سے مطلب یہ ہے کہ اُسکی نسبت ہر شے سے برابر ہے۔ وہ ہر شے کا مالک اور ہر چیز پر بہ نسبت مساویہ قادر ہے۔

نیز جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ استوی علے العرش سے مراد استولی علی ما دق وجل ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ ہر چھوٹی بڑی چیزوں پر غالب ہے!! اور بیشک یہ معنی صحیح ہیں اور اسپر کوئی قبح عقلی یا نقلی لازم نہیں آتا بخلاف اسکے کہ اگر اس سے مراد یہ لیجائے کہ خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے۔ تو اُسکا محتاج مکان ہونا لازم آئیگا جو محال ہے۔

۳ تیسری آیت۔ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (سورہ عنکبوت رکوع ۹) ہر شے ہلاک ہو جائیگی مگر وجہ خدا ہلاک نہ ہوگا۔ یا وجہ اُس شے کی ہلاک نہ ہوگی۔

۴ چوتھی آیت وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اور باقی رہجائیگا۔ وجہ تیرے رب کا جو صاحب جلال و اکرام ہے۔ (سورہ رحمان)

وجہ بمعنی ذات بھی لغت میں آیا ہے۔ اور بمعنی جہت بھی۔ اور بمعنی چہرہ بھی۔ اور بمعنی ما یقصد بہ الی اللہ (جس ذریعہ سے خدا تعالیٰ کیطرف قصد کیا جائیگا) اور بمعنی عرض بھی آیا ہے اور بمعنی سبب بھی آیا ہے۔ و بمعنی اول و صدر شے۔ و بمعنی حیلہ و احتیال۔ و بمعنی قدر و منزلت و

ومعنی (ای منظور الیہ و یعنی بہ مذہب) هذا فی الدرر و الغرر. و دل ایضاً علی ان الوجه یعنی به الذات قوله
تعالی وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة ووجوه یومئذ باسرة تظن ان یفعل بها فاقرة وقوله وجوه یومئذ ناعمة
لسعیها راضیة لان جمیع ما اضیف الی الوجوه فی ظاهر الآی من النظر و النظر و الرضی لا یصح اضافته علی الحقیقة الا
دائماً ایضاً الی المجاز فمعنی قوله کل شیء هالک الا وجهه ای کل شیء هالک الا ایاه وکذلک قوله کل من علیها فان مما یدل
علی ان المراد بوجهه نفسه قوله فیبقی وجه ربک ذو الجلال والاکرام. لما کان المراد بالوجه نفسه و لم یقل ذی الجلال
کما قال تبارک اسم ربک ذی الجلال والاکرام لما کان اسمه غیره ویمکن فی قوله کل شیء هالک الا وجهه. وجه آخر قاله و
عن بعض المتقدمین وهو ان یکون المراد بالوجه ما یقصد به الی الله تعالی. ویوجه بنحو القربة حکایة الیه
فیقول لا تشرک بالله ولا تدع مع الله الهاً غیره فان کل فعل یتقرب به الی غیره و یقصد بسواه فهو هالک باطل و کیف یجوز
للمشبه ان یحمل هذه الآیة والتی قبلها علی الظاهر ولیس ذلک یوجب الله تعالی ان یفنی و یبقی وجهه هذا اکفر و جهل من قائله

پس ان لفظ معنوں میں ہے بالخصوص چہرہ کو لے لینا اور کہنا کہ معنی آیت یہ ہیں کہ ہر شے فنا ہو جائیگی مگر خدا کا چہرہ نہ فنا ہوگا اور باقی رہیگا چہرہ تیرے رب کا جو کہ صاحب جلال و اکرام ہے (جیسا کہ بعض مدعیان اسلام کا خیال ہے) بالکل بے وجہ ہے کیونکہ اگر یہ معنی ہونگے تو دو خرابیاں لازم آئینگی۔ اول یہ کہ اس بنا پر لازم آئیگا کہ ہر شے فنا ہو جائیگی۔ یہانتک کہ خدا بھی فنا ہو جائیگا۔ مگر اسکا چہرہ باقی رہجائیگا اس معنی کو شاید کوئی عقلمند پسند نہیں کریگا۔ کیونکہ خدا کے چہرہ کا باقی رہجانا اور باقی تمام ارکان کا اسکے فنا ہو جانا ایک مہمل بات ہے۔ پس لامحالہ یا تو مراد وجہ سے ذات ہوگی۔ تو معنی آیت یہ ہوگا۔ کہ ہر شے فنا ہو جائیگی مگر ذات خدا باقی رہجائیگی (اور بیشک یہ صحیح ہے اور اسپر کوئی اعتراض بھی لازم نہیں آتا ۱۲) یا یہ مراد ہوگی کہ سب چیزیں فنا ہو جائینگی۔ مگر وہ ذریعہ جس سے خدا تک پہنچ سکتے ہیں یعنی اسکے نزدیک قابل عزت ہو سکتے ہیں۔ فنا نہ ہوگا۔ (اور وہ ذریعہ دین و مذہب ہے) چنانچہ صادق آل محمد سے مروی ہے

عن خیثمة قال سئلت اباعبد الله عن قول الله عز وجل کل شیء هالک الا وجهه
قال دینه" خیثمہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب ابو عبد اللہ الصادقؑ سے کل شیء ہالک الا وجهه کا معنی دریافت کیا تو آپنے فرمایا کہ وجہ سے مراد دین خدا ہے" یعنی دین خدا کبھی فنا نہ ہوگا۔ کیونکہ اُسی کی موافقت و مخالفت پر ثواب و عذاب کی بنا ہے اگر وہی فنا ہو گیا تو نہ قیامت کی ضرورت ہے اور نہ عبادت کی حاجت ہے اور نہ رسول کے آنیکی احتیاج ہے حالانکہ یہ سب باتیں ضروری و لازمی ہیں!!

٥ **پانچویں آیت** قال یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدیّ"

خدا تعالی نے فرمایا "اے ابلیس کس چیز نے تجھ کو سجدہ کرنے سے منع کیا۔ اُسے جسکو میں نے اپنے یدین سے پیدا کیا تھا" بعض مسلمان مثل ابو الحسن اشعری کے یدین سے مراد دونوں ہاتھ لیتے ہیں اور معنی یہ بتاتے ہیں کہ "میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا تھا۔ اور اسی بنا پر بعض دیگر اہل اسلام مثل داؤد خوارزمی کے قائل تھے۔ کہ خدا تعالی کے دو ہاتھ ہیں۔ جیسے آدمیوں کے ہوتے

ہیں لیکن فی الواقع یہ ان لوگوں کی سخت غلطی تھی۔ کیونکہ تجسم پروردگار عالم اور اُسکے لئے ہاتھ پاؤں ہونے ناممکن ہیں۔ تو ضروری ہے کہ غور کیا جائے کہ ید کا عرب میں کن کن معنوں کے لئے استعمال ہوا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ید ہاتھ کے معنی میں بھی آیا ہے۔ جیساکہ خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما۔ چور مرد اور چورنی عورت کے ہاتھونکو کاٹ دو۔" اور نیز نعمت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے کہتے ہیں لہ علی ید اس کا مجھپر نعمت ہے یعنی وہ میرا منعم ہے۔ ولہ عندی ید بیضاء اسکی مجھپر نعمت روشن ہے۔ اور قدرت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جیساکہ عرب شاعر کہتا ہے

تحملت من ذلفاء ما لیس لی بہ ۔ ولا للجبال الراسیات ید ان

میں نے ذلفاء کیطرف سے وہ مشقتیں برداشت کیں۔ کہ نہ جنکے اُٹھانے کی مجھکو قدرت ہے اور نہ بڑے مضبوط گڑے ہوئے پہاڑونکو۔ دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

انابغ انکم لم تبلغونا ۔ وما لکم بذلکم ید ان

اے نابغہ۔ تم لوگ ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور نہ تمکو اس امر کی قدرت و قوت ہے"۔ پس جبکہ ید کے معنی ہاتھ۔ قدرت اور نعمت تینوں آئے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ کہ وہی معنی بالخصوص مراد لیا جائے جو عقل کے خلاف اور شان خدائے تعالیٰ کے مخالف ہو اور کیا ضرورت ہے کہ بلاوجہ عقل کے پیچھے لکڑی لیکر پھر اجائے۔ اور کیوں نہ کہا جائے۔ کہ اس آیت میں بھی یدین سے مراد قوت و قدرت ہے یا نعمت مراد لاما الوجہ فی تثنیتھا فقد قیل فیہ ان المراد بہ نعمۃ الدنیا ونعمۃ الآخرۃ فکانہ تعالیٰ قال ما منعک ان تسجد لما خلقت لنعمتی والمراد بالباء اللام انتھیٰ بقدر الحاجۃ ہے۔ کیونکہ اسصورت میں کوئی اعتراض عقلی یا نقلی عائد نہیں ہوتا۔ بخلاف پہلی صورت کے۔ پس اسصورت میں مراد آیت سے یہ ہوگی۔ کہ اے ابلیس جسکو میں نے خاص اپنی قدرت قوت سے پیدا کیا تھا۔ اُسے سجدہ کرنیسے (باوجود میرے حکم دینے کے) کس نے منع کیا۔ یا یہ کہ جسکو میں نے اپنی نعمت سے پیدا کیا تھا۔ یعنی آدم کا پیدا کرنا عین میری نعمت و رحمت تھا۔ اُسکو سجدہ کرنے سے تجھکو کس نے روکا۔

یہی مطلب جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ محمد بن مسلم کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت سے اس آیت کے معنی دریافت کئے۔ تو آپنے فرمایا الید فی کلام العرب القوۃ والنعمۃ قال اللہ واذکر عبدنا داؤد ذا الاید۔ وقال والسماء بنیناھا باید ای بقوۃ وقال ایدھم بروح منہ ای قواھم ویقال لفلان عندی ایادی کثیرۃ ای فواضل واحسان ولہ عندی ید بیضاء ای نعمۃ" (توحید بحار) ید کلام عرب میں قوت و نعمت (کے معنی میں آیا) ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے

واذکر عبدنا داود ذاالاید یاد کر ہمارے بندے داوٗد صاحب قوت کو۔ اور فرمایا ہے والسماء بنیناھا باید ہمنے آسمان کو بنایا قوت و قدرت سے اور فرمایا ہے ایدلھم بروح منہ اور انکی مدد کی خدا نے اپنے فرشتے مسمّی روح سے۔ یعنی انکو قوت دی۔ اور کہتے ہیں (عام محاورہ میں) لفلان عندی ایادی کثیرۃ۔ یعنی فلاں شخص کے مجھپر بہت سے نعم و احسانات ہیں ولہ عندی ید بیضاء اور اُسکی مجھپر ید بیضا یعنی نعمت ہے

اس امر کے متعلق جناب صادق علیہ السلام نے مختصر کیا اچھا فرمایا ہے۔ ابو بصیر حضرت سے راوی ہیں کہ آپنے فرمایا و ان اللہ تعالیٰ خلق الخلق کلھم بیدہ لم یحتج فی آدم انہ خلقہ بیدہ فیقول ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی افتری اللہ یبعث الاشیاء بیدہ " اگر خدا تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو ہاتھ سے پیدا کیا ہوتا۔ تو خاص کرکے آدم کی بابت یہ دلیل نہ پیش کرتا کہ میں نے انکو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور یہ نہ کہتا کہ ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ خدا تعالیٰ اشیائے عالم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کرتا ہے "۔ حاصل یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے ہاتھ ہوتے جیسے ہمارے تمہارے ہاتھ ہیں۔ تو لامحالہ وہ اشیاے عالم کو انہی ہاتھوں سے پیدا کرتا۔ پھر آدم میں خصوصیت کیا ہوئی کہ اُنکی نسبت فرمایا کہ میں نے اُسے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ کیا شیطان اُسکے پاؤں سے پیدا ہوا ہے۔ یا تمام اشیائے عالم اُس کے کسی اور جزو سے پیدا کیگئی ہیں۔ جو آدمؑ کی نسبت بالخصوص فرمایا کہ میں نے اُسکو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ پس اگر ید کا لفظ اس آیت میں ہاتھ کے معنی میں ہوتا تو تخصیص حضرت آدمؑ کی فضول تھی۔ کیونکہ سبھی اسکے ہاتھ کے پیدا کئے ہوئے ہونگے۔ اگر اسکے ہاتھ ہونگے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں ید سے مراد ہاتھ نہیں لی ہے۔ بلکہ قوت و قدرت مراد لی ہے۔ جسمیں کوئی خرابی نہیں۔ کیونکہ اسصورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آدم جبکہ میں نے اپنی خاص قدرت سے پیدا کیا اور وہ میرا پیدا کیا ہوا مخلوق ہے اور میں تجھکو سجدہ کرنیکا حکم دیتا ہوں۔ تو تجھے سجدہ سے انکار کی کیا وجہ ہے۔ یا اگر ید کی معنی یہاں نعمت کے ہوں تو یہ مطلب ہوگا۔ کہ میں نے آدم کو اپنی نعمت و رحمت سے پیدا کیا کہ جسکا فائدہ عامہ مخلوقات کو پہنچیگا کیونکہ اسی آدم سے وہ بھی پیدا ہونیوالا ہے۔ جو سبب خلقت آسمان و زمین ہے اور جو باعث وجود جن و انس و ملائکہ ہے جسکی فنا و بقا پر عالم کی فنا و بقا کا مدار ہے اور جو عامۂ عالم کے لئے رحمت ہے تو پھر تجھے آدم کو سجدہ کرنے سے کیا چیز مانع ہے ؟

عبداللہ بن قیس راوی ہیں کہ میں نے جناب ابوالحسن الرضا علیہ السلام کو سنا کہ فرماتے تھے۔ بل یداہ مبسوطتان۔ تو میں نے عرض کی کہ کیا اُسکے دونوں ہاتھ ایسے ہیں (اور میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے آپکے دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا) تو آپنے فرمایا لا۔ لوکان ھکذا لکان مخلوقاً۔ نہیں یہ مراد نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا یعنی اُسکو دو ہاتھ ایسے ہوتے تو پھر وہ مخلوق ہوتا۔

نہ کہ خالق"۔ یعنی اگر اُسکے ہاتھ ہوتے تو وہ مُرکب ہوتا۔ اور جب مُرکب ہوتا تو حادث ہوتا اور جب حادث ہوتا تو لامحالہ کسی کا پیدا کیا ہوا ہوتا۔ پھر تو وہ واجب الوجود ہی کیونکر ہو سکتا۔ حالانکہ وہ بیشک واجب الوجود ہے لہذا معلوم ہوا۔ کہ یداہ مبسوطتان سے مراد یہ ہے کہ وہ جواد ہے۔ بخل نہیں کرتا!!

چھٹی آیت۔ ان تقول نفسٌ یا حسرتیٰ علےٰ ما فرطت فی جنب اللّٰہ۔ جنب ٦

بمعنی امر و معاملہ آیا ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

اما تتقین اللّٰہ فی جنب عاشقٍ + لہ کبدٌ حرّیٰ وعین ترقرقٗ

اے محبوبہ تو عاشق کے معاملہ میں خُدا سے ڈرتی نہیں (اور اُسے اپنے ہجر کے صدمے میں جلائے ہی جاتی ہے) جسکا جگر جل رہا ہے (یا سوز غم سے گرم ہے) اور آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی ہیں"۔ اور جناب یعنی درگاہ و حرم کے معنی میں بھی آیا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں فلان لاذ بجنب فلانٍ۔ فلاں شخص نے فلاں شخص کی جناب و حرم میں پناہ لی۔ پس یہ دو صحیح معنی جنب کے اور موجود ہیں۔ تو کیا ضروری ہے۔ کہ وہی معنی زبردستی مراد لیے جائیں جو ناممکن و محال ہیں۔ یعنی پہلو کے معنی۔ جو کسی طرح خدا تعالیٰ کے لیے درست نہیں ہو سکتے۔

لہذا معنی آیت بضمیمہ آیت سابقہ واتبعوا احسن ما انزل الیکم من قبل ان یاتیکم العذاب بغتۃ وانتم لا تشعرون ان تقول نفسٌ یحسرتیٰ علےٰ ما فرطت فی جنب اللّٰہ۔ یہ ہوا کہ اور تمہارے پروردگار کیطرف سے جو اچھی اچھی نصیحت کی باتیں نازل ہوئی ہیں ان پر چلو مگر اس سے پہلے کہ تم پر ناگہاں عذاب آجاوے۔ اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ (کہیں ایسا نہ ہو) کہ (آخرکار) تم میں سے کوئی یہ کہنے لگے کہ ہائے افسوس ہے۔ اسپر کہ میں نے خدا تعالیٰ کے معاملہ میں تفریط اور کوتاہی کی (اور اُسکو اچھی طرح پورا نہ کیا اور نہ اسکی طرف سے نازل شدہ باتوں پر عمل کیا) اور واقعی قرینہ بھی کہتا ہے کہ گنہگار لوگ معذب ہوتے وقت یہی کہینگے کہ افسوس ہم نے خدا کے معاملات میں اچھا برتاؤ نہ کیا۔ اُسکی عبادت نہ کی۔ اُسکے احکام نہ مانے۔ یہ کوئی نہ کہیگا کہ خُدا کے پہلو میں میں نے کوتاہی کی۔ اگر بالفرض کہے بھی تو اسکا مطلب ہی کیا ہوگا۔ پہلو میں کوتاہی کرنا کیا؟ معاملہ میں کوتاہی اور کمی کرنا تو ایک معنی بھی رکھتا ہے!! اور اگر جناب کے معنی لو تو یہ کہو کہ کوئی گنہگار (معذب ہوتے وقت) کہ افسوس میں نے خدا تعالیٰ کی جناب میں تفریط کی یعنی اُسکی تعظیم نہ کی اُسکی عبادت پوری طرح نہ ادا کی"۔ اس معنی کی بنا پر بھی کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ بخلاف معنی پہلو کے۔

یہ بیان تو بنا بر ظاہر کے تھا۔ مگر اس کے باطنی معنی جو آئمہ معصومین علیہم السلام نے بتائے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جنب اللّٰہ امیر المومنین علیہ السلام وکذٰلک ما کان بعدہ من الاوصیاء بالمکان الرفیع الیٰ ان

ینتھی الامر الیٰ آخرھم" جنب اللہ سے مراد امیرالمومنین علیہ السلام اور انکے بعد کے اوصیاء رفیع المکان ہیں۔ آخر اوصیاء تک "تو مطلب آیت کا یہ ہوگا۔ کہ ایہا الناس جو تجھہ تمکوان آئمہ ہدیٰ کی نسبت آیہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اور آیہ کونوا مع الصادقین اور آیہ قل ما اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ وغیرہ آیات کثیرہ میں حکم دیا گیا ہے اُسکی پیروی کرو اور اُسپر چلو ورنہ عذاب ناگہانی آجانے پر یہ کہنا پڑیگا کہ ہائے افسوس ہیں نے جنب اللہ میں یعنی ان آئمہ ہدیٰ کی بابت بہت کوتاہی کی انکے حکم پر نہ چلا انسے محبّت نہ کی۔ انکو ناحق شہید کیا۔ ان پر بلاوجہ ظلم کئے۔ ان پر بے سبب مصیبتیں ڈالیں۔ اور آج حال کھلا کہ بے انکی محبت کے عبادت وغیرہ سب بیکار ہے۔ تو اسوقت اس افسوس کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ وقت ہاتھ سے نکل گیا ہوگا۔ اور وہ وقت سزا و جزا کا ہوگا۔ نہ کہ افسوس و حسرت کا۔ پس اس سے پہلے ہی ان بزرگوارونکی محبت اختیار کرلو۔ اور انکو اپنا پیشوا سمجھکر انکے حکم کے مطابق عمل کرو۔ کیونکہ ہم نے بہت سے مقام پر قرآنمجید میں اس معاملہ کو ظاہر کر دیا ہے!!

نیز اسی قسم کے معنی تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی مروی ہیں قال الصادق علیہ السلام نحن جنب اللہ" حضرت صادقؑ نے فرمایا جنب اللہ سے مراد ہملوگ ہیں۔ جنکی اطاعت و محبت خدا تعالیٰ نے قرآن میں فرض کی ہے۔

یہ دو قسم کے معنی بیان کیئے گئے جنمیں کوئی محال لازم نہیں آتا اور نہ خلاف شان خدا تعالیٰ کوئی امر لازم آتا ہے پس اگر ان دو معنوں کو دل تسلیم کرے۔ تو فہو المراد ورنہ جنب کے معنی طاعت کے بھی آئے ہیں کہتے ہیں ھذا صغیر فی جنب اللہ یہ بات طاعت خدا میں صغیر ہے۔ تو اسصورت میں معنی آیت یہ ہونگے کہ معذب ہوتے وقت کہیں ایسا نہ کہنا کہ ہائے افسوس مَیں نے طاعت خدا میں کمی کی!! اور جنب کے معنی قرب کے بھی آئے ہیں چونکہ پروردگار عالم اپنی قدرت کیوجہ سے ہر شے سے قریب ہے اور اُسکی نسبت ہر چیز سے برابر ہے۔ اس لئے اگر یہ معنی مراد لیئے جائیں۔ تب بھی کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ لیکن بہر صورت پہلو کے معنی ہرگز درست نہیں۔ اور بالکل خلاف عقل ہیں۔ پس کسی مسلم یا غیر مسلم کو یہ حق نہیں ہے کہ ان آیات سے وہی معنی خواہ مخواہ مراد لے۔ جسے عقل قبول نہیں کرتی اور جسکا مراد ہونا امکان ہی میں نہیں ہے۔

ساتویں آیت والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیامۃ والسمٰوٰت مطویّات بیمینہ"

بعض لوگ سمجھے ہیں کہ اس آیت میں قبضہ سے مراد مٹھی ہے اور یمین سے مراد داہنا ہاتھ ہے۔ اور کہتے ہیں کہ قیامت کے دن خُدا تعالیٰ کی مٹھی میں زمین ہوگی اور تمام آسمان اسکے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہونگے۔ کہنے تو کہہ گئے۔ لیکن یہ نہ سمجھے کہ اُسوقت خدا تعالیٰ عزّ مجدہٗ وجل قدسہٗ

کی برزخ کیا ہوگی کہ اتنی بڑی زمین تو دبائے ہوئے ہوگا۔ اور تمام آسمانوں کو داہنی ہاتھ پر لپیٹے ہوئے جیسے جولاہے لکڑی کے گولے پر تھان لپیٹتے ہیں یہ کونسی قطع ہوگی۔ اور کتنا بڑا ہاتھ ہوگا۔ جس پر آسمان لپیٹینگے۔ اس قسم کے معنی سمجھنے والے وہی بزرگوار ہیں۔ جو عقل کے پیچھے لکڑی لئے دوڑتے پھرتے ہیں کہ کہیں ملجائے تو بغیر مارے نہ چھوڑدیں۔ صرف اس جرم میں کہ تو میرے قریب کیوں آئی۔ ورنہ عقلاً ہرگز اس سے یہ معنی نہیں سمجھہ سکتے۔ اوّل تو مٹھی اور داہنی ہاتھ کا ہونا خدا تعالیٰ کیلئے کیا معنی؟ کیا وہ جسم ہے مثل اور اجسام کے؟ دوسرے یہ کہ اگر بالفرض ہو بھی تو خدا تعالیٰ کو اس حرکت سے فائدہ کیا۔ کہ داہنی ہاتھ میں آسمانوں کو لپیٹے ہوئے ہیں۔ جیسے کرشن جی گلے میں اور بازوؤں میں بہت سے سانپ لپیٹے رہتے تھے۔ لہذا قبضہ سے مراد مٹھی اور یمین سے مراد داہنا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ آج تو تم لوگ یہ سمجھ رہے ہو کہ زمین ہمارے قبضے اور اختیار میں ہے لیکن قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ زمین و آسمان کس کے قبضے میں ہے۔ اُس دن تو سوائے خدا تعالیٰ کے یہ کہنے والا ہوے ہی گا نہیں کہ میں مالک ہوں اور وہ مالک ہے بلکہ اُسدن تو صرف اُسی کا مالک ہوگا "لمن الملک الیوم للّٰہ الواحد القھار"۔ اور اسدن زمین و آسمان خالص اُسکے اختیار میں ہونگے۔ پس قبضہ و یمین سے مراد اختیار و تسلط ہے۔ نہ سچ مچ کی مٹھی یا ہاتھ (سمجھو اور زیادہ نہ بہکو)۔

سلیمان بن مہران راوی ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سوال کیا کہ والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیامۃ کے کیا معنی ہیں؟ آپنے فرمایا یعنی ملکہ لا یملکھا معہ احد والقبض من اللہ تعالیٰ فی موضع آخر المنع والبسط منہ الاعطاء والتوسیع کما قال عزوجل واللہ یقبض ویبسط والیہ ترجعون یعنی یعطی ویوسع ویمنع ویضیق والقبض منہ عزوجل فی وجہ آخر الاخذ والاخذ فی وجہ القبول منہ کما قال ویاخذ الصدقات ای یقبلھا من اھلھا ویثیب علیھا قلت فقولہ عزوجل والسموات مطویات بیمینہ۔ قال الیمین الید والید القدرۃ والقوۃ یقول عزوجل والسموات مطویات بقدرتہ وقوتہ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون"۔

(توحید بحار) یعنی تمام زمین اُسی کی سلطنت میں ہوگی اسکے سوا کوئی مالک اُسکا نہ ہوگا۔ اور دوسرے مقام قبض کے معنی قرآن میں منع کے ہیں اور بسط کے معنی عطا اور توسعہ کرنیکے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے واللہ یقبض ویبسط اللہ روک لیتا ہے اور زیادہ عطا کرتا ہے۔ یعنی جسکو چاہتا ہے کم دیتا ہے یا نہیں دیتا اور جسے چاہتا ہے زیادہ عطا فرماتا ہے۔ نیز قبض کے معنی دوسرے طور پر اخذ کے ہیں۔ اور اخذ کے معنی ایک طور پر قبول کرنے کے آئے ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ویاخذ الصدقات یعنی اللہ تعالیٰ صدقوں کو قبول کرتا ہے اہل صدقہ سے اور اسپر اُنہیں

ثواب دیتا ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی کہ والسموات مطویات بیمینہ " کے کیا معنی ہوئے ؟ آپ نے فرمایا یمین کے معنی ہاتھ کے بھی ہیں۔ قدرت کے بھی۔ قوت کے بھی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام آسمان اُس دن اُسکی قدرت وقوت میں ہونگے !! خدا تعالیٰ پاک ہے اُس شرک سے جو مشرکین کہتے یا کرتے ہیں۔

اور جناب امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام زمین کو قیامت کے دن مٹھی میں دبائے ہوگا۔ اور آسمانوں کو دائیں ہاتھ پر لپیٹے ہوگا یہ خدا تعالیٰ کو عیب لگاتا ہے۔ کیونکہ اسمیں خدا تعالیٰ کو اُسکی مخلوقات سے مشابہ بناتا ہے حالانکہ وہ اپنی مخلوقات سے مشابہ نہیں۔ الا تری انہ قال وما قدروا اللہ حق قدرہ معناہ اذ قالوا ان الارض جمیعا قبضتہ یوم القیامۃ والسموات مطویات بیمینہ کما قال عزوجل وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شئ ثم نزہ عزوجل نفسہ عن القبضۃ والیمین فقال سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون " کیا تو دیکھتا نہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وما قدروا اللہ حق قدرہ۔ یعنی جو عظمت خدا تعالیٰ کی کرنی چاہیئے۔ ان لوگوں نے نہیں کی۔ مطلب اسکا یہ ہے کہ جب یہود وغیرہ نے کہا کہ زمین تمام خدا تعالیٰ کی مٹھی میں قیامت کے دن ہوگی اور تمام آسمان اُسکے دہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہونگے۔ (تو یہ ایسی بات تھی کہ شان خدا تعالیٰ کے لائق نہ تھی۔ کیونکہ اُسکے لئے ہاتھ اور مٹھی کہاں) چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا وما قدروا اللہ حق قدرہ جبکہ ان لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ نے تو انسان پر کوئی وحی وغیرہ نازل ہی نہ فرمائی۔ پھر خدائے عزوجل نے مٹھی اور دہنے ہاتھ سے اپنی تنزیہ فرمائی (یعنی کہ میرے واسطے یہ چیزیں نہیں ہیں) اور فرمایا کہ وہ پاک و برتر ہے اُس سے جو یہ مشرکین شرک کی باتیں کرتے۔ (اور کہتے) ہیں (کہ خدا تعالیٰ کی مٹھی میں زمین اور دائیں ہاتھ پر لپٹا ہوا آسمان ہوگا)

حاصل اس حدیث کا ایک لطیف مطلب کیطرف راجع ہے جو نفس عبارت قرآنمجید سے پیدا ہوتا ہے یعنی کہ یہ قول مشرکین کا تھا۔ جو اُسکے واسطے ہاتھ اور مٹھی ثابت کرتے تھے۔ جس سے خدا تعالیٰ نے اپنی برائت آپ فرمائی۔ اور کہدیا کہ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ اور حدیث سابق میں جو جناب صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ تفسیر بحسب ظاہر ہے۔ غرض یہ کہ قرآن مجید چونکہ ذو محامل ہے۔ اور اس سے کئی کئی صحیح مطلب پیدا ہو سکتے ہیں اسلئے مفسّر کو بنابر ارشاد القرآن ذو محامل فاحملوہ علی احسنہا اُسکے لئے احتمال بیان کرنیکا اختیار ہے۔ بشرطیکہ وہ احتمالات صحیح بھی ہو سکتے ہوں۔ نہ یہ کہ ویسا احتمال جو ابوالحسن اشعری نے بیان کیا کہ اس سے مراد مٹھی اور ہاتھ ہے۔ جس سے حدوث خدا تعالیٰ لازم آتا

---

[1] قال المجلسی علیہ الرحمۃ ہذا وجہ حسن لم یتعرض لہ المفسرون۔

ہے۔ اعوذ باللہ من ہذا القول۔

آٹھویں آیت واصنع الفلک باعیننا ووحینا ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انہم مغرقون (سورہ ہود رکوع ۴) عین کا لفظ مشترک ہے کثیر معنوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے مثلاً حقیقت۔ ذات۔ شئے۔ دریا۔ آفتاب۔ نگہبان۔ آنکھ۔ گھٹنہ وغیرہ وغیرہ پس جبکہ تقریباً ستر معنی اس لفظ کے ہیں تو انمیں سے بالخصوص وہی معنی ضد کرکے مراد لینے جو اس موقع پر بن سکیں اور نہ جسکا کوئی قرینہ ہو۔ سوائے جہل مرکب کے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ ایک حکیم کا کلام جو ذو وجہیں ہو کبھی اُس پہلو پر حمل نہیں کیا جا سکتا۔ جو اُسکی مراد نہ ہو سکے۔ بلکہ اُس سے وہی معنی سمجھا جائیگا۔ جو وہاں درست بھی ہو سکتا ہو۔ تو یہ کہنا کہ مراد اس آیت کی یہ ہے کہ اے نوحؑ تم کشتی تو میری آنکھ (جو سر میں ہوتی ہے) کے سامنے بناؤ اور میری وحی سے بناؤ۔ الخ جیسا کہ بعض اسلامیوں کا خیال ہے۔ سوائے ہٹ دھرمی اور کچھ نہیں اور جبکہ احتمال مجاز بھی عبارت میں موجود ہو۔ تو کیا وجہ کہ اُس مجاز پر اُسے حمل نہ کیا جائے؟ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے بہت سے موقعوں پر مجازات کا استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے (نقل قول فرعون) یاھامان ابن لی صرحاً۔ اے ہامان میرے لئے ایک بلند مکان بنا۔ حالانکہ واضح ہے کہ ہامان کسی طرح صرح (مکان بلند) کو نہیں بنا سکتا تھا۔ بلکہ وہ معماروں کو حکم دیتا۔ تو وہ اُسے تیار کر دیتے۔ لیکن از بسکہ یہ فعل ہامان کے حکم سے ہوتا۔ اس لئے خود ہامان کیطرف اُس فعل کی نسبت دیدی۔ علیٰ ہذا القیاس اور بھی بہت مجازات ہیں مثلاً یجعلون اصابعھم فی آذانھم۔ کان کے اندر پوری انگلی کسیطرح نہیں جا سکتی۔ لیکن کل کا اطلاق جزو پر کرکے مجازاً یہ فرمایا کہ وہ لوگ اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں۔ حالانکہ صرف انگلیوں کے سرے کان میں جا سکتے ہیں۔ پس کیوں ناممکن ہے کہ یہ معنی مراد ہو کہ اے نوحؑ تم کشتی کو ہمارے حضور میں اور سامنے بناؤ۔ یا یہ کہ ہماری حفاظت اور نگہبانی میں۔ ہم تمہارے حافظ ہیں۔ کوئی کافر تم کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ اور نہ اُسکے بنانے سے تمہیں کوئی روک سکتا ہے؟ اور کیوں خواہ مخواہ اعین سے مراد آنکھیں ہی لیجائیں جس سے تجسم باریتعالیٰ لازم ہے جو محال ہے۔ ہاں اگر کوئی دلیل عقلی اُسکی آنکھیں ہونے پر موجود ہو۔ تو اُسے پیش کرنا چاہیئے۔ تاکہ اُسمیں نظر کیجائے یا اگر کسی نے خود خدا تعالیٰ کو دیکھا ہو۔ کہ اُس کے لئے سر ہے اور سر میں دو آنکھیں بھی ہیں۔ تو اُسے لازم ہے کہ باقاعدہ گواہی دے ورنہ ایسا ذلیل قول کبھی تسلیم نہیں ہو سکتا)

نویں آیت کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون۔ اس آیت سے بعض اہل اسلام نے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا تعالیٰ پردے کے پیچھے بیٹھیگا اور گنہگاروں کو اپنی صورت نہ دکھائیگا۔ وتعالیٰ اللہ عن ذالک۔ اس کم عقل نے خدا تعالیٰ کو خاصہ آدمی بنایا ہے۔ جو پردے کے پیچھے چھپ کر بیٹھتا ہے اس عقلمند کو یہ نہ معلوم ہوا کہ حجاب کے اور بھی کئی معنی آئے ہیں۔ جو یہاں صحیح ہو سکتے ہیں۔ نہ کہ حجاب

یعنی پردہ کے ہو۔ کیوں یہ بات جائز نہیں کہ محجوب بمعنی ممنوع ہو۔ یعنی انھم عن ربھم الممنوعون وہ گناہگار خدا تعالیٰ کے قرب سے ممنوع ہونگے۔ اور کیوں نہ یہ مراد سمجھی جائے کہ عن ربھم سے مراد عن ثواب ربھم یعنی وہ گناہگار اپنے پروردگار کے ثواب سے محروم رہینگے۔ اور واقعی یہ معنی درست بھی معلوم ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے چھپ کر بیٹھنے سے گناہگاروں کو کیا تکلیف پہنچیگی۔ آج ہی کب لوگوں کے سامنے آتے ہیں۔ جو اُس دن چھپ کر بیٹھینگے۔ بلکہ بسبب گناہ کے ثواب سے البتہ محروم رہینگے چنانچہ یہ معنی امام رضا علیہ السلام سے بھی مروی ہیں۔ محمد بن بابویہ علیہ الرحمہ نے اپنی اسناد سے علی بن فضال سے اور اسنے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کلا انھم عن ربھم یومئذٍ لمحجوبون کے کیا معنی ہیں تو آپنے فرمایا ان اللہ تبارک و تعالیٰ لا یوصف بمکان یحل فیہ فیحجب عنہ فیہ عبادہ ولکنہ یعنی انھم عن ثواب ربھم لمحجوبون۔ بیشک خدا تعالیٰ کسی مکان کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتا جسمیں وہ داخل ہو اور وہاں اپنے بندوں سے چھپ کر بیٹھے۔ لیکن اُسکا مطلب اس ارشاد سے یہ ہے۔ کہ گناہگار و کفار ثواب سے اپنے رب کے محروم رہینگے "

دسویں آیت ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من ورآء حجاب

(سورہ شوریٰ) کسی آدمی کے لئے سزاوار نہیں ہے کہ اُس سے خدا تعالیٰ کلام کرے۔ مگر بذریعہ وحی کلام کرتا ہے یا وراء حجاب سے۔ بعض عقلمند مسلمانوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ بیچ میں چلمن یا پردہ ڈال کے اور پیچھے اسکے بیٹھکے خدا تعالیٰ اپنے بندہ سے کلام کرتا ہے۔ حالانکہ اس سے تجسیم لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔ پس یہ معنی بھی لغو اور محال ہوگا۔ تو اس سے یہ مراد لیجا سکتی ہے کہ وہ کلام کو کسی ایسے جسم میں پیدا کر دیتا ہے۔ جو دوسرے بات کرنیوالے سے مخفی ہو۔ اور مخاطب اس سے گفتگو سنتا ہو۔ مگر اُسکے محل کو نہ جانتا ہو جیسا کہ جناب موسیٰ سے کلام ہوا کہ پہلے تو درخت سے آواز آئی۔ اور پھر جسطرف رُخ کرتے تھے۔ اُدھر ہی سے آواز آتی تھی۔ یا یہ کہ حجاب سے مراد کوئی درمیانی شخص ہو۔ جس کے ذریعہ سے خُدا تعالیٰ اپنے کلام کو مخاطب تک پہنچاتا ہو جیسے جبرئیل علیہ السلام تھے۔ کہ انکے ذریعہ سے رسول خُدا یا اور رسولوں تک کلام خدا پہنچتا تھا۔ یا یہ مطلب ہو۔ کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے بر سبیل وحی کلام کرتا ہے۔ یا بطریق خفاء و بعد مثلاً ایسی علامتیں اور دلیلیں قائم کر دیتا ہے جنکے معلوم کرنے اور دیکھنے سے مقصود پروردگار عالم واضح ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے سنریھم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق یہ اُسکی نشانیاں اور دلیلیں جو آثار قدرت و صنعت ہیں۔ وہی گویا کلام خدا ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پروردگار عالم کہ رہا ہے کہ دیکھو میں خالق الخلق اور مالک الملک ہوں جس نے یہ آثار حکمت ظاہر کرکے تمہیں دکھائے ہیں یا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ وراء حجاب سے گفتگو کرتا ہے۔ یعنی جس سے چاہتا ہے اس کلام کو مخفی رکھتا ہے اور جسپر چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ سے کلام کرنے میں پہلی

قضائہ ومحاسبتہ عن الحسن والجبائی۔ وقیل جاء امرہ الذی لا امر معہ بخلاف
الدنیا عن ابن مسلم۔ وقیل جاء جلائل آیاتہ فجعل مجیئہا مجیئہ تفخیما لامرہا"
یعنی حسن اور جبائی نے بیان کیا ہے کہ جاء ربک سے مراد احکام الٰہیہ اور محاسبہ کا پیش ہونا ہے اور ابن مسلم
کا خیال ہے۔ کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ جس وقت آویگا امر وحکم اس کا جسکے ساتھ کوئی امر نہ ہوگا۔ بخلاف
دنیا کے کہ یہاں تو اور لوگ بھی مدعی امر وحکم ہیں۔ مگر وہ وقت ایسا ہوگا کہ سوائے حکم خدا کے کسی کا حکم نہ
ہوگا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جاء ربک سے مراد یہ ہے کہ جس وقت اسکے بڑے بڑے آیات وآثار قدرت
ظاہر ہونگے"۔ اور چونکہ وہ جلائل آیات نہایت معظم ہونگے اسلئے انکے ظہور کو خدا تعالیٰ نے اپنے آنے
سے تعبیر فرمائی ہے؛

تیرھویں آیت هل ينظرون الا ان ياتيهم الله في ظلل من الغمام والملائكة
۱۳ (سورہ بقر رکوع ۹) یہاں بھی اتیان سے خدا تعالیٰ کا آنا مراد لیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ آویگا اس طرح کہ ابر کا
چھتر اسکے سر پر لگا ہوگا۔ لیکن یہ قول بھی حماقت پر مبنی ہے۔ بلکہ مراد اس سے یہ ہے۔ کہ هل ينتظر
هؤلاء المكذبون بايات الله الا ان ياتيهم امر الله او عذاب الله وما توعدهم
به على معصيته في ستر من السحاب وقيل من قطع السحاب۔ یعنی کہ نہیں انتظار کرتے یہ
جھٹلانے والے مگر اس امر کا کہ حکم خدا یا عذاب آہی جاوے۔ اور جس عذاب سے تم (اے رسول) ان کو ڈراتے
ہو وہ آن ہی پڑے بادل کے پردے میں۔ یا بادل کے ٹکڑے میں"۔ (تفسیر مجمع البیان) اور حاصل اسکا
یہ ہے کہ یہ کفار ومشرکین تو عذاب خدا کے نازل ہونے کے منتظر ہیں اور بغیر اسکے ایمان نہ لاوینگے۔
مگر اس سے بہتر ایک تفسیر معصوم سے مروی ہے۔ علی بن فضال لکھتے ہیں کہ میں نے جناب امام رضا
علیہ السلام سے اس آیت کی نسبت سوال کیا تھا تو آپنے فرمایا کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ هل ينظرون الا
ان ياتيهم الله بالملائكة في ظلل من الغمام یعنی یہ مشرکین ومنکرین تو صرف اس امر کے
منتظر ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے فرشتوں کو بادل کے سایہ میں اور اسکے چھتر کے نیچے لائے" (تب یہ مسلمان
ہونگے ورنہ کافر ہی رہینگے۔) اسکے بعد آپنے فرمایا "وهكذا نزلت یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی
مگر لوگوں نے بالملائکہ کی جگہ والملائکہ پڑھنا شروع کر دیا"

۱۴ چودھویں آیت سخر الله منهم پندرھویں آیت الله يستهزئ بهم
۱۵ سولھویں آیت مكروا ومكر الله والله خير الماكرين سترھویں آیت
۱۶ يخادعون الله وهو خادعهم" ان آیتوں میں خدا تعالیٰ نے بظاہر خود اپنی طرف سخریہ (مسخراپن)
۱۷ استہزاء (ٹھٹھا) اور مکر۔ اور خدع (فریب) کی دی ہے۔ لیکن مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ منافقین
وکفار جو خدا تعالیٰ سے مسخراپن۔ ٹھٹھا۔ مکر اور فریب کرتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ بھی انکو پورا عوض مسخراپن
اور مکر وفریب کا دیگا۔ مولانا طبرسی علیہ الرحمۃ نے يستهزئ بهم کی تفسیر میں لکھا ہے قیل في معنى

الآية وتاويلها وجوه احدها ان يكون معنى الله يستهزئ بهم يجازيهم على استهزائهم
والعرب تسمي الجزاء على الفعل باسمه وفي التنزيل وجزاء سيئة سيئة مثلها
وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به وقال عمرو ابن كلثوم ؎

الا لا يجهلن احد علينا ✣ فنجهل فوق جهل الجاهلينا

وانما جاز ذلك لان حكم الجزاء ان يكون على المساواة وثانيها ان يكون معنى
استهزاء الله تعالى بهم تخطئته اياهم وتجهيله لهم في اقامتهم على الكفر و
اصرارهم على الضلال والعرب يقيم الشيء مقام ما يقاربه في معناه قال
الشاعر ؎

ان دهرا يلف شملي بسعدي ✣ لزمان يهم بالاحسان ۔ وقال آخر ؎

كم اناس في نعيم عمروا ✣ في ذرى ملك تعالى فسبق
سكت الدهر زمانا عنهم ✣ ثم ابكاهم دما حين نطق

والدهر لا يوصف بالسكوت والنطق والهم وانما ذكر ذلك على الاستعارة
والتشبيه ثالثها ان يكون بمعنى الاستهزاء المضاف اليه تعالى ان يستدرجهم
ويهلكهم من حيث لا يعلمون وقد روي عن ابن عباس انه قال في معنى
الاستدراج انهم كلما احدثوا خطيئة جدد الله لهم نعمة وانما سمي
هذا الفعل استهزاء لان ذلك في الظاهر نعمة والمراد به استدراجهم الى
الهلاك والعقاب الذي استحقوه بما تقدم من كفرهم (انتهى بقدر الحاجة) ۔ اور اس کے
بعد ارشاد فرمایا ہے کہ وهذه الوجوه الذي ذكرناها يمكن ان يذكر في قوله تعالى
ويمكرون ويمكر الله ويخادعون الله وهو خادعهم انتهى ۔ یعنی اس آیت کے معنی اور
تاویل میں کئی وجہیں ہیں ۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو جو خدا کو ٹھٹھا کرتے ہیں ۔ ان کے اس فعل
کا بدلہ دیگا عرب کا دستور ہے کہ وہ بدلہ کو اُس فعل کے نام کے ساتھ تعبیر کیا کرتے ہیں ۔ دوسرے مقام
پر بھی قرآن مجید میں ہے جزاء سيئة سيئة مثلها برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے ۔ اور ان
عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به یعنی اگر کسی پر عقاب کرو تو ویسا ہی عقاب کرو جیسا تم پر عقاب
کیا گیا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ ہر فعل کا بدلہ اُس کے موافق ہوا کرتا ہے " عمرو بن کلثوم کہتا ہے ۔ کوئی
ہم سے جہالت نکرے ۔ ورنہ ہم بھی جہالت کرنیوالوں کی جہالت سے زیادہ کرینگے ۔ مطلب یہ ہے کہ جو ہم سے
جہالت کی رو سے شر و فساد کریگا تو ہم بھی اُس سے زیادہ اُسکو نقصان پہنچائینگے ۔ نہ یہ مطلب ہے کہ
اس کے ساتھ جہالت کرینگے !! یہ بات صرف اسوجہ سے جائز ہوئی کہ جزا کو اس فعل کے مساوی ہونا

چاہیئے جسکی وہ جزا ہے۔ دوسرے معنی آیت کے یہ ہو سکتے ہیں کہ خدا کے استہزا کرنیکے یہ معنی ہوں
کہ اللہ تعالیٰ اُنکی خطا بیان کرتا ہے اور انکے افعال کیوجہ جاہل بتاتا ہے۔ کیونکہ عرب کا دستور ہے کہ وہ
کسی شئے کو اُسکے قریب والی شے سے مسمّیٰ کرتے ہیں۔ جیساکہ شاعر کہتا ہے۔ وہ زمانہ جو سعادت کے ساتھ
کبھی مجھے جمع کر دیتا ہے۔ تو پھر اُسپر غم کھانے لگتا ہے کہ میں نے کیوں اس کمبخت کو نیکبخت کیا چاہیے تھا
کہ ہمیشہ اُسکو مصائب و تکلیف ہی میں رکھتا۔ دوسرے شاعر نے زمانہ کو سکوت اور گویائی سے متصف
کیا ہے حالانکہ زمانہ ان صفات سے فی الحقیقۃ متصف نہیں ہوتا۔ تو صرف بطور استعارہ و تشبیہ کے
ایسا کیا گیا ہے۔ تیسرے معنی اس آیت کے یہ ہو سکتے ہیں کہ کفار مستہزئین کے ساتھ خدا تعالیٰ معاملہ
استدراج کرتا ہے یعنی کہ وہ تو کفر و شرک کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ انکو نعمت دیتا ہے گویا مطلب یہ ہوا
کہ دیکھو تم تو ہماری مخالفت کرتے ہو۔ اور ہم تمہیں نعمت دیتے ہیں تاکہ آہستہ آہستہ تمکو ہلاکت میں ڈالیں
اور یہی تاویلیں **یمکرون و یمکر اللہ و یخادعون اللہ وھو خادعھم** میں جاری ہو سکتی ہیں
نیز امام رضا علیہ السلام سے توحید بحار میں مروی ہے **قال ان اللہ تعالیٰ لا یسخر ولا یمکر
ولا یستھزئ ولا یخادع ولکنہ تعالیٰ یجازیھم جزاء السخریۃ وجزاء الاستھزاء
وجزاء المکر والخدیعۃ تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا**" آپنے فرمایا۔ کہ
بیشک خدا تعالیٰ کسی سے مسخراپن نہیں کرتا۔ ٹھٹھا نہیں کرتا۔ فریب کاری نہیں کرتا لیکن وہ
ان (مشرکون) کو سخریہ کا بدلہ دیگا استہزا کا بدلہ دیگا۔ مکر و فریب کا بدلہ دیگا (جو یہ لوگ اس سے کرنا چاہتے
ہیں) خدا تعالیٰ اس سے بہت برتر ہے۔ جو ظالمین (اُسکی شان میں) کہتے ہیں (کہ وہ مذاق یا ٹھٹھا
یا مکر و فریب کرتا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے)۔

اٹھارھویں آیت ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیۃ۔ اور (اے
رسول) تیرے پروردگار کے عرش کو اپنے اوپر (یا تمام ناس کے اوپر) اُس دن (یعنی قیامت کے روز)
آٹھ (فرشتے) اُٹھائے ہونگے۔" (سورہ حاقہ جزو ۲۹) کافی میں جناب صادق علیہ السلام سے مروی
ہے کہ عرش سے مراد (اس مقام پر) علم ہے۔ **قال حملۃ العرش والعرش العلم ثمانیۃ اربعۃ منا واربعۃ
ممن شاء اللہ** عرش کے اٹھانے والے جس سے مراد علم ہے۔ آٹھ شخص ہونگے۔ چار شخص ہم میں
سے ہونگے۔ اور چار جن لوگوں میں سے خدا چاہیگا۔ اور ایک دوسری حدیث میں مروی ہے۔
**حملۃ العرش ثمانیۃ اربعۃ من الاولین واربعۃ من الآخرین فاما الاربعۃ من
الاولین فنوح وابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ واما الاربعۃ من الآخرین فمحمد و
علی والحسن والحسین ومعنی یحملون العرش یعنی العلم** (تفسیر صافی) عرش کے
اٹھانے والے آٹھ ہونگے چار اولین میں سے اور چار آخرین میں سے لیکن اولین میں سے تو نوح اور
ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ہونگے اور چار آخرین میں سے پس محمد اور علی اور حسن اور حسین ہونگے

اُنیسویں آیت نَسُوا اللہ فنسیھم اللہ کو اُن لوگوں (یعنی کفار ومنافقین)
نے بھلا دیا پس اللہ بھی انکو بھول گیا" خدا تعالیٰ کے لئے بھول چوک تو ناممکن ہی ہے۔ چنانچہ خود
فرماتا ہے وما کان ربک نسیا "تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے" لیکن اس آیت کا مطلب
یہ ہے کہ جسطرح اُن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی یاد اپنے دلوں سے بھلادی ہے اور اُسکی پروا نہیں
کرتے۔ اسی طرح پروردگار عالم بھی انکو عذاب میں مبتلا کرکے چھوڑ دیگا اور پھر انکی کچھ پروا نہیں کریگا
علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے تفسیر مجمع البیان میں تحریر فرمایا ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے
چونکہ طاعت خدا تعالیٰ چھوڑ دی ہے اس لئے خدا تعالیٰ بھی انکو جہنم میں ڈالکر چھوڑ دیگا۔ اور انپر
رحم نہ کریگا۔ اور نہ انکو ثواب دیگا۔ اور کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ معنی آیت یہ ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے
خدا تعالیٰ کو مثل ایک بھولی ہوئی شے کے قرار دے لیا ہے۔ یعنی کہ کچھ اس کے معاملہ میں نہیں سوچتے
کہ انکا کوئی صانع و خالق و مثیب و معاقب بھی ہے یا نہیں۔ اسیطرح خدا تعالیٰ نے بھی انکو مثل بھولی
ہوئی شے کے کر دیا ہے کہ انکو ثواب نہ دیگا اور یہ کلام یعنی نسوا اللہ فنسیھم بسبب ازدواج
کلام کے ہے۔ جو منجملہ صنائع کلامیہ کے ہے۔ (انتہی ملخص التفسیر)
عبدالعزیز سے مروی ہے کہ میں نے جناب امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ قول خدا تعالیٰ
نسوا اللہ فنسیھم سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا ان اللہ تبارک وتعالیٰ لا ینسی ولا
یسھو وانما ینسی ویسھو المخلوق المحدث الا تسمع عزوجل یقول وما کان
ربک نسیا وانما یجازی من نسیہ ونسی لقاء یومہ بان ینسیھم انفسھم
کما قال اللہ تعالیٰ لا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم اولئک ھم الفاسقون
وقال تعالیٰ فالیوم ننسٰھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا ای نترکھم کما ترکوا الاستعداد للقاء
یومھم ھذا" بیشک خدا تعالیٰ کو بھول اور چوک نہیں ہوتا۔ پس اگر ہوتا ہے تو مخلوق حدوث الوجود
کو (یعنی انسان کو تو سہو و نسیان ہو سکتا ہے مگر خدا تعالیٰ کو نہیں ہو سکتا۔) کیا تم خدائے عزوجل کے
کلام کو نہیں سنتے کہ فرماتا ہے وما کان ربک نسیا تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے (بلکہ
مطلب اس آیت کا یہ ہے) بس بدلہ دیتا ہے اُن لوگوں کو جو اُسے بھول گئے ہیں اور قیامت کے دن
کی حاضری کو بھلا رکھا ہے اسطرح پر کہ اُنکے نفوس کو انہیں بھلا دیتا ہے۔ یعنی ایسی حالت میں
انکو مبتلا کریگا۔ کہ اپنی بھی یاد انکو نہ رہے کہ ہم کون ہیں کیا ہیں) جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے (اے ایماندارو!
تم ان لوگوں کے مانند نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی اُنکی یاد آپ انہیں بھلا دی
اور وہی لوگ بدکار ہیں۔ اور نیز فرمایا ہے "پس آج کے دن ہم بھی اُنکو بھول جائینگے۔ جیسا وہ اس
(قیامت کے) دن کی ملاقات اور حاضری کو بھولے ہوئے تھے۔ یعنی کہ ہم انکو چھوڑ دینگے جس طرح انہوں
نے آج کے دن کے واسطے کی تیاری اور آمادگی کو چھوڑ دیا تھا کہ بالکل اعمال حسنہ نہ کیے اور اس دن

کی حاضری کے لئے کوئی توشہ کارِ خیر ساتھ نہ لیا۔ لہذا ہم بھی انکو ثواب نہ دینگے۔ بلکہ مبتلائے عذاب کرینگے

بیسویں آیت وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ۔ جب میں آدمؑ میں اپنی روح داخل کردوں۔ پس اے فرشتو اُنکے سامنے سجدہ کے لئے جھک جانا" اور ایک مقام پر حضرت عیسےٰؑ کی نسبت فرمایا ہے اِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ مریم کے بیٹے عیسےٰؑ مسیح تو بس اللہ کے رسول تھے اور اُسکا ایک کلمہ (حکم) تھا۔ جو مریم کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اور اُسکی (بھیجی ہوئی) روح تھی۔

پہلی آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ اے فرشتو جب میں اپنی پیدا کی ہوئی روح اور اپنی مملوک روح کو آدمؑ کے جسم میں داخل کردوں۔ تو جھٹ سجدہ میں جھک جائیو۔ یہ استعمال ایسا ہے۔ جیسا کہ ہم لوگ بلکہ تمام دنیا کے آدمی اپنے مقبوض ومملوک چیز کو اپنی طرف نسبت دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں۔ میری کتاب۔ میرا لباس۔ میرا مال۔ میرا بندہ۔ یعنی میری وہ کتاب جو اپنے داموں سے خریدی ہوئی ہے۔ میرا وہ لباس جو ذاتی اپنا مملوک ہے۔ میرا وہ مال جو اپنا ہی حاصل کیا ہوا ہے۔ میرا وہ غلام وبندہ جو اپنے مال مکتسب سے خریدا ہوا ہے۔ اسیطرح خدا تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے رُوحِي۔ میری روح۔ یعنی وہ روح جو میری پیدا کی ہوئی اور میری مملوک ہے۔ یہ ارشاد زیادتی خصوصیت کے اظہار کے لئے فرمایا ہے۔ اور اسمیں رد ہے ان لوگوں کی بھی جو کہتے ہیں کہ روح قدیم ہے اُسکو خدا تعالیٰ سے کچھ تعلق نہیں۔ جیسا وہ ایک واجب الوجود ہے۔ ویسی ہی روح بھی واجب الوجود ہے" تو اس آیت میں اسے بھی ظاہر کردیا ہے کہ روح کوئی قدیم شے نہیں ہے۔ بلکہ وہ میری ہی پیدا کی ہوئی اور میری ہی مملوک ومقبوض ہے اور اگر غلطی سے کوئی شخص یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی روح یعنی وہ روح جس سے وہ خود زندہ ہے۔ حضرت آدمؑ میں داخل کردی تھی۔ تو اُسکو یوں جواب دیا جائیگا۔ کہ برادر! اگر ایسا ہو تو لازم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے جسم بھی ہو۔ جسمیں یہ روح قائم ہے۔ کیونکہ روح کے لئے کوئی نہ کوئی محل قیام ضرور ہونا چاہیے۔ پھر تو تمہارا پروردگار مرکب ہوجائیگا۔ اس لئے کہ جسمیت بغیر ترکیب کے نہیں ہوسکتی۔ اور جب مرکب ہوگا۔ تو حادث ہوجائیگا۔ واجب الوجود نہ رہ سکیگا۔ حالانکہ وہ واجب الوجود ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر یہی مطلب ہو۔ جو تم کہتے ہو۔ تو لازم آئیگا کہ خدا تعالیٰ کی روح میں کمی اور زیادتی بھی ہوسکتی ہے۔ اس لئے کہ جب اس نے اپنی روح نکالکر حضرت آدمؑ میں داخل کردی۔ بس یا تو ساری روح داخل کردی تو خود مرگیا۔ حالانکہ یہ محال ہے۔ اور اگر اُسکا ایک جزو داخل کیا۔ تو اُسکی روح کا گھٹنا لازم آیا اور جب گھٹ گیا۔ تو لامحالہ بہ نسبت پہلے کے کمزور ہوگیا ہوگا۔ حالانکہ یہ شان پروردگار کی نہیں جسکا تجزیہ ہوسکے۔ یا جسمیں کمی بیشی کا ہونا ممکن ہو۔

دیکھو جنکے گھر میں قرآن نازل ہوا۔ وہ کیا فرماتے ہیں۔ محمد بن مسلم راوی ہیں۔ کہ میں نے

ابو جعفر (امام محمد باقر علیہ السلام) سے دریافت کیا کہ نفخت فیہ من روحی سے کیا مطلب ہے فرمایا روح اختارہ اللہ واصطفاہ وخلقہ واضافہ الی نفسہ وفضلہ علی جمیع الارواح اس روح سے مراد وہ روح ہے جسکو خدا تعالیٰ نے منتخب اور برگزیدہ کیا تھا کیونکہ روحیں تو کروڑوں ہی ہیں۔ مگر ان سب میں سے یہ روح چھانٹی ہوئی اور منتخب تھی) اور اسکو پیدا کیا تھا۔ اور اپنی طرف اُسے منسوب کیا (زیادتی خصوصیت کی وجہ سے) اور اُسے تمام روحوں پر فضیلت دی تھی"

نیز جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی کا مطلب یہ فرمایا کہ ان اللہ خلق خلقا وخلق روحا ثم امر ملکا فنفخ فیہ یعنی خدا تعالیٰ نے ایک جسم پیدا کیا (آدم کا) اور ایک روح پیدا کردی پھر ایک فرشتے کو حکم دیا تو اُس نے وہ روح اُس جسم (آدم) میں پھونکدی (یعنی داخل کردی) (بحار توحید)

نیز حضرت نے فرمایا ان اللہ تبارک وتعالیٰ احد صمد لیس لہ جوف وانما الروح خلق من خلقہ الخ بیشک خدا تعالیٰ احد وصمد ہے اُسمیں کوئی جوف نہیں ہے جسمیں روح رہ گئی بس روح تو اُسکی ایک مخلوق ہے اُسکی مخلوقات میں سے"

۲۱ اکیسویں آیت اللہ نور السماوات والارض (سورہ نور) خدا تعالیٰ آسمانوں

اور زمین کا نور ہے۔ واضح ہو کہ مصدر کا استعمال مبالغہ کے موقع میں مشتق پر عام طور سے ہوتا ہے۔ اسمیں کوئی ممانعت نہیں ہے زیدٌ عادلٌ کی جگہ پر زیدٌ عدلٌ کہنا شائع اور عام ہے پس ممکن ہے کہ نور السماوات والارض سے مراد اس آیت میں منیر السماوات والارض ہو یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا روشن کرنیوالا ہے۔ اُسی نے یہ کواکب طالعہ ونجوم ساطعہ پیدا کئے ہیں جنکی روشنی سے تمام جہان منور رہتا ہے اور ممکن ہے بمعنی ہدایت استعمال ہوا ہو۔ یعنی کہ اللہ تعالیٰ اہل آسمان وزمین کا ہدایت کرنیوالا ہے۔ اُسی نے عقل پیدا کی اور اُسی نے رسول بھیجے جو ہدایت کا فرض پورا کریں۔ چنانچہ توحید بحار میں توحید صدوق علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے۔ عن العباس بن ہلال قال سألت الرضا علیہ السلام عن قول اللہ عزوجل اللہ نور السماوات والارض فقال ہادٍ لاہل السماوات وہادٍ لاہل الارض وفی روایۃ البرقی ھدیٰ من فی السموات وھدیٰ من فی الارض۔ عباس بن ہلال کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام رضا علیہ السلام سے اللہ نور السماوات والارض کے معنی دریافت کئے آپ نے فرمایا کہ (اللہ) ہدایت کرنیوالا آسمانوں کے رہنے والوں کا ہے۔ اور زمین کے رہنے والوں کا۔ اور برقی کی روایت میں ھادی کی جگہ ھدیٰ ہے مگر مطلب دونوں کا ایک ہی ہے)۔

نیز توحید بحار میں جناب صادق آل محمد سے مروی ہے جسمیں کسی قدر اور تفصیل ہے اُسی مطلب کی جو امام رضا علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے فمنہ حمید بن زیاد عن محمد

بن الحسین عن محمد بن یحیی عن طلحة بن زید عن جعفر بن محمدؑ عن ابیه
علیه السلام فی هذه الآیة اللّٰه نور السماوات والارض قال بدء بنور نفسه مثل
نوره مثل هداه فی قلب مومن قوله کمشکوٰة فیها مصباح المشکوٰة جوف المومن
والقندیل قلبه والمصباح النور الذی جعله اللّٰه فیه توقد من شجرة مبارکة قال
الشجرة المومن زیتونة لا شرقیة ولا غربیة قال سوآء الجبل لا غربیة ای لا غرب
بها ولا شرقیة ای لا شرق بها اذا طلعت الشمس طلعت علیها واذا غربت
غربت علیها یکاد زیتها یضیئ یکاد النور الذی جعله اللّٰه فی قلبه یضیئ و
ان لم یتکلم نور علی نور فریضة علی فریضة وسنة علی سنة یهدی اللّٰه ل
لنوره من یشاء یهدی اللّٰه لفرائضه وسننه من یشاء ویضرب اللّٰه الامثال
للناس فهذا مثل ضربه اللّٰه للمومن قال فالمومن یتقلب فی خمسة من النور مدخله
نور و مخرجه نور و علمه نور و کلامه نور و مسیره یوم القیامة الی الجنة نور قلت
لجعفر علیه السلام انهم یقولون مثل نور الرب قال سبحان اللّٰه لیس للّٰه
بمثل - ما قال اللّٰه فلا تضربوا للّٰه الامثال -

حاصل اسکا یہ ہے کہ نور سے مراد نور ہدایت ہے جسے خدا تعالی مومن کے دل میں ڈالتا ہے گویا آیت
کا یہ مطلب ہے کہ مثال اُس نور کی جسے خدا تعالی مومن کے دل میں داخل کرتا ہے۔ اُس مشکوۃ
کی مانند ہے جسمیں چراغ ہو پس مشکوۃ تو جوف مومن ہے اور قندیل اسکا قلب ہے اور مصباح سے مراد
نور ہدایت ہے۔ جو اُنکے دلمیں ڈالا گیا ہے۔ شجرہ سے مراد بھی مومن ہی ہے یکاد زیتہا یضیئ سے مراد
یہ ہے کہ وہ نور ہدایت آپ سے آپ روشن ہوتا ہے خواہ وہ مومن زبان سے کہے یا نہ کہے۔ نور علی نور
سے یہ مطلب ہے کہ اس نور ہدایت میں فریضہ بالائے فریضہ ہے اور سنتہ بالائے سنت ہے یعنی اُنکو
فریضہ اور سنت کی طرف خدا نے ہدایت فرمائی ہے۔ اپنے فریضے اور سنت کیطرف جسکو چاہتا ہے ہدایت
کرتا ہے۔ یہ مثل مومن کی بابت بیان کی ہے۔ پس اس مثال سے معلوم ہوا کہ مومن کے لئے پانچ نور
ہیں۔ اُسکا داخل ہونا بھی نور ہی سے ہے اور خارج ہونا بھی نور ہی سے علم بھی اُسکا نور ہے اور کلام
بھی اُسکا نور قیامت کے دن چلنا بھی اُسکا نور ہی میں ہوگا۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی کہ لوگ تو یہ کہتے
ہیں کہ یہ مثال نور پروردگار کی ہے آپنے فرمایا سبحان اللہ خدا کی کوئی مثال نہیں ہے کیا خدا تعالی نے نہیں فرمایا
ہے کہ اسکی مثال مت بیان کرو۔ یعنی وہ ضرب المثل کے قابل نہیں ہے۔ اور نہ یہ جو جی چاہے اسکے لئے مثال بیان کرو ایسا وہ پروردگار ہی ہے

بائیسویں آیت ما یکون من نجوی ثلثة الا هو رابعهم ولا خمسة ۲۲
الا هو سادسهم ولا ادنی من ذلك ولا اکثر الا هو معهم اینما کانوا۔ جب تین آدمی

بیٹھ کر سرگوشی (راز کی بات) کرتے ہیں تو چوتھا خدا تعالیٰ ہوتا ہے اور جب پانچ آدمی بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو چھٹا خدا تعالیٰ ہوتا ہے اور جو اس سے کم کی تعداد ہو یا زیادہ کی سب کے ساتھ خدا ہوتا ہے جہاں کہیں وہ لوگ موجود ہوں" اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت کو ظاہر فرمایا ہے۔ کہ تم لوگ یہ نہ سمجھو کہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہو اور اس سے خدا تعالیٰ واقف نہیں ہے بلکہ جب تم لوگ جمع ہو کر سرگوشی کرتے ہو۔ میں اُس سے مطلع ہو جاتا ہوں۔ خواہ تم کیسی ہی تنہا جگہ میں بیٹھ کر باتیں کرو۔ لیکن اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ جس جگہ تین آدمی بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو اُنکے ساتھ چوتھا خدا تعالےٰ بھی بیٹھا ہوا ہوتا ہے یا پانچ آدمی بیٹھکر باتیں کرتے ہیں تو چھٹا خدا تعالےٰ بھی اُنکے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو لازم آئیگا کہ اُسکو کوئی چیز یا مکان محتوی ہو۔ حالانکہ وہ ہرگز محتاج مکان نہیں۔ ورنہ امکان و حدوث اُسکے لئے لازم ہو جائیگا۔ جو محال ہے اسیوجہ سے معصوم نے اس کے معنی کی تفصیل یوں فرمائی جو حدیث ذیل سے معلوم ہوتی ہے (توحید بحار) عن ابن اُذینہ عن ابیعبد اللہ ؑ فی قولہ تبارک وتعالیٰ مایکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنی من ذٰلک ولا اکثر الا ھو معھم اینما کانوا فقال ھو واحدٌ احدیُّ الذات بائنٌ من خلقہ وبذالک وصف نفسہ وھو بکل شیٍٔ محیط بالاشراف والاحاطۃ والقدرۃ لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السماوات ولا فی الارض ولا اصغر من ذٰلک ولا اکبر بالاحاطۃ والعلم لا بالذات لان الاماکن محدودۃ تحویھا حدود اربعۃ فاذا کان بالذات لزمہ الحوایۃ" ابن اذینہ جناب صادق علیہ السلام سے قول خدا تعالیٰ مایکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم الخ کی تفسیر یوں روایت کرتے ہیں کہ آپنے فرمایا وہ (خدا تعالیٰ) ایک یکتا ذات والا ہے (اُسمیں کسی طرح کا تعدد نہیں ہے) اپنی مخلوقات سے (بالکل) جدا ہے۔ اور یہی اس نے اپنی تعریف بھی کی ہے وھو بکل شی محیط وہی (معبود برحق) ہر شے کو محیط ہے۔ بذریعہ اطلاع اور احاطہ وقدرت کے اُس سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں مخفی نہیں ہے اور نہ اُس (ذرہ) سے چھوٹی اور بڑی (بلکہ اُن سب کو وہ جانتا ہے) احاطہ و علم سے دیگر نہ (اسطرح کہ) خود (آتا ہو اور اُس شے کے پاس بیٹھ کر اُسکی حقیقت معلوم کرتا ہو۔) کیونکہ اماکن اور مقامات محدود بحدود اربعہ ہیں (یعنی فوق و تحت او رقدام و خلف (بغیر تغیر و عدم تمایز) اور یمین و شمال (باعتبار عدم تمایز) پس جبکہ وہ (خدا تعالیٰ) کسی شے کو یا مکان کو اپنی ذات سے احاطہ کریگا اور اسمیں داخل ہوگا۔ تو احتوا اور اشتمال لازم آئیگا۔ جو مکانیات کے لوازم میں سے ہے (اور وہ اُسکے لئے محال ہے)۔

تیئیسویں آیت وھو اللہ فی السماوات وفی الارض وہی اللہ آسمانوں ٢٣
میں بھی ہے اور زمین میں بھی × × × × × × × × - (یعنی زمین کا مالک اور خالق بھی وہی ہے
اور آسمانوں کا مالک وخالق بھی وہی ہے - یا یہ کہ جسطرح اُسکو آسمانوں پر فرشتے معبود برحق جانتے
ہیں - اُسی طرح زمین پر اہل زمین اُسکو معبود حقیقی سمجھتے ہیں (اگرچہ ہٹ دھرمی سے بُتوں کو
بھی پوجتے ہیں)) اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے علم وقدرت واحاطہ وسلطنت وغلبہ کے
لحاظ سے ہر مقام پر موجود ہے خواہ آسمان ہو یا زمین - اُس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے - وہی ایک
معبود ہے - جو سب جگہ حاضر وناظر ہے - یہی مطلب معصوم سے بھی مروی ہے چنانچہ توحید بحار
میں منقول ہے - عن مثنی الحناط عن ابی جعفر اظنہ محمد بن النعمان قال سالت
اباعبد اللہ علیہ السلام عن قول اللہ تعالیٰ وھو اللہ فی السموات وفی
الارض قال کذالک ھو فی کل مکان - قلت بذاتہ قال ویحک ان الاماکن
اقدار فاذا قلت فی مکان بذاتہ لزمک ان تقول فی اقدار وغیر ذالک
ولکن ھو بائن من خلقہ محیط بما خلق علماً وقدرۃً واحاطۃً وسلطاناً ولیس
علمہ بما فی الارض باقل مما فی السماء لایبعد منہ شیٔ والاشیاء لہ سواء علماً
وقدرۃ وسلطاناً وملکاً واحاطۃً " مثنی خیاط نے ابوجعفر سے روایت کی ہے جنہیں میں
محمد بن نعمان خیال کرتا ہوں (یعنی میرے گمان میں ابوجعفر سے مراد محمد بن نعمان ہیں) کہ میں نے
ابوعبداللہ الصادق علیہ السلام سے قول خدا تعالیٰ وھو اللہ فی السماوات وفی الارض
کے معنی دریافت کئے - آپنے فرمایا (واقعی) ایسا ہی ہے - وہ ہر مقام پر موجود ہے - مینے کہا تو کیا بذاتہ
موجود ہے ؟ آپنے فرمایا وائے ہو تجھ پر - مقامات تو اقدار ہیں - پس جبکہ تم کہو گے کہ وہ بذاتہ کسی مکان
میں ہے تو تمہیں یہ کہنا پڑیگا کہ وہ اقدار وغیرہ میں ہے (اقدار سے مراد حدود ہیں) (ایسا نہیں ہے)
لیکن وہ اپنی مخلوقات سے (بالکل) جُدا ہے اور اپنے علم وقدرت واحاطہ وغلبہ کے راہ سے اپنی
مخلوقات کو محیط ہے (یعنی سب کی حالتیں جانتا ہے) اور اُسکا جاننا زمین کی چیزوں کو کچھ کم آسمان
کی چیزوں کے جاننے سے نہیں (بلکہ جتنا وہ زمین کی اشیاء کا عالم وعارف ہے - اُتنا ہی آسمانی اشیاء
کا بھی عالم ہے) اُس سے کوئی شے بعید نہیں ہے - اُسکے علم وقدرت وغلبہ وملک واحاطہ کے لحاظ
سے ہر شے اُسکے نزدیک مساوی (نسبت رکھتی) ہے -
چوبیسویں آیت رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ " پچیسویں آیت ومن یحلل ٢٤
علیہ غضبی فقد ھوی " خدا تعالیٰ اُن (اہل اسلام ایمان) سے راضی ہوا اور وہ اُس سے ٢٥
راضی ہوئے - اور جسپر میرا غضب پڑا پس (سمجھو کہ وہ) گڑھے میں جا گرا - ان دو آیتوں میں رضامندی
اور غصہ کی نسبت اپنی طرف خدا تعالیٰ نے دی ہے - حالانکہ غصہ اور رضا تغیرات اور تبدل حالات

ہیں۔ جو انسان کو عارض ہوتے ہیں۔ تو کیا خداتعالیٰ بھی محل حوادث و تغیرات ہے؟ اسکا جواب معصوم
کے کلام سے نکلتا ہے۔ چنانچہ محمد بن عمارہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں نے جناب صادق علیہ السلام
سے دریافت کیا اور عرض کی یا ابن رسول اللہ مجھے آپ بتائیں۔ کہ آیا خداتعالیٰ کے لئے رضا و سخط
(رضامندی اور ناراضی) بھی ہے۔ آپنے فرمایا نعم ولیس ذلک علی ما یوجد من المخلوقین
ولکن غضب اللہ عقابہ و رضاہ ثوابہ (توحید بحار)

عمرو بن عبید نے جناب محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا من یحلل علیہ غضبی فقد ھوی
کے کیا معنی ہیں۔ ماذلک الغضب۔ غضب سے کیا مراد ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ آپنے فرمایا
ھو العقاب یا عمرو انہ من زعم ان اللہ عزوجل قد زال من شئ الی شئ فقد
وصفہ صفۃ مخلوق ان اللہ لا یستفزہ شئ و لا یغیرہ " اے عمرو غضب سے مراد عذاب
ہے۔ اور جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ خداتعالیٰ ایک حالت سے دوسری حالت کیطرف بدلتا رہتا ہے۔ وہ اپنے
پروردگار کو مخلوقات کی صفات سے متصف کرتا ہے۔ خداتعالیٰ کو کوئی صفت متغیر و متبدل نہیں کرتی!!

چھبیسویں آیت فلما اسفونا انتقمنا منہم (سورہ زخرف) پس جب انہوں
نے ہمیں غضبناک کیا تو ہم نے ان (قوم) سے بدلہ لیا (یعنی انکو غرق کر دیا) تفسیر مجمع البیان میں تحریر
فرماتے ہیں فلما اسفونا ای اغضبونا عن ابن عباس و مجاھد و غضب اللہ
سبحانہ علی العصاۃ ارادۃ عقوبتہم و رضاہ عن المطیعین ارادۃ ثوابہم الذی
یستحقونہ علی طاعتہم وقیل اسفوا رسلنا لان الاسف بمعنی الحزن لا یجوز علی
اللہ تعالیٰ انتقمنا منہم ای انتقمنا لاولیائنا منہم یعنی فلما اسفونا سے مطلب یہ ہے۔
کہ جب قوم موسیٰ نے اپنی شرارتوں سے ہمیں غضبناک کیا (یہ مطلب ابن عباس اور مجاہد سے
منقول ہے) اور خدا کا غضب گناہگاروں پر یہ ہے کہ وہ انکو عذاب کرنیکا ارادہ کرتا ہے (نہ یہ کہ اسکو
اسطرح غصہ آتا ہے جسطرح انسانوں کو) اور اسکی رضامندی یہ ہے کہ وہ انکو ثواب دینے کا ارادہ
فرماتا ہے انکی اطاعت پر۔

نیز یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اسفونا سے مراد اسفوا رسلنا ہے یعنی جب ان شریروں
نے ہمارے رسولوں کو غضبناک کیا (اور انکے حکم کو نہ مانا۔ مگر چونکہ یہ رسول خداتعالیٰ ہی کے بھیجے ہوئے
تھے۔ اور اسی کے حکم کی تعمیل کرتے تھے تو انکو غضبناک کرنا گویا خداتعالیٰ کو غضبناک کرنا ہوا۔ اسیوجہ سے
خداتعالیٰ نے اسکی نسبت اپنی طرف دی ہے) کیونکہ اسف بمعنی حزن و رنج کے خداتعالیٰ کے لئے جائز
نہیں۔ ورنہ اسکی ذات میں تغیر لازم آئیگا جو محال ہے انتقمنا منہم سے مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان
نافرمانوں سے اپنے دوستوں (رسولوں) کی خاطر سے بدلہ لیا (اور انپر عذاب کیا) اور جناب صادق
علیہ السلام سے مروی ہے قال ان اللہ تبارک و تعالیٰ لا یاسف کاسفنا ولکنہ خلق اولیاء

لنفسہ یا سفون و یرضون وھم مخلوقون مدبرون فجعل رضاھم لنفسہ رضی و سخطھم لنفسہ سخطا و ذالک لانہ جعلھم الدعاۃ الیہ والادلاء علیہ و لذالک صاروا کذالک (توحید بحار) یعنی کہ آپنے فرمایا ۔ بیشک خداتعالیٰ کے واسطے رنج و غم نہیں ہوتا جسطرح ہم لوگونکو ہوتا ہے ۔ مگر یہ کہ اُس نے کچھ اپنے دوست (رسول) پیدا کئے جنکو امت کی شرارتوں کی وجہ سے) رنج (انکی اطاعت کیوجہ) سے خوشی ہوتی ہے ۔ اور وہ مخلوق و مدبر ہیں (تو انکے لئے رنج و خوشی کا ہونا ممکن ہے ۔) پس خداتعالیٰ نے اُنکی رضامندی کو اپنی رضامندی فرمایا ۔ اور انکی ناراضی کو اپنی ناراضی ۔ اسوجہ سے کہ انکو خداتعالیٰ نے اپنے (اللہ) کیطرف دعوت کرنیوالا اور اپنی طرف راہنما کرکے بھیجا تھا ۔ (پس جب لوگ اُنکی بات کو نہ مانے اور انکو ناراض کیا تو گویا خداکو ناراض کیا) اسیوجہ سے وہ لوگ (انبیاء) ایسے ہوئے ۔" حاصل یہ ہے کہ خداتعالیٰ نے مجازاً اسف و رنج کی نسبت اپنی طرف دی ہے ۔ نہ حقیقۃً کیونکہ اُس کے لئے حقیقۃً غم و رنج کا ہونا ناممکن عقلی ہے ۔

٢٧ **ستائیسویں آیت کل یوم ھو فی شانٍ** (سورہ رحمان) ہر روز خداتعالیٰ ایک شان میں ہے یعنی ہر روز کسی کے گناہ بخشتا ہے کسی کو اُسکے گناہ کی وجہ سے پروانہ عذاب دیتا ہے ۔ کسی کے غم کو دور کرتا ہے ۔ کسی کو امتحاناً یا عقوبۃً بلا میں مبتلا کرتا ہے کسی کو عزت دیتا ہے ۔ کسی کو اُسکی بدافعالی کیوجہ سے پست کرتا ہے ۔ نہ یہ کہ خداتعالیٰ میں (العیاذ باللہ) روزانہ تغیر حالات ہوتا رہتا ہے ۔ یہی مطلب توحید بحار میں منقول ہے باسناد المجاشع عن الصادق علیہ السلام عن آبائہ علیھم السلام ان النبی قال ان اللہ تعالیٰ کل یوم فی شانٍ فان من شانہ ان یغفر ذنبا و یفرج کربا و یرفع قوما و یضع آخرین ۔ مجاشع کی اسناد سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے اپنے آبا طاہرین سے روایت فرمائی ۔ کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا بیشک خداتعالے ہر روز ایک نئی شان میں ہے ۔ کیونکہ اُسکی شان سے یہ بات ہے کہ کسی کے گناہ بخشے کسی کے کرب کو دور کرے ۔ کسی قوم کو بلند رتبہ بنادے اور کسی قوم کو پست کردے ۔

نواں باب رویۃ خداتعالیٰ کی ناممکن ہے

١ **پہلی آیت لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر** (سورہ انعام) آنکھیں خداتعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں ۔ یعنی ادراک نظری اسپر واقع نہیں ہوسکتا اور وہ تمام نگاہوں کا جاننے والا ہے اور وہی لطیف خبیر ہے ۔" یہ آیت اس مطلب میں صریح ہے ۔ کہ آنکھیں ہرگز خداتعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں ۔ خواہ دُنیا میں ہو یا قیامت کے دن ہو ۔ کیونکہ اس آیت میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ دُنیا میں تو نہیں دیکھ سکتیں مگر آخرت میں دیکھ سکینگی ۔ بلکہ تعمیم ہے کہ کسی مقام پر اُسکی رویت آنکھ کے ذریعے سے نہیں ہوسکتی ۔ اور یہی وجہ ہے کہ کسی نے انبیاء میں سے

بھی اس کا دعوےٰ نہیں کیا کہ ہم نے اُسے آنکھوں سے دیکھا ہے یا قیامت کے دن دیکھینگے۔
بلکہ حضرت موسیٰؑ کو صاف جواب ہی ملگیا تھا۔ کہ لن ترانی تم ہرگز مجھ کو نہیں دیکھ سکتے (جسکا
بیان آیندہ آئیگا) ہاں دل کی آنکھوں سے دیکھنا ہر وقت میں ممکن ہے۔ بلکہ اہل ایمان کو اس
قسم کی رویت ہر وقت حاصل ہے۔ چنانچہ توحید بحار میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے
منقول ہے۔ جبکہ آپؑ سے ذعلب یمانی نے دریافت کیا تھا۔ کہ ھل رایت ربک کیا آپ نے
اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ آپؑ نے فرمایا ویلک یا ذعلب لم اکن بالذی اعبد ربا
لم اراہ وائے تم پر اے ذعلب! میں وہ شخص نہیں ہوں جو بن دیکھے خدا کی عبادت کروں
اُسنے کہا فکیف رایتہ آپ نے اُسے کیونکر دیکھا صفت لنا اسے ذرا ہمسے بیان کیجیے۔ آپؑ نے فرمایا
یا ویلک لم تره العیون بمشاھدۃ الابصار ولکن راتہ القلوب بحقایق الایمان
ہائے افسوس تمپر اے ذعلب! اُسکو آنکھوں نے مشاہدہ نظری سے ہرگز نہیں دیکھا۔ لیکن دلوں
نے ایمان کی حقیقتوں سے اسکو دیکھ لیا ہے" اسی سے قریب قریب جناب امام باقر علیہ السلام
سے بھی مروی ہے۔ عبداللہ بن سنان اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ میں ابوجعفر محمد بن علی الباقر
علیہ السلام کیخدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپکے پاس ایک شخص خوارج میں سے آیا کہ یا اباجعفر ای
شئی تعبد اے ابوجعفر تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ آپؑ نے فرمایا اللہ خدا کی عبادت کرتا ہوں
اُسنے کہا رایتہ کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ آپؑ نے فرمایا لم تره العیون بمشاھدۃ العیان
ورأتہ القلوب بحقائق الایمان اُسکو آنکھوں نے مشاہدہ ظاہری سے ہرگز نہیں دیکھا
ہے۔ اور (مگر) دلوں نے ایماں کی حقیقتوں سے اُسکو دیکھ لیا ہے" (توحید بحار)

غرض اس کلام سے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا آنکھوں سے دکھائی دینا تو ناممکن ہے اسوجہ سے کسی
آنکھ نے اُسکو نہیں دیکھا لیکن دل چونکہ اُسکے آثار قدرت و اعلام حکمت کو دیکھتے ہیں۔ اس سبب
سے بالیقین جانتے ہیں۔ کہ ان آثار کا موثر اور ان علامتوں کا قائم کرنیوالا۔ اور ان حکمتوں کا مظہر
اور ان مقدورات کا مقدر ضرور موجود ہے۔ اور یہ یقین دلکو اسطرح حاصل ہے جیسے آنکھ سے
دیکھ کر کسی شے کا علم ہوتا ہے۔ بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ نظر چشم میں تو کبھی کبھی غلطی بھی ہو جاتی
ہے۔ مگر دلی نظر جو برہانی ہو وہ قطعاً صحیح ہوتی ہے۔ اور یقین اسی کا نام ہے جو دل میں متمکن ہو۔
پس ہمارا دل سے یقین کرنا کہ ہمارا کوئی خالق ضرور ہے۔ یہی ہمارا دیکھنا ہے۔

لیکن جن لوگوں کے دل کو بغیر دیکھے یقین ہوتا ہی نہیں۔ اور جنکے دلوں کی قوت اتنی نہیں
جو اپنی ذاتی قوت سے خدا تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کریں۔ اُنکو شاید مجبور ہو کر یہ کہنا پڑا ہے کہ خدا تعالیٰ
کی رویت ضرور ہوگی اور اسے عوام تک میں ایسا مشتہر کر دیا ہے۔ کہ بطور مثل کے استعمال ہونے

نگا ہے۔ اور قسم کے موقع پر بولا جاتا ہے (مثلاً فلاں شخص کو خدا کا دیدار اور محمدؐ کی شفاعت نصیب نہ ہو
اگر وہ ایسا کرے) مگر ہیں استقدر کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر ایک طرف عقل اور دوسری طرف
ہٹ دھرمی ہو۔ یا ایک طرف عوام الناس اور دوسری طرف اہلبیت رسولؐ ہوں جو رسولؐ خدا کے خزانہ دار
تو کسطرح انصاف اور عقل کی اجازت نہیں معلوم ہوتی۔ کہ ہٹ دھرمی کو عقل پر اور عوام الناس کو اہلبیتؑ پر ترجیح دیجائے اور اسکی کوئی وجہ معقول

ہم صریح دیکھ رہے ہیں کہ عقلاً رویت خدا تعالیٰ محال ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے دیکھنے کیلئے جب تک
بارہ شرطیں موجود نہ ہوں۔ اسکی رویت ناممکن ہے۔ (۱) یہ کہ مرئی مقابل میں رائی (دیکھنے والے)
کے ہو یا حکم میں مقابل کے ہو۔ اگرچہ فی الواقع مقابل نہو۔ جیسے آئینہ میں صورت کا نظر آنا۔ (۲) بہت
زیادہ فاصلہ نہ ہو کیونکہ اگر رائی (دیکھنے والے) کے اور مرئی (جسے دیکھا جانا مقصود ہے)
کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوگا۔ تو یقیناً وہ شے نہ دکھائی دیگی۔ جیسے ایک خردل کے دانہ
کو تین فرلانگ سے اگر ہم دیکھنا چاہیں تو ہرگز دکھائی نہیں دے سکتا۔ یا کوہ ہمالیہ کو دہلی سے دیکھنا
چاہیں۔ تو ہرگز نظر نہیں آسکتا (۳) بہت زیادہ قریب بھی نہ ہو کیونکہ جس شے کو آنکھ سے بالکل قریب
کر لو یعنی اُس سے ملا دو اُسکو آنکھ دیکھ نہیں سکتی (۴) بہت چھوٹی چیز نہ ہو جیسے مثلاً وہ کیڑے
جسے لوگ پانی میں بتاتے ہیں جو خوردبین کے بغیر آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے۔ (۵) درمیان رائی
مرئی کے کوئی حجاب بھی نہ ہو۔ کیونکہ اگر پردہ حائل ہوگا۔ مثلاً دیوار کے اسطرف دیکھنے والا ہوگا۔ اور
دیوار کے اُسطرف شے مرئی ہوگی۔ تو ہرگز دکھائی نہیں دے سکتی (۶) جسے دیکھنا مقصود ہے
وہ کثیف ہو کیونکہ اگر لطیف ہوگی جیسے روح یا نفس۔ تو ہرگز نظر میں نہیں آسکتی (۷) جسے
دیکھنا مقصود ہے اُسمیں کوئی رنگ بھی ہو ورنہ دکھائی نہ دیگی۔ جیسے ہوا کہ باوجود ثقیل ہونے
اور جسم سے ملاصق ہونے کے دکھائی نہیں دیتی (۸) حاسہ بصری سالم ہو۔ بیمار اور ماؤف نہ ہو۔ کیونکہ
اندھا کوئی شے نہیں دیکھ سکتا (۹) دیکھنے کا قصد بھی کیا جائے۔ اگر دیکھنے کا قصد نہ ہوگا۔ تو
اُسکا دکھائی دینا ضرور نہیں ہے (۱۰) جسکے دیکھنے کا قصد کیا جاتا ہے وہ مضئی و روشن بھی
ہو اگر تاریک ہوگا۔ تو دکھائی نہ دیگا (۱۱) رائی اور مرئی کے درمیان کسی شفاف چیز کا بھی واسطہ ہو
جیسے ہوا یا فضا۔ یا آئینہ یا پانی وغیرہ۔ ورنہ وہ کبھی نظر سے محسوس نہ ہوگا (۱۲) مقدار ہو۔ یعنی
مقولہ کم سے ہو۔ یا مقولہ ملک سے ورنہ مرئی ہونا معلوم۔

اب ان شرطوں پر غور کرو تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ **پہلی چھٹی ساتویں** اور
بارھویں شرط خدا تعالیٰ میں مفقود ہے۔ کیونکہ اگر کہو کہ خدا تعالیٰ مقابل میں دیکھنے والے
کے ہوگا۔ تو لامحالہ اُسے کسی مکان (یعنی جگہ) اور کسی جہتہ میں ہونا لازم ہے اور جب وہ کسی جگہ یا
جہتہ میں ہوگا۔ تو اُسکا محتاج محل اور محتاج جہتہ ہونا لازم آئیگا۔ جسے کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا۔
اور اگر کہو کہ خدا تعالیٰ جسم کثیف ہے تو ترکب لازم آتا ہے۔ اور ترکب حدوث کو مستلزم ہے اور اگر

کہ اُسمیں رنگ پایا جاتا ہے تو رنگ عرض ہے اور عرض بغیر محل کے قائم نہیں رہ سکتا۔ تو لازم آئیگا کہ خدا تعالےٰ محل اعراض ہے اور محل حوادث ہے حالانکہ کوئی ایمان والا اس کے کہنے کی جرأت نہیں پیدا کر سکتا۔ اور اگر کہو کہ وہ مقدار یا ملک ہے تو یہ دونوں بھی مثل رنگ کے عرض ہیں۔ پھر کیونکر کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ عرض یا محل اعراض ہے۔ اور جب ایسا نہیں تو وہ کونسی عقلی صورت ایسی ہے جس سے خدا تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن ہو سکتا ہے اب اگر کوئی شخص عقل کے مقابلہ میں اپنی ہٹ دھرمی پیش کرے۔ اور کہے کہ چاہے عقل کہے یا نکہے مگر ہم تو خدا کو ضرور دیکھینگے۔ تو اُسکا قول ہرگز قابل سماعت نہوگا۔

اور نیز ہم بداہتہً دیکھ رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ مجھکو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ پھر خدا تعالےٰ کے قول کے مقابلہ میں اپنی رائے اڑانی کس قدر بے ایمانی اور زبردستی ہے۔ جسے کوئی ایماندار تسلیم نہیں کر سکتا ہاں اگر کوئی شخص اس آیت کی دلالت میں بحث کرے اور کہے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی تو البتہ کچھ گنجائش ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ لفظ الابصار آیت میں معرف باللام اور جمع ہے۔ اور جمع معرف باللام مفید عموم استغراق ہے تو یہ معنی ہوئے کہ کوئی آنکھ بھی اُسکو نہیں دیکھ سکتی۔ نیز یہ کہ لاتدرکہ سے مراد کسی طرح زمانہ حال تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ تو بدیہی ہے اور بدیہی کی نفی سے فائدہ ہی کیا جبکہ ہم قطعاً اور بداہتہً جانتے ہیں کہ بالفعل کوئی اسکو نہیں دیکھتا تو اسکا یہ فرمانا کہ اسکو کوئی آنکھ زمانہ حال میں نہیں دیکھتی بالکل فضول ہے پس لامحالہ اس سے مراد زمانہ مستقبل ہوگا یعنی کہ جسطرح زمانہ حال میں کوئی نگاہ اُسکو نہیں دیکھتی اسیطرح زمانہ مستقبل میں بھی کوئی آنکھ اُسکو نہ دیکھ سکیگی اور چونکہ مستقبل کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے قیامت اور قیامت سے بعد کو بھی آیت شامل ہوگی یعنی کہ نہ اُسکو کوئی نگاہ قیامت میں دیکھ سکیگی اور نہ اُسکے بعد۔ پس دعوے رویت خدا بروز قیامت خدا تعالےٰ کے کلام کو رد کرنا ہے ❊

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ جو جمع محلی باللام ہوتی ہے۔ وہ حالت نفی اور حالت اثبات دونوں ہی میں مفید عموم و استغراق ہوتی ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ما اللہ یرید ظلما للعباد "اللہ نہیں ارادہ کرتا کہ وہ بندوں پر ظلم کرے" اسمیں خاص بندونکی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ کسی بندہ پر ظلم نہیں کر سکتا خواہ وہ بندہ کافر ہو یا مومن۔ البتہ بحسب افعال و اعمال سزا و جزا ضرور دیگا نیز فرماتا ہے ما علی المحسنین من سبیل۔ شیطان کو نیکوکار بندوں پر راہ نہیں ہے اسمیں کسی نیکوکار کی تخصیص نہیں ہے۔ تمام نیکوکار بندے مراد ہیں۔ نیز فرماتا ہے واللہ لا یحب کل مختال فخور اور اللہ ہر متکبر اور اترانے والے کو دوست نہیں رکھتا۔ اس سے یہ مطلب تو ہے نہیں کہ کل کو تو دوست نہیں مگر بعض متکبر اترانے والے کو دوست رکھتا ہے۔ بلکہ غرض تو یہ ہے کہ کسی اترانے والے متکبر کو خدا پسند نہیں کرتا علیٰ ہذا القیاس اس آیت میں بھی عموم ہی مراد ہوگا۔ یعنی کوئی اُسکو نہ دیکھ سکیگی اور از بسکہ زمانہ میں کوئی قید نہیں ہے اس لئے مستقبل کا زمانہ بھی محدود نہیں سمجھا جاسکتا۔ پس یہ کہنا کہ لاتدرکہ الابصار

باعتبار جمع محلی باللام کے موجبہ ہے اور جب موجبہ کو سلب کیا جاتا ہے تو مفید ایجاب جزئی ہوتا ہے
بالکل لغو اور آیات سابقہ قرآنیہ کے خلاف ہے لہذا ساقط اور غیر معتنی بہ ہے
نیز یہ کہ خدا تعالیٰ نے اس آیت کو موقع مدح میں فرمایا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے فرماتا ہے
وخلق کل شیٔ وھو بکل شیٔ علیم ذلکم اللہ ربکم لا الہ الا ھو خالق کل شیٔ فاعبدوہ وھو
علی کل شیٔ وکیل ۝ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر"
اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ وہی اللہ تمہارا پالنے والا ہے۔ جسکے سوا کوئی
معبود برحق نہیں۔ ہر شے کا خالق ہے۔ پس تم لوگ اسکی عبادت کرو اور وہ ہر شے کا نگہبان ہے
اُسکو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکیگی۔ اور وہ آنکھوں کا علم رکھنے والا ہے اور وہی پاک اور باخبر ہے" پس
جس صفت کا نہ ہونا قابل مدح ہو۔ اسکا ہونا ضرور قابل مذمت ہوگا۔ لہذا جبکہ خدا تعالیٰ کا دکھائی نہ
دینا قابل مدح ٹھیرا جس سے اسنے اپنی آپ تعریف کی ہے تو اسکا دکھائی دینا خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں
اُسکے لئے باعث نقص وعیب ہوگا۔ حالانکہ کوئی ایمان دار اس امر کے تسلیم کرنیکے لئے تیار نہیں۔ کہ خدا تعالیٰ
میں کبھی نقص وعیب بھی ہو سکیگا۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ اسکا دکھائی دینا بھی ممکن نہیں واللہ الھاد
الی الصواب"

دوسری آیت۔ ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ قال رب ارنی انظر
الیک قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی
فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا فلما افاق قال سبحانک تبت الیک
وانا اول المومنین" اور جبکہ موسیٰ ہماری میقات کے لئے آیا اور اس سے اُس کے پروردگار نے
گفتگو کی تو کہا (موسیٰ نے کہ) اے میرے پروردگار مجھے اپنے تئیں) دکھا (کہ) میں تیری طرف نظر کروں
کہا (خدا نے) تو مجھکو ہرگز نہیں دیکھ سکیگا اور لیکن پہاڑ کیطرف دیکھ پس اگر وہ اپنے مقام پر ٹھیرا رہے
تو عنقریب تو مجھے دیکھ لیگا۔ تو جو وقت اُسکے پروردگار نے پہاڑ پر روشنی ڈالی۔ اُس روشنی نے اُسکو
ریزہ ریزہ کردیا اور موسیٰ چیخ کر گر پڑا (اور بیہوش ہوگیا) پس جب اُسے ہوش آیا تو کہا کہ تو پاک اور
منزہ ہے (اس سے کہ تیرے دیکھنے کی تجھ سے درخواست کیجائے) میں تجھ سے توبہ کرتا ہوں اور
میں ایمان لانے والوں میں پہلا مومن ہوں؛

یہ وہ معرکۃ الآراء آیت ہے کہ اہلسنت تو اس سے ایکطرف رویت خداتعالیٰ کے مسئلہ کو
ثابت کر رہے ہیں۔ اور شیعہ ومعتزلہ اسی آیت سے عدم امکان رویت کو ثابت کرتے ہیں مشبہ اور
کرامیہ اہلسنت کا تو یہ خیال ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرمایا ربّ ارنی انظر الیک (اے
میرے رب تو مجھے اپنے تئیں دکھا کہ میں تجھکو دیکھوں) پس اگر خدا تعالیٰ کی رویت ناممکن تھی

تو موسیٰ نے کیوں اسکی درخواست کی اگر کہا جائے کہ وہ حقیقت حال سے ناواقف تھے۔ تو ایسا
شخص رسول نہیں ہو سکتا اور اگر کہا جائے کہ حقیقت حال کو جانتے تھے مگر باوجود جاننے کے پھر
سوال کیا تو ایسا فعل حماقت میں داخل ہے کہ ایک شخص کسی بات کے محال ہونیکو جانتا ہو اور پھر
اُسکی درخواست کرے یہ نبی کی شان نہیں ہے۔ مگر اسکا جواب یہ ہے کہ جناب موسیٰؑ کا سوال کرنا
اور یہ کہنا کہ اے پروردگار تو اپنے تئیں مجھے دکھادے۔ صرف اسوجہ سے تھا۔ کہ اُنکی قوم نے اُنکو
تنگ کیا اور کہا کہ ہم تو تمہارے خدا بے دیکھے ایمان ہی نہ لائینگے۔ جیسا کہ خود خدا یتعالیٰ فرماتا ہے
واذ قلتم یٰموسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ (اور جبکہ اے یہودیو تمنے موسیٰ
سے کہا کہ اے موسیٰ ہم تو ہرگز ایمان نہ لائینگے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔ نیز اس خیال
کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ فقد سالوا موسیٰ اکبر من ذالک فقالوا ارنا اللہ
جھرۃ (اے رسول اگر تم سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ آسمان سے کتاب نازل کرو تب ہم ایمان لائینگے۔ تو
اسکا کچھ خیال مت کرو کیونکہ ان لوگوں نے تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا۔ (جو ناممکن تھا)
کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھادو) فاخذتھم الصٰعقۃ بظلمھم پس اُنپر اُنکے اس ظلم (کی بات)
کیوجہ سے بجلی گری" نیز خدا یتعالیٰ نے موسیٰ کی قول کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا ہے رب لو شئت
اھلکتھم من قبل وایای اتھلکنا بما فعل السفھاء منا اے پروردگار اگر تو چاہتا تو ان سب
آدمیونکو پہلے ہی ہلاک کردیتا۔ اور مجھکو بھی (لیکن) کیا تو ہمکو ہلاک کریگا اُس فعل پر جو ہمارے سفیہ اور
احمق لوگوں نے کیا" (یعنی درخواست دیدار خدا یتعالیٰ) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ نے
اپنے لئے یہ سوال نکیا تھا۔ ورنہ یہ نہ کہتے کہ یہ فعل اور درخواست ہمارے احمق آدمیونکی تھی۔ کیا تو
ہم سب لوگونکو ہلاک کریگا اور نیز خدا یتعالیٰ نے خود اس درخواست کو قوم کیطرف منسوب کیا ہے۔ اور
سالوا موسیٰ اکبر من ذالک ان یہودیوں نے تو موسیٰ سے اس سے بڑی درخواست کی
تھی۔ کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھادو" اور اسی پر خدا یتعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے ایسا
عظیم الشان سوال کیا تھا۔ اسوجہ سے انپر بجلی گری" پس جبکہ یہ درخواست حضرت موسیٰ کیطرف
سے نہ ہوئی بلکہ قوم موسیٰ کیطرف سے ہوئی۔ جو حقیقت حال سے ناواقف تھی تو حضرت موسیٰ پر کوئی
الزام عاید نہیں ہوتا۔ نہ انکا جہل لازم آتا ہے اور نہ فعل عبث کرنا لازم آتا ہے۔ اور نہ اس درخواست
سے اُنکی نبوت میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اچھا اگر جناب موسیٰ نے خود یہ درخواست اپنے لئے نہیں
کی تھی۔ تو توبہ کیوں کی اور یہ کیوں فرمایا تُبتُ الیک وانا اول المومنین تو اس کا
جواب یہ دیا جائیگا کہ توبہ یہاں پر بمعنی مطلق رجوع ہے۔ گناہ سے رجوع کرنی۔ کیونکہ توبہ

کے معنی یہی ہیں۔ پس اس صورت میں مطلب یہ ہوگا۔ کہ جب موسیٰ کو غش سے افاقہ ہوا۔ تو انہوں نے کہا کہ خدایا میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ درحالیکہ میں تجھ پر پہلا ایمان لانے والا ہوں۔ اور اسمیں اظہار تذلل و فروتنی ہے جو بندے کی شان ہے۔ کہ ہر وقت اپنے معبود حقیقی کی طرف رجوع قلب رکھے۔ اور اپنی عاجزی اور فروتنی ظاہر کرتا رہے یا یہ مطلب ہو کہ جب لوگوں کی غرض حاصل ہو گئی اور معلوم ہو گیا۔ کہ تیری رویت ناممکن ہے تو اب میں اپنی درخواست سابق سے رجوع کرتا ہوں۔ کیونکہ مصلحت ختم ہو گئی یا یہ کہ توبہ اپنی قوم کیطرف سے ہو یعنی یہ کہ لوگوں نے اپنی حماقت سے یہ درخواست کی تھی اب یہ لوگ اپنے کئے پر توبہ کرتے ہیں اور میں اُسکو پیش کرتا ہوں

اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ حضرت موسےٰ نے اپنے ہی لئے یہ سوال کیا تھا۔ (حالانکہ قرآن مجید کی تصریح کے خلاف ہے) تب بھی اسکا یہ جواب ہے کہ جسطرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باوجود ایمان و معرفت کاملہ کے خدا تعالیٰ سے درخواست کی رب ارنی کیف تحی الموتیٰ خدایا مجھے دکھا دے تو مُردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی۔ خدا تعالیٰ نے کہا کہ کیا ابھی تمکو اس بات پر یقین نہیں ہے کہ میں مُردوں کو زندہ کرتا ہوں تو ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ یقین تو ہے لیکن میں اطمینان قلب چاہتا ہوں۔

اُسیطرح ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ نے بھی درخواست کی کہ خدایا کوئی ایسی تدبیر کر جس سے مجھکو اطمینان ہو جائے اور معرفت بدیہیہ حاصل ہو۔

نیز یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے اس سوال میں حذف واقع ہوا ہو۔ یعنی رب ارنی آیۃ انظر الی آیتک خدایا مجھے کوئی نشانی دکھا۔ جسے میں آنکھوں سے دیکھوں نہ کہ اپنے تئیں دکھا۔ مگر ان جوابوں کے اختیار کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید خود فیصلہ کر رہا ہے کہ یہ درخواست حضرت موسیٰ کیطرف سے نہ تھی۔ بلکہ انکی قوم کیطرف سے تھی۔

دوسرا خیال مشبہہ اور کرامیہ کا یہ ہے کہ اگر دیدار خدا تعالیٰ کا محال ہے۔ تو پھر اس نے کیوں فرمایا لکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی لیکن اے موسیٰ پہاڑ کیطرف نظر کر دیس اگر یہ اپنی جگہ پر ٹھیرا رہے۔ تو عنقریب تم مجھے دیکھو گے۔

استقرار جبل یعنی پہاڑ کا اپنے مقام پر قائم رہنا ایک امر ممکن ہے اُسپر خدا تعالیٰ نے اپنے دیدار کو معلق کیا جس سے معلوم ہوا ہے۔ کہ اُسکی رویت ممکن ہے اُسکا جواب یہ ہے۔ کہ اگرچہ فی نفسہ استقرار جبل ممکن ہے مگر اسباب خارجیہ کیوجہ سے اُسکا استقرار محال ہے مثلاً جبکہ قیامت ہوگی۔ اور پہاڑوں کو حکم ہوگا۔ کہ ریزہ ریزہ ہو کر مثل دُھنکی ہوئی اُون کے ہو جاؤ جنکی خبر خود خدا تعالیٰ نے دی ہے وتکون الجبال کالعھن المنفوش۔ تو کیا ممکن ہے کہ باوجود حکم خدا تعالیٰ کے یہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں۔ اور ریزہ ریزہ نہ ہو جائیں؟ ہرگز نہیں

بلکہ حکم خدایتعالی کے بعد اسکا استقرار رہنا ناممکن ہے باوجودیکہ فی نفسہ ممکن ہے۔ علے ہذا القیاس اس موقع پر جو خدایتعالیٰ نے فرمایا ہے ان استقر مکانہ اگر پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ قائم رہنا بھی لن ترانی فرما دینے کے بعد ناممکن ہے۔ کیونکہ جب وہ خود فرماتا ہے۔ کہ اے موسیٰ تم ہرگز مجھکو نہیں دیکھ سکتے۔ اور پھر اپنے دیدار کو استقرار جبل پر معلق کیا۔ تو بعد اس نفی کے کسطرح استقرار جبل ہو سکتا ہے۔ جس سے رویت باریتعالی ممکن ہو۔ **دوسرے** یہ کہ خود پروردگار عالم کو اس امر کا علم تھا۔ کہ جسوقت تجلّی نور اس پہاڑ پر ہوگی تو ہرگز یہ اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اور یہی اُسکا ارادہ بھی تھا۔ کہ تجلّی نور سے اُسکو ریزہ ریزہ کردے۔ تو بعد اسکے کہ خدایتعالی کو علم بھی اُسکے عدم استقرار کا تھا۔ اور اس نے ارادہ بھی اُس کے ریزہ ریزہ کرنے کا کرلیا تھا۔ کسطرح ممکن ہے یا ممکن تھا۔ کہ وہ پہاڑ اپنی حالت پر باقی رہ سکتا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اگرچہ فی نفسہ پہاڑ کا باقی رہنا ممکن ہے مگر چونکہ حکم وعلم وارادہ پروردگار عالم اس امر پر جاری ہوچکا تھا کہ وہ قائم نہ رہیگا۔ اس لئے اسکا قائم رہنا محال تھا۔ اور جب محال تھا۔ تو وہ دیدار جو اس محال پر معلق کیا گیا ہے۔ وہ بھی محال تھا نہ ممکن پس یہ کہنا کہ دیدار ایک امر ممکن پر معلق کیا گیا تھا۔ قابل سماعت نہیں ہے۔

اور شیعہ ومعتزلہ کہتے ہیں کہ اسی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدایتعالی کا دیدار ابدالآباد بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ خود فرماتا ہے لن ترانی ہرگز ہرگز کبھی تو مجھکو نہ دیکھیگا" اور یہ معنی اسوجہ سے بیان کئے گئے کہ علامہ زمخشری نے اپنی کتاب انموذج میں اور نیز دیگر اہل نحو نے نہایت کشادہ دلی سے اس امر کا اقرار کیا ہے کہ لن ہمیشہ کی نفی کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی جب لفظ پر یہ آتا ہے اُسکو ہمیشہ کے لئے نفی کردیتا ہے۔ پس جبکہ یہ لفظ ترانی پر آیا۔ تو یہ معنی ہوئے کہ کبھی تو مجھکو نہ دیکھیگا۔ اور ظاہر ہے۔ خدایتعالی کا کلام خلاف واقع نہیں ہو سکتا۔ پس ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ جب موسیٰ سے نبی کو لن ترانی کا خطاب ہوا تو دوسرا کیا قابلیت رکھتا ہے کہ دنیا یا آخرت میں اُسے دیکھ سکے۔

نیز خدایتعالی کا یہ کلام بھی صاف دیدار کے ناممکن ہونے پر دال ہے فقد سألوا موسیٰ اکبر من ذالك" اے ہمارے حبیب تمسے تو یہ لوگ ایک امر ممکن کا سوال کرتے ہیں کہ آسمان سے کتاب نازل کردو۔ لیکن موسیٰ سے تو اس سے زیادہ عظیم سوال کیا تھا۔ کہ خدا ہی کو دکھادو۔ پس اگر دیدار خدایتعالی ممکن ہوتا تو اسکو اعظم واکبر کہنے کی ضرورت نہ تھی اور اگر اسکا دنیا یا آخرت میں دیکھا جانا ممکن تھا۔ تو اس سے انکار ہی کرنیکی کیا ضرورت تھی۔ جبکہ ایک قوم کی قوم صرف دیدار کے حصول پر ایمان لانے کیلئے تیار تھی۔ پس اگر دیدار ممکن تھا۔ اور پھر اُس نے حیلہ کرکے ٹالدیا تو باعث بقائے کفار علے الکفر خود ہوا۔ حالانکہ ایسی نسبت اُسکی طرف کوئی عقلمند نہیں دے سکتا۔

اسکے علاوہ اگر ہم علمائے اسلام کے باہم بیانات کا مقابلہ کریں اور دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو رسول اللہ کے اہلبیتؑ رویت خدایتعالی سے انکار کر رہے ہیں۔ باوجودیکہ جو مرتبے اُنکو عنداللہ حاصل ہیں اُنکو تمام عالم جانتا ہے۔ پس اگر رویت ممکن ہوتی تو انکو انکار کی کیا وجہ تھی؟

اور دوسری طرف چند اور لوگ ہیں جو اسکا اقرار کر رہے ہیں کسی عقلمند آدمی کی تو عقل اس بات کو مان نہیں سکتی کہ اہلبیت جبر امر کے قائل ہوں وہ تو غلط ہو۔ اور چند عوام الناس جبر امر کے قائل ہوں وہ صحیح ہو۔ باوجودیکہ اہلبیت کے کلام کی تائید عقلی دلیلوں سے بھی ہوتی ہو اور انکے مخالفین کے اقوال کو عقل تسلیم نکرتی ہو۔

اب ملاحظہ ہوں اہلبیت کے اقوال اس معاملے میں کسقدر متین اور مطابق عقل ہیں۔ توحید (بحار) میں محمد بن عبیدہ سے مروی ہے وہ کہتا ہے کتبت الی ابی الحسن الرضا × × × × علیہ السلام اسألہ عن الرؤیۃ وما ترویہ العامۃ والخاصۃ وسألتہ ان یشرح لی ذلک فکتب علیہ السلام بخطہ اتفق الجمیع لا تمانع بینہم ان المعرفۃ من جہۃ الرؤیۃ ضرورۃ فاذا جاز ان یُری اللہ عزوجل بالعین وقعت المعرفۃ ضرورۃ ثم لم تخل تلک المعرفۃ من ان تکون ایمانا او لیست بایمان فان کانت تلک المعرفۃ من جہۃ الرؤیۃ ایمانا فالمعرفۃ التی فی دار الدنیا من جہۃ الاکتساب لیست بایمان لانہا ضدہ فلا یکون فی الدنیا احد مومنا لانہم لم یروا اللہ عزوجل وان لم تکن تلک المعرفۃ التی من جہۃ الرؤیۃ ایمانا لم تخل ہذہ المعرفۃ التی من جہۃ الاکتساب ان تزول او لا تزول فی المعاد فہذا دلیل علی ان اللہ عزوجل لا یُری بالعین اذ العین یؤدی الی ما وصفناہ۔ محمد بن عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب ابوالحسن الرضا علیہ السلام کی خدمت میں خط لکھا اور مسئلہ رویت کو دریافت کیا اور جو روایتیں عامہ وخاصہ اس معاملہ میں نقل کرتے ہیں انکو بھی پوچھا تو آپنے جواب میں تحریر فرمایا (اور ایسا بے مثل استدلال لکھا جس سے بہتر خیال میں آ نہیں سکتا) کہ یہ بات متفق علیہ تمام عقلا کی ہے اور کسی نے اسمیں نزاع نہیں کی ہے کہ جب کوئی شے آنکھ سے دیکھ لی جاتی ہے تو اسکا علم بدیہی ہو جاتا ہے پس اگر خدا تعالی کا آنکھ سے دکھائی دینا ممکن ہو۔ تو اُسکی معرفت بدیہی ہو جائیگی (اور اسمیں کوئی شک نہیں) پھر (یہ سوال ہوگا) کہ آیا یہ معرفت جو آنکھ سے دیکھ کر حاصل ہوئی ہے۔ ایمان ہے یا نہیں اگر کہو کہ یہ معرفت ایمان ہے تو دنیا میں جن لوگوں نے بغیر دیکھے ہوئے خدا تعالی کے وجود کو مان لیا ہے۔ اور اسپر ایمان لائے ہیں۔ بذریعہ دلیل وبرہان کے وہ ایمان ایمان نہ ہوگا۔ (کیونکہ رویت اللہ تعالی کی آنکھ سے حاصل نہیں ہوئی) کیونکہ یہ اُسکی ضد اور مخالف ہے تو لازم آتا ہے کہ دنیا میں اس وقت کوئی مومن ہی نہ ہو۔ کیونکہ خدا تعالی کو یہاں کسی نے نہیں دیکھا اور باوجود اسکے مومن ہونیکا دعوی کرتے ہیں۔ اور اگر کہو کہ وہ معرفت جو آنکھ سے دیکھ کر حاصل ہوئی ہے ایمان نہیں ہے۔ بلکہ ایمان اسی رویت قلبی کا نام ہے جو دلیلوں کے ذریعے سے

حاصل ہوئی ہے اور جس ذریعے سے لوگ اپنے تئیں مومن سمجھتے اور اُسکے وجود کا یقین کرتے ہیں
تو دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ رویت قلبی اور معرفت اکتسابیہ قیامت کے دن زائل ہو جائیگی۔ یا
باقی رہیگی؟ اگر کہو کہ زائل ہو جائیگی اور اسکا اثر باقی نہ رہیگا تو لازم آتا ہے کہ دُنیا میں خدا تعالیٰ پر ایمان
لانا ہی فضول ہو جبکہ یہ مان لیا گیا کہ اُسکا قیامت کے دن کچھہ اثر نہ ہوگا۔ اور اگر کہو کہ زائل نہ ہوگا۔
بلکہ اسکا اثر باقی رہیگا اور اُسی معرفت و ایمان پر سزا و جزا مترتب ہونگے۔ تو وہ رویت عیانی فضول
ٹھیری۔ اس سے معلوم اور ثابت ہُوا کہ رویت خدا تعالیٰ ناممکن ہے واللہ یعلم

نیز بحار میں مروی ہے سئل الصادق علیہ السلام ھل یُرَی اللہ فی المعاد
قال سبحانہ تبارک وتعالیٰ عن ذالک علواً کبیراً انّ الابصار لا تدرک الا
ماله لون وکیفیۃ واللہ خالق الالوان والکیفیۃ" جناب صادق علیہ السلام سے
دریافت کیا گیا کہ آیا پروردگار عالم قیامت کے دن دکھائی دیگا؟ آپ نے فرمایا وہ معبود برحق اس سے
بہت بالاتر ہے۔ بیشک آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں مگر اُنہیں چیزوں کو جنمیں رنگ اور کیفیت ہو۔ اور
خُدا تعالیٰ رنگوں اور کیفیت کا پیدا کرنیوالا ہے (تو اُسمیں کوئی رنگ یا کیفیت کیونکر ہوگی۔ کیونکہ واجب
الوجود میں حادث کا قیام ناممکن ہے نیز یہ کہ خالق کو مخلوق کے مغائر ہونا چاہیئے۔ پس خُدا تعالیٰ رنگ
وکیفیت نہ ہوگا۔ اور جب رنگ نہ ہوگا تو دکھائی بھی نہ دیگا)۔

نیز مروی ہے احمد بن اسحاق سے قال کتبت الی ابی الحسن علی بن محمد علیہ السلام
اسألہ عن الرُؤیۃ وما فیہ الخلق فکتب علیہ السلام لا تجوز الرُؤیۃ مالم یکن
بین الرائی والمرئی ھواء ینفذہ البصر فمتی انقطع الھواء وعُدِم الضیاء لم تصحّ
الرُؤیۃ وفی وجوب اتصال الضیاء بین الرائی والمرئی وجوب الاشتباہ واللہ
تعالیٰ عن الاشتباہ فثبت انہ لا تجوز علیہ سبحانہ الرؤیۃ بالابصار لان الاسباب
لابدّ من اتصالھا الی المسببات" (توحید بحار) احمد بن اسحاق کہتے ہیں میں نے ابوالحسن علی
بن محمد علیہ السلام کو خط لکھا اور اُسمیں دیدار خدا کا مسئلہ دریافت کیا (اور لوگوں کے خیالات ظاہر کیے)
تو آپنے تحریر فرمایا کہ دیکھنا اسوقت تک ممکن نہیں۔ جب تک دیکھنے والے اور دیکھی ہوئی شے
کے درمیان ہوا نہو جسمیں سے نظر کا نفوذ ہو سکے۔ پس جبکہ ہوا اور ضیا دونوں ہی منقطع ہوں۔
تو رویت ناممکن ہے اور جبکہ روشنی کا درمیان رائی اور مرئی کے ہونا لازم ہوا (جس کے بغیر کسی شے
کا دکھائی دینا ممکن نہیں) تو مشابہت رائی کی مرئی سے بھی ضرور ہے (یعنی کہ جو امر دیکھنے والے
کے لئے دیکھنے میں ضروری لازم ہے۔ مثلاً ہوا اور روشنی کا توسط وہی مرئی کے دکھائی دینے میں ضروری
ہے۔ مثلاً ہوا اور روشنی کا واسطہ ہونا اور جب ایسا ہُوا۔ تو جسطرح دیکھنے والا کسی جہتہ میں قائم ہوگا

اسی طرح مرئی (دیکھا ہوا) بھی دوسری جہتہ میں ہوگا۔ پس جسطرح رائی محتاج جہتہ ہوا مرئی بھی محتاج جہت ہوگا۔) پس ثابت ہوا کہ (خدا یتعالیٰ کا) دیکھنا آنکھ سے ناممکن ہے کیونکہ اسباب کا اتصال اپنے مسببات سے لازم ہے (اور جب یہاں سبب ہی کا وجود نہیں تو مسبب کا وجود کہاں سے ہوگا) ان دونوں حدیثوں میں ہر دو معصومین علیہما السلام نے رویت کی دونوں لازمی شرطوں سے بحث فرمائی ہے اور بے نظیر استدلال پیش کیا ہے!!

یعقوب بن اسحاق سے مروی ہے کہ میں نے بذریعہ تحریر حضرت ابو محمد علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ھل رای رسول اللّٰہ ربہ کیا رسول خداؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا تھا۔ تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا ان اللّٰہ تبارک وتعالیٰ اری رسولہ بقلبہ من نور عظمتہ ما احب بیشک خدا یتعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو انکے دل کی آنکھوں سے اپنے نور عظمت کو جیسا چاہا دکھا دیا (نہ یہ کہ آنکھوں سے حضرتؐ نے اسکو دیکھا ہو)۔

ایک بزرگ نے اس مطلب کی اور نئی طرز سے تشریح فرمائی ہے۔ ابو ہاشم جعفری کہتے ہیں۔ کہ میں نے ابو جعفر بن الرضا علیہ السلام سے دریافت کیا لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار سے کیا مطلب ہے (یعنی کہ خدا یتعالیٰ آنکھ سے نہ دکھائی دیگا اسکا کیا سبب ہے) تو آپ نے فرمایا یا اباھاشم اوھام القلوب ادق من ابصار العیون انت قد تدرک بوھمک السند والھند والبلدان التی لم تدخلھا ولم تدرکھا ببصرک فاوھام القلوب لاتدرکہ فکیف ابصار العیون "اے ابو ہاشم دل کی نگاہیں تو آنکھ کی نظر سے زیادہ باریک ہیں (دیکھو کہ) تم اپنے دل کی نگاہوں سے سند۔ ہند اور دیگر شہروں کو جن میں تم کبھی داخل نہیں ہوئے۔ اور نہ انکو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جانتے ہو (اور اس کی حقیقت کو پہچانتے ہو) پس جبکہ دل کی نگاہیں خدا یتعالیٰ کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتیں اور اُسے دیکھ نہیں سکتیں۔ تو آنکھوں کی نگاہیں کیونکر اُسے ادراک کرسکینگی۔

آخر میں اسقدر اور کہنا مقصود ہے کہ مدعیان دیدار خدا یتعالیٰ قرآن مجید کی ایک آیت پیش کرتے ہیں جسکو اپنے دعوے کی دلیل کافی سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ مگر پہلے اسقدر کہہ دینا ضروری ہے کہ اس آیت کے معنی میں جسقدر مجازات اور استعارات ہیں اور جو احتمالات لغوی معنوں میں ہیں وہ ہرگز اس آیت کو خصم کے لئے دلیل نہیں ہونے دیتے۔ اول تو وجوہ میں مجاز ہے کیونکہ اگر دیکھنے کی نسبت کیجاتی ہے تو آنکھ کیطرف نہ چہرے کیطرف۔ دیکھنا آنکھ کا فعل ہے نہ چہرہ کا۔ چہرہ آنکھ نہیں ہے۔ بلکہ آنکھ آنکھ ہے۔ پس رویت کی نسبت وجوہ کیطرف مجازی ہے۔ نیز ناضرۃ میں استعارہ ہے۔ نضارت باغ سبز پھول وغیرہ کی حقیقی صفت ہے نہ چہرہ کی۔ نیز الیٰ جسطرح بمعنی "طرف" کے ہے اور حرف جر ہونیکا

احتمال رکھتا ہے اُسیطرح بمعنی نعمت ہونیکا بھی احتمال رکھتا ہے۔ اِلیٰ کے لغوی معنی نعمت کے ہیں (دیکھو کتب لغت) پھر لفظ ناظرۃ جسطرح بمعنی دیکھنے والے کے ہے۔ اسی طرح بمعنی منتظر بھی ہے۔ پھر باوجود اسکے کہ الیٰ بمعنی طرف ہو۔ جس طرح اِلیٰ ذات ربہا کا احتمال ہے۔ اُسی طرح الیٰ ثواب ربہا یا الیٰ رحمۃ ربہا ناظرۃ کا بھی محتمل ہے۔ پس جبکہ آیت میں اتنے احتمال موجود ہیں۔ تو انمیں سے کسی خاص معنی کو جو بالخصوص عقل کے خلاف ہو۔ مراد لینا سوائے اسکے کہ عقل سے جنگ کرنا ہے اور کیا کہا جا سکتا ہے

لفظی معنی اس آیت کے کئی ہو سکتے ہیں (۱) کچھہ لوگ اُس دن خوش و خورم ہونگے۔ اپنے پروردگار کی نعمت کو دیکھ رہے ہونگے (۲) کچھہ لوگ ایسے ہونگے جو خوش و خورم اپنے پروردگار کے ثواب کے منتظر ہونگے (۳) کچھہ چہرے ایسے ہونگے جو تروتازہ ہونگے اپنے پروردگار کے منتظر ہونگے۔ کہ کب وہ ہماری طرف اپنے ثواب بیحساب کو بھیجتا ہے (۴) کچھہ چہرے یعنی آنکھیں ایسی ہونگی۔ جو اپنے پروردگار کو دیکھ رہی ہونگی

تواب میں مدعی رویت سے صرف اسقدر سوال رکھتا ہوں۔ کہ اس آیت سے صرف چوتھے معنی مراد لینے اور باقی تین معنوں کی پروا نکرنی حالانکہ قرینہ انکا موجود ہے۔ اور اس معنی کے خلاف دلائل عقلیہ موجود ہیں۔ کس سبب سے ہے۔ آیا مقتضی اسکا ایمان ہے یا ہٹ دھرمی۔ اگر ہٹ دھرمی اسکی مقتضی ہے تو ہمیں اس سے کچھہ بحث نہیں اور اگر ایمان اسکا مقتضی ہے۔ تو میں پوچھتا ہوں۔ کہ اس نے کس دلیل سے اس رائے کو اختیار کیا کہ خدا تعالیٰ ضرور دکھائی دیگا۔ جبکہ وہ خود بڑے زور سے منکر ہے اور فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ اُسکو آنکھیں نہ دیکھ سکینگی ؛

پس اگر ہم کہیں کہ ناظرۃ بمعنی منتظرہ ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔ (۱)

اِنِّیْ اِلَیْكَ لِمَا وَعَدْتَ لَنَاظِرٌ

میں تیرے وعدہ کا منتظر ہوں۔ اور جیسا کہ دوسرا شاعر کہتا ہے ٥

وَیَوْمَ بِذِیْ قَارٍ رَأَیْتُ وُجُوْهَهُمْ + اِلَی الْمَوْتِ مِنْ وَقْعِ السُّیُوْفِ نَوَاظِرٌ

(ذی قار میں بعض دن ایسے بھی گذرے ہیں کہ میں نے اُن (اہل مقابلہ) کے چہرونکو دیکھا کہ تلوار کے پڑنے کی وجہ سے موت کے منتظر تھے۔ ان دونوں کلاموں سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ ناظرہ بمعنی منتظرہ آیا ہے اور دوسرے یہ کہ جو ناظرہ بمعنی منتظر آیا ہے اُسکا صلہ حرف اِلیٰ بھی آیا ہے۔ نیز شاہد معنی منتظرہ قول خدا تعالیٰ ہے جو حکایت کلام بلقیس میں فرمایا ہے اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ (البتہ میں حضرت سلیمان کیطرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں۔ پھر انتظار کرتی ہوں کہ ایلچی کیا جواب لاتے ہیں تو کیا اعتراض لازم آتا ہے۔ یا اگر ہم کہیں۔ کہ اِلیٰ بمعنی نعمت ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے ٥ اَبْیَضُ لَا یَرْهَبُ الْهُزَالَ وَلَا یَقْطَعُ رِحْمًا وَلَا یَخُوْنُ اِلًی

---

٥ نام موضع۔

الیٰ یخونُ نعمتہٗ تو کیا خرابی لازم آتی ہے۔

یا اگر ہم کہیں کہ الیٰ بمعنی عند ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

فھل لکم فیما الیّ فانّنی ٭ طبیب بما اعییٰ النطاسیّ حذیما

جسکی بنا پر یعنی آیت یہ ہونگے۔ کہ کچھ لوگ ایسے ہونگے۔ جو اپنے پروردگار کے نزدیک خوش وخورم ہونگے اور انتظار کرتے ہونگے۔ کہ کب ہمارے لئے وہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔ جسکا وعدہ خُدا نے فرمایا ہے۔ تو کیا نقص لازم آتا ہے۔ یا اگر ہم کہیں کہ اچھا الیٰ ربّھا ناظرہ کے وہی معنی سہی۔ جو تم دیکھتے ہو۔ لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اُسوقت روح کو چونکہ کمال صفائی اور ضیا حاصل ہوگی۔ اس لئے اُسے پُوری معرفت اپنے معبود کی ہوگی۔ اور جو شبہات آج ان علائق جسمانیہ کیوجہ سے اُسے واقع ہوتے ہیں۔ اُسوقت نہ واقع نہ ہونگے۔ تو تمہارے پاس اس خیال کے رد کرنیکی کیا دلیل ہے۔

بہر حال خصم چونکہ مدعی ہے اس لئے بار ثبوت اسکے ذمہ پر ہے اور اُسے لازم ہے کہ اس آیت سے صرف رویت باریتعالیٰ کو ثابت کردے اور باقی معانی جو بیان کئے گئے ہیں اُنکی دلیل سے نفی کردے۔ ورنہ یہ مسئلہ اس آیت سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔ علاوہ اسکے کہ دلائل عقلیہ اور دیگر نصوص قرآنیہ بھی اسکے منکر ہیں۔ مثلاً وہی آیۃ لیس کمثلہ شئیٌ اُس کے مثل کوئی شے نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنی چیزیں عالم میں ہیں مسموعات۔ مبصرات۔ مشمومات۔ مذوقات۔ ملموسات ہیں۔ ان سب کے برخلاف اور جُدا گانہ ذات باریتعالیٰ ہے۔ پس اُسکا دیدار آنکھ سے کس طرح ممکن ہوسکتا ہے۔ ہاں دل سے دیکھنے کا انکار نہیں تراہ القلوب بحقائق الایمان۔ واللہ الہادی۔

دسواں باب علم خُدا یتعالیٰ کے بیان میں

یہ مطلب اگرچہ نہایت دقیق مطالب میں سے ہے اور اسمیں بحث کرنی اور اُسکو ایسا عام فہم بنانا جس سے ہر دماغ مانوس ہوسکے۔ مشکل ہے۔ مگر میں اُس طرز پر لکھنا نہیں چاہتا۔ جو قدما مصنفین رحمہم اللہ کا طریقہ تھا جسمیں مبحث کے تمام مالہ اور ما علیہ سے بحث ہوتی تھی بلکہ اصل معاملہ کو صاف لفظوں میں ادا کرونگا۔ اگر خُدا نے مدد کی۔

یہ تو شاید ہر عاقل کو زمانہ موجودہ میں بالیقین معلوم ہوگا۔ کہ خدا یتعالیٰ عالم ہے۔ لیکن چونکہ اس مسئلہ میں غور کرتے وقت بہت سے لوگوں کو لغزشیں ہوگئی ہیں۔ اور اس وجہ سے بہت سے اختلاف انمیں پیدا ہوگئے ہیں۔ اسوجہ سے کسیقدر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کے خیالات موٹے لفظوں میں عام فہم بیان کردیئے جائیں اور ہلکی ہلکی انکی تائید یا عدم تائید بھی ظاہر کردی جائے معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ طبقہ حکمائے یونان سے لیکر طبقہ علمائے اسلام تک نے علم باریتعالیٰ کے معاملہ میں بہت کچھ اختلافات کئے ہیں۔ کسی کا یہ خیال ہے۔ کہ خدا یتعالیٰ کو کسی شے کا علم ہی نہیں

اور وہ اسکے وجوہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر باریتعالیٰ کو علم ہوگا۔ تو دو طرح سے ہو سکتا ہے یا تو اُسمیں صورتیں معلومات کی چھپ جائیں جیسے آئینہ میں صورت منقش ہو جاتی ہے۔ یا انسان کی آنکھوں میں۔ لیکن اسصورت میں لازم آئیگا کہ خدایتعالیٰ محل حوادث و اعراض ہو۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے اور یا اُس صورت سے ہوگا۔ کہ اشیاے معلومہ اُسکے سامنے موجود ہوں تو اس بناپر لازم آتا ہے کہ بغیر موجود ہوئے انکا علم نہ ہو مگر اس شبہ کا جواب صرف اسقدر ہے کہ انتقاش اور ارتسام (چھپ جانا) کے طور پر تو ہرگز اُسکو علم نہیں ہوتا۔ اسلیئے کہ وہ جسم نہیں ہے اور نہ جسمانی ہے بلکہ علم چونکہ بمعنی انکشاف وظہور کے ہے اور خدایتعالیٰ بھی مجرد تام ہے۔ جسکے لیئے ظلمانیت کا ہونا ناممکن ہے اس لیئے تمام چیزیں اُسکے سامنے ظاہر و منکشف رہتی ہیں۔ خواہ موجود ہوں یا موجود ہونیوالی ہوں۔ گذرچکی ہوں یا اب پیدا ہونیوالی ہوں۔ اور انکشاف وظہور کے واسطے موجود یہ شے یا ارتسام کی شرط نہیں ہے۔ لہذا یہ شبہ تو بالکل لغو ہے۔

بعض لوگوں نے یہ کہدیا ہے کہ خدایتعالےٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہوتا۔ البتہ اُن جزئیات کو بطور کُلی جانتا ہے۔ اُنکی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ جزئیات کو بھی جانے تو تغیر و تکثر اُسکی ذات میں لازم آئیگا مگر یہ شبہ بھی قابل اعتنا نہیں ہے۔ کیونکہ تغیر تو اُسوقت لازم آئے کہ اُس علم کا اثر اُس کی ذات پر کچھہ پڑے حالانکہ نہ خود جزئیات کا اثر اُسپر ہوتا ہے اور نہ اُنکے علم کا۔ بلکہ وہ جزئیات جس حالت۔ صورت اور کیفیت پر ہیں۔ اُنہیں حالتوں۔ صورتوں اور کیفیتوں سے اُسکے سامنے روشن ہیں۔ اسکی نظیر شمع کی روشنی کو مثلاً فرض کرو۔ کہ اُسکی روشنی میں۔ آدمی کھڑا ہو۔ پھر بیٹھ جائے پھر لیٹ جائے۔ پھر کھڑا ہو جائے۔ پھر چلنے لگے۔ تو روشنی پر اُسکی ان حالتوں کا اثر نہیں پڑتا بلکہ جسطرح اُسکی روشنی اُس شخص پر پہلے پڑ رہی تھی۔ اُسیطرح اب بھی پڑتی ہے۔ صرف اگر تغیر ہوا ہے تو اُس شخص میں اور اُسکی حالات جزئیہ میں علےٰ ہذا القیاس خدایتعالیٰ کے سامنے بھی سب چیزیں روشن۔ واضح اور ظاہر ہیں۔ جس حالت میں بھی ہوں۔ اور اُن حالتوں کا اُس پر اثر نہیں پڑتا۔ اگرچہ شمع کی روشنی کو خدایتعالےٰ سے کوئی مناسبت نہیں اور نہ اس انکشاف پر اُس انکشاف کا قیاس کیا جاسکتا ہے کیونکہ لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر لیکن صرف سمجھانے کے لئے یہ نظیر بیان کردی ہے۔

اور چونکہ یہ خیال یعنی کہ باریتعالیٰ کو علم نہ ہونا بہت سے وجوہ و دلائل سے غلط بلکہ خیال مہمل ہے۔ اسوجہ سے علماے اسلام اور حکماے سابقین نے اسکو نہایت ذلت کی نظر سے دیکھا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ خدایتعالیٰ کے عالم ہونے کے بہت سے دلائل ہیں منجملہ اُنکے ایک یہ ہے کہ اُس سے جسقدر افعال سرزد ہوئے۔ مثلاً آسمانوں کا پیدا کرنا ستاروں کا خلق فرمانا۔ عناصر کی ایجاد۔

مو الید ثلاثہ حیوانات و نباتات و جمادات کا ابداع ملائک و جن و روح و نفس و قوے کا اختراع اور انمیں ہزاروں ہزاروں حکمتوں صنعتوں تدبیروں اور مصلحوں کا ہونا ایسے ہیں جو صاف طور پر پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ انکا موجد و خالق بہت بڑا حکیم ہے اور جو حکیم ہوگا۔ اُسے عالم ہونا بھی ضروری ہے۔ لہذا خدا تعالیٰ عالم ہے

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے من الدلیل علیٰ ان اللہ تعالیٰ عالم ان الافعال المختلفۃ التقدیر المتضادۃ التدبیر المتفاوتۃ الصنعۃ لا یقع علیٰ ما ینبغی ان یکون من الحکمۃ ممن لا یعلمہا و لا یستمر علیٰ منہاج منتظم ممن یجہلہا الا تریٰ انہ لا یصوغ قرطاً یحکم صنعتہ و یضع کلا من دقیقہ و جلیلہ موضعہ من لا یعرف الصیاغۃ و لا ان ینتظم کتابۃ یتبع کل حرف منہا ما قبلہ من لا یعلم الکتابۃ و العالم الطف صنعۃ و ابدع تقدیراً مما وصفناہ فوقوعہ من غیر عالم بکیفیتہ قبل وجودہ ابعد و اشد استحالۃ" اللہ تعالیٰ کے عالم ہونے پر یہ دلیل ہے۔ کہ مختلف اندازوں کے کام اور مختلف تدبیروں کے فعل اور رنگ برنگ کی صنعتوں کے امور جیسی حکمتوں پر مشتمل ہونے چاہئیں۔ ویسے کسی ایسے شخص سے واقع نہیں ہوسکتے۔ جو اُن حکمتوں تدبیروں اور صنعتوں کو نہ جانتا ہو اور نہ طریق منتظم پر قائم رہ سکتی ہیں۔ ایسے شخص کے بنانے سے جو اُن سے ناواقف ہو۔ دیکھو کہ بُندہ (جو کان میں پہنا جاتا ہے) اُسے کوئی ایسا شخص جو اسکی باریک اور موٹی باتوں کو اچھی طرح نہ جانتا ہو۔ اور اُسکو عمدہ نہ بنا سکتا ہو۔ (ہرگز) بنا نہیں سکتا۔ (اگر کسی ناواقف بچے سے کہو کہ بھائی یہ سونے کا بُندہ یا اور کوئی زیور بنا دو وہ ہرگز نہیں بنا سکیگا) اور نہ وہ شخص جس نے لکھنا نہ سیکھا ہو اور اُسکا علم نہ رکھتا ہو۔ حروف کو انتظام سے لکھ سکتا ہے (کیونکہ اُسے کیا معلوم کہ کونسا حرف اوپر ہونا چاہیے۔ کونسا نیچے۔ سطریں کسطرح سیدھی لکھی جاتی ہیں۔ دوائر کس طرح بنائے جاتے ہیں۔ حرفوں کی کرسی کیونکر برابر رکھی جاتی ہے۔) تو جبکہ یہ معمولی چیزیں بغیر جاننے والے کے حکمت و صنعت کے ساتھ نہیں بن سکتیں تو عالم (جوکہ) صنعت و تقدیر میں زیادہ لطیف و بدیع ہے اُسکا پیدا ہونا ایسے شخص سے جو اُسکی کیفیتوں کا عالم نہ ہو۔ (کیونکر ممکن ہے ہرگز نہیں بلکہ) بہت دور اور سخت محال ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے جتنے افعال ہیں۔ وہ قدرت و اختیار سے ہوئے ہیں۔ اور قدرت و اختیار سے کسی فعل کا ہونا بغیر علم کے بالکل خلاف عقل ہے کیونکہ جو شخص اپنے اختیار سے کوئی کام کریگا۔ ضرور اُسے جانتا بھی ہوگا۔ کہ یہ کیا کام ہے اور کیونکر ہوگا اور اسکا انجام کیا ہے۔ ۲

تیسری دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ از بسکہ مجرد ہے اور اُسمیں مادہ کا بالکل شائبہ نہیں۔ ۳
جسکی وجہ سے تاریکی اور عدم ظہور و کشف اور جہالت ہوتی ہے۔ تو لامحالہ اُسکو عالم ہونا چاہیئے کیونکہ

جب عدم علم کے موانع سب مرتفع ہو چکے ہیں تو اگر پھر بھی عالم نہ ہو۔ تو ارتفاع نقیضین لازم آئیگا۔ یعنی کہ عالم بھی نہ ہو۔ اور لا عالم بھی نہ ہو۔ حالانکہ یہ محال ہے۔ پس عالم ہونا اُسکا لازم وواجب ہے !!

۴ **چوتھی** دلیل یہ ہے کہ جب اُسکے بعض مخلوقات مثل حیوانات اور ملائکہ وجن کے قوت عاقلہ رکھتے ہیں۔ اور انکو ہر اُس شے کا علم ہوتا ہے۔ جو اُنکے سامنے ہے اور اکثر اُن امور کا بھی علم ہوجاتا ہے۔ جو آئندہ حادث ہونیوالے ہیں۔ یا پہلے ہو چکے ہیں۔ تو اُنکا خالق جو ان سے زیادہ قوی ہے کیونکر عالم نہ ہوگا۔

۵ **پانچویں** دلیل یہ ہے کہ چونکہ خدا تعالی اپنی ذات کو ضرور جانتا ہے۔ کیونکہ وہ خود اپنے سامنے حاضر ہے (جیسے انسان اپنے تئیں جانتا ہے۔ کہ میں ہوں۔ اسوجہ سے کہ وہ اپنے سامنے ہر وقت آپ موجود ہے) اس لیئے ضرور ہے کہ وہ اوروں کے حالات وکیفیات وماہیات کا بھی عالم ہو۔ کیونکہ تمام جہاں کی چیزونکی وہی علت ہے اور علت کا علم مستلزم ہے معلول کے علم کو۔ تو جبکہ اُسنے اپنے تئیں جانا جو کہ علت ہے تو اور چیزونکو بھی ضرور جانتا ہوگا۔ جو معلول ہیں۔

۶ **چھٹی** دلیل سمعی ہے اور وہ انبیا علیہم السلام کا بیان کرنا کہ خدا تعالی عالم ہے کیونکہ کوئی نبی مرسل ایسا نہیں آیا جسنے یہ بتایا ہو کہ خدا تعالی جاہل ہے بلکہ سب نے متفق اللفظ اُسکے علم کی شہادت دی اور ازبسکہ وہ عادتاً اور عقلاً جھوٹ نہیں بولتے اور نہ بول سکتے تھے اسلیئے اُنکا کلام سچا ہی ہوگا

یہانتک تو دلیلونکی رو سے مان لیا گیا کہ خدا تعالی عالم ضرور ہے۔ مگر اسکے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ کس طرح عالم ہے اور اُسکا علم کیا ہے اور یہ وہ مصیبت ہے جسمیں حکماء یونان سے لیکر متکلمین اسلام تک سب مبتلا ہیں۔ اور تقریباً کسی کو بھی اس مصیبت سے نجات نہیں ملی۔ اور سبب اُسکا صرف یہ ہے کہ **ایک** تو ایسے امر میں عقل دوڑائی ہے جسمیں اُسے رسائی ہے نہیں۔ جبکہ خدا تعالی کی حقیقت کا ہی کسی کو علم ممکن نہیں تو اُسکے صفات کا علم کما حقہ کیونکر ممکن ہوگا۔ میرے خیال میں تو ان لوگونکو اس معاملہ میں یہیں سکوت کرنا لازم تھا کہ جس طرح بمجبوری دلائل اُسکے وجود کو مان لیا ہے گو اسکی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں۔ حتی کہ رسولؐ کو بھی اُسکی کنہ وماہیت کا علم نہ ہو سکا (کیونکہ محال ہے) علےٰ ہذا القیاس یہاں بھی اسیقدر پر اکتفا کرنی چاہیئے تھی کہ وہ **عالم** ہے کیونکہ دلیلیں اس امر کے ماننے پر مجبور کر رہی ہیں لیکن یہ کہ وہ کس طرح عالم ہے اُسکا علم کیا ہے ؟ اسکا دریافت کرنا قبل از وقت اور غیر ضروری تھا۔ مگر جتنی ہی اسکی ضرورت نہ تھی اُتنی ہی سب نے اسمیں کوشش کی اور ساری قوت علمیہ اپنی یہیں لاکر صرف کردی ہے کوئی دقیقہ زور لگانے کا چھوڑا نہیں۔ لیکن سوائے محرومی کے اور کچھہ ہاتھ نہ آیا۔ علاوہ ازیں ان لوگوں نے حقیقی عالموں سے بھی اس معاملہ میں مدد نہ لی۔ کاش یہی کیا ہوتا تو اس مصیبت میں نہ پڑتے اور اس مشکل سے صاف چھوٹ جاتے ؟

اگر تمام تفصیل اس معاملہ کی معلوم کرنی ہو۔ تو صدر الدین شیرازی کی اسفار یا کتاب عماد الاسلام

مولانا سید دلدار علی اعلی اللہ مقامہٗ کی ملاحظہ کرنی چاہیئے۔ اور اگر اجمالاً بغیر مالہ اور ما علیہ کے معلوم کرنا ہو۔ تو اس تھوڑے سے بیان سے حاصل ہونا ممکن ہے۔ جو اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔

سب سے پہلے اس مصیبت میں افلاطون کو ابتلا ہوا جو اس امر کے قائل ہو گئے کہ خدا تعالیٰ کا علم ۱
مجردہ اور عقلیہ صورتیں ہیں انہیں کے ذریعے سے خدا تعالیٰ ہر شئے کو جانتا ہے اسی کو لوگ مثل افلاطونیہ بھی کہنے لگے ہیں۔ کیونکہ مثل بمعنی صُور ہے مگر اس رائے کی غلطی یوں معلوم ہوتی ہے۔ کہ اولاً تو خدا تعالیٰ کو اپنے علم میں غیر کا محتاج ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ جب صورتیں اُسکا علم ٹھہریں اور وہ اُسکی ذات پاک کے مغائر ہیں تو اُسے ضرورت پڑی کہ جب تک یہ صورتیں نہ ہوں۔ اُسے علم ہی نہ ہو۔ نیز یہ کہ لازم آتا ہے کہ ازل میں خدا تعالیٰ جاہل ہو۔ اسلئے کہ یہ صورتیں یقیناً حادث ہیں اور جب انکا وجود ہو چکا تب جا کر یہ علم بنیں اور پہلے وہ ناواقف تھا۔ حالانکہ اگر اُسکا جہل تسلیم کیا جائے اگرچہ ازل ہی میں کیوں نہ ہو۔ تو خلق عالم کا مسئلہ دشواری میں پڑتا ہے۔ حالانکہ اُسے خالق عالم تسلیم کیا گیا ہے۔

اور جب اس خیال کی غلطی معلوم ہوئی تو بچھلو نیس فرفوریوس نے جو ارسطو کا شاگرد ہے یہ ۲
رائے اختیار کی کہ علم خدا تعالیٰ اُسکی ذات سے علیحدہ تو نہیں ہے۔ ورنہ احتیاج لازم آئیگی۔ جو محال ہے مگر یہ کہ وہ صورتیں اُسکی ذات سے متحد ہیں۔" اس رائے کو بھی غلط سمجھا گیا ہے کیونکہ واجب و ممکن کا اتحاد ناممکن ہے۔ جب صورتیں ممکن ہیں۔ تو واجب الوجود سے کیونکر متحد ہوئیں۔

اور جب اس رائے کی غلطی معلوم ہوئی تو بہمنیار وغیرہ نے یہ رائے اختیار کی کہ ممکنات ۳
کی صورتیں بطور حصول ذہنی کے ذات خدا تعالیٰ میں قائم ہیں مگر بروجہ کلی نہ بروجہ جزئی۔ اور اس مطلب کو یوں بیان کرتے ہیں کہ جیسے معمار عمارت بنانے سے پہلے تمام نقشہ مکان اپنے ذہن میں حاضر کر لیتا ہے اور جسطرح کوئی مصنف قبل تصنیف کتاب کے تمام مضمون کو بروجہ کلی اور اجمالاً ذہن میں موجود کر لیتا ہے اور اُسی کے مطابق معمار عمارت بناتا اور مصنف کتاب تصنیف کرتا ہے۔ اُسی طرح یہ اشیاء حادثہ خدا تعالیٰ کی ذات میں موجود ہیں۔"

مگر اسمیں بھی یہ خرابی ہے کہ اوّل تو ذات خدا تعالیٰ کے لئے محل اعراض ہونا لازم آتا ہے۔ جو کسی طرح قابل قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ خود ہی قائل ہیں کہ بروجہ کلی ان اشیاء کا عالم ہے جس سے نفی علم جزئی کی ثابت ہوتی ہے۔ حالانکہ جب وہ عالم ہے تو بطور کلی اور بطور جزئی ہر طرح سے عالم ہے اور اگر نہیں۔ تو کسی طرح نہیں عالم ہے۔ اس نقص کے پیدا کرنیکی کیا ضرورت ہوئی۔ کہ کلیۃً تو عالم ہے۔ مگر جزئیۃً غیر عالم ہے۔

اور جب اس سے بھی ہٹے تو یہ کہا کہ جتنی بھی موجودات ممکنہ ہیں وہ سب کی سب اپنے موجود ۴

ہونے سے پہلے موجود تھے۔ اور وہی انکا موجود ہونا باریتعالی کا علم ہے"۔ یہ بھی خوب کہی کہ موجودات علاوہ ممکنہ اپنے موجود ہونے سے پہلے موجود ہیں۔ یہ بزرگی فرقہ معتزلہ کی ہے۔ اگرچہ ان بیچاروں نے یہ کوشش کی ہے کہ ہم خدایتعالی کو ازلی اور ابدی عالم ثابت کردیں۔ مگر رفتار وہ اختیار کی۔ جو محال ہے یعنی معدومات کا قبل وجود موجود ہونا جو کسی عقل میں نہ آوے۔

غرض اس طرح کے اور بہت سے اقوال لایعنی بہاہیں۔ جو علم باریتعالی کی بابت کتابوں میں درج ہیں مگر **حق حقیق** اور قول فیصل وہی ہے جو مسلک رسول کے سچے جانشینوں نے بتایا ہے۔ یعنی کہ جمیع صفات کمالیہ خدایتعالی کے عین ذات ہیں۔ قدرت بھی اُسکی عین ذات ہے۔ حیات بھی علم بھی۔ ادراک بھی وغیر ذلک۔ کیونکہ اس بناپر کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا۔ جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے ابان بن احمر کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت کی خدمت میں کی کہ آپ مجھے بتائیں۔ کہ خدایتعالی ہمیشہ سے سمیع وبصیر وعلیم وقادر ہے؟ آپنے فرمایا ہاں۔ پھر میں نے عرض کی ایک شخص جو آپ لوگوں کی محبت کا دعوی رکھتا ہے۔ کہتا ہے کہ خدایتعالی سماعت سے سمیع ہے۔ بصارت سے بصیر ہے علم سے علیم ہے۔ قدرت سے قادر ہے (یعنی یہ سب صفات اُسکی ذات سے علیحدہ ہیں اور پھر اس میں پائی جاتی ہیں) راوی کہتا ہے کہ حضرت کو یہ سنکر غصہ آگیا اور فرمایا کہ جو شخص یہ کہتا ہے۔ وہ مشرک ہے۔ اور ہماری ولایت سے خارج ہے (کیونکہ اس خیال کے بموجب وہ بہت سے قدماء کے وجود کا قائل ہوگیا) اِنَّ اللّٰہ تبارک تعالی ذاتٌ علامۃ سمیعۃ بصیرۃ قادرۃ (ایسا نہیں جو وہ کہتا ہے بلکہ) بیشک خدایتعالی ایک ذات علامہ سمیع وبصیر وقادر ہے" (نہ یہ کہ اسکی قدرت وبصارت وسماعت وعلم اُسکی ذات سے علیحدہ ہیں)

حسین بن خالد سے روایت ہے کہ میں نے جناب امام رضا علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا لم یزل اللہ تبارک وتعالی عالماً قادراً حیاً قدیماً سمیعاً بصیراً "ہمیشہ سے خدایتعالی عالم۔ قادر حی۔ قدیم۔ سمیع اور بصیر ہے۔ تو میں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خدایتعالی علم سے عالم ہے۔ قدرت سے قادر ہے۔ حیوۃ سے زندہ ہے۔ قدم سے قدیم ہے سمع سے سمیع ہے بصر سے بصیر ہے (یعنی اُسکے صفات کمالیہ زائد بر ذات ہیں آپنے فرمایا جو شخص اس کا قائل ہے اس نے خدایتعالی کے ساتھ اور کئی خدا بنالیے۔ اور وہ ہماری ولایت سے خارج ہے۔ پھر آپنے فرمایا لم یزل اللہ عزوجل عالماً قادراً حیاً قدیماً سمیعاً بصیراً لذاتہ وہ اپنی ذات سے ہمیشہ سے عالم۔ قادر۔ زندہ۔ قدیم اور سمیع وبصیر ہے۔ تعالی عما یقول المشرکون و المشبہون علواً کبیرا۔ یہ جو مشرکین ومشبہین اُسکی نسبت کہتے ہیں اس سے خدایتعالی بالاتر ہے" (یعنی اُسمیں وہ امور نہیں جنکے قائل یہ فرقہ مشرکین ہیں)

نیز جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ان اللہ تبارک و تعالیٰ کان لا شئ غیرہ نوراً لا ظلام فیہ و صادقاً لا کذب فیہ و عالماً لا جھل فیہ و حیاً لا موت فیہ و کذالک ھو الیوم و کذالک لا یزال ابداً۔ (توحید بحار) بیشک خدا یتعالیٰ موجود تھا اور اُسکے ساتھ کوئی شے نہ تھی۔ (یعنی ایک وہی قدیم ہے اور باقی تمام چیزیں حادث ہیں) وہ نور ہے جسمیں ظلمت نہیں ہے۔ اور صادق ہے جسمیں کذب نہیں۔ اور عالم ہے جسمیں جہالت نہیں اور حی ہے جسمیں موت نہیں۔ اور ایسا ہی وہ آج ہے اور ایسا ہی وہ ہمیشہ رہیگا۔

نیز جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپنے فرمایا لم یزل اللہ جل و عز ربنا والعلم ذاتہ ولا معلوم والسمع ذاتہ ولا مسموع والبصر ذاتہ ولا مبصر والقدرۃ ذاتہ ولا مقدور فلما احدث الاشیاء وکان المعلوم وقع العلم منہ علی المعلوم والسمع علی المسموع والبصر علی المبصر والقدرۃ علی المقدور ہمیشہ سے ہمارا خدائے عزوجل ایسا ہے کہ علم اُسکا عین ذات ہے۔ جبکہ کوئی معلوم نہ تھا۔ تب بھی عالم تھا اور سمیع اُسکا نفس ذات ہے۔ جبکہ کوئی چیز مسموع نہ تھی۔ تب بھی وہ سمیع تھا۔ اور بصر اُسکی نفس ذات ہے۔ جبکہ کوئی مبصر نہ تھا۔ تب بھی وہ بصیر تھا۔ اور قدرت اُسکی عین ذات ہے جبکہ کوئی مقدور نہ تھا تب بھی وہ قادر تھا۔ پھر جب اُس نے اشیائے عالم کو حادث کیا اور معلوم کا وجود ہوا تو اسکا علم ذاتی اُس معلوم پر واقع ہوا۔ اور اسکا سمع مسموع پر اور اُسکی بصر مبصر پر اور قدرت مقدور پر۔" راوی نے کہا میں نے دریافت کیا کہ آیا وہ ہمیشہ سے متکلم بھی تھا تو آپنے فرمایا کہ کلام تو صفت حادثہ ہے۔ ازلی صفت نہیں ہے۔" (توحید بحار)

جب یہ بات معلوم ہو چکی۔ تو اُن آیات پر غور کرنا چاہیئے۔ جو خدا یتعالیٰ نے اپنے علم کی نسبت آپ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ اس مضمون کو خدا یتعالیٰ نے تقریباً ایک سو پچیس مقام پر قرآن میں ذکر فرمایا ہے اور اپنے علم کی وسعت ظاہر کی ہے اور غالباً اس سے غرض یہی ہو گی۔ کہ اسقدر جو اختلافات لوگوں میں ہیں۔ وہ بالکل فضول ہیں۔ بلکہ خدا یتعالیٰ ہر شے کا ہر حیثیت سے ہر وقت عالم ہے سورہ بقر میں ایک موقع پر ارشاد فرماتا ہے وھو بکل شئ علیم وہی (معبود حقیقی) ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے اس آیت میں خدا یتعالیٰ نے بجائے عالم کے علیم فرمایا ہے اور غرض یہ ہے کہ عالم اسم فاعل ہے جسکے معنی میں ثبوت و دوام و استقرار نہیں ہے۔ عالم اُسوقت کسی کو کہینگے جبکہ اُسے کسی شے کا علم حاصل ہو۔ اسمیں حالت سابقہ اور مسبوقہ دونوں سے بحث نہیں ہے برخلاف علیم کے کہ یہ لفظ صفت مشبہ ہے جسمیں اتصاف ذات بطور استقرار و دوام کے سمجھ میں آتی ہے چونکہ خدا یتعالیٰ بحسب ذاتہ عالم ہے۔ بلکہ خود ہی عین علم ہے۔ تو اُسکے علم کے واسطے کوئی وقت وقوع اور حدوث کا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہ صفت ذاتیہ ہے۔ جسکا انفکاک نہیں ہو سکتا

تو لفظ علیم سے اس امر کو واضح کیا ہے - کہ خدا تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے - عام اس سے کہ وہ اسوقت
موجود ہو یا معدوم - ظاہر ہو یا باطن - دلی خیالات ہوں - یا زبانی گفتگو - آہستہ ہو یا بلند آواز سے - کوئی
شے کسی وقت اُسکے علم سے غائب نہیں ہے - اس عموم کو خدا تعالیٰ نے فرد فرد کرکے بھی بیان کر دیا
ہے - اور ظاہر کر دیا ہے کہ جن لوگوں کو یہ خیال ہے کہ خدا تعالیٰ جزئیات کا علم نہیں رکھتا وہ خیال غلط
۲ ہے - چنانچہ اسی سورہ بقر میں ایک مقام پر فرماتا ہے وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم
۳ تم جو نیکی کرو - اُس سے خدا تعالیٰ واقف ہے دوسرے مقام پر فرماتا ہے واللہ یعلم المفسد من المصلح
اللہ تعالیٰ فسادی آدمی اور اصلاح کرنیوالے کو علیحدہ علیحدہ جانتا ہے - یعنی اُسکو مفسد اور مصلح کے
فساد اور اصلاح کا اور خود اُن دونوں کا علم ہے کہ کون انمیں فسادی ہے - اور کون اصلاح کرنیوالا
۴ ایک اور مقام پر اسی سورہ میں فرماتا ہے واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر - جان لو کہ خدا تعالیٰ
۵ جانتا ہے اُن کاموں کو جو تم کرتے ہو - پھر دوسرے مقام پر فرماتا ہے یعلم ما بین ایدیہم وما
خلفہم خدا تعالیٰ اُن چیزوں کا علم رکھتا ہے جو اُن (آدمیوں) کے سامنے یا پیچھے ہے - یعنی اُن چیزوں کو
بھی جانتا ہے جو اُنکے پیش نظر ہے اور اُنکے سامنے موجود ہے - جیسے یہ لوگ بھی جانتے ہیں اور اُن
چیزوں کو بھی جانتا ہے جسکی ان لوگوں کو خبر بھی نہیں - اور اسے ما خلفہم سے تعبیر فرمایا ہے - کیونکہ
انسان اکثر اپنے پس پشت کی چیزوں کا حال نہیں جانتا کہ کیا ہے تو گویا وہ شے اُس سے غائب ہے -
لہذا غائب اور نا معلوم کو اس لفظ سے بیان فرمایا ہے - اور اس سے عموم علم جزئیات و کلیات کا
۶ ثابت ہوتا ہے - پھر ایک مقام پر فرمایا ہے وما انفقتم من نفقۃ او نذرتم من نذر فان
اللہ یعلمہ - جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو راہ خدا میں - یا جو کوئی نذر تم سے واقع ہوئی ہو - اللہ تعالیٰ اُسکو
۷ بھی جانتا ہے - نیز سورہ آل عمران میں فرمایا ہے قل ان تخفوا ما فی صدورکم او تبدوہ
یعلمہ اللہ ویعلم ما فی السموات وما فی الارض - اے ہمارے حبیب (ان لوگوں
سے) کہدو کہ چاہو تم اپنے دلوں کی باتوں کو چھپاؤ یا اُسے ظاہر کرو اللہ تو اُسکو جانتا ہے - اور جو کچھ آسمانوں
۸ میں اور جو کچھ زمین پر ہے اُسے بھی جانتا ہے - پھر فرمایا ہے وما تنفقوا من شیء فان اللہ بہ
علیم - تم جو کچھ بھی راہ خدا میں خرچ کرو - پس بیشک اللہ تعالیٰ اُسکا جاننے والا ہے " - اور جب جانتا
ہے تو ضرور ہے کہ اُسکا نیک معاوضہ بھی دیگا - کیونکہ خدا تعالیٰ کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا -
۹ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین - اسپر شاہد ہے - پھر فرمایا ہے واللہ علیم بالمتقین
خدا تعالیٰ جانتا ہے - پرہیزگاروں کو یعنی کہ کون پرہیزگاری کے عمل کرتا ہے اور کون اسکے خلاف
۱۰ اور جو پرہیزگار ہے اُسکو اُسکے عمل کے موافق جزا دیتا ہے - پھر فرمایا ہے ولیعلم المؤمنین ولیعلم
الذین نافقوا - خدا تعالیٰ مومنوں کو جانتا ہے اور اُن لوگوں سے بھی واقف ہے جو نفاق
رکھتے ہیں - اس آیت میں خدا تعالیٰ نے منافقوں پر ظاہر کر دیا ہے کہ تم لوگ جو ظاہر میں اسلامی

برتاؤ کرتے ہو اور باطن میں کافر ہو۔ اور اپنے اس عمل کو ہمارے رسول سے چھپاتے ہو اور لوگوں
پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ تو کیا پروا ہے خدا تعالیٰ تو تمہارے اس عمل کو جانتا ہے۔ اور اس سے
اپنے رسول کو مطلع فرما دیتا ہے پھر بلحاظ عموم تعلق علم فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہ کان بکل شیء علیماً ١١
بیشک خدا تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ پھر اپنے علم کے دائرہ کی وسعت کو یوں ارشاد فرمایا ہے۔ ١٢
یستخفون من الناس ولا یستخفون من اللّٰہ وھو معھم اذ یبیتون ما لا
یرضیٰ من القول وکان اللّٰہ بما یعملون محیطاً ۝ یہ لوگ اپنے راز آدمیوں سے تو چھپاتے
ہیں مگر خدا سے نہیں چھپا سکتے۔ درانحالیکہ وہ انکے ساتھ ہے جبکہ راتوں کو بیٹھکر آپس میں وہ ایسی باتیں
کرتے ہیں جسے وہ پسند نہیں کرتا اور اللہ تمام اُن کاموں کو جنہیں وہ کرتے ہیں جانتا ہے۔
پھر سورہ مائدہ میں فرمایا ہے ذٰلک لتعلموا ان اللّٰہ یعلم ما فی السمٰوٰت و ١٣
ما فی الارض وان اللّٰہ بکل شیء علیم۔ (خدا تعالیٰ ہی نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے امن کا
گھر بنایا ہے اور محترم مہینے یعنی محرم رجب ذیقعدہ ذی الحجہ مقرر کئے ہیں اور قربانی کے جانور اور
وہ جانور جو خدا کی نیاز کیواسطے مخصوص کئے جاتے اور انکے گلو میں کوئی علامت لٹکائی جاتی ہے۔ بنا
دیئے ہیں) یہ اسوجہ سے ہے کہ تم لوگ جان لو کہ خدا تعالیٰ تمام اُن چیزوں سے واقف اور باخبر ہے۔
جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین پر ہے اور یہ کہ بیشک خدا تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔
غرض یہ کہ خانہ کعبہ کو امن کا گھر بنانا اور حاجیوں اور قربانیوں کی حفاظت کیلئے حکم دینا اور چار مہینے
ایسے محترم قرار دینے جنمیں خونریزی اور جنگ و فساد نکیا جائے یہ صرف امن قائم رکھنے کے لئے
کیا گیا ہے۔ اور یہ تمام امور ہمارے انتظام اور علم سیاست پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ بھی غور کرنیوالونکو
بتلاتے ہیں۔ کہ ہم نے ان امور میں کیا کیا حکمتیں قرار دی ہیں۔ مثلاً حج کو۔ قربانی کو اُنکے خانہ امن
ہونے کو مکہ کی آبادی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ ورنہ تم لوگ دن رات کی جنگ اور آپس کے کشت و خون
سے کبکے تباہ ہو چکے ہوتے۔ دوسرے یہ کہ ان امور کو تمہاری وسعت معاش کا ذریعہ بنا دیا ہے۔
تیسرے یہ کہ تم جیسے وحشی عربوں کو جنگ و فساد سے ہاتھ روکنے کا طریقہ تعلیم کر دیا ہے کہ اسیطرح
تمکو عادت پڑے اور دن رات جنگ باہمی نہ ہوا کرے۔
پھر اسی سورہ میں فرماتا ہے واللّٰہ یعلم ما تبدون وما تکتمون اور اللہ جانتا ہے جسے ١٤
تم ظاہر کرتے اور جسے تم چھپاتے ہو۔
پھر سورہ انعام میں فرمایا ہے وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو ویعلم ما فی البر و ١٥
البحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب
ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ اور اُسی (معبود حقیقی) کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔

انکو نہیں جانتا مگر وہی اور (وہ) جانتا ہے۔ اُن چیزوں کو جو خشکی میں ہیں اور اُن چیزوں کو بھی جو
دریا میں ہیں۔ اور کوئی سا پتا نہیں گرتا مگر یہ کہ (وہ) اُسکو بھی جانتا ہے اور نہ کوئی ایسا دانہ ہے۔
زمین کی تاریکیوں میں۔ اور نہ کوئی خشک و تر چیز ہے جو بیان کرنیوالی کتاب میں نہ ہو۔ یعنی ہر
چیز کا ذکر اجمالاً ہمنے اس کتاب مجید و فرقان حمید میں بھی کر دیا ہے۔ ابو بصیر سے مروی ہے
کہ میں نے معصوم سے دریافت کیا کہ ما تسقط من ورقۃ الا یعلمہا ولا حبۃ فی ظلمات
الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین سے کیا مراد ہے۔ آپنے فرمایا الورقۃ
السقط والحبۃ الولد وظلمات الارض الارحام والرطب ما یحیی والیابس
ما یغیض وکل ذلک فی کتاب مبین۔ ورقۃ سے مراد وہ بچہ ہے جو قبل زمانہ پورا کرنے کے
ساقط ہو جاتا ہے اور حبۃ سے مراد بچہ کامل ہے اور ظلمات الارض سے مراد وہ رحم ہیں جنمیں
بچہ رہتا ہے رطب سے مراد وہ بچہ ہے جو زندہ رہتا ہے اور یابس سے مراد وہ ہے جو فنا ہو
جاتا ہے۔ یہ تمام ہی باتیں کتاب مبین میں موجود ہیں۔ اس تفسیر کی بنا پر خلاصہ آیت یہ ہوا کہ
رحم کی اندرونی حالت اور بیرونی حالت جو احوال جزئیہ ہیں اُنسے بھی خدا تعالیٰ مطلع ہے۔ یہ بھی جانتا
ہے کہ کون قبل از وقت ساقط ہو جائیگا۔ یہ بھی جانتا ہے کہ کون صحیح و سالم زندہ پیدا ہوگا اور
یہ بھی جانتا ہے کہ پیدا ہو کر کون مر جائیگا۔ بلکہ ان تمام باتوں کو کتاب مبین میں پہلے ہی لکھدیا ہے
واضح ہو کہ کتاب مبین سے مراد لوح محو و اثبات۔ یا لوح محفوظ بھی ہو سکتی ہے۔ اور قرآن مجید
بھی مگر اول اولیٰ ہے۔ واللہ یعلم)

16 نیز اسی سورہ میں فرماتا ہے ان ربک ھو اعلم من یضل عن سبیلہ وھو
اعلم بالمھتدین۔ بیشک تیرا پروردگار اُن لوگوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ جو اسکی راہ (دین اسلام)
سے بھٹک گئے (اور گمراہ ہوگئے ہیں) اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کا بھی بڑا جاننے والا ہے۔

17 پھر سورہ انفال میں فرمایا ہے انہ علیم بذات الصدور بیشک وہ دل کی باتوں
کا جاننے والا ہے۔

18 پھر سورہ توبہ میں فرماتا ہے الم یعلموا ان اللہ یعلم سرھم ونجوٰھم وان اللہ
علام الغیوب کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ بالضرور خدا تعالیٰ اُنکے مخفی امور اور اُنکی سرگوشیوں
کو جانتا ہے اور یہ کہ بیشک اللہ غیبوں کا جاننے والا ہے۔

19 پھر سورہ یونس میں فرمایا ہے وما تکون من شان وما تتلوا من قرآن ولا
تعملون من عمل الا کنا علیکم شھودا اذ تفیضون فیہ وما یعزب عن ربک
من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء ولا اصغر من ذلک ولا اکبر

الا فی کتاب مبین" (اے رسول ص تم جس حال میں رہتے ہو اور جس کام میں انکے امور دین سے
مشغول ہوتے ہو۔ تبلیغ رسالت اور تعلیم شریعت وغیرہ اور جو آیات قرآنیہ تم پڑھتے ہو۔ (یعنی لوگوں
کے سامنے) اور جو کچھ تم اور تمہاری امت عمل کرتی ہے۔ ان سب امور کو ہم جانتے اور اسکے شاہد رہتے
ہیں جبکہ تم ان کاموں میں داخل ہوتے ہو۔ اور اے رسول ہمارا ایک چیونٹی کے برابر بھی کوئی چیز تمہارے پروردگار سے غائب اور پوشیدہ
نہیں ہے۔ خواہ زمین میں ہو خواہ آسمان میں۔ اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی کوئی چیز ہے مگر یہ کہ وہ کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں ہے
جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتماب ص جب اس آیت کو تلاوت فرماتے
تو بہت روتے تھے۔" اور یہ آپ کا رونا اس وجہ سے تھا کہ انسان جو کچھ نیکی اور بدی کرتا ہے اسکو
خدا تعالی جانتا ہے۔ جو عادل ہے اور ضرور اسپر جزا و سزا دیگا تو اس خیال سے آپکو خوف خدا طاری
ہوتا تھا اور نیز یہ محتمل ہے کہ آپکا یہ رونا اپنی امت کے خیال سے ہو۔ چونکہ آپ ص اپنی امت پر حد سے
زیادہ مہربان تھے۔ اسلئے آپ ص انکا معذب ہونا انکی بد افعالیوں کیوجہ سے پسند نہ فرماتے تھے۔
اور از بسکہ خدا تعالی عادل ہے۔ لہذا انکو انکے افعال کی سزا ملنی ضروری ہے اس لئے آپ ص ان
پر ترحم کے خیال سے گریہ فرماتے تھے۔ نیز یہ بھی محتمل ہے کہ ایک سبق رہا ہو۔ جو آپ ص اپنی امت کو
دیتے تھے۔ بایں معنی کہ جب آپ ص اس سبب سے گریہ فرماتے ہوں کہ خدا تعالی ہمارے تمام نیک و
بد کاموں کی خبر رکھتا ہے۔ باوجودیکہ آپ ص معصوم عن الخطا تھے۔ تو اوروں کو اس سے زیادہ اپنی
حالت پر رونا چاہیئے۔ اس خیال سے کہ ہم جسقدر معاصی کرتے ہیں۔ وہ سب خدا تعالی کو معلوم
ہے۔ پھر اسکا کیا نتیجہ پیدا ہوگا۔ اور وہ عادل حقیقی ہمارے ساتھ اس سبب سے کیا برتاؤ
کریگا۔ واللہ یعلم۔

نیز سورہ رعد میں فرمایا ہے "اللہ یعلم ما تحمل کل انثی وما تغیض الارحام وما تزداد
وکل شیء عندہ بمقدار عالم الغیب والشہادۃ الکبیر المتعال سواء منکم من
اسر القول ومن جہر بہ ومن ہو مستخف باللیل وسارب بالنہار" فی
قولہ اللہ یعلم ما تحمل کل انثی وما تغیض الارحام وما تزداد وکل شیء عندہ بمقدار
ما تغیض ای ما تسقط قبل التمام وما تزداد یعنی علی تسعۃ اشہر کلما رات
المراۃ حیضا فی ایام حملہا زاد ذلک علی حملہا۔ وفی روایۃ ابی الجارود عن ابی جعفر
علیہ السلام فی قولہ سواء منکم من اسر القول ومن جہر بہ السر والعلانیۃ
عندہ سواء وقولہ مستخف باللیل مستخف فی جوف بیتہ وقال علی بن ابراہیم
فی قولہ وسارب بالنہار یعنی تحت الارض فذلک کلہ عند اللہ عزوجل واحد
یعلمہ۔ یعنی آیۃ اللہ یعلم ما تحمل کل انثی الخ۔ اس آیت میں ما تغیض سے مطلب یہ ہے
کہ جو بچہ قبل پورا ہونے کے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور ما تزداد سے مراد یہ ہے کہ مدت حمل نو مہینے کر

زیادہ ہوجائے۔ جبکہ عورت کو ایام حمل میں حیض آجاتا ہے۔ تو مدت حمل (بسبب عورت کی کمزوری کے)
بڑھجاتی ہے۔ اور ابوالجارود کی روایت میں امام ابو جعفر علیہ السلام سے مروی ہے کہ سواءٌ منکم
من اسرّ القول ومن جھر بہ میں آپنے فرمایا۔ پوشیدہ وظاہر اُس (معبود حقیقی) کے نزدیک یکساں
ہیں"۔ اور قول خدا تعالیٰ مستخف باللیل سے مراد مستخف فی جوف بیتہ ہے اور علی ابن ابراہیم
نے کہا کہ سارب بالنھار سے مراد تحت الارض ہے پس یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کے نزدیک
ایک طرح ہیں۔ اور وہ ان سب کو جانتا ہے۔

محصل آیت یہ ہوا۔ کہ خدا تعالیٰ جانتا ہے عورت کے حمل کو (کہ اسمیں کیا ہے۔ لڑکا ہے یا لڑکی)
اور اُسے بھی جو ساقط ہوجائیگا (یعنی قبل از سقوط اُسے علم ہے کہ یہ بچہ قبل پورا ہونے کے ساقط ہوجائیگا)
اور اسے بھی جانتا ہے۔ جو رحم میں نو مہینے سے زیادہ ٹھیریگا۔ اور ہر شے خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک مقدار
معین پر پیدا کیگئی ہے۔ خُدا تعالیٰ غائب وحاضر (سب کا) جاننے والا ہے۔ (اور) کبیر متعال ہے۔ برابر
ہے (اُسکے نزدیک) تم میں سے جو کوئی آہستہ بولے یا بلند آواز سے بولے (وہ ان سب باتوں کو سن لیتا ہے)
اور جو رات میں پوشیدہ ہو یا دن میں زمین کے اندر چھپے۔ (یعنی خواہ رات کو اپنے گھر کے گوشہ
میں چھپ کر بیٹھے یا دن کو زمین کے اندر چھپ جائے۔ خدا تعالیٰ سب کی حالتیں جانتا ہے۔

پھر اپنے عموم علم کو سورہ نحل میں فرماتا ہے لا جرم انّ اللّٰہ یعلم ما یسرّون وما
یعلنون اس سے کوئی چارہ نہیں کہ خدا تعالیٰ جانتا ہے ان باتوں کو بھی جنھیں یہ لوگ پوشیدہ
کرتے ہیں اور ان باتوں کو بھی جنھیں اعلان کے ساتھ کرتے ہیں"۔ باقی آیتیں ذیل میں مندرج ہیں

سورہ اسریٰ میں فرمایا۔ وربّک اعلم بمن فی السموات والارض"	خدا جانتا ہے ان تمام لوگوں کو جو زمین وآسمان میں ہیں۔	۴۱
پھر فرمایا قل کفی باللّٰہ شھیدا بینی وبینکم انہ کان بعبادہٖ خبیرا بصیرا	اے رسول کہدو کہ خدا تعالیٰ کا میرے اور تمہارے درمیان شاہد ہونا کافی ہے۔ بیشک وہ اپنی بندوں کے حال سے خبیر وبصیر ہے"	۴۲
سورہ مریم لقد احصاھم وعدّھم عدّا	بیشک خدا تعالیٰ نے ان سب لوگوں کو شمار کرلیا ہے۔ اور خوب گن لیا ہے"۔	۴۳
سورہ طٰہٰ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بہ علما	وہ جانتا ہے ان کے سامنے کی چیزوں کو اور نیز اُسے جو اُنسے غائب ہے۔ مگر یہ لوگ اسکو اچھی طرح نہیں جانتے	۴۴
سورہ حج الم تعلم ان اللّٰہ یعلم ما فی السماء والارض انّ ذالک فی کتاب ان ذالک	اے رسول کیا تم نہیں جانتے کہ خدا کو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا علم ہے۔ بیشک یہ چیزیں	۴۵

علی اللہ یسیر	لوح محفوظ میں موجود ہیں۔ بیشک یہ بات خدا پر آسان ہے۔
سورہ مومنین عالم الغیب والشہادۃ	اللہ۔ غیب اور موجود سب کا جاننے والا ہے۔
سورہ فرقان قل انزلہ الذی یعلم السر فی السموات والارض۔	اے رسول کہو کہ اس قرآن کو اُس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کے رازسے واقف ہے
سورہ نمل وان ربک لیعلم ما تکن صدورھم وما یعلنون وما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتاب مبین	بیشک تیرا پروردگار جانتا ہے اُن چیزوں کو جو اُنکے سینوں میں مخفی ہیں اور جسے یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں۔ اور کوئی غائب چیز ارض و سما میں ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو"
سورہ عنکبوت اولیس اللہ با علم بما فی صدور العالمین ولیعلمن اللہ الذین آمنوا ولیعلمن المنافقین۔	کیا خدا تعالیٰ اُسے نہیں جانتا جو خلائق کے دلوں میں ہے؟ ضرور ہر ایک مومن و منافق کو وہ جانتا ہے۔
سورہ لقمان ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر۔	بیشک خدا کو قیامت کا علم ہے۔ وہ مینہ برساتا ہے رحم کی چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کے دن کیا کام کریگا۔ اور کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مریگا بیشک اللہ علیم وخبیر ہے۔
سورہ احزاب سبحانہ۔ ان اللہ کان علی کل شئ شہید	وہ پاک ہے۔ بیشک خدا ہر شے کو جانتا ہے۔
سورہ سبا یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا وھو الرحیم الغفور	خدا جانتا ہے اُسے جو زمین میں جاتی ہے اور جو چیز اُس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو چیز آسمان میں جاتی ہے۔ اور وہ رحیم والغفور ہے۔
سورہ فاطر ان اللہ علیم بما یصنعون	بیشک خدا علم رکھتا ہے۔ اُن باتوں کا جو کچھ وہ کرتے ہیں۔
سورہ یسین وکل شئ احصیناہ فی امام مبین	ہر شے کو ہم نے امام روشن میں جمع کر دیا ہے۔
سورہ مومن یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور	خدا جانتا ہے خیانت چشم اور اُسے بھی جو دلوں میں ہے۔

۳۶ سورہ سجدہ ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا۔

بیشک وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں کفر و الحاد کو دخل دیتے ہیں۔ وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں۔

۳۷ سورہ زخرف ام یحسبون انا لا نسمع سرھم ونجوٰھم بلی ورسلنا لدیھم یکتبون

کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انکے سر و نجوی کی خبر نہیں رکھتے۔ بیشک ہمیں علم ہے اور ہمارے ایلچی فرشتے انکے پاس بیٹھے لکھتے رہتے ہیں۔

۳۸ سورہ محمد۔ واللہ یعلم متقلبکم ومثوٰکم

اللہ تمہارے متقلب و مثوی کی خبر رکھتا ہے۔

۳۹ سورہ فتح وکان اللہ بکل شیء علیما

اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

۴۰ سورہ حجرات قل اتعلمون اللہ بدینکم واللہ یعلم ما فی السماوات وما فی الارض واللہ بکل شیء علیم

اے رسول کہدو کہ کیا تم جتاتے ہو اللہ کو اپنا دین حالانکہ خدا تو ارض و سما کی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

۴۱ سورہ ق ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید

بیشک اسنے انسان کو پیدا کیا اور اسکے وسوسۂ دل کو جانتا ہے (اور اے رسول) ہم تو آدمی کی رگ ورید سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔

۴۲ سورہ نجم ھو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض واذ انتم اجنۃ فی بطون امھاتکم فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی

اسکو تمہارا علم تھا جبکہ تمکو زمین سے پیدا کیا تھا اور جبکہ تم اپنی ماؤں کے شکموں میں بچے تھے۔ پس تم اپنے تئیں پاک مت جتاؤ۔ وہ آپ جانتا ہے اسکو جو پرہیزگار ہے۔

۴۳ سورہ مجادلہ الم تر ان اللہ یعلم ما فی السموات وما فی الارض ومایکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنی من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم اینما کانوا ثم ینبئھم بما عملوا یوم القیامۃ ان اللہ بکل شیء علیم۔

بیشک خدا کو ارض و سما کی تمام چیزوں کا علم ہے نہیں ہوتی تین آدمیوں کی سرگوشی مگر یہ کہ چوتھا انمیں پروردگار عالم ہوتا ہے۔ اور نہ کہیں پانچ آدمیوں کی سرگوشی مگر یہ کہ چھٹا انمیں خدا تعالیٰ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ۔ مگر یہ کہ پروردگار انکے ساتھ جہاں کہیں وہ ہوں۔ پھر قیامت کے دن انہیں بتادیگا جو ان لوگوں نے کیا ہے بیشک خدا ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

۴۴ سورہ ممتحنہ وانا اعلم بما اخفیتم وما اعلنتم

میں جانتا ہوں جسے تم نے چھپایا اور جسے ظاہر کیا

۴۵ سورہ ملک واسروا قولکم او اجھروا بہ انہ علیم بذات الصدور الا یعلم

تم اپنی بات کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تو سینے کی باتوں کو جانتا ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اسی کو خبر

مَن خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔	نہ ہو جسنے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ لطیف وخبیر ہے
سورہ جن عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ	وہ عالم الغیب ہے کسی کو اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا مگر اُس رسولؐ کو جسے اُسنے پسند کر لیا ہے"
سورہ اعلیٰ۔ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ	بیشک پروردگار عالم ظاہر وخفی سب ہی تو جانتا ہے
سورہ علق۔ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ	کیا اسے خبر نہیں کہ خدا دیکھتا ہے؟"

علاوہ ان کے اور بہت سی آیتیں ہر سور تو نہیں موجود ہیں۔ جنکا احصا بسبب خیال طول کے نہیں کیا گیا۔ اسقدر ایک بصیرت حاصل کرنیوالے کے واسطے کافی ہے جسے یہ مقصود ہو کہ میں قرآن مجید کے ذریعے سے خدا تعالیٰ کی صفت علمی کو معلوم کرنا چاہوں۔

باب گیارھواں مسئلہ بدا میں

اس مسئلہ میں خدا تعالیٰ اور رسول خداؐ اور آئمہ طاہرین معصومینؑ۔ اور شیعہ امامیہ کا گروہ تو ایک فریق ہے اور اہلسنت کا فرقہ اس مسئلہ میں دوسرا فریق ہے۔ خدا تعالیٰ تو اسکے وجود کا اقراری ہے اور حضرات اہلسنت اُسکو مذاق بنا کر انکاری ہوتے ہیں۔ گو ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سواد اعظم نے عموماً وہی رائے مسائل اصول و فروع میں اختیار کر لی ہے جسے خدا و رسولؐ خلاف اپنے معلومات کے سمجھتے ہیں۔ لیکن ہمکو صرف اس مسئلہ خاص کی حقیقت درست بیان کرنی مقصود ہے۔ دیگر مسائل سے اسوقت بحث نہیں ہے۔

بَدَا۔ بالمد ظہور کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے بَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا (بدکاروں کو انکی بدکاری کی برائیاں ظاہر ہوگئیں) بَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا اُنکے عمل کی برائیاں اُنپر کھل گئیں۔ اور بمعنی ظہور رائے کے بھی آیا ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ پہلے کسی نے کوئی رائے دی تھی۔ اُس کے بعد اُس رائے کی غلطی اُسے معلوم ہوئی اور دوسری رائے صحیح معلوم ہوئی تو کہتے ہیں بَدَا لَهُ رَأْيٌ۔ فلاں شخص کی رائے میں بدا واقع ہوا۔ یعنی پہلی رائے کی غلطی اُسے معلوم ہو گئی۔

پس چونکہ خدا تعالیٰ سے بہتر عالم مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ اور عالم مَا لَمْ يَكُنْ وَلَا يَكُونُ کوئی نہیں وہ ہر فعل اور ہر حکم کی حقیقت کو ابتدا سے انتہا تک جانتا ہے اس لیے اسکو اپنی رائے میں غلطی کبھی نہیں ہو سکتی اور نہ ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام نے اسکی تعلیم ہمیں دی ہے بلکہ اسکے برخلاف یہ فرمایا ہے مَنْ زَعَمَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْدُو لَهُ فِي شَيْءٍ لَمْ يَعْلَمْهُ أَمْسِ فَابْرَءُوا مِنْهُ جو شخص یہ دعویٰ کرے۔ کہ خدا تعالیٰ کو بدا ہوتا ہے یعنی اُسکو جو بات کل نہ معلوم تھی آج معلوم ہوئی۔ تو میں ایسے شخص سے بری ہوں۔ (یعنی میں ایسے قائل کا ساتھی نہیں ہوں)

(عماد الاسلام)

نیز کافی میں جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے عبداللہ بن سنان کہتے ہیں۔ کہ جناب ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا ان اللہ لم یبد لہ من جھل بیشک خدایتعالیٰ کو نادانستگی سے بدا نہیں ہوتا۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اسکو کوئی بات معلوم نہ رہی ہو۔ اور کوئی رائے یا حکم اس امر میں اُسنے جاری کردیا ہو اور پھر واقفیت کے بعد اُس رائے سے رجوع کی ہو۔

نیز تفسیر عیاشی میں جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ان اللہ یقدم مایشاء و یوخر مایشاء ویمحو مایشاء ویثبت مایشاء وعندہ ام الکتاب وقال لکل امر یریدہ اللہ فھو فی علمہ قبل ان یصنعہ ولیس شئ یبدو لہ الا وقد کان فی علمہ ان اللہ لا یبدو لہ من جھل۔ بیشک خدایتعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مقدم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے موخر کرتا ہے جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت کرتا ہے۔ اور اُسی کے نزدیک ام الکتاب (لوح محفوظ و محو و اثبات) ہے اور نیز آپنے فرمایا جس امر کا خدایتعالیٰ ارادہ کرتا ہے۔ وہ اسکے علم میں موجود رہتا ہے (یعنی پہلے سے اُسے وہ جانا ہوتا ہے) اور جس امر کو وہ ظاہر فرماتا ہے۔ اُسکا علم اُسے پہلے سے ہوتا ہے بیشک خدایتعالیٰ کو جہالت کیوجہ سے بدا نہیں ہوتا۔ (عماد الاسلام)

اور وسعت علم خدایتعالیٰ کی نسبت جو کچھ ان حضرات نے فرمایا ہے۔ انمیں سے بعض یہاں مذکور ہوتے ہیں۔ مثلاً جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ ابو علی کہتے ہیں۔ میں حضرت کی خدمت میں موجود تھا۔ اسوقت میری زبان سے نکلا الحمد للہ منتہیٰ علمہ۔ میں خدایتعالیٰ کی حمد بجالاتا ہوں اُسکے منتہائے علم تک آپنے فرمایا۔ لا تقل ذالک فانہ لیس لعلمہ منتھی۔ اے ابو علی ایسا نہ کہو۔ کیونکہ خدایتعالیٰ کے علم کی کوئی حد اور منتہا نہیں ہے

نیز حسین بن بشار نے ابوالحسن علی بن موسی الرضا سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت سے پوچھا ایعلم اللہ الشئ الذی لم یکن ان لو کان کیف کان یکون اولا یعلم الا مایکون فقال ان اللہ تعالیٰ ھو العالم بالاشیاء قبل کون الاشیاء الخ کیا خدایتعالیٰ اس چیز کو بھی جانتا ہے جو ابھی نہیں ہوئی۔ کہ اگر ہوگی تو کیونکر اور کس طرح ہوگی۔ یا نہیں جانتا۔ آپنے فرمایا بیشک خدایتعالیٰ تمام چیزونکو اُنکے پیدا ہونے سے پہلے جانتا ہے۔

حاصل یہ کہ علم خدایتعالیٰ محدود نہیں ہے۔ بلکہ سابق و لاحق موجود و معدوم۔ ممکن و ممتنع تمام چیزوں کا اُسے علم حاصل ہے۔ جس چیز یا جس کام کا اُسنے حکم دیا ہے اور جسے ہمیشہ قائم رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یا کسی زمانے میں اُسکا منسوخ کردینا مقصود ہے۔ ان سب باتوں کو وہ جانتا ہے۔

پس بداء بمعنی ظہور غلطی رائے سابق کسی شیعہ کا مذہب نہیں ہے اور نہ کسی امام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے۔ بلکہ احادیث سابقہ سے اُسکی نفی معلوم ہوگئی۔ لہذا اہلسنت کا یہ کہنا کہ شیعہ گروہ بداء بمعنی مذکور کا قائل ہے سفید جھوٹ ہے۔ جسمیں سچائی کا ایک خال بھی نہیں۔ خیر جاہلوں پر تو چنداں افسوس

نہیں۔ زیادہ افسوس تو بڑے لکھوں پر ہے کہ وہ بھی تعصب کی پٹی آنکھ پر باندھکر شیعوں پر تہمت لگا گئے ہیں۔ دیکھئے امام رازی صاحب نے ایک مقام پر سلیمان بن جریر سے نقل کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے اِنّ ائمۃ الرافضۃ وضعوا القول بالبداء لشیعتہم فاذا قالوا انہ سیکون لہم امر و شوکۃ ثم لایکون الامر علی ما اخبروہ قالوا بدا للّٰہ تعالیٰ فیہ یعنی شیعوں کے اماموں نے بداء کا قول اپنے شیعوں کے لئے تصنیف کر لیا تھا۔ جب کبھی کہتے تھے۔ کہ ہمیں عنقریب حکومت اور و شوکت ملنے والی ہے اور وہ نہ ملتی تھی۔ اور وہ خبر غلط ثابت ہو جاتی تھی۔ تو کہہ دیتے تھے۔ کہ خدا تعالیٰ کو اسمیں بداء واقع ہوا۔

دیکھئے خباثت باطن اسے کہتے ہیں کہ باوجودیکہ ائمہ ہدیٰ علیہم السلام خود ہی بدا بمعنی ظہور فساد رائے کے منکر ہیں۔ پھر بھی یہ احمق انکی طرف اس قول کی نسبت کرتا ہے اور پھر باوجودیکہ تمام علما حضرات ائمہ موصوفین علیہم السلام کے علم و کمال و زہد و تقوی و راستی و راست گفتاری کے قائل ہیں چنانچہ انکی کتب مناقب سے معلوم ہوتا ہے۔ (جسے شک ہو وہ دیکھے مطالب السئول۔ مناقب خطب خوارزم نور الابصار۔ ینابیع المودۃ۔ صواعق محرقہ تاریخ ابن خلکان وغیرہ کہ کس قدر یہ مصنفین ان حضرات کے مدح سرا ہیں) پھر بھی اس متعصب نے انکو جھوٹا بتایا ہے۔

اسی شخص کی اقتدا میں اوروں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ شیعہ گروہ بدا بمعنی ظہور فساد رائے سابق کے قائل ہیں۔ حالانکہ خدا سے نہیں ڈرتے کہ ہم اس جھوٹ سے سوائے لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے اور کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

غرض یہ کہ کوئی شیعہ خواہ عالم ہو یا جاہل اس امر کا قائل نہیں کہ خدا تعالیٰ بے سمجھے بوجھے ایک رائے پیش کر دیتا ہے اور جب اس رائے کی غلطی اسے معلوم ہو جاتی ہے۔ اس سے نادم ہوتا ہے۔ بلکہ شیعہ گروہ اس معنی سے بدا کا قائل ہے۔ جس معنی سے خدا تعالیٰ خود قرآن مجید میں قائل ہے۔ سورہ بقر میں فرماتا ہے۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ جس آیت کو ہم منسوخ کرتے ہیں یا اسے لوگوں کے دلوں سے بھلا دیتے ہیں۔ تو اس سے بہتر یا ویسی ہی آیت اور نازل کر دیتے ہیں۔ کیا تم جانتے نہیں کہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس سے معلوم ہوا کہ احکام اور آیات کا منسوخ ہونا ممکن ہے۔ اور ایسا واقع بھی ہوا کہ ایک وقت میں کسی مصلحت خاصہ کیوجہ سے کوئی حکم دیا گیا اور پھر جب وہ ضرورت نہ رہی اور دوسری ضرورت داعی ہوئی تو دوسرا حکم اسکے مطابق دیا گیا۔ چنانچہ ایک وقت میں کہا گیا لکم دینکم ولی دین اور دوسرے وقت میں کہا گیا فاقتلوھم حیث ثقفتموھم یا جیسے پہلے بیت المقدس کیطرف رخ کرکے عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ مگر جب وہ مصلحت نہ باقی رہی تو خانہ کعبہ کیطرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ پڑھو

سیقول السفہاء من الناس ما ولّٰھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا الخ - یا جیسے امر جہاد میں ہوا - کہ پہلے حکم تھا - کہ بیس آدمی مسلمان دو سو کافروں کے مقابلے کیلئے جایا کریں اور ایک سو آدمی ایک ہزار کافروں کے مقابلے میں دیکھو سورہ انفال یاایھا النبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا پھر خدا تعالےٰ نے یہ حکم منسوخ کر دیا اور فرمایا الاٰن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا یعنی خدا تعالیٰ نے دیکھا - کہ تم میں کمزوری ہے اس لئے اُس حکم سابق کو نسخ کرکے اور تخفیف کر دی کہ فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ" اگر تم میں سے سو آدمی مستقل مزاج ہوں تو دو سو کافروں پر غالب آئینگے اور اگر ایک ہزار تم میں سے ہونگے - تو دو ہزار پر حکم خدا سے غالب آئینگے" یعنی وہ حکم کہ بیس آدمی دو سو سے اور ایک سو آدمی ایک ہزار سے مقابلہ کریں منسوخ کیا گیا اور یہ قرار دیا گیا کہ چونکہ تم لوگ پست ہمت ہو - اس لئے ایک سو آدمی دو سو سے مقابلہ کریں اور ایک ہزار دو ہزار کافروں سے -

غرض سُنی اور شیعہ دونوں ہی فریق آیات و احکام کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں - کسی کو اس معاملہ میں شبہ نہیں - کیونکہ قرآن مجید خود ہی کُھلے خزانے پکار پکار کر اس مطلب کو بیان کر رہا ہے البتہ خارج اسلام لوگوں کو اگر شبہ ہو کہ خدا تعالیٰ اپنے احکام کو کیوں منسوخ کرتا ہے اور ایسا کیوں کیا تو اُنکو یہ جواب دیا جائیگا - کہ خدا تعالیٰ حکیم ہے اور حکیم کا فعل ہمیشہ علم و حکمت و عقل کے مطابق ہونا چاہیئے - یہ کبھی طرح جائز نہیں ہوسکتا کہ ایک حکیم شخص کسی کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف دے اور یہ بھی ضروری ہے کہ زمانہ - وقت - اشخاص - ضرورت وقتیہ - اور مصلحت میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے - تو لامحالہ قرین عقل یہی بات ہے کہ اگر ایک وقت میں کسی شخص کی نسبت کسی خاص مصلحت اور ضرورت سے کوئی حکم دیا گیا تھا - تو جب وہ ضرورت باقی نہ رہی - یا وہ شخص ہی نہ رہے - یا وہ زمانہ جو اُس حکم کا مقتضی تھا - نہ باقی رہا - تو اُس حکم کو ضرور بدلنا چاہیئے - ورنہ وہ حکم فضول ہوگا اور اُسمیں کوئی مصلحت نہ ہوگی - حالانکہ فضول اور عبث کو خدا تعالیٰ کی جناب میں کوئی دخل نہیں - لہذا منسوخ ہونا احکام و واقعات کا ضروری ہوا - اور یہی عین حکمت ہے اور اسکے برخلاف کرنا حماقت اور سفاہت ہے جس سے خدا تعالیٰ مبرا اور منزہ ہے -

پس جسطرح آیات و احکام کی تبدیل بحسب مصلحت و ضرورت و اوقات و اشخاص لازمی ہے اسی طرح واقعات اور حالات کا بدلنا اور منسوخ کرنا بھی خدا تعالیٰ کو بحسب مصالح لازم ہے اور ایسا ہی کرتا بھی ہے چنانچہ کسی کو تو انگری سے فقر میں مبتلا کر دیا کیونکہ اُس کے لئے یہی امر صلاح تھا اور کسی کو فقر سے تونگری میں لایا کیونکہ اُسکے لئے اسی میں بہبودی تھی - کسی کی عمر طولانی

کردی۔ کسی کی عمر گھٹادی۔ کسی کو مصائب میں مبتلا کیا اور کسی کو مصائب سے نجات دی!! یہ تمام باتیں خداوندی مصلحت اور انسانی اصلاح اور بقائے سلسلہ نظام تمدن پر مبنی ہیں انمیں کسی کو جائے دم زدن نہیں ہے ہر چہ آں خسرو کند شیریں بود۔ ہرچہ او مے کند ہمہ نیکوست ؎ پڑھو آیہ کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِی شَاۡنٍ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اور دیکھو اسکی تفسیر جو سابق میں مذکور ہوئی

تو اگر شیعہ گروہ حسب فرمودہ خدا تعالیٰ بدا یعنی نسخ احکام و احوال و واقعات و آیات کا قائل ہے تو اُس نے کیا خرابی کی جو سُنی خواہ مخواہ مُنہ آتے اور بلا ضرورت سفیہانہ قہقہہ لگاتے ہیں یہ قہقہہ شیعوں پر نہیں ہے۔ بلکہ دراصل خدا پر ہے۔ پھر خدا تعالیٰ اسی مطلب کے مؤید سورہ رعد میں فرماتا ہے لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ یَمۡحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ وَ عِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡکِتٰبِ" جس کا حاصل ترجمہ یہ ہے کہ واسطے ہر مدّت کے ایک کتاب ہے (یعنی ہر شے کی مُدّت حیات و بقا کو ہمنے لوح محو و اثبات میں لکھ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اُسے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے۔ اور اُسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خُدا تعالیٰ کسی اپنے حکم سابق کو محو کر دیتا ہے اور اُس کی جگہ بمصلحت وقت و شخص و زمانہ دوسرا حکم ثبت فرما دیتا ہے۔ پس جبکہ خدا تعالیٰ خود بدا بمعنی نسخ کا اقراری ہے۔ تو کسی کو جائے اعتراض کیا باقی ہے۔

اسی آیت کی تفسیر میں علی بن ابراہیم علیہ الرحمۃ نے صادق آل محمدؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اذا کان لیلة القدر نزلت الملائکة والروح والکتبة الی السماء الدنیا فیکتبون ما یکون من قضاء اللّٰه فی تلک السنة فاذا اراد اللّٰه ان یقدم شیئا او یؤخرہ او ینقص شیئا امر الملک ان یمحو ما یشاء ثم اثبت الذی اراد" یعنی جبکہ شب قدر ہوتی ہے تو فرشتے اور روح (القدس) اور کاتبان (قضا و قدر) پہلے آسمان پر (حکم خدا سے) اُترتے ہیں اور جو کچھ قضا (فیصلہ) الہی اُس سال میں ہونیوالا ہوتا ہے۔ اُسے لکھ لیتے ہیں۔ پس جبکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُن امور میں سے کسی چیز کو مقدم یا موخر کردے یا کسی چیز کو کم کرے تو فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ وہ مٹا دے جسے خدا تعالیٰ مٹانا چاہتا ہے۔ پھر وہاں پر جو کچھ خُدا تعالیٰ چاہتا ہے اُسے ثبت فرما دیتا ہے (توحید بحار)

پھر اسی کے مؤید سورہ روم کا یہ بیان ہے الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ هُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ۔ لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ابو عبیدہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب امام محمد ابو جعفر (محمد باقرؑ) سے الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ کے معنی دریافت کئے آپنے فرمایا اے ابو عبیدہ اسکی ایک ایسی تاویل ہے جسے سوائے خدا تعالیٰ اور ائمہ راسخین فی العلم کے کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جب

رسول اللہؐ نے مدینہ کیطرف ہجرت فرمائی اور اسلام کا ظہور ہوا تو آپؐ نے بادشاہ روم کے پاس ایک خط لکھا۔ اور اسکو اسلام کیطرف دعوت کی (جیساکہ عام طور پر کتب تواریخ میں مذکور ہے) اور بادشاہ فارس کو بھی ایک خط لکھا اور اسے اسلام کیطرف دعوت کی لیکن بادشاہ روم نے تو قاصد کی تعظیم و توقیر کی۔ اور آپکے خط کی بھی تعظیم کی۔ مگر بادشاہ فارس نے رسولخدا کے ایلچی کی اہانت اور تذلیل کی۔ اسی زمانہ میں بادشاہ روم اور بادشاہ فارس کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اور مسلمانوں کو یہ شوق تھا۔ کہ بادشاہ روم کو بادشاہ فارس پر غلبہ حاصل ہو۔ کیونکہ اُس نے رسول اللہؐ کے قاصد اور ایلچی کی قدر و عزت کی تھی۔) اور بادشاہ روم کے جیتنے کے زیادہ امیدوار تھے۔ بہ نسبت بادشاہ فارس کے۔ مگر جب بادشاہ روم مغلوب ہو گیا اور شاہ فارس غالب آ گیا۔ تو اس سے مسلمان دلشکستہ اور غمگین ہوئے۔ اُسوقت خدایتعالیٰ نے ان لوگونکی تسکین کے واسطے) یہ سورہ (روم) نازل فرمایا الم غلبت الروم فی ادنی الارض یعنی کہ (اسوقت تو) فارس ہی بادشاہ روم پر ادنی الارض یعنی شامات (نام مقام) وغیرہ میں غالب آ گیا مگر اس کے بعد بادشاہ روم انپر چند سال بعد غالب آئیگا للہ الامر من قبل سے مراد یہ ہے کہ خدایتعالیٰ ہی کیلئے حکم (کا اختیار) حاصل ہے حکم کرنیسے پہلے ومن بعد اور بعد اسکے بھی کہ اپنی مشیت کے مطابق جو چاہا ہو۔ حکم جاری کر دیا ہو۔ یعنی اُسکو ہر وقت اور ہر صورت میں اختیار حاصل ہے کہ جس طرح چاہے اور مصلحت دیکھے۔ حکم جاری کر دے جسے چاہے مقدم کرے جسے چاہے مؤخر کرے۔ اُسے کوئی روکنے والا نہیں) یومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ ینصر من یشاء اور اُس دن ایمان والے لوگ خوش ہونگے خدا کی مدد سے "جسے وہ چاہتا ہے دیتا ہے (راوی کہتا ہے) میں نے عرض کی کہ خدایتعالیٰ فرماتا ہے فی بضع سنین حالانکہ مسلمانوں کو انتظار کرتے کرتے بہت سے برس گزر گئے۔ رسول اللہؐ کے زمانہ میں بھی اور ابوبکر کی حکومت میں بھی (مگر روم کو فتح نہ ہوئی) البتہ مومنین تو اہل فارس پر عمر کی حکومت کے زمانے میں غالب آئے۔ آپ نے فرمایا تو کیا میں تم سے یہ نہیں کہہ چکا تھا۔ کہ اس آیت کی ایک خاص تاویل و تفسیر ہے اے ابوعبیدہ! قرآن میں ناسخ بھی ہے منسوخ بھی۔ کیا تم نے خدایتعالیٰ کا یہ کلام (جو اسی آیت میں ہے) نہیں سنا (کہ فرماتا ہے) للہ الامر من قبل و من بعد یعنی کہ اُسی کے لئے مشیت ہے چاہے مقدم کو مؤخر کرے اور چاہے مؤخر کو مقدم کرے اُسدن تک کہ جسدن میں مومنین پر نصرت نازل کرنی حتمی اور لازمی فرمادے (مطلب یہ ہے کہ خدایتعالیٰ کو تقدیم و تاخیر کا اپنے کاموں میں کلی اختیار حاصل ہے) اور یہی مطلب ہے خدایتعالیٰ کے اس قول کا و یومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ ینصر من یشاء" نیز اسی کی موید آیت بھی ہے ھو الذی خلقکم من طین ثم قضیٰ اجلاً و اجل مسمی عندہ ثم انتم تمترون (سورہ انعام)۔ اُسی نے تمکو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ایک مدت مقرر کی۔ اور ایک مدت معین اُسکے نزدیک ہے۔ پھر تم انکار کرتے ہو۔

تفسیر علی بن ابراہیم قمی رہ میں مروی ہے۔ جناب صادق علیہ السلام سے آپ نے فرمایا الاجل المقضیّ ہو المحتوم الذی قضاہ اللہ حتمہ والمسمّی ہو الذی فی البداء یقدّم مایشاء ویؤخر مایشاء والمحتوم لیس فیہ تقدیم ولا تاخیر" یعنی اجل مقضی سے مراد تو وہ مدت عمر ہے جو خدا تعالیٰ نے لازم کر دی ہے اور اُسکا فیصلہ کر دیا ہے (یہی مطلب قضیٰ اجلاً کا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ نے ایک خاص مدت مقرر کر دی ہے۔) اور (اجل) مسمّی وہ ہے جو بداء پر ہے۔ جسے چاہے مقدم کرے اور جسے چاہے موخر کرے (مگر) (اجل) محتوم میں تقدیم و تاخیر نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے۔ کہ اس نے (یعنی خدا تعالیٰ نے) تملوگونکو مٹی سے پیدا کیا پھر ایک مدت عمر مقرر کر دی۔ جسمیں زیادتی و کمی اور تقدیم و تاخیر نہیں ہے۔ مگر اُس کے ساتھ ہی۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک اجل مسمّی بھی ہے لیعنی جسمیں کمی و زیادتی تقدیم و تاخیر کرنی بحسب مصلحت و وقت ممکن ہے۔ پس یہ آیت بھی باواز بلند جواز بداء کی قایل و مُصرّح ہے۔

نیز سورہ مائدہ میں ارشاد ہوا ہے قالت الیھود ید اللہ مغلولۃ غلت ایدیہم ولعنوا بما قالوا بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء" (یعنی یہودی کہتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں"۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ انہیں یہودیوں کے ہاتھ بند ھینگے اور انپر لعنت پڑیگی انکے اس کلام کیوجہ سے۔ خدا تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ وہ جسطرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے (جسکو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔ جس سے روک لینا چاہتا ہے۔ روک لیتا ہے۔ غرض جس کے لئے جو مصلحت ہوتی ہے۔ وہی اُسکے لئے کرتا ہے۔

تفسیر علی بن ابراہیم میں مذکور ہے کہ یہود کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کام کرنیسے فارغ ہو گیا ہے اور جو کچھ تقدیر اولی میں مقدر کر چکا ہے۔ اُسکے سوا اب کچھ نہیں کریگا۔ تو خدا تعالیٰ نے اُنکے رد میں یہ فرمایا۔ بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء لیعنی مقدم کرتا ہے اور موخر اور زیادہ کرتا ہے اور کم کر دیتا ہے اور اسی کے لئے بداء و مشیت ہے"۔

ملاحظہ ہو کہ امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر میں کیا تحریر فرماتے ہیں اور اس آیت کی تاویل میں کیا کیا وجوہ لکھی ہیں۔ فرماتے ہیں الاول ان القوم انما قالوا ذٰلک علی الالزام فانھم لما سمعوا قولہ تعالیٰ من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً قالوا لو احتاج الی القرض لکان فقیراً۔ یعنی اول یہ کہ یہودیوں نے جو یہ کہا تھا کہ" ید اللہ مغلولۃ (خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں) تو اُسکی وجہ یہ تھی کہ اُنہوں نے خدا تعالیٰ کا یہ کلام سنا۔ من یقرض اللہ قرضاً حسناً (کون خدا تعالیٰ کو قرض حسنہ دیگا) تو کہنے لگے کہ اگر خدا تعالیٰ قرض کا محتاج ہو تو پھر نقیر و عاجز ہوا (اسلئے خدا تعالےٰ نے فرمایا بل یداہ مبسوطتان (بلکہ اُسکے تو دونوں ہاتھ کھلے

ہوئے ہیں) الثانی ان القوم لما رأوا اصحاب الرسول فی غایۃ الشدۃ والفقر
قالوا علی سبیل الاستھزاء ان الہ محمد فقیر مغلول الید۔ دوسرے یہ کہ قوم یہود
نے جب دیکھا کہ اصحاب رسول اللہؐ نہایت سختی وافلاس میں مبتلا ہیں۔ تو مسخراین کے طور
پر کہنے لگے کہ محمدؐ کا خدا مغلول الید (محتاج ہے) الثالث قال المفسرون ان الیھود کانوا
اکثر الناس مالاً وثروۃ فلما بعث اللہ محمدا وکذبوا بہ ضیق اللہ علیھم المعیشۃ
فعند ذالک قالت الیھود ید اللہ مغلولۃ ای مقبوضۃ عن العطاء۔ تیسرے یہ
کہ مفسرین نے کہا ہے کہ یہود سب سے زیادہ مال وثروت رکھتے تھے۔ پس جبکہ خدا تعالیٰ نے محمدؐ کو
مبعوث کیا اور یہودیوں نے حضرتؐ کی تکذیب کی۔ تو پروردگار عالم نے انپر معاش تنگ کردی۔
تو کہنے لگے۔ کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یعنی بخشش نہیں کرسکتا۔ (بخیل ہے)
الرابع لعلہ کان فیھم من کان علی مذھب الفلسفۃ وھو انہ تعالیٰ موجب لذاتہ
وان حدوث الحوادث عنہ لایمکن الا علی نھج واحد وسنن واحد وانہ
تعالیٰ غیر قادر علی احداث الحوادث غیر الوجوہ التی علیھا یقع فعبروا عن عدم
الاقتدار علی التغیر والتبدیل بغل الید۔ چوتھی یہ کہ شاید انمیں کوئی فلسفی رہا ہو اور اسکا
یہ خیال ہو کہ خدا تعالیٰ فاعل موجب یعنی بے اختیار ہے (جسطرح آگ اپنے فعل میں بے اختیار ہے)
اور اس سے حوادث کا صدور نہیں ممکن ہے مگر ایک طریقہ اور ایک رفتار پر۔ اور یہ کہ اُسے یہ قدرت
نہیں کہ جن طریقوں پر اشیائے عالم پیدا ہوتے ہیں۔ اُنسے علیحدہ کوئی اور صورت حوادث وممکنات کے
پیدا کرنیکی ایجاد کرسکے۔ تو ان لوگوں نے تغیر وتبدیل پر قادر نہ ہونے کی تعبیر ہاتھ بندھے ہونے سے
کی جسکا جواب خدا تعالیٰ نے یہ دیا کہ بلکہ اُسکے دونوں کھلے ہوئے ہیں۔ وہ ہر چیز پر ہر طرح
سے قادر ہے۔ اُسے تبدیل وتغیر کا پورا اختیار ہے۔")

واضح ہو کہ یہی چوتھی وجہ ہے جو اسموقع پر واقعی اور حقیقی ہے۔ فی الواقع یہود یہ کہتے تھے
کہ خدا تعالیٰ تو فارغ ہو چکا۔ جو کچھ اُسے کرنا تھا کرلیا۔ اب وہ بالکل معطل اور بیکار ہے جسکے رد کرنیکی
ضرورت خدا تعالیٰ کو پڑی "یعنی کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ بلکہ کل یوم ھو فی شان" ہر روز
وہ ایک شان میں ہے جو شان سابق سے علیحدہ ہے۔ کسی کو زندہ کرتا ہے۔ کسی کو مار ڈالتا ہے کسی
کو امارت دیتا ہے کسی کو فقر میں مبتلا کرتا ہے۔ کسی پر تاج شاہی رکھتا ہے اور کسی کے بر میں دلق
گدائی۔ وہ ہرگز معطل اور بیکار نہیں ہے اور نہ اُسکی شان سے تعطل اور عبثیت ہے انہیں لوگوں
کی رد میں یہ بھی فرمایا یمحو اللہ ما یشاء ویثبت۔ وسی کو محو واثبات کا اختیار ہے۔ جو حکم
مصلحت کے موافق دیکھا نافذ فرمایا۔ اور جسے چاہا منسوخ کیا اُسکا عمل ہمیشہ جاری ہے اسی

مطلب کو۔ آیت بھی ظاہر فرماتی ہے وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ الا فی کتاب۔
جس معمر آدمی کی عمر زیادہ کیجاتی یا اُسکی عمر گھٹائی جاتی ہے۔ وہ سب کتاب میں موجود ہے۔ جس سے
ثابت ہوتاہے کہ ایک مرتبہ جو خدا تعالیٰ نے کسی کی زندگانی کی مدت مقرر فرمادی ہے اُسکے بعد بھی
اسمیں زیادتی اور کمی کرتاہے اور یہ مقدمہ بہت سے مقامات سے ثابت ہے۔ شیعہ اور سُنی دونوں
ہی اسکے ناقل ہیں اور باوجود اسکے صرف لفظ بدا سے گھبراتے ہیں۔ نہ معلوم اس لفظ
میں کیا جادو ہے۔ ملاحظہ ہو زیادتی وکمی عمر کا حال۔ جناب صادق آل محمد سے مروی ہے کہ حضرت
عیسےٰ روح اللہ کا گزر ایک قوم کیطرف سے ہوا جو شور وغل کرتی ہوئی چلی جاتی تھی۔ آپنے فرمایا ان
لوگونکو کیا ہوگیاہے۔ کسی نے عرض کی یا روح اللہ ان فلانۃ بنت فلان تھدیٰ
الی فلان بن فلان فی لیلتہا ھذہٖ۔ اے روح اللہ! فلاں شخص کی فلاں لڑکی کو
آج کی شب میں بغرض زفاف فلاں بن فلاں کے پاس لوگ لیجائینگے (اُسی کا یہ شور وغل ہے)
آپنے فرمایا آج کو تو یہ خوشی کے نعرے ہیں اور کل یہ سب لوگ روئینگے۔ یہ سنکر کسی نے حاضرین میں
سے عرض کی۔ ولم یا رسول اللہ۔ اے خُدا کے پیغامبر! ایسا کیوں ہوگا؟ آپنے فرمایا کہ
اسی شب میں یہ لڑکی مرجاویگی۔ پس جو لوگ کہ آپکے معتقد تھے۔ ان لوگوں نے تو تسلیم کرلیا اور
منافقین نے کہا کہ کل کا دن ہی کیا دور ہے (صبح کو عیسےٰؑ کا صدق وکذب معلوم ہوجائیگا) جب
صبح ہوئی تو اسکے مکان پر آئے اور اُسے زندہ دیکھا کسی قسم کا ضرر بھی اُسے نہ پہنچا تھا (مرنا کیسا)
لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ سے عرض کی یا روح اللہ جسکی بابت مرنے کی خبر آپنے دی تھی۔ وہ تو زندہ
موجود ہے۔ آپنے سنکر فرمایا یفعل اللہ ما یشاء خُدا تعالیٰ جو چاہتاہے وہی کرتاہے۔ اچھا ہمیں
تو وہاں تک لیچلو۔ پس جلدی جلدی حضرت کو ساتھ لئے ہوئے وہاں تک پہنچے۔ یہانتک کہ دروازہ
کھٹکھٹایا۔ جب اس لڑکی کا شوہر نکل آیا تو آپنے اس سے فرمایا کہ استاذن لی علٰی صاحبتک
اپنی بیوی کے سامنے جانے کی میرے لئے اجازت مانگ۔ غرض اسکے شوہر نے زن مذکورہ سے حضرت
عیسےٰ کی تشریف آوری اور آپکا اجازت طلب کرنا بیان کیا یہ سنکر وہ پردے میں بیٹھگئی۔ اور
جناب عیسےٰ تشریف لے گئے۔ اس سے دریافت کیا کہ تونے آج کی شب میں کیا نیک کام کیا
تھا۔ اس نے عرض کی میں نے تو کوئی کام نہیں کیا مگر وہی جو برابر معمول تھا۔ کہ ہر شب جمعہ میں
ہمارے مکان پر ایک سائل آیا کرتا تھا۔ اور اُسے ہم بقدر قوت جمعہ آئندہ تک کے لئے دیدیا
کرتے تھے۔ جب وہ اس شب میں آیا۔ تو میں اپنے (شادی کے) کاموں میں مشغول تھی اور میرے
اعزا واقارب بھی مصروف تھے۔ فقیر نے حسب معمول آواز دی مگر اُسے کسی نے جواب نہ
دیا۔ پھر اُسنے پکارا۔ مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ یہانتک کہ کئی مرتبہ اُس نے پکارا۔ جب میرے
کان میں آواز آئی۔ تو میں لباس بدلکر اُٹھی اور جو اسکے لئے مقرر ومعمول تھا۔ وہ اسے دیدیا

(یہ سنکر) حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تنحّی عن مجلسک ذرا اپنی نشستگاہ سے اٹھ تو سہی۔ اب جو اٹھتی ہے فاذا تحت ثیابہا افعی مثل جذعة عاض علی ذنبہ تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک موٹا سانپ اُس کے کپڑوں کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور اپنی دم اپنے منہ میں لئے ہوئے ہے۔ یہ دیکھکر جناب حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا بما صنعتِ صُرِفَ عنکِ ھذا۔ رات کو جو تو نے یہ عمل خیر کیا اُسکی وجہ سے خدا تعالیٰ نے تجھ سے اس کو ہٹا دیا" یعنی کہ واقعی تیری موت آچکی تھی لیکن تیرے اس عمل خیر نے یہ اثر کیا کہ وہ سانپ جو تیرے تئیں کاٹنے کیلئے آیا تھا۔ اُسکو خدا تعالیٰ نے یہ موقع نہ دیا اور تیری عمر میں زیادتی کی" (ترجمۂ بحار)

نیز روایت ذیل کا آخری حصّہ بھی اس مضمون کا مؤید ہے اور علاوہ اُسکے بدا کے ثبوت پر چند آیتیں بطور شاہد کے بھی معصومؑ نے پیش کی ہیں عن محمّد بن عمر بن عبد العزیز عمّن سمع الحسن بن محمد النوفلی یقول قال الرضا علیہ السلام لسلیمان المروزی ما انکرت من البداء یا سلیمان واللہ عزوجل یقول اولم یر الانسان انا خلقناہ من قبل ولم یک شیئا۔ ویقول عزوجل وھو الذی یبدأ الخلق ثمّ یعیدہ۔ ویقول بدیع السماوات والارض۔ ویقول عزوجل یزید فی الخلق ما یشاء۔ ویقول وبدأ خلق الانسان من طین۔ ویقول عزوجل وآخرون مرجون لامر اللہ اما یعذبہم واما یتوب علیہم ویقول عزوجل وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ الا فی کتاب قال سلیمان ھل رویت فیہ عن آبائک شیئاً قال نعم رویت عن ابی عن ابی عبد اللہ علیہما السلام انہ قال ان للہ عزوجل علمین علما مخزونا مکنونا لا یعلمہ الا ھو۔ من ذلک یکون البداء و علماً علمہ ملائکتہ ورسلہ۔ فالعلماء من اھلبیت نبیّک یعلمونہ۔ قال سلیمان۔ اُحبُّ ان تنزعہ من کتاب اللہ عزوجل قال قول اللہ عزوجل لنبیّہ فتول عنہم فما انت بملوم اراد ھلاکہم ثم بدا فقال وذکّر فان الذکری تنفع المومنین قال سلیمان زدنی جعلت فداک قال الرضا علیہ السلام لقد اخبرنی ابی عن آبائہ انّ رسول اللہؐ قال ان اللہ عزوجل اوحی الی نبی من انبیائہ ان اخبر فلان الملک انی متوفیہ الی کذا وکذا فاتاہ ذلک النبی فاخبرہ فدعا اللہ الملک وھو علی سریرہ حتی سقط من السریر وقال رب اجّلنی حتی یشب طفلی واقضی امری فاوحی اللہ عزوجل الی ذلک النبی ان ائت فلان الملک فاعلمہ انی قد انسیت اجلہ وزدت فی عمرہ خمس عشرۃ سنۃ فقال ذلک النبی یا ربّ انک لتعلم انی لم اکذب قط فاوحی اللہ عزوجل الیہ انما انت عبد مامور فابلغہ ذلک واللہ لا یسئل عما یفعل۔ ثم التفت الی سلیمان فقال احسبک ضاھیت الیھود فی ھذا الباب قال اعوذ باللہ من ذلک وما قالت

الیہود ؟ قال قالت الیہود ید اللہ مغلولۃ یعنون ان اللہ قد فرغ من الامر فلیس یحدث شیئاً فقال اللہ عزوجل غلت ایدیہم ولعنوا بما قالوا انتہی بقدر الحاجۃ

× × × × × × × × × × × × × ×

محمد بن عمر بن عبد العزیز سے مروی ہے اُسنے ایسے شخص سے روایت کی ہے × × × جس نے حسن بن محمد نوفلی سے سنا کہ امام رضا علیہ السلام نے سلیمان مروزی سے فرمایا۔ ای سلیمان تو بدا سے انکار کیا کرتا ہے۔ خدا تو خود فرماتا ہے۔ اولم یر الانسان انا خلقناہ من قبل ولم یک شیئاً اور فرماتا ہے ھو الذی یبدء الخلق ثم یعیدہ اور فرماتا ہے۔ بدیع السموات والارض نیز فرماتا ہے۔ یزید فی الخلق ما یشاء نیز فرماتا ہے وبدء خلق الانسان من طین نیز فرماتا ہے واٰخرون مرجون لامر اللہ اما یعذبہم واما یتوب علیہم اور نیز فرماتا ہے وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ الا فی کتاب (یعنی ان سب آیتوں سے بدا کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے) سلیمان نے کہا کیا اس باب میں آپکو اپنے آبائے طاہرین سے بھی روایت ملی ہے آپنے فرمایا ہاں جناب ابو عبد اللہ الصادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپنے فرمایا خدائے عزوجل کے دو قسم کے علم ہیں۔ ایک علم مخزون ومخفی کہ جسے سوائے اُسکے کوئی نہیں جانتا۔ بدا کا امر اُسی میں ہے۔ دوسرا وہ علم ہے۔ جسے اُسنے اپنے فرشتوں اور رسولوں کو بتایا ہے۔ پس وہ لوگ جو تمہارے نبی کے اہلبیت میں سے عالم ہیں وہ اس علم کو جانتے ہیں۔ سلیمان نے عرض کی میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے قرآن مجید سے نکال کر ثابت کر دیجئے۔ آپنے فرمایا خدا تعالی کے اس قول سے بدا ثابت ہوتا ہے کہ فرمایا فتول عنہم فما انت بملوم (اے رسول تم ان کافروں سے اپنا منہ پھیر لو۔ تمہارے لئے اسمیں کوئی ملامت نہیں ہے۔ یعنی کہ جب یہ کفار تمہارا کہا نہیں سنتے تو تم بھی انسے اعراض کرو اور انکو انکی حالت پر چھوڑ دو) جس سے خدا کا مقصود یہ تھا کہ ان کفار کو ہلاک کرے (کیونکہ جب انکو انکی حالت پر چھوڑ دیا جائیگا تو لامحالہ بحالت کفر مرینگے اور معذب ہونگے) پھر بدا واقع ہوا اور فرما دیا وذکر فان الذکری تنفع المومنین۔ اے رسول (ان کافروں سے اعراض مت کرو بلکہ) انکو یاددہانی (ہدایت) کرو کیونکہ یاددہانی ایمان لانے والوں کو فائدہ دیگی۔ (سبحان اللہ کیا بے مثل آیت حضرت نے اپنے استدلال میں پیش کی ہے کہ جسکے مانے بغیر چارہ ہی نہیں ہوسکتا۔ اس آیت میں صریح بدا کا مسئلہ موجود ہے۔ پہلے تو پروردگار فرماتا ہے اے رسول تم ان کافروں کو انکی حالت پر چھوڑ دو۔ آیندہ ہدایت نہ کرو۔ تاکہ اسیطرح کفر میں رہکر ہلاک ہوں اور پھر اُس حکم کو بدلکر فرماتا ہے۔ ایسا نکرو بلکہ انکو ہدایت کرو۔ کیونکہ یاددہانی وہدایت ایمان لانے والوں کو فائدہ مند ہوگی اس سے عمدہ دلیل اہلسنت کو کیا چاہیئے۔ اگر عقل رکھتے ہوں تو دیکھیں کہ بدا کا مسئلہ شیعوں یا شیعوں کے اماموں کا تصنیف کیا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ خدا تعالی خود اس مسئلہ کا اقرار فرماتا ہے) الغرض سلیمان نے عرض کی یا ابن رسول اللہ کچھ اور ارشاد فرمایئے۔ میں آپ پر قربان ہوں۔ آپنے فرمایا۔ میرے پدر بزرگوار نے اپنے آبائے طاہرین سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا

خدا تعالےٰ نے ایک نبی کو انبیاء میں سے وحی کی کہ فلاں بادشاہ کو یہ خبر دو کہ میں اُسے فلاں فلاں روز میں موت دونگا۔ وہ نبی اُسکے پاس آئے اور اُسے خبر دی۔ اسیوقت بادشاہ نے خدا سے دعا شروع کی۔ یہانتک کہ تخت سے نیچے گر پڑا اور کہتا تھا کہ پروردگار مجھے اتنی مہلت دے کہ میرے بچے جوان ہو جائیں اور میں اپنے کام پورے کر لوں۔ تب خدا تعالیٰ نے نبی کو وحی کی کہ اے نبی تم اُس بادشاہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ میں نے تیری مدت میں بھول ڈالدی (یعنی اُس پہلے امر کو محو کر دیا) اور تیری زندگانی بڑہادی تو پندرہ برس اور زندہ رہیگا۔ نبی نے عرض کی خدایا تو جانتا ہے۔ کہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ (اب یہ کیونکر اُس سے جاکے کہوں کہ تو پندرہ برس نہیں مریگا۔ حالانکہ پہلے کہہ چکا ہوں کہ فلاں وقت میں تو مر جائیگا) خدا تعالیٰ نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب ہے تمکو صرف حکم دیا جاتا ہے۔ اس حکم کو اس بادشاہ تک پہنچا دو۔ خدا سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ تو یہ کام کیوں کرتا ہے!! پھر آپ سلیمان کیطرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اسقدر تیرے لئے کافی ہے۔ تو نے تو اپنے خیال عدم بدا میں یہودیوں سے مشابہت پیدا کر لی۔ سلیمان نے عرض کی پناہ بخدا۔ میں کیوں یہودیوں سے مشابہ ہوتا۔ آپنے فرمایا۔ اسوجہ سے کہ یہودیوں نے کہا تھا کہ خدا کے ہاتھ بندھ گئے (اب وہ کام میں تغیر و تبدیل نہیں کر سکتا) جس سے انکا مطلب یہ تھا۔ کہ خدا تعالیٰ اپنے کاموں سے فارغ ہو چکا۔ اب آیندہ کوئی چیز حادث نہ کریگا۔ تو پروردگار عالم نے انکی رد میں فرمایا غلت ایدیھم ولعنوا بما قالوا انہیں یہودیوں کے ہاتھ بندھ گئے ہیں۔ اور یہ یہودی اپنے اس قول سے مستحق لعنت ہیں۔" انتہیٰ بقدر الحاجۃ۔

نیز امام محمد باقر علیہ السلام سے ابوحمزہ ثمالی نے روایت کی ہے کہ آپنے فرمایا بینما داود علیہ السلام جالس وعندہ شاب رث الھیئۃ یکثر الجلوس عندہ ویطیل الصمت اذ اتاہ ملک الموت فسلم علیہ واحدّ ملک الموت النظر الی الشاب فقال داود علیہ السلام نظرت الی ھذا فقال نعم انی امرت بقبض روحہ الی سبعۃ ایام فی ھذا الموضع فرحمہ داود فقال یا شاب ھل لک امرأۃ قال لا وما تزوجت قط قال داود فائت فلانا رجلا کان عظیم القدر فی بنی اسرائیل فقل لہ ان داود یامرک ان تزوجنی ابنتک وتدخلھا اللیلۃ وخذ من النفقۃ ما تحتاج الیہ وکن عندھا فاذا مضت سبعۃ ایام فوافنی فی ھذا الموضع فمضی الشاب برسالۃ داود علیہ السلام فزوجہ الرجل ابنتہ وادخلوھا علیہ واقام عندھا سبعۃ ایام ثم وافی داود یوم الثامن فقال لہ داود یا شاب کیف رایت ما کنت فیہ قال ما کنت فی نعمۃ ولا سرور قط اعظم ما کنت فیہ قال داود اجلس فجلس وداود ینتظر ان یقبض روحہ فلما طال قال انصرف الی منزلک فکن مع اھلک فاذا کان یوم الثامن فوافنی ھاھنا فمضی الشاب ثم وافاہ یوم الثامن وجلس عندہ ثم انصرف اسبوعا آخر ثم اتاہ وجلس فجاء

ملك الموت داؤد فقال داؤد صلوات الله عليه ان الست حل ثتني بانك امرت بقبض روح هذا الشاب الى سبعة ايام قال بلى قال فقد مضت ثمانيه وثمانيه وثمانيه قال یا داود ان الله تعالیٰ رحمه برحمتك له فاخر فی اجله ثلثین سنته - بحار

(بحار جلد توحید) اسی اثنا میں کہ حضرت داؤد علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے۔ اور آپ کے سامنے ایک نوجوان بھی بلباس کہنہ موجود تھا۔ جو اکثر آپ کی خدمت میں حاضر رہتا اور چپ چاپ بیٹھتا۔ کہ ناگاہ ملک الموت آئے حضرت کو سلام کیا اور گھور گھور کر اُس جوان کو دیکھنے لگے۔ حضرت داؤد نے فرمایا اے ملک الموت تم نے اس جوان کو دیکھا۔ کہا ہاں۔ مجھے حکم ہوا ہے کہ سات دن کے اندر اسکی روح قبض کروں۔ اسی مقام پر یہ سنکر حضرت داؤد کو اس جوان کے حال پر ترس آیا اور فرمایا کہ اے جوان تیری کوئی بیوی ہے اس نے کہا نہیں۔ میں نے ابھی تک بیاہ نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا فلاں شخص کے پاس جا (جو بنی اسرائیل میں عظیم القدر شخص تہا) اور اس سے کہہ کہ داؤد کا حکم ہے کہ تو اپنی لڑکی سے میری شادی کردے!!! اور تو اسی شب میں اسکو اپنے گھر لے آ۔ اور جسقدر اخراجات کی ضرورت ہو وہ جمع کرلے۔ اور اسی کے پاس رہ۔ جب سات دن پورے ہوجائیں تو میرے پاس اسی جگہ آنا۔ وہ جوان یہ سنکر گیا۔ حضرت داؤد کا پیغام اُس اسرائیلی کو پہنچایا۔ اُسنے اپنی لڑکی کا بیاہ اس سے کردیا۔ اور لوگوں نے اس عورت کو اُسکے گھر پہنچادیا۔ یہ جوان سات روز تک اُس کے پاس رہا۔ آٹھویں روز داؤد علیہ السلام کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ان آٹھ دنوں میں کیسا رہا۔ اس نے کہا اس سے بہتر نعمت و سرور میں۔ میں کبھی نہیں رہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گیا۔ آپ دیکھ رہے تھے۔ کہ اب اسکی روح قبض کیجائیگی۔ جب دیر ہوگئی تو فرمایا کہ اچھا تو اپنے گھر کو واپس جا۔ سات روز تک اپنے عیال کے پاس رہ۔ آٹھویں روز پھر یہاں آنا۔ جوان یہ سنکر چلا گیا۔ آٹھویں روز حسب حکم آیا۔ آپکے پاس بیٹھا۔ پھر ایک ہفتہ کیلئے اپنے گھر کو چلا گیا پھر آیا اور حاضر خدمت ہوا۔ تب ملک الموت آئے۔ آپ نے پوچھا۔ اے ملک الموت کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ مجھ کو اس جوان کی روح قبض کرنیکا حکم ملا ہے ایک ہفتہ میں؟ کہا ہاں حکم تو ملا تھا۔ فرمایا تو وہ آٹھ دن گزر گئے اور آٹھ۔ اور آٹھ اور بھی گذر چکے۔ عرض کی ملک الموت نے کہ اے داؤد۔ خدا تعالیٰ نے اُس جوان پر بسبب تمہارے ترس کھانے کے رحم کیا۔ اور اُسکی عمر میں تیس برس کی تاخیر کردی۔ (ترجمہ حدیث منقول از توحید بحار)

یہ مضامین تو بطریق شیعہ امامیہ تھے۔ اب ملاحظہ ہوں۔ وہ اقرارات جو زبانی اہلسنت والجماعت کے ہیں۔ حالانکہ یہ حضرات بداء کے منکر ہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ حقیقت بداء کے تو دل میں بلکہ زبان سے بھی ضرور قائل ہیں۔ مگر صرف لفظ بداء سے گھبراتے ہیں۔ کہ یہ کیا منتر ہے اور اسکا علاج کچھ نہیں ہے۔ خیر ہمیں تو صرف انکے اقرارات متعلق بہ بداء دکھلانے مقصود ہیں۔ خواہ وہ اپنے قول کو آپ مانیں یا نہ مانیں

ملاحظہ ہوں آیات ذیل اور انکے متعلق علمائے اہلسنت کی تفسیریں:-

لکل اجل کتاب یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب (سورہ رعد) یہ آیت سابق میں بیان ہو چکی ہے۔ مگر یہ دیکھنا ہے کہ امام فخر الدین رازی کیا فرماتے ہیں "فی ھذہ الآیۃ قولان الاول انھا عامۃ فی کل شیئ کما یقتضیہ ظاھر اللفظ قالوا ان اللہ یمحو من الرزق ویزید فیہ و کذا القول فی السعادۃ والشقاوۃ والایمان والکفر وھو مذھب عمر و ابن مسعود ورواہ جابر عن رسول اللہ والثانی انھا خاصۃ فی بعض الاشیاء دون البعض فیھا وجوہ الاول ان المراد من المحو والاثبات نسخ الحکم المتقدم واثبات حکم آخر بدلا عن الاول الثانی انہ تعالیٰ یمحو من دیوان الحفظۃ مالیس بحسنۃ ولا سیئۃ لانھم مامورون بکتبۃ کل قول وفعل ویثبت غیرہ الثالث انہ تعالیٰ اراد بالمحو ان من اذنب اثبت ذلک الذنب فی دیوانہ فاذا تاب عنہ محی عن دیوانہ۔ الرابع یمحو اللہ مایشاء وھو من جاء اجلہ ویدع من لم یجی اجلہ ویثبتہ۔ الخامس انہ تعالیٰ یثبت فی اول السنۃ فاذا مضت السنۃ محی واثبت کتابا آخر للمستقبل۔ السادس یمحو نور القمر ویثبت نور الشمس السابع یمحو الدنیا ویثبت الاخرۃ الثامن انہ فی الارزاق والمحن والمصائب یثبتھا فی الکتاب ثم یزیلھا بالدعاء والصدقۃ وفیہ حث علی الانقطاع الی اللہ تعالیٰ۔ التاسع تغیر احوال العبد فما مضی منھا فھو المحو وما حصل وحضر فھو الاثبات۔ العاشر یزیل مایشاء من حکمہ لایطلع علیہ احد فھو المتفرد بالحکم کما یشاء وھو المستقل بالایجاد والاعدام والاحیاء والاماتۃ والاغناء والافقار بحیث لایطلع علی غیبہ احد من خلقہ واعلم ان ھذا الباب فیہ مجال عظیم فان قال قائل الستم تزعمون ان المقادیر قد جف بہ القلم فکیف یستقیم مع ھذا المعنی المحو والاثبات قلنا ذلک المحو والاثبات ایضا قد جف بہ القلم فلا یمحو الا ماسبق فی علمہ وقضائہ محوہ"

ملاحظہ ہو اس کلام میں پہلی۔ تیسری۔ آٹھویں۔ اور دسویں وجہ جو تفسیر آیت مذکورہ میں بیان کی ہے اور یہ آخری سوال وجواب کہ کس قدر اعتقاد شیعہ امامیہ سے متفق ہے یہی تو وہ مطلب ہے۔ جسے شیعہ امامیہ اور انکے پیشوایان دین اس آیت سے تفسیر کرتے ہیں۔ یا کوئی اور مطلب ہے کیسی زبردستی کی بات ہے کہ خود کسی مطلب کو صحیح بتادیں اور جب دیکھیں کہ کوئی شیعہ اس رائے کا معتقد ہے۔ تو اسپر اعتراض کریں۔ نہ معلوم یہ اعتراض خود انپر واقع ہوتا ہے۔ یا اُس شیعہ پر جو اس رائے کا معتقد ہے جس کے آپ بھی معتقد ہیں۔

پھر ملاحظہ ہو اسی آیت کے ذیل میں۔ علامہ زمخشری تفسیر کشاف میں کیا تحریر فرماتے ہیں "یمحو اللہ مایشاء ینسخ مایستصوب نسخہ ویثبت بدلہ مایری المصلحۃ فی اثباتہ

ويترك غير منسوخ۔ وقيل يمحو من ديوان الحفظة ما ليس بحسنة ولا سيئة لانهم مامورون بكتبة كل قول وفعل ويثبت غيره وقيل يمحو كفر التائبين ومعاصيهم بالتوبة ويثبت ايمانهم وطاعتهم" یعنی یمحو اللہ ما یشاء سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ جس امر کے منسوخ کرنیکو بہتر سمجھتا ہے اُسے منسوخ کر دیتا ہے اور اُسکے عوض میں جس امر کے ثابت و قایم کرنیکو مصلحت جانتا ہے اسکو قایم کرتا ہے اور اُسکو منسوخ نہیں فرماتا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یمحو اللہ ما یشاء سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتگان حفاظت کنندہ اعمال کے دفتر سے اُن امور کو محو فرماتا ہے جو نہ نیکی ہیں اور نہ بدی۔ (فرشتگان محافظین کو چونکہ ہر قول و فعل کے لکھ لینے کا حکم ہے اس لئے وہ حسنہ و سیئہ اور غیر حسنہ و غیر سیئہ کو لکھ لیتے ہیں۔ مگر پروردگار عالم اپنے فضل سے ایسے امور کو محو کرتا ہے) اور اسکے علاوہ امور کو درج فرما دیتا ہے" اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ توبہ کرنیوالوں کے کفر اور معصیتوں کو اُنکی توبہ کے سبب سے محو فرما دیتا اور انکی طاعت اور ایمان کو درج کر دیتا ہے"۔ اس تفسیر میں بھی جو کچھ علامہ زمخشری نے ابتداً لکھا ہے یعنی کہ خدا تعالیٰ امور عالم میں سے جس کے مٹا دیے جانے کی مصلحت دیکھتا ہے مٹا دیتا ہے اور اسکے مقام پر دوسرے امر کو جسکا ہونا مصلحت ہے قایم کرتا ہے یہی مسلک ہملوگونکا بھی مسئلہ بدا میں ہے اور ہم بھی بدا بمعنی نسخ ہی کے قائل ہیں نہ یہ کہ بدا بمعنی ظہور غلطی رائے سابق۔ جیسا کہ بلا وجہ ہمپر اسکا الزام لگایا جاتا ہے۔

پھر ملاحظہ ہو یہ آیت اور اُسکی تفسیر وما يعمر من معمر ولا ينقص من عمره الا فی كتاب اس آیت کے متعلق علامہ زمخشری اپنی تفسیر میں تھوڑی دُور آگے چل کر فرماتے ہیں وفيه تاويل آخر وهو ان لا نطول عمر الانسان ولا نقصر الا فی كتاب وصورته ان يكتب فی اللوح ان حج فلان او غزا فعمره اربعون سنة وان حج وغزا فعمره ستون سنة فاذا جمع ما بينهما فبلغ الستين فقد عمر واذا افرد احدهما فلم يتجاوز الاربعين فقد نقص من عمره الذی هو الغاية وهو الستون واليه اشار رسول الله فی قوله ان الصدقة والصلة تعمران الديار وتزيدان فی الاعمار وعن كعب انه قال حين طعن عمر لو ان دعى الله لاخر فی اجله فقيل لكعب اليس قد قال الله تعالى اذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون قال فقد قال الله تعالى وما يعمر من معمر وقد استفاض على الالسنة اطال الله بقاءك وفسح فی مدتك وما اشبهه" یعنی کہ اس آیت کی ایک اور بھی تاویل ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم انسان کی عمر کو گھٹاتے بڑھاتے نہیں مگر کتاب میں۔ اور اُسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ لوح پر لکھ دیتا ہے کہ اگر فلاں شخص حج یا جہاد کریگا۔ تو اسکی عمر چالیس سال کی ہوگی۔ اور اگر حج اور جہاد دونوں کریگا تو اسکی عمر ساٹھ برس کی ہوگی

پس اگر وہ دونوں کام کر لیتا ہے تو ساٹھ برس کے سن تک پہنچ جاتا ہے۔ پس اسے عمر کا پورا حصہ مل گیا۔ اور اگر صرف ایک ہی کام ان دونوں میں سے کیا تو چالیس برس سے تجاوز نکریگا۔ تو اُسکی زندگی گھٹ جائے اُس انتہائی عمر سے جو ساٹھ برس مقرر ہوئے تھے یہی مطلب ہے ینقص من عمرہ کا)

اور اسی کی طرف رسول اللہؐ نے اشارہ فرمایا ہے کہ صدقہ اور صلہ رحم شہروں کو آباد اور عمروں کو زیادہ کرتے ہیں (یعنی صدقہ و صلہ رحم کرنیسے زندگی کی مدت زیادہ ہو جاتی ہے) اور کعب الاحبار سے مروی ہے کہ جب خلیفہ عمر کو کسی شخص نے زخمی کیا تو کعب نے کہا کہ اگر یہ اپنے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کرتے تو پروردگار عالم انکی موت میں تاخیر کر دیتا۔ تو کعب سے کسی نے (بطور اعتراض کے) کہا کہ کیا خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون (جب مدت زندگی آدمیوں کی ختم ہو جاتی ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں)۔ تو کعب نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وما یعمر من معمر" (یعنی کہ خدا تعالیٰ عمر میں زیادتی بھی کر دیتا ہے۔ باوجودیکہ پہلے ایک حد اُسکی مقرر کر دی تھی۔ مگر مختلف اسباب سے اُسمیں کمی اور زیادتی کر دینے کا بھی اُسکو اختیار ہے) اور البتہ خدا تعالیٰ نے عام زبانوں پر یہ کلام جاری بھی فرما دیا ہے کہ اطال اللہ بقاءک۔ خدا تعالیٰ تیری عمر طولانی کرے۔ فسح اللہ فی مدتک۔ خدا تعالیٰ تیری مدت زندگی کو وسیع فرمائے۔ وغیرہ کلمات جو عام طور پر مشہور ہیں (جنسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعتقاد عام ہے کہ خدا تعالیٰ امور مقررہ میں کمی اور زیادتی بھی فرماتا رہتا ہے)۔

اس عبارت تفسیر سے چند باتیں سمجھ میں آئیں ۱۔ ایسا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک لوح محو و اثبات بنایا ہے اور کسی امر کو لکھتا یا اُسکو مٹاتا ہے اور یہی مطلب مرحلہ بداء میں بھی ملحوظ ہے ۲۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ لوح محو و اثبات پر مدت زندگانی کسی شرط پر بھی معلق فرماتا ہے مثلاً اگر فلاں شخص حج و جہاد کریگا۔ تو ساٹھ برس اُسکی زندگی ہوگی اور اگر صرف ایک ہی عمل خیر ان دونوں میں سے کریگا تو صرف چالیس ہی برس جیئیگا ۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ صدقہ اور صلہ رحم عمر کے طولانی ہو جانے میں مدد دیتے ہیں۔ یعنی اگر کسی شخص کی زندگی پچاس برس کی مقرر ہو چکی ہے تو بسبب صدقہ دینے یا صلہ رحم کرنیکے اس سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ بداء شیعوں میں احداثی اور ایجادی نہیں ہے۔ بلکہ حضرت سرور کائناتؐ کے کلام و احادیث سے ماخوذ ہے اور آپ ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہے ۴۔ اصحاب کو بھی مسئلہ بداء کا اعتقاد تھا۔ چنانچہ کعب الاحبار نے کہا ہے کہ اگر عمر اپنی زندگی کے طولانی ہونے کی دعا کرتے تو اُنکو کچھ اور مدت زندگی ملجاتی ۵۔ یہ کہ آیہ اذا جاء اجلہم الخ آیۃ ما یعمر من معمر کے مخالف نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جو علم خدا تعالیٰ میں وقت حتمی موت کا مقرر ہے اُسمیں کمی اور زیادتی نہیں

ہوتی۔ اور نہ کسی کو اختیار ہے کہ اُسمیں تقدیم اور تاخیر کر سکے۔ مگر چونکہ خود خدا تعالیٰ مختار و قادر مطلق ہے اس لئے اُسے ممکن ہے کہ جسکی مدت زندگی مقررہ سابقہ کو چاہے بڑھا دے اور چاہے گھٹا دے۔ اسپر کوئی الزام عاید نہیں ہو سکتا!!

اسی آیۃ مذکورہ کے متعلق تفسیر بیضاوی میں تحریر فرماتے ہیں وقیل الزیادۃ والنقصان فی عمر واحدٍ باعتبار اسباب مختلفۃ اثبتت فی اللوح مثل ان یکون فیہ ان حج عمرو فعمرہ ستون سنۃ والا فاربعون۔ انتہیٰ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی کی زندگانی کی مدت میں کمی اور زیادتی واقع ہونے کو مختلف اسباب سے لوح محو و اثبات میں خدا تعالیٰ لکھدیتا ہے۔ مثلاً اُسمیں یہ لکھا ہوتا ہے کہ اگر عمرو حج کریگا تو اُسکی زندگی ساٹھ برس کی ہوگی۔ اور نہیں تو صرف چالیس سال"۔ یہ عبارت بھی کھلے لفظوں میں بداء کا اقرار کر رہی ہے۔

نیز ملاحظہ ہو۔ آیۃ کل یوم ھو فی شان۔ صاحب کشاف علامہ زمخشری بعد ایک کلام طولانی کے اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں عن عبد اللہ بن طاھر انہ دعا الحسین بن الفضل وقال اشکلت علی ثلث آیات دعوتک لتکشفھا لی۔ قولہ نعم فاصبح من النادمین وقد صح ان الندم توبۃ۔ وقولہ کل یوم ھو فی شان وصح ان القلم جف ھو بما کائن الی یوم القیامۃ۔ وقولہ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ فما بال الاضعاف فقال الحسین یجوز ان لا یکون الندم توبۃ فی تلک الامۃ ویکون توبۃ فی ھذہ الامۃ لان اللہ خص ھذہ الامۃ بخصائص لم یشارکھم فیھا الامم۔ وقیل ان ندم قابیل لم یکن علی قتل ھابیل ولکن علی حملہ واما قولہ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ فمعناہ لیس لہ الا ما سعیٰ عدلا ولی ان اجزیہ بواحدۃ الفا فضلا واما قولہ کل یوم ھو فی شان فانھا شیون یبدیھا لا شیون یبتدیھا فقام عبد اللہ وقبل راسہ"۔ انتہی بقدر الحاجۃ۔ یعنی کہ عبد اللہ بن طاہر نے ایکمرتبہ حسین بن فضل کو بلایا اور کہا کہ قرآن مجید کی تین آیتیں مجھے مشکل معلوم ہوئی ہیں میں چاہتا ہوں۔ کہ تم اُسے حل کر دو۔ ایک تو خدا تعالیٰ کا یہ قول کہ فاصبح من النادمین"۔ کیونکہ حدیث صحیح سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ندامت ہی توبہ ہے (اور جب کہ قابیل نے توبہ کر لی تو پھر اُسکے معذب رہنے کی کیا وجہ ہے) ۲ خدا تعالیٰ کا یہ کلام کہ کل یوم ھو فی شان اسلئے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو کچھ آئندہ ہونیوالا ہے اُسے لکھ کر قلم قدرت خشک ہو گیا ہے (یعنی روز اوّل سے جو کچھ ہونیوالا تھا۔ لکھا جا چکا اب اُسمیں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اس آیت سے نسخ و تغیر و تبدل سمجھہ میں آتا ہے) ۳ خدا تعالیٰ کا یہ کلام ان لیس للانسان الا ما سعیٰ (انسان کو وہی ملیگا۔ جو اس نے کوشش کی ہے۔ یعنی اُس سے زیادہ اس کے ہاتھ نہ آئیگا) تو

ایک نیکی کا بدلہ دس گنا یا اس سے زیادہ ملنے کے کیا معنی ہوئے؟ حسین مذکور الصدر نے جواب دیا کہ جائز ہے کہ اس امت میں صرف ندامت ہی توبہ رہی ہو۔ اور اس امت مرحومہ محمدیہ میں مثلاً کچھ قائم مقام توبہ کا قرار دیا ہو۔ کیونکہ خداتعالیٰ نے اس امت مرحومہ کو ایسے ایسے خصائص سے مخصوص کیا ہے جنمیں اور امتیں انکی شریک نہیں ہیں (مثلاً۔ صرف سترہ رکعت نماز واجبہ کا انکے متعلق ہونا۔ باوجودیکہ اگلی امتوں میں اس سے زیادہ نماز واجب تھی۔ یا مثلاً صرف تیس روزے کے روزے کا وجوب باوجودیکہ اگلی امتوں پر اس سے زیادہ روزہ واجب تھے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بھی بہت سے امور ہیں۔ لہذا ممکن ہے کہ اس امت مرحومہ پر غائت رحم کیوجہ سے یہ قرار دیا گیا ہو۔ کہ صرف تیرا نادم ہونا ہی اپنے برے کام پر توبہ سمجھا جائیگا۔ اور دیگر امتوں میں یہ بات نہ رہی ہو۔ بلکہ توبہ کے کچھ اور شرائط ہوں جنکے بغیر توبہ نہ ہو سکتی ہو۔ تو صرف نادم ہونیسے قابیل کو کیا فائدہ ملسکتا ہے نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قابیل کا نادم ہونا ہابیل کے قتل پر نہ تھا۔ بلکہ اس بات پر تھا۔ کہ میں اسکی نعش کو تین دن تک لادے ہوئے کیوں پھرا۔ ان لیس للانسان الا ما سعیٰ سے یہ مراد ہے کہ مقتضائے انصاف تو صرف اتنا ہے کہ جسقدر آدمی کوشش کرے اتنا ہی پھل پائے مگر فضل خداتعالیٰ کا مقتضا یہ ہے کہ ایک کی عوض میں ہزار گنے عطا فرما کل یوم ہو فی شان میں شان سے مراد شان بدا ہے نہ شان ابتدا۔ یہ کہ عبداللہ طاہر نے حسین بن فضل

اس عبارت سے بھی تسلیم کرنا مسئلہ بدا کا زبانی حسین بن فضل کی اور علامہ زمخشری کا اسپر کچھ جرح و قدح نہ کرنا معلوم ہوا جو ثبوت کافی اس امر کا ہے کہ علمائے اہلسنت بھی مثل شیعوں کے اس مسئلہ کے قائل و معتقد ہیں۔ صرف زبانی طور پر اسکی مخالفت فرماتے ہیں۔

ایک اور ثبوت بدا کا قرآن مجید سے واقعہ ذبح اسماعیل ہے۔ جسکا حکم خداتعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو دیا تھا اور پھر منع فرما دیا۔ "فلما اسلما وتلہ للجبین ونادیناہ ان یا ابراہیم قد صدقت الرؤیا انا کذلک نجزی المحسنین۔" پہلے تو خداتعالیٰ نے خواب میں حضرت ابراہیم سے فرمایا کہ تم اپنے فرزند کو ذبح کرو جسے یہ فقرہ ظاہر کر رہا ہے یا ابت افعل ما تؤمر اے پدر بزرگوار جس امر کا آپکو حکم ملا ہے (یعنی میرے ذبح کرنیکا) وہ عمل میں لائیے۔ اسکے بعد ہی جب دونوں باپ اور بیٹے راضی ہوگئے اور باپ نے بیٹے کو ذبح کرنیکے لئے لٹا بھی دیا۔ تو وہ حکم منسوخ کیا گیا اور ندا آئی۔ کہ یا ابراہیم قد صدقت الرؤیا تمنے خواب کی تصدیق کردی۔ اب اسے ذبح نہ کرو۔ وفدیناہ بذبح عظیم اور ہم نے اسکا بڑا فدیہ دیدیا۔ اسی آیت سے مفسر بیضاوی نے مسئلہ جواز نسخ قبل الوقوع کو پیدا کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حضرت ابراہیم باوجودیکہ ذبح فرزند پر مامور تھے۔ مگر خداتعالیٰ نے قبل وقوع ذبح کے اپنے اس حکم سابق کو منسوخ کردیا۔"

پھر ایک اور بہت بڑا ثبوت بدا کا وہ آیت ہے جو قصہ حضرت یونس میں مذکور ہے فلولا کانت قریۃ آمنت فنفعہا ایمانہا الا قوم یونس لما آمنوا کشفنا عنہم عذاب الخزی

"فی الحیوۃ الدنیا و متعناھم الی حین" جس سے مطلب یہ ہے کہ پہلے۔ تو قوم یونس کے لئے بسبب اُن کے کفر کے وعدہ عذاب کیا گیا۔ اور جب وعدہ وہ عذاب بھیجا بھی گیا مگر قوم یونس کی تضرع وزاری نے وہ فائدہ پہنچایا کہ آیا ہوا عذاب خدا تعالی نے ٹال دیا اور ایک مدت دراز تک اسکے بعد بھی اُنکو زندہ رکھا۔ چنانچہ اسکی تفسیر میں مفسر بیضاوی نے تحریر کیا ہے "روی ان یونس علیہ السلام بعث الی نینوی من الموصل فکذبوہ واصروا علیہ فوعدھم بالعذاب الی ثلث وقیل الی اربعین فلما دنا العذاب اغامت السماء غیما اسود ذا دخان شدید فھبط حتی غشی مدینتھم فتابوا وطلبوا یونس فلم یجدوہ فایقنوا صدقہ فلبسوا المسوح وبرزوا الی الصعید بانفسھم ونسائھم ودوابھم وفرقوا بین کل والدۃ وولدھا فحن بعضھا الی بعض وعلت الاصوات والعجیج واخلصوا التوبۃ واظھروا الایمان وتضرعوا الی اللہ تعالی فرحمھم وکشف عنھم وکان یوم عاشوراء یوم الجمعۃ" یعنی کہ مروی ہے کہ یونس علیہ السلام موصل سے نینوے کیطرف مبعوث ہوئے تھے۔ مگر لوگوں نے انکی تکذیب کی اور انکار پر مصر رہے۔ پس حضرت یونس نے انکو عذاب کا وعدہ دیا تین روز یا چالیس روز کا (باختلاف روایتیں) پس جب عذاب قریب آیا تو آسمان پر بہت سیاہ ابر چھا گیا۔ جسمیں سخت دھواں بھی تھا اور وہ نیچے اُترا۔ یہانتک کہ رستے تاریک ہو گئے۔ اُسوقت قوم یونس نے توبہ کی اور یونس کو تلاش کیا۔ مگر وہ نہ ملے۔ تب انکو حضرت یونس کی سچائی کا یقین ہو گیا۔ پھر تو کمبل اوڑھے اور میدان میں خود اور اپنی عورتیں اور چوپاؤں کو نکالا۔ اور بچے اور ماؤں کو الگ کر دیا۔ اسوقت ایک دوسرے کیطرف مشتاق ہوا۔ اور آوازیں فریاد کی بلند ہوئیں۔ اور سب نے خالص دل سے توبہ کی اور ایمان ظاہر کیا اور خدا تعالی کی جناب میں تضرع کی۔ پس اللہ نے اُن پر رحم کیا اور انسے عذاب کو ہٹا دیا۔ وہ دن روز عاشوراء اور جمعہ تھا۔

پھر ایک ثبوت بداء کا یہ آیت قرآنیہ بھی ہے "و واعدنا موسی ثلثین لیلۃ واتممناھا بعشر" ہمنے موسی سے تیس دن کا وعدہ کیا تھا۔ اور دس دن اور اضافہ کر کے چالیس پورے کئے۔ پہلے تو تیس ہی دن کے روزہ کا انکو حکم دیا گیا تھا۔ مگر بعد میں اور دس روز کا حکم ہوا۔ جو صاف بداء ہے۔ صاحب حبیب السیر تحریر فرماتے ہیں "بنی اسرائیل بکرات ومرات بعرض موسی رسانیدند کہ مارا شریعتی مجدد میباید تا بمقتضائے آن عمل نمائیم وآنجناب این معنی را معروض بارگاہ احدیت گردانید خطاب آمد کہ بطور سینا شتافتہ سی روز روزہ دار تا مسئول تو قبول یابد و موسی ہارون را بخلافت خویش درمیان قوم خود گذاشتہ ایشان را بجانب بریہ روانہ فرمود۔ ونفس نفیس با ہفتاد تن از صلحائے بنی اسرائیل بطرف طور حرکت آمد وبعد از وصول بمقصد از غرہ ذیقعدہ تا سلخ ماہ مذکور روزہ گذرانید وموجب وحی الہی عشرہ ذی الحجہ را بآن منضم گردانید۔

كما قال عز و علا و واعدنا موسىٰ ثلثين ليلة و اتممناها بعشر ؎

اب دیکھو اے برادران اسلام! کہ وہ انکار جو تم اس مسئلہ کی نسبت محض ہٹ دھرمی سے کرتے تھے کہاں قائم رہا۔ تم خود بھی اسکے اقراری ہو۔ اور خدا تعالیٰ کا تو وہ فعل ہی ہے اُس سے انکار کی کیا وجہ ہے۔ پھر کیوں اپنے اوقات عزیز کو اسکے رد میں ضائع کرتے۔ اور مخالفت الٰہیہ کی معصیت کا بار اپنے سر لیتے ہو۔ سمجھو اور غور کرو۔ وما علینا الا البلاغ!!

باقی رہی یہ بات کہ تم جو الزام ہم پر مسئلہ بداء میں یہ لگاتے ہو کہ "یہ لوگ خدا تعالیٰ کی رائے کی غلطی کے ظہور کے قائل ہیں" اس الزام کا بار ثبوت تم پر ہے۔ ہرگز تم ہمارے علمائے یا ائمہ علیہم السلام کے کلام سے اسکا ثبوت نہیں دے سکتے بلکہ جہاں تک تم تلاش کرو گے۔ بعینہ وہی مطلب تمہیں ہماری کتابوں میں نظر آئیگا۔ جو تمہارے علماء و مفسرین نے لکھا ہے۔ دیکھو کہ ہمارے قدماء و علماء میں سے شیخ صدوق رہ ہیں۔ وہ اپنی کتاب توحید میں اس مسئلہ کی نسبت اور تمہارے جھوٹے الزام کی نسبت کیا فرماتے ہیں "ليس البداء كما يظنه جهال الناس بانه بداء ندامة تعالى الله عن ذالك علوا كبيرا ولكن يجب علينا ان نقر لله عز و جل بان له البداء معناه ان يبدء بشي من خلقه فيخلقه قبل شي ثم يعدم ذالك الشي و يبدء بخلق غيره او يامر بامر ثم ينهى عن مثله و ينهى عن شي ثم يامر بمثل ما نهى عنه وذالك مثل نسخ الشرائع و تحويل القبلة و عدة المتوفى عنها زوجها۔ ولا يامر الله عباده بامر في وقت ما الا و هو يعلم ان الصلاح لهم في ذالك الوقت في ان يامرهم بذالك و يعلم ان في وقت اخر الصلاح لهم في ان ينهاهم عن مثل ما امرهم به" پھر تھوڑی عبارت کے بعد فرماتے ہیں "والبداء رد على اليهود لانهم قالوا ان الله قد فرغ من الامر فقلنا ان الله كل يوم في شان يحيي و يميت و يرزق و يفعل ما يشاء و البداء ليس من ندامة"

تم نے غور سے پڑھا اور سمجھ لیا کہ شیخ رہ نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ کہیں اس کلام میں اس الزام کا شائبہ بھی ہے۔ جو تم لوگ ہم پر لگاتے ہو (بالکل نہیں) بلکہ اسمیں انکار صریح موجود ہے اسی مطلب کو سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے بھی جواب مسائل اہل الرے میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ "ان المراد بالبداء النسخ" وہ بداء جسکے قائل شیعہ امامیہ ہیں اس سے مراد نسخ ہے۔ اور نسخ کے قائل تم بھی ہو۔ اگر اعتبار نہ ہو۔ تو اپنے علماء سے پوچھو اور اصول فقہ کی کتابیں دیکھو اسی مطلب کو سید داماد رحمۃ اللہ نے نبراس میں ارشاد فرمایا ہے ان البداء منزلته في التكوين منزلة النسخ في التشريع فما في امر التشريعي و الاحكام التكليفي نسخ فهو في الامر التكويني و المكونات الزمانية بداء فالنسخ كانه بداء تشريعي و

البدا ءکانہ نسخ تکوینی الخ - جس سے مراد یہ ہے کہ بدا ء کا مرتبہ تکوین و خلق میں - وہی ہے جو نسخ کا مرتبہ تشریع میں ہے - پس جو چیز کہ امر تشریعی اور احکام تکلیفیہ میں نسخ ہے - وہی امر تکوین اور مکونات زمانیہ میں بدا ء ہے - پس نسخ تو گویا بدا ء تشریعی ہے اور بدا ء گویا کہ نسخ تکوینی ہے اس عبارت نے بھی یہی بتایا - کہ بدا ء سے مراد بدا ء ندامت و جہالت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد نسخ ہے جو کہ جائز بلکہ واقع بھی ہو چکا ہے - جیسا کہ تحویل قبلہ وغیرہ مثالوں سے پہلے ثابت ہو چکا ہے - پس جبکہ آئمہ علیہم السلام اور علمائے کرام کے بیانات سے واضح ہو گیا - کہ ہمارے فرقہ میں سے کوئی بھی اس امر کا قائل نہیں - جسکا الزام لگایا جاتا ہے تو معترضین کو لازم ہے کہ اپنا الزام نہایت عاجزی کے ساتھ واپس لیں - اور پھر کبھی اسکا خیال بھی دل میں نہ لائیں -

بارھواں باب قدرۃ و ارادۂ خدایتعالیٰ کے بیانمیں

چونکہ قائلین وجود خدایتعالیٰ میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے - جو پروردگار عالم کو فاعل موجب جانتا ہے یعنی فاعل بے اختیار جیسے آگ اپنے جلانے میں نہ خود قدرت رکھتی ہے اور نہ اسکو جلانے کا ارادہ ہوتا ہے - بلکہ جلانا اسکا ایک طبعی فعل ہے جو اس سے صادر ہوتا ہے مگر چونکہ یہ خیال غلط ہے اس لئے خدایتعالیٰ نے اسکی غلطی کو اپنی کتاب مجید میں بہت سے موقعوں پر ظاہر فرما دیا ہے چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرماتا ہے اعلم ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر - اے رسول جانو کہ خدایتعالیٰ کو ہر شے پر قدرت حاصل ہے - وہ بے اختیار نہیں ہے - پھر سورہ آل عمران میں فرمایا واللہ علیٰ کل شئی قدیر - خدایتعالیٰ کو ہر شے پر قدرت ہے - پھر سورہ نساء میں فرمایا ان یشاء یذھبکم ایھا الناس و یات باخرین وکان اللہ علیٰ ذالک قدیرا - اگر خدایتعالیٰ چاہے - تو تم سب کو فنا کر دے - اور تم جیسے دوسرے لوگوں کو پیدا کر دے اور اللہ اس امر پر قادر ہے " پھر اسی سورہ میں فرمایا فان اللہ کان عفواً قدیرا - پس بیشک خدایتعالیٰ معاف کرنیوالا اور قدرت رکھنے والا ہے -

اسمیں کوئی شک نہیں کہ جیسا اُس نے ارشاد فرمایا ہے - ویسا ہی ہے - اور قدرت بھی عامہ ہے - کسی خاص حد تک محدود نہیں ہے کہ جہاں پہنچکر ٹھہر جائے اور اس سے آگے نہ متجاوز ہو - اس معاملے میں حکمائے نے بہت بڑی غلطی کھائی ہے - جو اُسکے فاعل موجب ہونیکے قائل ہوئے ہیں - کیونکہ انہیں سمجھنا چاہیئے - کہ اول تو یہ ہے کہ وہ صانع قدیم ہے اور اُس سے یہ موجودات عالم جو حادث ہیں پیدا ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ حادث کا ہونا قدیم سے بطور ایجاب اور بے اختیاری کے ہرگز نہیں ہو سکتا - اس لئے کہ اگر موجودات کا حدوث اس

سے بلا اختیار ہوگا۔ تو یا یہ لازم آئیگا کہ عالم قدیم ہے۔ یا یہ لازم آئیگا کہ معلول اپنی علت سے متخلف ہے حالانکہ دونوں باتیں ناممکن ہیں۔ تشریح اسکی یوں ہوسکتی ہے کہ اگر ہم خدا تعالیٰ کو فاعل بے اختیار مانینگے تو ہمیں کہنا پڑیگا۔ کہ عالم کے جمیع موجودات کا صدور اس سے ازل ہی میں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ فاعل موجب کا فعل اس سے کسیطرح جُدا نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ ہم یقیناً اور بداہتہً جانتے ہیں کہ عالم کے تمام موجودات ازلی نہیں ہیں۔ بلکہ یکے بعد دیگرے اور آناً فاناً۔ یوماً فیوماً۔ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہی کہ یہ فعل خلق اسکا اختیاری ہے نہ اضطراری اور بلا اختیار۔ اور اگر ہم عالم کو قدیم نہ مانیں۔ بلکہ حوادث زمانیہ ہی سمجھیں۔ جیسا کہ وہ فی الواقع بھی ایسے ہی ہیں۔ تو اس بنا پر کہ ہم خُدا تعالیٰ کو فاعل موجب تسلیم کر چکے ہیں۔ لازم آتا ہے کہ علت تامہ تو موجود ہو اور اُسکا معلول موجود نہ ہو۔ حالانکہ یہ محال ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ خُدا تعالیٰ ہرگز فاعل موجب نہیں ہے بلکہ فاعل قادر مختار ہے۔

دوسرے یہ کہ عالم کو جس نے بھی پیدا کیا ہو وہ قادر ضرور ہے کیونکہ اس عالم میں ایسے ایسے عجائب صنعت اور لطائف حکمت ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ہرگز کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ اس کا بنانے والا قادر و توانا و حکیم نہیں ہے۔ پس اگر تم کہو کہ عالم کا بنانیوالا خُدا تعالیٰ ہی ہے فہو المراد۔ اور اگر کہو کہ وہ اسکا خالق نہیں ہے۔ بلکہ اسکو کسی اور خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو ہم کہیں گے۔ کہ جس نے ایسے خالق و قادر کو پیدا کیا۔ جس سے عالم کے موجودات اور اسکے عجائب حکم و صنعت ظاہر ہوئے وہ بطریق اولیٰ قادر ہوگا۔ کیونکہ معلول اپنی علت سے کبھی بڑھا ہوا نہیں ہوسکتا۔ جبکہ عالم کا بنانے والا قادر ہے تو اُسکا بنانے اور پیدا کرنیوالا جسے تم نے خدا مانا ہے۔ وہ کیونکر نہ قادر ہوگا۔ نیز ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ موجودات و کائنات عالم میں ہزاروں ایسے مخلوق ہیں۔ جو صاحب قدرت و طاقت ہیں۔ مثلاً انسان۔ و حیوانات وغیرہ۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں پس کیونکر عقل تجویز کر سکتی ہے کہ مخلوقات صاحب قدرت و اختیار ہوں۔ اور انکا خالق بے قدرت و بے اختیار ہو۔ کیونکہ معلول اپنی علت سے ہرگز بڑھ نہیں سکتا۔

تیسرے یہ بات بھی سوچنے کے قابل ہے کہ جبکہ عالم کا موجد خُدا تعالیٰ کو مانا گیا تو باوجود اس کے کہ اس کے مصنوعات نہایت استحکام و اتقان و حکمت و صنعت و کمال و حسن و فوائد و منافع و آثار و خواص پر مشتمل ہیں۔ مثلاً مواقع مخصوصہ پر ہواؤں کا چلنا۔ پھلوں کا پھلنا۔ پھولوں کا کھلنا۔ مینہ کا برسنا۔ نباتات کا اُگنا۔ ستاروں کا طلوع کرنا۔ حیوانات کا اغراض کثیرہ و منافع غیر متناہیہ پر شامل ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔ امور جو آسمان و زمین کے درمیان اور انکے اوپر اور ان سے نیچے موجود ہیں۔ کس طرح نہیں بتاتے کہ انکا پیدا کرنیوالا حکیم و قادر ہے۔ کیونکہ اگر بلا قدرت والے سے اس قسم کے امور کا صدور ممکن ہو۔ تو اگر کوئی قدرت والا ہوتا۔ تو اُس سے کس قسم کے امور صادر ہوتے

لامحالہ کہنا پڑیگا کہ اس سے بہتر کسی قادر و توانا سے ہونا ممکن نہیں ہے۔ لہذا لازم ہوا۔ کہ خالق عالم کو قادر مانا جائے۔

البتہ یہ امر ضرور ہے کہ پروردگار عالم نے جو کچھ اپنے عموم قدرت کی نسبت ارشاد فرمایاہے مثلاً اِنّ اللہ علیٰ کلّ شیٍ قدیر" اُسکا تعلق انہیں امور سے ہے جنمیں قابلیت بھی قبول اثر کی ہو ورنہ اگر خود اُن امور میں قابلیت قبول اثر نہ ہوگی۔ تو اُن سے قدرت خدا تیعالی کا متعلق نہ ہونا عموم قدرت کے لئے مُضر نہیں ہے۔ بلکہ دراصل یہ نقصان اُن اشیاء کا ہے جنمیں قابلیت قبول اثر نہیں۔ پس اس قسم کا سوال جیساکہ کسی نے امیر المومنین علیہ السلام کی خدمتمیں پیش کیا تھا۔ کہ "آیا آپ کا پروردگار اسبات پر قادر ہے کہ دنیا کو ایک انڈے کے اندر داخل کردے۔ بشرطیکہ نہ انڈا بڑا ہو اور نہ دُنیا چھوٹی ہو" خالی از حماقت نہیں۔ کیونکہ دُنیا میں باین عظمت خود ہی اسبات کی قابلیت نہیں ہے کہ ایک انڈے کے اندر سما سکے تو یہ نقصان دراصل اُس انڈے اور اس دُنیا کا ہے جسمیں صلاحیت تاثر ہی نہیں ہے۔ نہ خالق عالم کی قدرت کا۔ چنانچہ حضرت نے اُس سائل کو یہی جواب دیا تھا کہ اِنّ اللہ تعالیٰ لا ینسب اِلی العجز و الذی سالتنی لا یکون۔ یعنی خدا کیطرف عجز کی نسبت نہیں دیجا سکتی۔ لیکن تو نے جس امر کا سوال کیا ہے وہ خود ہی ناممکن ہے جسمیں موثر کے اثر کے قبول کرنیکی صلاحیت ہی نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اجتماع نقیضین اور اجتماع ضدین ایک محل میں وقت واحد میں یا اپنا شریک پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ امور جو محال عقلی ہیں۔ یہ سب اپنی ذات سے موجود ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے نہ یہ کہ خدا تیعالی کو اُنپر قدرت نہیں ہے

رہا ارادہ اُس کے متعلق خدا تیعالی سورہ حج میں ایک موقع پر فرماتا ہے۔ اِنّ اللہ یفعل مایُرید بیشک خدا تیعالی وہی کرتا ہے۔ جسکا وہ ارادہ کرتا ہے اور سورہ احزاب میں فرماتاہے قل من ذا الذی یعصمکم من اللہ اِن اراد بکم سوءً او اراد بکم رحمۃ ولا یجدون لھم من دون اللہ وَلِیًا ولا نصیرا۔ اے رسول کہدو (ان لوگوں سے) کہ تم کو خدا تیعالی سے کون بچائیگا۔ اگر وہ ارادہ کرے۔ تمہیں برائی پہنچانے کا (اور کون روک سکتا ہے اگر) وہ ارادہ کرے رحمت بھیجنے کا؟ اور یہ لوگ ہرگز اللہ کے سوا ولی اور مددگار (اپنا) نہ پائینگے"۔ اور سورہ نحل میں اپنے ارادے کی حقیقت کو ارشاد فرمایا ہے کہ انما قولنا لشیٍ اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون" جس وقت ہم کسی چیز کے موجود کرنیکا ارادہ کرتے ہیں تو بس ہمارا کہنا یہ ہوتا ہے کہ ہم کہہ دیتے ہیں۔ اُسے ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے۔ اور سورہ یسین میں فرماتا ہے انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔ بس اُسکی بات تو اتنی ہے کہ جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا تو اس سے کہدیتا ہے "ہو جا" پس وہ ہوجاتی ہے۔

اب رہا یہ امر کہ ارادہ خدا تیعالی کے معنی کیا ہیں۔ تو اُسکی نسبت صرف اسقدر کہنا ضروری

ہے کہ پروردگار عالم کا ارادہ مثل اُن ارادوں کے نہیں ہے جو انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے
کیونکہ وہ ایک کیفیت ہے جو کسی شے کے جاننے کے بعد بغرض اُسکے حاصل ہونیکے فطرةً پیدا
ہوتی ہے اور اسکی مددگار حرص۔ رغبت۔ شہوۃ۔ انتقام وغیرہ صفتیں ہوتی ہیں بلکہ مراد اس صفت
سے صرف "علم مصلحت یا علم مفسدہ" ہے جیسا کہ اکثر محققین معتزلہ و امامیہ کا مسلک ہے چنانچہ
محقق طوسی طاب ثراہ فرماتے ہیں تخصیص بعض الممکنات بالایجاد فی وقت یدل علی
ارادتہ۔ ولیست زائدۃ علی الداعی اعنی العلم بالمصلحۃ والمفسدۃ والا لزم
التسلسل او تعدد القدماء" یعنی بعض ممکنات کا کسی وقت خاص میں پیدا ہونا اور اس سے
پہلے یا پیچھے اُسکا نہ پیدا ہونا اسبات کی دلیل ہے۔ کہ خدا تعالیٰ صاحب ارادہ ہے۔ مگر اس کا ارادہ
داعی یعنی علم مصلحت یا علم مفسدہ سے زائد نہیں ہے (مطلب یہ ہے کہ اسکا کسی شے کے صلاح
یا فساد کو جاننا ہی ارادہ ہے) اور اگر کوئی شخص علاوہ علم کے کسی اور شے زائد بر ذات کو ارادہ کہتا
ہے تو تسلسل یا تعدد قدما ر لازم آئیگا" جو محال ہے (ماحصل یہ ہے کہ اگر ارادہ کو علم کے علاوہ کوئی اور
صفت مانتے ہو۔ تو یا اُسے حادث مانو یا قدیم۔ پس اگر حادث کہو تو اسکے پیدا کرنیکے واسطے بھی ارادے
کی ضرورت ہوگی۔ اور وہ ارادہ بھی اگر حادث ہوگا۔ تو اسکے پیدا کرنیمیں بھی ارادہ کیضرورت ہوگی۔
لہٰذا اس ترکیب سے تسلسل لازم آئیگا اور اگر اُس صفت کو قدیم مانو تو تعدد قدما ر لازم آئیگا اور یہ دونوں
باتیں محال ہیں۔ پس لامحالہ یہ کہنا پڑیگا کہ "ارادہ خدا تعالیٰ نام ہے۔ علم مصلحت یا علم مفسدہ کا"۔
حکمار کا خیال بھی قریب قریب یہی ہے۔ کیونکہ اُن لوگوں نے بھی "علم نظام اکمل" کو ارادہ باریتعالیٰ
کہا ہے۔ مگر فرق صرف اسقدر ہے کہ حکمار کی راہ کے مطابق صفت ارادہ صراحۃً قدیم مانی گئی ہے۔ اور پہلے
بیان میں بوئے حدوث آتی ہے۔ بلکہ بعض محققین نے اسکی تصریح بھی کردی ہے۔ چنانچہ ابن
بابویہ علیہ الرحمۃ نے کتاب توحید میں فرمایا ہے ولیست الارادۃ والمشیۃ والرضا والغضب
وما یشبہ ذلک من صفات الافعال بمثابۃ صفات الذات لانہ لایجوز ان یقال
لم یزل اللہ تعالیٰ مریداً شائیاً کما یجوز ان یقال لم یزل اللہ قادراً عالماً"۔ یعنی
ارادہ مشیت اور رضا و غضب وغیرہ صفات افعال خدا تعالیٰ مثل صفات ذاتیہ کے نہیں ہیں کیونکہ
یہ جائز نہیں ہے کہ کہا جائے کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ سے مرید و شائی (چاہنے والا ہے) ہے۔ جیسا کہ
اُسکو ازلی و ابدی قادر و عالم کہنا جائز ہے۔

خلاصہ یہ کہ رائے حکما کی تفصیل اس مادہ میں یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ۔ عنایت بالمخلوقات
کا نام ہے۔ یعنی تمام موجودات کے نظام کا ازل سے لیکر ابد تک علم خدا تعالیٰ میں متمثل ہونا۔ (جو کہ
ان موجودات سے سابق ہے) مع اُن اوقات و حالات کے جو بترتیب غیر متناہی ظہور میں آنے
والے ہیں۔ یعنی جن جن وقتوں اور جن جن حالتوں میں موجودات و ممکنات کا پیدا اور ظاہر ہونا

اُسکے علم قدیم میں گزر چکا ہے۔ اُنہیں صورتوں سے اُسکے علم میں موجود ہونے کا نام ارادۃ اللہ ہے
مگر از بسکہ شارع علیہ السلام کو تو اُسکے اختیار کا ثابت کرنا مقصود ہے یعنی کہ باریتعالیٰ قادر مختار
ہے (موجب نہیں ہے) اور یہ دکھلانا مدنظر ہے کہ اُسکا اختیار اور اُسکی قدرت عام ہے کسی وقت
خاص کے ساتھ اُسکو خصوصیت نہیں ہے تاکہ اس امر کے معلوم کرنیسے بندوںکو خیال عبادت و طاعت
پیدا ہو۔ اور معصیتوں سے باز رہیں اور قدم ارادہ کے قائل ہونیسے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا۔ کہ جو
کچھہ علم سابق میں گزر چکا ہے۔ اسکے برخلاف تو ہونے ہی کا نہیں۔ لہذا طاعت و عبادت و صدقہ
و دعا وغیرہ بیکار ہے۔ کیونکہ جو کچھہ ہو گا۔ وہ اسی ارادہ کے مطابق واقع ہو گا۔ جو سابق ہو چکا ہے
اس لئے کتاب خدا اور احادیث انبیا و اوصیا میں اسطرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ ارادہ خدایتعالیٰ
بحسب مصلحت پیدا ہوتا رہتا ہے۔ تاکہ سننے والا یہ نہ سمجھے کہ جفّ القلم بما ھو کائن۔ جو
کچھہ ہونیوالا تھا۔ وہ تو ارادہ خدایتعالیٰ میں گزر ہی چکا اور اُسی کے مطابق حادث بھی ہو گا لہذا آئندہ
زحمت اُٹھانے اور عمل خیر اور اجتناب معصیت کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ بدیں لحاظ خدایتعالےٰ
نے فرمایا "انما امرہٗ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون" خدایتعالیٰ کی بات تو صرف اس
قدر ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہدیتا ہے ہو جا۔ بس وہ ہو جاتی ہے" جس سے
صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ارادہ خدایتعالیٰ بحسب حدوث اشیاء پیدا ہوتا رہتا ہے" اور اسی کے مطابق
معصوم نے بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ کسی نے جناب صادق آل محمدؐ سے دریافت کیا کہ آیا خدایتعالےٰ
ہمیشہ سے مُرید (ارادہ کرنیوالا) ہے تو آپنے فرمایا "انّ المرید لا یکون الا المراد معہ بل لم
یزل عالمًا قادرًا ثم اراد" یعنی مرید کا اطلاق تو اُسی وقت صحیح ہو سکتا ہے۔ جبکہ مراد (جسکا
ارادہ کیا گیا ہے) بھی ہو۔ البتہ خدایتعالیٰ ہمیشہ سے عالم و قادر ہے۔ پھر اس نے ارادہ فرمایا"
مگر اسقدر ضرور یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ان عبارتوںمیں ارادہ سے مراد ایجاد۔ اور خلق بمعنی مصدری
ہے۔ کیونکہ یہ صفت صفات ذات میں سے نہیں ہے۔ جسکا حدوث محال ہو۔ چنانچہ حدیث ذیل
سے بتصریح یہ بات ثابت ہے صفوان بن یحیی جناب ابوالحسن علیہ السلام سے روایت کرتا ہے
کہ مَیں نے حضرت کی خدمتمیں عرض کی۔ "اخبرنی عن الارادۃ من اللہ تعالیٰ و من المخلوق
قال فقال الارادۃ من المخلوق الضمیر و ما یبدو لہ بعد ذالک من الفعل واما
من اللہ عزوجل فارادتہ احداثہ لا غیر ذالک لانہ لا یروّی و لا یھم و لا یتفکر و
ھذہ الصفات منفیۃ عنہ وھی من صفات الخلق فارادۃ اللہ تعالیٰ ھی الفعل
لا غیر ذالک یقول لہ کن فیکون بلا لفظ و لا نطق بلسان و لا ھمۃ و لا تفکر و لا کیف
لذالک کما انہ بلا کیف" (توحید بحار) اسی حدیث پر نظر کرکے جناب شیخ مفید علیہ الرحمۃ فرماتے

ہیں۔ الارادۃ من اللہ جل اسمہ نفس الفعل ومن الخلق الضمیر واشباھہ مما لایجوز الا علی ذوی الحاجۃ والنقص وذلک لان الفعل شاھدۃ بان القصد لایکون الا بقلب کما لاتکون الشھوۃ والمحبۃ الا لذی قلب ولا تصح النیۃ و الضمیر والعزم الا علی ذی خاطر یضطر معہا فی الفعل الذی یغلب علیہ الی الارادۃ والنیۃ فیہ والعزم لما کان اللہ تعالی یجل علی الحاجات ویستحیل علیہ الوصف بالجوارح والادوات ولا یجوز علیہ الدواعی والخطرات بطل ان یکون محتاجاً فی الافعال الی القصود والعزمات وثبت ان وصفہ بالارادۃ مخالف فی معناہ لوصف العباد وانہا نفس فعلہ الاشیاء انتہی بقدر الحاجۃ (عماد الاسلام)

حدیث مذکور کا حاصل یہ ہے کہ مخلوقات کے دل میں جو ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ تو اس ضمیر کا نام ہے۔ جسکا ظہور قلب میں ہوتا ہے اور جو فعل اس ارادے کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور خدا تعالی کا ارادہ صرف اسکا پیدا کر دینا ہے کسی چیز کو" اور حاصل عبارت صدوق یہ ہے۔ کہ مخلوق کا ارادہ بغیر قلب کے نہیں ہوسکتا جیسے شہوت ومحبت وغیرہ کا تعلق دل سے ہے اسیطرح ارادہ مخلوق کا تعلق بھی دل ہی سے ہے مگر چونکہ باریتعالی کے جوارح واعضا وقلب وغیرہ نہیں ہیں جنمیں اس ضمیر کا آنا ممکن ہے۔ اس لئے اسکا ارادہ صرف اسی معنی سے صحیح ہوسکتا ہے کہ وہ اشیاء ممکنہ کو پیدا کر دیتا ہے۔ یعنی مخلوقات کو عدم سے وجود میں لانا ہی خدا کا ارادہ ہے"

باب تیرھواں۔ خدا تعالی ہر شے کا پیدا کرنیوالا ہے

یوں تو برہان سے جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خالق عالم ایک ہی ہے۔ اور وہی قدیم ہے اُسکے سوا سب چیزیں حادث ہیں۔ تو اب سے آپ نتیجۃً یہ امر بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر شے کا خالق وہی ہے کیونکہ دوسرا کوئی قدیم ایسا نہیں ہے جسطرف اس فعل خلق وایجاد کی نسبت کیجا سکے وہی مبدء اول ہے جو حکیم وقدیر اور علیم وخبیر ہے جسکی حکمتوں کے آثار عالم کے ہر ذرے سے نمودار ہیں۔ ہر جسم خواہ نباتی ہو یا حیوانی یا جمادی بلکہ ہر موجود خواہ جوہر ہو یا عرض۔ بسیط ہو یا مرکب مرئی ہو یا غیر مرئی۔ اپنے اپنے آثار وافعال وقوی حرکات واشتمال علی الحکم العجیبۃ والصنائع الغریبۃ سے باواز بلند پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہمیں اس بے نیاز صناع یکتا نے بنایا ہے۔ جسکی حکمت کا اندازہ اور جسکے کمالات کی تقدیر ذہن بشری سے باہر ہے۔

اور جبکہ ماورائے باریتعالی تمام موجودات ممکن ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ بعض کی نسبت تو خدا تعالی کیطرف دیجائے اور بعض کو کسی اور کا پیدا کیا ہوا مانا جاوے اس لئے کہ اسمیں ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ جو محال ہے۔ رہی یہ بات کہ خدا تعالی واحد حقیقی ہے۔ اور واحد حقیقی سے

صرف ایک ہی کام ہو سکتا ہے جیسے مثلاً آگ کہ اس سے صرف جلانے کا کام ہو سکتا ہے بجھانے کا یا تر کرنیکا کام اس سے نہیں ہو سکتا (باوجودیکہ آگ بسیط حقیقی نہیں ہے - بلکہ بہ نسبت مرکبات عنصریہ کے بسیط ہے - ورنہ باعتبار اپنے مافوق کے مرکب ہے) تو چاہیے کہ خدا تعالیٰ صرف کسی ایک شے کا خالق مانا جاوے نہ تمام ممکنات کا - پس اسکا جواب یہ ہے کہ جن بسائط کا قیاس باریتعالیٰ کی بساطت سے کیا گیا ہے - وہ سب کے سب ممکنات ہیں اور اپنے افعال میں غیر مختار - لیکن باریتعالیٰ تو وہ قدیم واجب الوجود ہے اور اپنے افعال میں مختار ہے - پھر اور بسائط کا قیاس اسپر کرنا قیاس مع الفارق ہے - جو کسی طرح تسلیم نہیں ہو سکتا -

علاوہ ازیں جن بسائط پر قیاس کرکے یہ کہا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات سے امور کثیرہ کا صدور نہیں ہو سکتا وہی غلط ہے - کیونکہ جس بسیط کو دیکھو وہی کئی امور کے صدور کا باعث و فاعل ہے یہانتک کہ عقل اور نفس جسکو حکماء نے ممکنات میں سے ابسط البسائط کہا ہے وہ بھی مصدر امور متعددہ میں مثلاً عقل اول کو انکے مذاق بموجب دیکھئے - تو دو چیزوں کی موجب ہے ایک عقل اور دوسرے فلک اول - اور رہا نفس اُسکے افعال کی کثرت کی تو کوئی حد ہی نہیں ہے - تمام تدابیر بدنی اسی سے متعلق ہیں - پس یہ قیاس کس طرح صحیح ہو سکتا ہے - جبکہ مقیس علیہ ہی میں دعوے کی صحت معدوم ہے

رہا یہ عذر کہ عقل اور نفس وغیرہ میں جہات مختلف ہیں - اس لئے ان سے امور کثیرہ کا صدور ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ میں سوائے وجوب کے دوسری جہت نہیں ہے - اس لئے اس سے امور کثیرہ پیدا نہیں ہو سکتے - تو یہ عذر بھی نامسموع ہے اس لئے کہ وہی جہت وجوب وجود جو خدا تعالیٰ میں ہے جسکو تم ایک جہت کہتے ہو - اُسی کے سبب سے باریتعالیٰ عز اسمہ کو تمام ممکنات سے نسبت مساوی ہے یعنی کہ جو نسبت کسی ایک ممکن کو خدا تعالیٰ سے ہے - وہی نسبت دوسرے کو بھی حاصل ہے - پھر کیا وجہ کہ ایک کا تو اُس سے صدور ہو اور دوسرے کا نہ ہو - یہ تفریق اور ترجیح بلا مرجح کیسی

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر واحد حقیقی سے کئی چیزیں پیدا ہو سکیں - تو وہ سب اُس کے آثار سمجھی جائیں اور تعدد اثر تعدد موثر پر دلالت کرتا ہے اور اگر یہ بات نہ مانی جائے کہ تعدد اثر تعدد موثر پر دلالت کرتا ہے - تو کبھی یہ استدلال درست نہ ہو - کہ حرارت اور برودت چونکہ دو اثر ہیں لہذا انکے موثر بھی دو ہونگے - یعنی پانی اور آگ - لیکن اسکا جواب یہ ہے کہ اول تو اس دلیل میں مصادرہ علے المطلوب ہے - وہی دعویٰ اور وہی دلیل (یہ خوب کہی) دوسرے یہ کہ آگ اور پانی کا تعدد تو اسوجہ سے سمجھا گیا ہے کہ ایک کا اثر دوسرے میں نہیں پایا جاتا - ورنہ اگر حرارت کا اثر پانی میں بھی ہوتا - یا برودت کا اثر آگ میں بھی تو کبھی تعدد ممکن نہ ہوتا اور نہ استدلال ٹھیک ہو سکتا - دیکھو - یہی ایک پانی ہے - جسمیں تین اثر مثلاً پائے جاتے ہیں - برودت سیلان اور

رطوبۃ - مگر کیا تم کہہ سکتے ہو - کہ اس تعدد اثر کیوجہ سے موثر بھی متعدد ہے ؟ ہرگز نہیں - بلکہ موثر ان تینوں اثروں کا صرف وہ پانی ہے - یا مثلاً آگ ہی ہے کہ اسکے آثار میں سے جلادینا پگھلا دینا - اور بغیر پگھلائے ہوئے تفتیح مسامات کرنا ہے تو کیا تم کہہ سکتے ہو کہ ان آثار کا موثر صرف آگ ہی نہیں ہے بلکہ کئی موثر ہیں ؟ پس سمجھو کہ تعدد آثار سے تعدد موثر پر اُسیوقت دلیل لائی جا سکتی ہے - جبکہ اُن موثرات کے آثار کا ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہونا ناممکن ہو ورنہ یہ استدلال غلط ہوگا

کسی نے یہ بھی دلیل پیش کی ہے کہ اگر واحد سے کثیر چیزوں کا صدور ہو سکے تو اجتماع نقیضین لازم آئیگا - یعنی کہ مثلاً اگر ہم خُدا تعالیٰ کو زید کا پیدا کرنیوالا مانیں اور عمرو کا بھی - تو از بسکہ عمرو - مغائر زید کے ہے اس لیئے یہ کہا جا سکیگا کہ خُدا تعالیٰ زید اور لا زید دونوں کا خالق ہے - حالانکہ یہی اجتماع نقیضین ہے - مگر یہ دلیل بھی غلط ہے کیونکہ اجتماع نقیضین جسکو کہا گیا ہے وہ اجتماع نقیضین ہی نہیں ہے - ہاں اگر زید کو پیدا کرنا اور پھر اُسی کو نہ پیدا کرنا ایک ہی وقت میں کہا جاتا تو البتہ صحیح ہو سکتا تھا کہ یہ محال ہے - بیشک ایک ہی وقت میں زید کا موجود ہونا اور اُسکا نہ موجود ہونا محال ہے - مگر یہ کیسطرح محال نہیں ہے کہ زید اور عمرو - مثلاً ایک وقت میں موجود ہوں - اگر اسی کا نام اجتماع نقیضین ہے - تو آپکی منطقیت معلوم !!

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر واحد حقیقی سے کئی امور کا صدور ہو سکے گا - تو وہ واحد انمیں سے ہر ایک کا مصدر سمجھا جائیگا - اور پھر ہر ایک کے لیئے ایک مصدریۃ بھی ہوگی - پس اگر ان مصدریتوں کو اُس واحد حقیقی کا عین کہو تو پھر وہ مرکب ہو جائیگا واحد حقیقی نہ رہیگا اور اگر غیر کہو تو انکا صدور بھی اُسی واحد سے ہُوا ہوگا - تو ان کے لیئے بھی علیحدہ علیحدہ مصدریۃ ہوگی - اور پھر ان مصدریتوں میں وہی کلام ہوگا - جو پہلی مصدریتوں میں ہُوا تھا - جس سے تسلسل لازم آئیگا اور وہ محال ہے

اسکا جواب یہ ہے کہ مصدریۃ سے تم نے کون سا جانور مراد لیا ہے - اگر اس سے مراد معنی مصدری ہے - یعنی کسی چیز کا جائے صدور ہونا '' تو یہ ایک ایسی چیز ہے جسکا وجود خارج میں نہیں ہے - کیونکہ معنی مصدری امور خارجیۃ میں سے نہیں ہے - پھر تو نہ تسلسل لازم آئیگا اور نہ واحد حقیقی کا مرکب ہونا - اور اگر اس سے مراد خصوصیۃ ہے - تو اسمیں بھی کوئی خرابی نہیں لازم آتی کیونکہ ایک شے واحد کو اگر دس چیزوں سے مختلف طرحکی خصوصیت ہو - تو اسمیں کیا استحالہ لازم آتا ہے - مثلاً اگر پانی کو سیلان - برودت اور رطوبت سے خصوصیت ہے تو کونسا تسلسل لازم آیا اور کیا ترکب (اگرچہ پانی واحد حقیقی نہیں ہے لیکن سمجھنے کیلئے یہ مثال کافی ہے - کیونکہ اگر واحد حقیقی میں خصوصیات کیوجہ سے مرکب ہونا یا تسلسل لازم آتا ہو تو اسمیں بطریق اولےٰ ہونا چاہیئے - حالانکہ ایسا نہیں ہے)

حاصل یہ کہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ خُدا تعالیٰ سے بہت سے امور کا پیدا ہونا ناممکن ہے -

اور جو دلیل اس مطلب پر بیان کیگئی ہے وہ بالکل فاسد ہے۔ لہٰذا وہ خالق کل مخلوق اور جاعل کل مجعول ہے۔

اسی مطلب کو ہادیان اسلام نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔ جو ذیل میں مذکور ہوتے ہیں۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپنے ایک دعا میں یہ تعلیم فرمائی ہے یا ذا الذی کان قبل کل شئ ثم بقی و یفنی کل شئ۔ (اے وہ کہ جو ہر شے سے پہلے موجود تھا۔ پھر ہر شے کو پیدا کیا۔ پھر وہ خود تو باقی رہیگا۔ مگر اور تمام چیزیں فنا ہو جائینگی۔

اور ایک اور حدیث میں جو تقریر امام علی نقی علیہ السلام ہے۔ بیان کیا گیا ہے۔ ھو مجسم الاجسام و مصور الصور و خالق الاعراض و الجواھر و رب کل شئ و مالکہ و جاعلہ و محدثہ۔ وہی جسموں کو جسم بنانیوالا ہے۔ اور صورتونکا پیدا کرنیوالا۔ اعراض و جواہر کا خالق ہے۔ اور ہر شے کا پروردگار اور مالک اور بنانے والا اور ایجاد کرنیوالا ہے۔

نیز جناب صادق آل محمدؐ سے مروی ہے کہ آپنے فرمایا کلما وقع علیہ اسم شئ ما خلا اللہ عزوجل فھو مخلوق و اللہ خالق کل شئ "سوائے خدا تعالیٰ کے جس پر لفظ شے کا اطلاق ہو سکتا ہے وہ مخلوق ہے اور خدا تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے۔"

نیز صادق آل محمدؐ نے بطور دلیل کے یہ ارشاد فرمایا ہے فلما راینا الخلق منتظما والفلک جاریا والتدبیر واحدا و اختلاف اللیل و النھار و الشمس و القمر دل صحۃ الامر و التدبیر و ائتلاف الامر علی ان المدبر واحد۔ "یعنی جبکہ ہم نے دیکھا کہ خلق میں انتظام قایم ہے۔ اور آسمان ایک ہی طرح گردش کر رہا ہے (یا اگر فُلک بضم فا پڑھو۔ تو یہ معنی ہونگے۔ کہ جس طرح کشتی چلا کرتی تھی۔ اسیطرح اب بھی پانی پر چلتی ہے کوئی اُسکا مانع و مزاحم نہیں ہے) اور تدبیر (ان سب میں) ایک ہی ہے۔ رات اور دن۔ سورج اور چاند۔ برابر آتے جاتے ہیں (انمیں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے جسطرح مقرر و مقدر کر دیا گیا ہے۔ اسیطرح فوق آسمان سے لیکر تحت زمین تک کی تمام چیزیں ایک ہی نظام پر قائم ہیں) تو اس امر و تدبیر کے صحیح رہنے اور ان تمام کاموں کے باہم متناسب حالت پر قائم رہنے نے بتادیا کہ مدبّر (عالم کا) ایک ہی ہے۔

اسی مطلب کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے قل اللہ خالق کل شئ و ھو الواحد القھار (سورہ رعد) اے ہمارے حبیب کہدو کہ "اللہ" ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہی یکتا اور غالب ہے"

نیز ایک اور مقام پر فرماتا ہے ذلکم اللہ ربکم خالق کل شئ لا الٰہ الا ھو فانّیٰ تؤفکون "وہی اللہ" تمہارا پروردگار ہے۔ ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اُسکے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس

(اے کفار و مشرکین) تم کدھر بہکے جا رہے ہو۔
پھر ایک مقام پر فرمایا ہے انیٰ یکون لہ ولد و لم تکن لہ صاحبۃ و خلق کل شئی و ھو بکل شئی علیم۔ کہاں اُسکے لئے لڑکی یا لڑکا ہو سکتا ہے حالانکہ اُسکی کوئی بیوی ہی نہیں۔ اور اُسی نے ہر چیز کو خلق فرمایا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔
نیز فرمایا ہے قل اغیر اللہ ابغی ربا و ھو رب کل شئی " کہہ دو اے رسول کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور پروردگار تلاش کروں۔ حالانکہ وہی ہر چیز کا پروردگار ہے۔ نیز فرمایا ہے۔
الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین آگاہ ہو کہ اُسی کے لئے خلق اور امر ہے۔ مبارک ہے اللہ اور وہی تمام جہان کا مالک (یا پالنے والا) ہے۔
نیز فرمایا خلق کل شئی فقدرہ تقدیرا ہر چیز کو پیدا کیا اور اُسے باندازہ معین مقرر کر دیا مطلب یہ ہے کہ ہر شے کو ایک اندازہ خاص پر پیدا کر دیا ہے کہ مثلاً اسقدر طول ہونا چاہیئے۔ اتنا عرض۔ اتنا عمق۔ اتنا وزن۔ ایسا رنگ۔ اتنے عدد۔ ایسی کیفیت۔ ایسا اثر۔ اتنی قوت وغیرہ وغیرہ کہ نہ تو جس سے زیادہ وہ شے ہو سکتی ہے اور نہ کم۔ جسکے لئے جو وقت مقرر کر دیا ہے اُسی وقت پر اُسکا ظہور ہوگا۔ جس حالت سے جسکے لئے بقا و نشو و نما مقرر کر دیا ہے اُسی حالت سے اسمیں نشو و نما ہوگا۔ اور اُسی مقررہ حالت پر اُسکا قیام رہیگا!! اور ایسا کرنا دلیل اُسکی حکمت اور غایت ضبط کی ہے کیونکہ جسکا کام انضباط اور پابندی کے ساتھ نہیں وہ حکیم نہیں ہے اب کہ تمام کام خدا تعالیٰ کے انضباط کے ساتھ ہیں انپر ہر معاملہ میں جو انسے تعلق رکھتے ہیں۔ یا ہر اُن تجربوں میں جو اُن سے حاصل ہوئے ہیں۔ پورا اعتماد ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہوتا ہے اور اگر انضباط نہ ہوتا تو کبھی کسی کو تجربہ یا معاملہ پر اطمینان و اعتماد نہ ہو سکتا۔ پھر نظام عالم ہرگز اسطرح منتظم و صحیح و قابل ثنا نہ رہتا۔ جیسا اب ہے۔ البتہ بضرورت کبھی کبھی عمداً اور قصداً اگر وہ خود کسی تقدیر میں اُلٹ پلٹ کر دیتا ہے تو اسکا مقصود اظہار اختیار کلی ہے یا کسی حکمت کا اظہار جو اس تبدیل سے ہونیوالا ہے اور اسمیں کوئی مضائقہ نہیں
نیز فرماتا ہے قل من رب السماوات والارض قل اللہ۔ اے رسول پوچھ ان لوگوں سے کہ کون زمین اور آسمانوں کا مالک (یا پروردگار ہے) کہو کہ " اللہ "۔
پھر ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض کیا سوائے اللہ کے کوئی اور بھی خالق (پیدا کرنیوالا) ہے۔ جو تمہیں آسمان اور زمین سے (مینہ برسا کر اور دانے اور سبزیاں اُگا کر) روزی پہنچاتا ہے۔ لا الہ الا ھو " بس وہی ایک معبود ہے۔ اسکے سوائے کوئی نہیں۔
پھر ایک مقام پر فرماتا ہے واللہ خلق کل دابۃ من ماء فمنھم من یمشی علیٰ بطنہ

ومنہم من یمشی علیٰ رجلین ومنہم من یمشی علےٰ اربع یخلق اللّٰہ مایشاء ان اللّٰہ علےٰ کل شیئٍ قدیر"۔ اللہ نے پیدا کیا ہر ملنے والے کو پس بعضے تو پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعضے دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعضے چار پاؤں پر اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہانتک تو عموم تعلق خلق وایجاد خدایتعالیٰ کا ہر شے سے ثابت ہوا۔ مگر اس عموم میں دو تین مقام پر بحث کیگئی ہے۔ ایک تو خواص وافعال اشیاء۔ دوسرے افعال قوائے بدنیہ۔ تیسرے افعال اختیاریہ بندونکے۔ چوتھے بعض وہ اشیاء جنکو کسی آدمی نے بنایا۔ مگر میرے خیال میں ان سب میں بحث بیکار ہے۔ کیونکہ اگرچہ بظاہر اُن افعال وخواص کا صدور ان اشیاء سے ہوتا ہے مگر دراصل اُن قوتوں کا خالق وہی معبود برحق ہے۔ مگر بعض چیزیں تو انمیں سے فاعل موجب ہیں کہ جو طاقت انمیں ودیعت کردیگئی ہے اُن سے افعال کا صدور بلاارادہ اختیار رہوتا ہے۔ مثلاً سنکھیاسے چوتھے درجے کی یبوست اور قتل کا ظہور یا دیگر دواؤں سے اُنکے خواص کا ظہور۔ یا عناصر سے انکے خاص افعال کا صدور۔ اور بعض فاعل مختار ہیں جیسے حضرت انسان ودیگر حیوانات جنمیں ارادہ وقدرت بھی ہے۔ ان میں بھی دو قسم کے افعال ہیں ایک افعال طبعیہ مثلاً ہضم طعام۔ نیند۔ بیداری۔ جذب وامساک ودفع وغیرہ۔ اور دوسرے افعال ارادیہ مثل ضرب وقتل وکلام ومشی۔ وجلوس۔ وقیام ونظر وغیرہ۔ پس ان افعال کے قوائے بھی اگرچہ خدایتعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں مگر انکے کرنے یا نہ کرنے میں آدمی مختار کیا گیا ہے۔ چاہے کرے اور چاہے نکرے۔ اور اسی پر مدار تکلیفات کا قرار دیا گیا ہے۔ دیکھو کہ نباتات وجمادات اور سوائے انسان کے دیگر حیوانات کیطرف تکلیف شرعی متوجہ نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ انکے افعال طبعیہ ہیں۔ اور بعض جو ارادی ہیں۔ وہ بھی صرف وہی ہیں جو انکی نوع یا شخص کے بقا کیلئے ضروری ہیں۔ بخلاف انسان کے کہ اسمیں اسطرح کے افعال کے بھی قوے پیدا کئے گئے ہیں اور اُن افعال کے بھی جنمیں علاوہ بقائے نوع یا شخص کے فائدہ تمدن بھی ہے۔ جنہیں وہ اپنے ارادے سے کرسکتا یا چھوڑ سکتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ تو تکلیفات شرعیہ کا تعلق اس سے بیکار ثابت ہوتا۔ حالانکہ خدایتعالیٰ کا کوئی کام۔ یا حکم عبث نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ حکیم مطلق اور مصلح نظام ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ افعال ارادیہ کا فاعل خود انسان ہے۔ البتہ اُنکے آلات وقوے مخلوق خدا ہیں۔ لیکن اُنمیں دونوں جہتیں موجود ہیں۔ خواہ انہیں استعمال میں لاوے یا نہ لاوے اور اگر استعمال میں لاوے تو یا اچھی طرح۔ یا بُری طرح۔ جس سے تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً قوت بصارت خدایتعالیٰ نے پیدا کی ہے اور محل قوت بصارت بھی بنادیا ہے۔ اب چاہے آدمی تو اُنہیں معطل رکھے اور آنکھیں بند کئے رہے۔ یا چاہے تو اس سے عالم کی چیزونکو دیکھے اور دیکھنے میں بھی چاہے بطور حرام دیکھے یا بطور حلال۔ یہ اُسے اختیار دیا گیا ہے۔ تاکہ تعلق تکلیف اور مسئلہ عذاب

وثواب وخلق جنت ونار۔ وارسال رسل اور انزال کتب۔ بیکار اور عبث نہ ہو۔ ورنہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ان افعال اختیاریہ کا فاعل بھی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ تو انسان کے پاس رسولوں کو ہدایت کے لئے کیوں بھیجا۔ کتابیں کیوں نازل فرمائیں۔ جنت و دوزخ کیوں پیدا کئے۔ عذاب وثواب کیوں مقرر فرمائے۔ کیا کوئی عقل سلیم اور دماغ صحیح اور ذہن مستقیم اسبات کو جائز سمجھ سکتا ہے کہ خود پروردگار ہی کسی کو کسی بندے کے ہاتھ سے قتل کرے اور پھر اسپر جسکے ہاتھ سے کسی کو قتل کیا ہے اور عذاب بھی قرار دے۔ یا خود ہی کسی بندے کے ہاتھ سے کسی کو خیرات وصدقہ دے اور پھر اُسے ثواب بھی دے۔ جس کے ہاتھ سے صدقہ دیا ہے۔ اگر ایسا مان لیا جائیگا۔ تو خدا تعالیٰ سخت ظالم یا بے عقل ثابت ہوگا۔ ونعوذ باللہ من ذالک

جو لوگ کہ خدا تعالیٰ کو بندوں کے ارادی افعال کا بھی خالق اور فاعل مانتے ہیں اُنہیں دوبارہ اس مسئلہ پر نظر کرنی چاہیے۔ واللہ الہادی۔

چودھواں باب کلام خدا تعالیٰ کے بیان میں

چند مقام پر قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے اپنے لئے یہ صفت بیان کی ہے۔ منجملہ اُنکے ایک مقام یہ ہے کہ فرمایا وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا جیسا چاہیے۔ اس آیت میں اُس واقعہ کیطرف اشارہ ہے۔ جو جناب موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو مدین سے واپس آتے ہوئے راہ میں پیش آیا تھا۔ جبکہ انکو سردی کیوجہ سے آگ کی ضرورت ہوئی اور دور سے اُنکو روشنی دکھائی دی۔ تو اپنی اہلیہ سے فرمایا امکثوا فانی انست نارا لعلی اتیکم منھا بقبس او اجد علی النار ھدی۔ مگر جب وادی ایمن میں پہنچے تو آواز آئی کہ یاموسیٰ انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی" وانا اخترتک فاستمع لما یوحی" (سورہ طہ)

اسی کو خدا تعالیٰ نے سورہ نساء میں ذکر انبیاء کے ذیل میں فرمایا ہے ورسلا قد قصصناھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ ہمنے ایسے بھی پیغامبر بھیجے ہیں جنکے حالات تم سے بیان کردیئے اور ایسے بھی رسول بھیجے۔ جنکا ذکر تمسے نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے تو خوب باتیں کیں" اور ایک اور مقام پر فرمایا ہے ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ۔ اور جبکہ موسیٰ ہماری میقات پر آئے اور اُن سے اُنکے رب نے کلام کیا۔

پھر ایک اور مقام پر فرمایا ہے ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من ورآء حجاب" نہیں ہے کسی آدمی کے لئے یہ بات کہ اُس سے خدا تعالیٰ کلام کرے مگر بذریعہ وحی کے یا غائبانہ طور پر"

پھر ایک اور مقام پر فرمایا ہے قل لوکان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا" اے ہمارے رسول کہدو کہ اگر سمندر

بھی میرے رب کے کلمات کے لئے روشنائی بنجائے۔ تو سمندر تمام ہو جائے گا۔ مگر میرے رب کے کلمات تمام نہ ہونگے۔ اگرچہ ہم اُس سمندر کی مدد کیلئے اور سمندر بھی لائیں“

حاصل یہ کہ کتاب خدا سے اُسکا متکلم ہونا ثابت ہے اور انبیا علیہم السلام کا اجماع بھی اسی بات پر ہے کہ خدا تعالیٰ نے کلام کیا۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ حکم دیا اور اُس شے سے منع فرمایا۔ اور یہ وحی کی۔ وغیرہ وغیرہ۔ جو از قبیل کلام ہیں اور عقل بھی حاکم ہے کہ خدا تعالیٰ کو متکلم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ کلام کرنا بھی اک صفت کمال ہے اور اُسکا نہ ہونا کسی شخص میں عیب و نقص ہے۔ پس جبکہ ذات باری تعالیٰ عیب و نقص سے بری ہے تو کیونکر غیر متکلم ہوگا۔ لامحالہ اُسکو متکلم ماننا پڑیگا۔ وہو المقصود۔ مگر جھگڑا ہے تو صرف یہ کہ آیا صفت کلام خدا تعالیٰ کی صفت حادثہ ہے یا قدیمہ۔ اہل اسلام نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ اشاعرہ کا تو مسلک ہے کہ کلام خدا تعالیٰ کا کلام نفسی ہے۔ یعنی نہ وہ حروف کی قسم میں سے اور نہ آواز کی قسم سے بلکہ ایک ازلی صفت ہے جو ذات پروردگار عالم میں قائم ہے اور اُس کلام نفسی پر کلام لفظی دلالت کرتا ہے جس قسم کے لفظ سے چاہتا ہے اُسے ادا کرتا ہے۔ کبھی عربی الفاظ میں اور کبھی عبرانی میں کبھی سریانی میں وغیرہا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ اور حنابلہ کا یہ مذہب ہے کہ یہی آواز اور حروف حادثہ جو زبان سے ادا ہوتے ہیں اور ہوا کی مدد سے قائم ہوتے ہیں۔ ازلی ہیں اور ذات خدا تعالیٰ میں قائم ہیں۔ صاحب شرح مقاصد ملا سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں قالت الحنابلة والحشوية۔ ان تلك الاصوات والحروف مع توالیها وترتب بعضها على البعض وكون الحرف الثانی من كل كلمة مسبوقا بالحروف المتقدمة عليه كانت ثابتة فی الازل قائمة بذات الباری تعالیٰ وتقدس وان المسموع من اصوات القراء والمرئی من اسطر الكتاب نفس كلام الله تعالیٰ القديم۔ اس رائے کی غلطی اس سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ ذات پروردگار عالم کو محل حوادث بناتے ہیں۔ کیونکہ جب یہ کلام و آواز و حروف حادثہ ذات خدا تعالیٰ میں قائم ہوئے تو اسکا قابل تغیر اور محل حوادث ہونا لازم آیا جو محال ہے۔ علاوہ اسکے خود صاحب شرح مقاصد نے ان لوگوں کی رائے کی غلطی کے اظہار میں فرمادیا ہے کہ کفی شاهدا على جهلهم ما نقل عن بعضهم ان الجلد والغلاف ازليان وعن بعضهم الجسم الذی كتب به القرآن فانتظم حروفا ورقوما... هو بعينه كلام الله تعالیٰ وقد صار قديما بعد ما كان حادثا۔ انتہی۔

اور کرامیہ کی یہ رائے ہے کہ یہی حروف منتظمہ مسموعہ باوجود اپنے حدوث کے قائم بذات

خدا یتعالی ہیں۔ مگر انکا نام کلام نہیں ہے۔ بلکہ ان حروف کو قول خدا کہتے ہیں۔ اور کلام کے معنی "قدرت تکلم" کے بتلاتے ہیں۔ اور قدرت تکلم کو قدیم کہتے ہیں۔

اس رائے کے پہلے جزو میں تو وہی غلطی ہے۔ جو رائے حنابلہ میں تھی اور دوسرے جزو کی غلطی آیندہ معلوم ہوگی۔

چوتھا مسلک امامیہ اثنا عشریہ کا ہے جو ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کا تعلیم فرمایا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا یتعالی متکلم ہے۔ اس اعتبار سے کہ جس جسم کے اندر چاہتا ہے آواز پیدا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ سے کلام کرتے وقت درخت سے آواز پیدا کر دی۔ چنانچہ آیت قرآنیہ اسپر شاہد موجود ہے۔

اور ایک صفت حادثہ ہے۔ جسے پروردگار عالم جب چاہتا ہے۔ پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسمیں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ صفات الٰہیہ تین قسم کی ہیں۔ ایک حقیقۃ محضہ جیسے وجوب وجود۔ حیاۃ وغیرہ۔ دوسری حقیقۃ ذات الاضافۃ۔ جیسے قدرت۔ علم۔ وغیرہ۔ تیسری اضافیہ محضہ۔ جیسے خلق۔ رزق وغیرہ۔ انمیں سے دو قسمیں تو عین ذات باریتعالی ہیں۔ اور تیسری قسم صرف اضافت ہے۔ نہ عین ذات جسکا حدوث محال ہو۔ اور ہم اُسے ذات خدا یتعالی میں قائم بھی نہیں مانتے۔ جسسے پروردگار عالم کا محل حوادث ہونا لازم آئے۔ بلکہ اُسکا تکلم صرف اسیقدر ہے کہ جس چیز کو چاہتا ہے متکلم کر دیتا ہے۔ نہ یہ کہ خود بولتا ہے۔ یا کلام اُسکی ذات میں قائم ہے۔

اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ دعاوے سابقہ باطل ہیں اور جب وہ باطل ہوئے تو انکا مخالف قول ضرور صحیح ہوگا۔ کیونکہ مطلقاً صفت تکلم تو ثابت ہے۔ صرف بحث اُسکے اقسام میں ہے پس جب ایک قسم باطل ہوئی تو دوسری قسم قطعاً صحیح ہوگی۔ ورنہ ارتفاع اصل صفت لازم آئیگا۔ ولا قائل بالثالث فثبت المطلوب۔ توضیح اسکی یوں ہے کہ اگر خدا یتعالی کی صفت تکلم قدیم ہو اور اُسکی ذات میں قائم ہو۔ تو چاہیے کہ پروردگار عالم ازل ہی میں آمر۔ ناہی۔ مخبر ہوگا۔ (یعنی حکم کرنیوالا۔ منع کرنیوالا۔ خبر دینے والا ہوگا) حالانکہ ازل میں کوئی مامور ہی نہ تھا جسکو امر کیا جاتا۔ کوئی منہی نہ تھا جسکو نہی کیجاتی۔ کوئی مخبر نہ تھا جو سنتا اور اُسے خبر دیجاتی۔ تو لغویت اس صفت کی لازم آتی۔ حالانکہ ذات خدا یتعالی لغویت سے بری و منزہ ہے۔

دوسری یہ کہ اگر اس صفت کو ذات خدا میں قائم مانیں اور قدیم بھی سمجھیں تو اسمیں کئی خرابیاں لازم آئینگی۔ ایک تو کئی قدیم کا ہونا جو محال ہے۔ دوسرے محتاج ہونا ذات باریتعالی کا اپنی غیر ذات کیطرف۔ اور یہ بھی محال ہے۔ لہٰذا اس صفت کا قدیم یا قائم بذات خدا ہونا بھی محال ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر کلام نفسی حق ہو تو لا محالہ بسیط ہوگا۔ اور یہ بات عقلاً ثابت ہے کہ بسیط چیز کی تقسیم اقسام متضادہ کیطرف نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ کلام خدا یتعالی امر۔ نہی۔ اخبار اور انشا وغیرہ

متضاد و متخالف اقسام کیطرف منقسم ہے۔

چوتھے۔ اگر کلام نفسی کی رائے صحیح ہو تو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کا یہ کلام کہ "انا ارسلنا نوحاً" غلط ہو۔ کیونکہ ارسال نوح پیغمبر زمانہ متاخرہ میں ہوا۔ اور جس وقت سے یہ کلام ہے اُسوقت نوح کا وجود خارجی ہی نہ تھا۔ ارسال کجا۔ پھر کیسے خدا نے بھیجا جسے فرمایا کہ انا ارسلنا نوحاً۔

پانچویں یہ کہ کلام کا اطلاق عرف اور لغت دونوں ہی میں حقیقۃً اُسی پر ہوتا ہے۔ جو مرکب ہے حروف و آواز سے۔ نہ محض مفہوم لفظ۔ پس محض مفہوم الفاظ کو کلام کہنا اور اُسے قدیم بتانا دلیل کا طالب ہے اور بغیر دلیل کے قابل سماعت نہیں۔

چھٹے یہ کہ کلام اور سکوت دونوں آپس میں ضد ہیں۔ جب سکوت ہوگا۔ تو کلام نہ ہوگا۔ اور جب کلام ہوگا تو سکوت نہ ہوگا۔ حالانکہ کلام نفسی اور سکوت دونوں ایک مقام پر جمع ہو رہے ہیں۔ کیونکہ ازل میں کوئی متکلّم نہ تھا جسکی طرف توجہ کلام ہو سکتی۔ پس لامحالہ سکوت تھا۔ ہاں اگر سکوت کی بھی دو قسمیں کہ لی جائیں تو پھر اس اعتراض کا جواب ممکن ہے۔ لیکن یہ تقسیم بھی نعیق غراب البین سے زیادہ وقعت نہ رکھیگی۔

ساتویں یہ کہ اگر کلام نفسی ثابت ہو اور جیسا کہ کہا گیا ہے قدیم بھی ہو تو لامحالہ ازلی و ابدی ہوگا پس لازم آئیگا کہ قیامت میں اور اُسکے بعد بھی بندگان خدا مکلّف اور مخاطب بخطاب اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ و جاہدوا فی اللہ حق جہادہ وغیرہ ہوں حالانکہ یہ امر اجماعاً باطل ہے۔

اور جب ان دلیلوں سے کلام نفسی کا بطلان ثابت ہو گیا۔ تو لامحالہ خدا تعالیٰ متکلّم بکلام لفظی ہوگا۔ کیونکہ تیسری قسم کا کوئی قائل نہیں اور نہ ممکن ہی ہے اور ازبسکہ ذات باریتعالیٰ محل حوادث نہیں ہو سکتی۔ پس لامحالہ یہ کلام اُسکی ذات میں بھی قائم نہ ہوگا۔ بلکہ تکلّم اسوقت صرف اسی معنی سے ہوگا۔ جو سابقاً بیان کیا گیا کہ جس شے میں چاہتا ہے پروردگار عالم کلام کو پیدا کر دیتا ہے اور یہی مقصود ہے۔ اور باقی مردود۔

ابو بصیر راوی ہیں کہ میں نے جناب صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لم یزل اللہ عالماً بذاتہ ولا معلوم ولم یزل قادراً بذاتہ ولا مقدور "خدا تعالیٰ ازل سے بذاتہ عالم تھا۔ جبکہ کوئی معلوم موجود نہ تھا۔ اور ازل سے بذاتہ قادر تھا۔ جبکہ کوئی مقدور موجود نہ تھا" تو میں نے عرض کی کہ میں آپ پر فدا ہوں۔ فلم یزل متکلماً "کیا وہ ازل سے متکلم بھی ہے؟" آپنے فرمایا الکلام محدث کان اللہ عزوجل ولیس بمتکلم ثم احدث الکلام۔ کلام ایک حادث چیز ہے۔ خدا تعالےٰ عز اسمہٗ ازل سے موجود ہے مگر ازل سے متکلم نہیں تھا۔ (کیونکہ عبثیہ اور لغویت کلام کی لازم آئیگی) پھر اس نے کلام کو حادث کیا۔

(توحید بحار)

پندرھواں باب اسمائے خداتعالیٰ کے بیان میں

جو اسمائے پروردگار عالم کہ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اللہ ۲۔ رب العالمین ۳۔ الرحمان ۴۔ الرحیم ۵۔ مالک یوم الدین۔ سورہ فاتحہ۔ الحمد للہ رب العالمین الرحمان الرحیم مالک یوم الدین میں۔ ۶۔ غفور ۷۔ رحیم ۸۔ علیم ان اللہ غفور رحیم (سورہ بقر) وھو بکل شئی علیم میں (سورہ بقر) ۹۔ سریع الحساب واللہ سریع الحساب میں۔ ۹۔ شدید العقاب۔ واعلموا ان اللہ شدید العقاب (سورہ بقر) ۱۰۔ رؤف۔ واللہ رؤف بالعباد" میں۔ ۱۱۔ عزیز ۱۲۔ حکیم۔ فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم میں (سورہ بقر) ۱۳۔ حلیم۔ واللہ غفور حلیم میں۔ ۱۴۔ سمیع ۱۵۔ علیم۔ واللہ سمیع علیم" میں۔ ۱۶۔ بصیر۔ واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر" میں۔ ۱۷۔ خبیر واللہ بما تعملون خبیر" میں۔ ۱۸۔ واسع۔ واللہ واسع علیم" میں۔ ۱۹۔ علی ۲۰۔ عظیم وھو العلی العظیم میں۔ ۲۱۔ الحی ۲۲۔ القیوم۔ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم میں۔ ۲۳۔ غنی ۲۴۔ حمید۔ واعلموا ان اللہ غنی حمید" میں ۲۵۔ قدیر واللہ علی کل شئی قدیر" میں (سورہ بقر) ۲۶۔ وھاب۔ انک انت الوھاب" میں۔ (سورہ آل عمران) ۲۷۔ رقیب۔ ان اللہ کان علیکم رقیبا۔ ۲۸۔ حسیب۔ کفی باللہ حسیبا" میں۔ ۲۹۔ تواب ان اللہ کان توابا رحیما" میں۔ ۳۰۔ کبیر۔ ان اللہ کان علیا کبیرا میں۔ ۳۱۔ عفو۔ ان اللہ کان عفوا غفورا میں۔ ۳۲۔ ولی ۳۳۔ نصیر۔ وکفی باللہ ولیا وکفی باللہ نصیرا" میں ۳۴۔ شھید کفی باللہ شھیدا میں ۳۵۔ وکیل۔ کفی باللہ وکیلا" میں ۳۶۔ مقیت۔ وکان اللہ علی کل شئی مقیتا" میں۔ ۳۷۔ شاکر۔ وکان اللہ شاکرا علیما" میں (سورہ نسا) ۳۸۔ خیر الحاکمین ۳۹۔ وھو خیر الحاکمین (سورہ اعراف) ۴۰۔ خیر الفاتحین۔ وانت خیر الفاتحین" (سورہ اعراف) ۴۱۔ قوی۔ ان اللہ قوی شدید العقاب" میں (سورہ انفال) ۴۲۔ خیر الحاکمین وھو خیر الحاکمین" (سورہ یونس) ۴۳۔ الواحد۔ ۴۴۔ القھار۔ الواحد القھار۔ (سورہ یوسف) ۴۵۔ حافظ ۴۶۔ ارحم الراحمین۔ فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین"۔ (سورہ یوسف) ۴۷۔ شدید المحال۔ وھو شدید المحال (سورہ رعد) ۴۸۔ الملک ۴۹۔ الحق۔ فتعلی اللہ الملک الحق (طٰہٰ) ۵۰۔ المبین۔ ویعلمون ان اللہ ھو الحق المبین (سورہ نور) ۵۱۔ رزاق ۵۲۔ ذو القوۃ ۵۳۔ متین۔ ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین ۵۴۔ ذو الجلال والاکرام (سورہ رحمان) ۵۵۔ عالم الغیب والشھادۃ ۵۶۔ قدوس ۵۷۔ سلام ۵۸۔ مومن ۵۹۔ مھیمن ۶۰۔ جبار ۶۱۔ متکبر ۶۲۔ خالق ۶۳۔ باری ۶۴۔ مصور۔ ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام

المومن المہیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون ہو اللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السماوات والارض وہو العزیز الحکیم (سورہ حشر) ۶۵ خیر الرازقین - واللہ خیر الرازقین (سورہ جمعہ) ۶۶ صمد - اللہ الصمد (سورہ توحید) ۶۷ لطیف - اللطیف الخبیر ۶۸ فالق - ۶۹ نور - اللہ نور السماوات والارض (سورہ نور) ۷۰ محیط - واللہ بما تعملون محیط ۷۱ متعال - عالم الغیب والشہادۃ الکبیر المتعال - ۷۲ بدیع - بدیع السماوات والارض میں ۷۳ ذو الفضل - اور علیٰ ہذا القیاس اور اسمائے باری تعالیٰ ہیں - ان اسمائے کریمہ کے معانی جو صدوق علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب توحید میں تحریر فرمائے ملخصاً لکھے جاتے ہیں اور وہ ننانوے اسم ہیں - انمیں بعض وہ اسمائے بھی ہیں جو قرآن مجید میں صراحۃً نہیں آئے ہیں - اللہ - الالٰہ مستحق عبادت - جسکے سوا کسی اور کیلئے عبادت کرنی جائز نہیں - الواحد جسکا کوئی نظیر نہ ہو - یکتا جسکے ساتھ دوسرا نہ ہو - جو شمار عدد میں نہ آسکے - صمد سید (سردار) جسکی طرف لوگونکو احتیاج ہو - جو جسم نہ رکھتا ہو - احد ایسا واحد ذاتی جسکے لئے نہ اجزاء ہوں نہ اعضاء، نہ وہ شمار عدد میں آسکے اور نہ اسپر اختلاف حالات طاری ہوسکے - الاول الآخر ایسا اول جسکی کوئی ابتدا نہ ہو اور آخر یعنی جسکی انتہا اور حد نہ ہو - سمیع دعا کا قبول کرنیوالا - آواز کا علم اسیطرح بغیر کان کے رکھنے والا جسطرح کان والے محسوس کرتے ہیں - بصیر مبصرات کا ادراک کرنیوالا اس طرح دیدنی چیزونکا ادراک کرنیوالا جسطرح آنکھ والے محسوس کرسکتے ہیں - حالانکہ اس کے لئے آنکھ نہیں ہے قدیر - قاہر - وہ ایسا ہے کہ ہر شے اسکے قبضہ اختیار میں ہے - کوئی چیز اسکے نزدیک ناممکن نہیں ہے (بشرطیکہ خود وہ شے محال عقلی نہ ہو جیسا کہ سابق میں بیان کیا گیا) علی - غالب - صاحب قدرت وغلبہ - الباقی - موجود بلا حدوث وفنا یعنی نہ جو اپنے وجود سے پہلے معدوم تھا - اور نہ بعد اسکے معدوم ہوگا - البدیع - اشیاء کا پیدا کرنیوالا - بغیر اسکے کہ انکی کوئی مثال یا نمونہ اپنے سامنے رکھتا ہو - الباری - خلق کا پیدا کرنے والا - الاکرم - کریم - کرم والا - الظاہر جسکی نشانیاں ظاہر ہیں - جسکے وجود کے شواہد اور جسکی حکمت کے آثار روشن ہیں - الباطن جسکو کوئی وہم وخیال ادراک نہ کرسکے - الحی - فعال - مدبر جسکیلئے موت وفنا نہیں اسکی حیاۃ عین ذات ہے الحکیم - عالم - علم والا - علیم - ہر ظاہر اور پوشیدہ امور کو جاننے والا جسپر کوئی شے مخفی نہیں ہے - حلیم گناہگاروں پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا - صفت علم کام میں لاتا ہے حفیظ - حفاظت کرنیوالا ہر شے کا - اور اس سے بلا کو دور کرنیوالا - حق - محقق - اور یہ کہ اسی کی عبادت کرنی درست ہے کسی اور کی عبادت کرنی باطل ہے - الحسیب - ہر شے کا علم رکھنے والا بندوں کے اعمال کا حساب لینے والا

اور اُن اعمال کے مطابق جزا دینے والا۔ کفایت و مدد کرنیوالا۔ حمید قابل ستائش و تعریف۔ حفیظ عالم۔ لطیف
رب۔ مالک۔ رحمان جسکی رحمت اپنے بندوں پر بہت وسیع ہے۔ یہ نام بھی مثل لفظ اللہ کے ذات
خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کسی اور کو رحمان نہیں کہہ سکتے۔ رحیم ایمان والوں پر رحم کرنیوالا نعمت
دینے والا۔ ذاری پیدا کرنیوالا۔ رازق ہر نیک و بد کو روزی پہنچانے والا۔ رقیب حفاظت کرنے
والا۔ نگاہبان۔ رؤف رحم والا۔ رائی عالم۔ مبصرات کو جاننے والا۔ سلام مسلم۔ مؤمن اپنے
وعدوں کو پورا کرنیوالا۔ اپنے قول کو سچا کر دکھانے والا۔ اپنی وحدانیت کو ثابت کرنیوالا۔ آیات و آثار قدرت
کے ذریعے سے۔ مہیمن شاہد و حاضر۔ (جو ہر شے کا ناظر ہے اور کوئی جگہ اُس سے خالی نہیں) امین
(امن دینے والا)۔ عزیز ہر شے پر غالب۔ جسے کوئی شے عاجز نہ کر سکے۔ اور نہ اُسکے اختیار سے
کوئی شے باہر ہو۔ جبّار غالب۔ جبر دست رس نہ ہو۔ صاحب عظمت۔ المتکبّر صاحب عظمت و بزرگی
سیّد۔ ملک۔ (بادشاہ) بادشاہ واجب الاطاعت۔ سبّوح۔ پاک (ہر عیب و نقص سے مبرا)۔
شاہد ہر جگہ موجود۔ مدبّر۔ صانع۔ صادق اپنے وعدوں کو پورا کرنیوالا صانع ہر مصنوع کا بنانے
والا۔ ہر مخلوق کا پیدا کرنیوالا۔ طاہر جسکی کوئی مثال نہیں۔ جو شریک و ضد و زوال و انتقال سے
پاک و مبرا ہے۔ جو امکانی تمام صفتوں سے منزہ ہے۔ عدال منصف۔ فیصلہ میں عدالت سے
کام کرنیوالا۔ عفوّ گناہوں کا معاف کرنیوالا۔ مٹا دینے والا۔ غفور اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے ڈھانک
لینے والا۔ گناہوں کا بخشنے والا۔ غنی جسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ جسکو کسی شے کی حاجت نہیں
غیاث فریادرس۔ فاطر خالق۔ پیدا کرنیوالا موجد۔ فرد جو حکم و ربوبیۃ میں یکتا ہے۔ اُسکا سا
کوئی نہیں۔ وہ اپنی ہستی میں فرد ہے۔ فتّاح حاکم۔ فالق۔ نرالا۔ اپنے مخلوقات سے بالکل مشابہ نہیں
شگافتہ کرنیوالا۔ (مثلاً دانوں کو شگافتہ کرکے اُگانیوالا۔ زمین کو شگافتہ کرکے نباتات کو پیدا کرنیوالا۔) قدیم
ہر چیز سے پہلے۔ جس سے پہلے کوئی شے نہیں۔ نہ اُسکی ابتدا کے لئے کوئی حد ہے نہ انتہا کیلئے۔
مَلِک۔ ملک کا مالک (تمام جہاں کا مالک)۔ قدّوس۔ پاک۔ طاہر۔ تمام نقص و عیب سے بری۔ قوی
صاحب قوّۃ۔ بلا مدد۔ اور بلا زحمت کام کرنیوالا۔ قریب۔ دعاؤں کو قبول کرنیوالا۔ دلوں کے وساوس و
خطرات کو جاننے والا۔ قیّوم۔ خود جہاں کو پیدا کرنیوالا۔ اُسکی حفاظت و اصلاح کرنیوالا۔ قابض
مالک۔ جانوں کا قبض کرنیوالا۔ باسط نعمت دینے والا۔ فضل کرنیوالا۔ قاضی۔ حکم جاری کرنیوالا۔ مالک
قضا و قدر۔ جمیل کریم۔ عزیز۔ صاحب عظمت و بزرگی۔ مولیٰ مددگار۔ ایمان والوں کو نصرت دینے والا۔
سب سے زیادہ سب کی جانوں پر اختیار رکھنے والا۔ منّان عطا کرنیوالا نعمت دینے والا محیط ہر شے
کا عالم جس سے کوئی شے غایب اور دُور نہیں۔ غالب۔ مقتدر۔ مبین ظاہر جسکی حکمتیں نمایاں
ہیں اپنے وجود کو اپنے آثار قدرت سے ظاہر کرنیوالا۔ المقیت۔ حافظ۔ حفاظت کرنیوالا نگاہبان
مصوّر صورتوں کا بنانیوالا۔ ہر صورت کا پیدا کرنیوالا۔ کریم عزیز۔ غالب۔ جواد۔ فضل کرنیوالا۔

کبیر صاحب عظمت - سید - سردار - کافی مدد کرنیوالا - جو اسپر بھروسا کرے اُسے کسی کا محتاج نہیں کرتا
کاشف کرب و تکلیفات کو دور کرنیوالا - وتر فرد - یکتا - نور روشن کرنیوالا - تمام جہان میں روشنی
پھیلانیوالا - وہاب دینے والا - بخشنے والا ناصر مددگار - واسع غنی بے نیاز - ودود اپنے نیک
بندوں کو دوست رکھنے والا - ہادی - حق کیطرف راہنمائی کرنیوالا - وفی اپنے وعدے کو پورا کرنیوالا
وکیل خود اپنے بندوں کی حفاظت کرنیوالا معتمد علیہ - وارث جو کچھ خدا تعالیٰ نے کسی کو دیا ہے - ان سب چیزوں
کا مالک - کیونکہ سوائے اُسکے تمام وہ لوگ جو کسی شے کے مالک ہونیکا دعوے کرتے ہیں فنا ہوجائینگے
پس ایک وہی باقی رہیگا - البرّ صادق - سچا - باعث قبروں سے بروز قیامت مُردوں کو اٹھانیوالا -
زندہ کرنیوالا - تواب توبہ قبول کرنیوالا - گناہوں کو معاف کرنیوالا جلیل صاحب عظمت و بزرگی - جواد
احسان کرنیوالا - نعمت دینے والا خبیر خبر رکھنے والا - ہر شے کا جاننے والا - خالق پیدا کرنیوالا
خلائق کا - خیر الناصرین خیر کرنیوالا - وہی فاعل خیر ہے - دیّان بندوں کو انکے اعمال کا بدلہ
دینے والا - شکور - بندوں کے عمل کو قبول کرنیوالا - اور انہیں نیک بدلہ دینے والا - عظیم صاحب
جلالت و عظمت - جس کے سوائے باقی تمام مخلوقات سب ذلیل و خاضع ہے - غالب - قادر - لطیف
بندوں پر مہربانی کرنیوالا - اُنکو نعمت دینے والا - اُنکے ساتھ نیک برتاؤ کرنیوالا - شافی بیماری کو دور کرنے
والا صحت بخشنے والا - تبارک صاحب برکت - برکت دینے والا - اپنی مخلوقات میں برکت پیدا کرنے والا

یہ معانی جو بیان کئے گئے ہیں انکے علاوہ علمائے شیعہ و سُنی نے اور بھی بیان کئے ہیں
بلکہ مستقل رسالے ان اسمائے کریمہ کی شرح میں لکھے ہیں - جنکا اس موقع پر بیان کرنا باعث
طول ہے اسلیے اسی مقدار پر اکتفا کیجاتی ہے -

باب جوامع توحید

جوامع توحید سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں علاوہ مذکورہ بالا آیتوں کے جو توحید الٰہی کے متعلق
خاص خاص امور کو ثابت کر رہی تھیں - ایسی بھی بہت سی آیتیں ہیں - جو اس مضمون کے کئی کئی امور
کو معاً بیان کرتی ہیں - ان آیتوں میں وہ توصیف الٰہی مندرج ہے - جو آجتک دُنیا کی کسی کتاب میں مذکور
نہیں ہے جنکی بابت آسمانی ہونیکا دعویٰ کیاجاتا ہے - یہ آیتیں انسان کیلئے کامل روحانی تعلیمیں ہیں
کہ وہ اپنے معبود حقیقی کو کیسا سمجھیں اور کیسا سمجھکر اسکی حمد و ثنا اور عبادت کریں - ان آیتوں کو سُنکر
انسان کے دل میں اپنے حقیقی معبود کی عظمت و جلالت قائم ہوتی ہے - اور انہیں کو دیکھکر اُسکے دل کو سچا میلان
اپنے صانع و منعم کیطرف پیدا ہوتا ہے -

اگر کوئی شخص غلطی سے یہ سمجھے کہ اپنی تعریف آپ کرنی کیسی ؟ خدا تعالیٰ نے کیوں اپنی ہی حمد و ثنا
کی ہے ؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اپنی تعریف آپ کرنی دو غرض سے ہو سکتی ہے ایک بغرض تنبیہ و تعلیم

کے اور دوسرے بغرض جلب نفع یا اظہار نخوت کے۔ تو ازبسکہ انسان خاکی بسبب اپنے بعد اور اشتغال امور
دنیاوی کے یا اُس سبب سے کہ مواد جسمانیہ میں ڈوبا ہوا ہے۔ خود بخود ساحت معرفت الٰہیہ تک نہیں
پہنچ سکتا اور اسکی معرفت کاملہ حاصل نہیں کرسکتا۔ حالانکہ بسبب عقل پانے کے تحصیل معرفت اپنے معبود کی
اسکے ذمے پر فرض ہے تاکہ اُسکے ذریعے سے اپنے معبود سے محبت پیدا کرسکے۔ اور اسکی عبادت کیطرف
اسے دلی رغبت ہو۔ لہذا ضرور ہوا۔ کہ خود معبود ہی اسے اپنے اوصاف و کمالات کی تفہیم و تعلیم کردے۔
تاکہ اُنکی معرفت کے بعد ہم اسکی یاد کیطرف متوجہ ہوسکیں جسکا نفع خاص ہماری ہی طرف متوجہ ہے۔
نہ اُسکی طرف۔ کیونکہ وہ تمام عالم سے مُستغنی ہے۔ مگر یہ اُسکے انتہا درجے کی رأفت و رحمت ہے کہ باوجود
اپنے استغنا کے ہمکو ہمارے فائدے کی جانب راہنمائی کرتا ہے۔

اس تعریف و حمد میں کسی قسم کی بداخلاقی نہیں۔ بلکہ یہ عین حسن اخلاق ہے کیونکہ اس کی غرض
افادہ عامہ ہے اور اگر بالفرض اظہار بھی مقصود ہو۔ تو اُسکی جناب میں یہ کچھ نازیبا بھی نہیں ہے کیونکہ
اُس سے بڑا کون ہے جسکے مقابلے میں اُسے انکسار و تواضع کرنا مناسب ہو۔ وہ تو بالکل متفرد و یکتا
و لاشریک و بے مثل ہے۔ اگر وہ اپنی حد کی ثنا و صفت کرے۔ تب بھی اسکے لئے زیبا ہے۔ ہاں
انسان خاکی ناقص الاوصاف کو البتہ نازیبا ہے۔ کہ باوجود اپنے نقصان اور ہزاروں عیبوں سے بھرے ہوئے
ہونے کے نخوت و تکبر کرے یا اپنے تئیں نمودار کرنیمیں کوشاں ہو۔ اس لئے کہ اگر وہ خود غور کرے
تو اُس سے اکمل و افضل افراد اور بھی موجود ہیں جنکے مقابلے میں اُسے سر تواضع جھکانا چاہیئے۔ نہ
سر افتخار اُٹھانا۔ خصوصاً اُسوقت جبکہ وہ دیکھتا ہو۔ کہ میرا خالق جو کہ جامع جمیع صفات کمال ہے۔ وہ
میرے اس تکبر و نخوت آویزادا اور تقریر سے اطلاع رکھتا ہے اور واقف ہے۔ تو اُسے شرم کرنی
چاہیئے۔ کہ میں کس بنیاد پر تکبر کرتا ہوں۔ حالانکہ مجھ سے اکبر اسوقت موجود ہے۔ جسکے سامنے میں
لا کے مانند ہوں۔ بلکہ اُسکا یہ اظہار اسوقت نہایت بے ادبی میں داخل ہوگا۔ جو عقلاً اسکے لئے مذموم ہے۔
بخلاف جناب باری عز اسمہ کے کہ اُسکے واسطے کوئی شے منافی موجود نہیں ہے۔ جس سے
اسکو اپنے تئیں پست سمجھنے کی ضرورت ہو یا اُسے انکسار کرنا لازم پڑے۔ بالجملہ اب یہاں چند آیتیں
ان بہت سی آیتوں میں سے جو جوامع توحید پر مشتمل ہیں مع حل اور مختصر شرح کے درج کیجاتی ہیں
آیہ اُولیٰ۔ اللہ لا اِلٰہ اِلّا ھو الحی القیّوم لا تاخذہٗ سِنَۃٌ ولا نوم لہٗ مافی السماوات
ومافی الارض من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہٖ۔ یعلم ما بین ایدیھم وما
خلفھم ولا یحیطون بشیءٍ من علمہٖ الا بما شاء وسع کرسیہ السماوات والارض
ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم۔ (سورہ بقر) یہ آیت الکرسی کے نام سے مشہور ہے بعضوں
نے اسکو دو آیتیں سمجھا ہے ایک القیّوم تک اور دوسری عظیم تک مگر حق یہ ہے کہ یہ ایک ہی

آیت ہے۔ اسکی بابت کتاب خصال میں مروی ہے کہ اعظم آیۃ فی القرآن آیۃ الکرسی قرآن مجید میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت آیت الکرسی ہے (صافی) جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص آیۃ الکرسی کو ایک مرتبہ پڑھے ہے۔ پروردگار عالم اس سے ہزار مکروہات کو مکروہات دنیا سے دفع کرتا ہے اور ہزار مکروہات مکروہات آخرت سے۔ جنمیں آسان ترین مکروہات دنیا سے فقر ہے اور آسان ترین مکروہات آخرت کے عذاب قبر ہے۔ جناب ابو عبداللہ الصادق علیہ السلام سے منقول ہے آپنے فرمایا کہ ان لکلشئ ذروۃ وذروۃ القرآن آیۃ الکرسی" ہر شے کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی آیت الکرسی ہے (مجمع البیان) اللہ لا الٰہ الا ھو لفظ اللہ اس آیت میں مبتدا ہے اور باقی نقرہ خبر ہے معنی یہ ہے کہ مستحق عبادت و بندگی کوئی نہیں ہے سوائے اللہ کے" کیونکہ وہی تمام صفات کمال کا جامع ہے۔ جس سے زیادہ باعظمت کوئی نہیں۔ پس عقلاً اُسی کے لئے عبادت زیبا ہے نہ کسی اور کیلئے۔ اس فقرہ میں انتہائی توحید پروردگار عالم بیان کرکے اُن لوگوں پر رد کی گئی ہے جو کئی معبود کے وجود کے قائل ہیں مثلاً ہنود۔ اور مشرکین عرب جو پتھر کے از خود تراشے ہوئے بتوں کو قابل عبادت سمجھتے ہیں جنمیں نہ حس ہے نہ ادراک نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ۔ اور مثلاً ستارہ پرست یا توٹے پرست جو ستاروں اور توتوں کو معبود سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب مخلوق پروردگار ہیں اور مثلاً آتش پرست جو یزدان واہرمن کو خدا سمجھتے ہیں اور آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ وغیر ذالک الحی القیوم حی اُسے کہتے ہیں جو ایسی صفت پر ہو۔ جسکی وجہ سے ادراک مدرکات کرسکے۔ اور قیوم اُسے کہتے ہیں جو تدبیر کو قائم رکھ سکے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ معبود برحق حی یعنی عالم و قادر ہے اور اپنی مخلوقات کی تدبیر خلقت و ایجاد و بقا کو اچھی طرح قائم رکھتا ہے۔ انکو روزی پہنچاتا ہے۔ جیساکہ خود فرمایا ہے ما من دابۃ الا علی اللہ رزقھا کوئی زمین پر چلنے والا جاندار ایسا نہیں ہے۔ جسکی روزی خدا تعالیٰ پر لازم نہ ہو۔ یعنی کہ وہی سب کو روزی پہنچاتا ہے۔ بعض لوگوں نے قیوم کے معنی عالم امور کے بھی کہے ہیں یعنی کہ وہ معبود برحق تمام چیزوں کو جانتا ہے اور بعض نے قیوم کے معنی دائم الوجود کے بھی بتائے ہیں یعنی کہ وہ ایسا زندہ ہے کہ جسکا وجود دائم ہے جسے زوال نہیں۔ لا تاخذہ سنۃ ولا نوم وہ ایسا ہے۔ کہ نہ اُسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ حاصل یہ ہے کہ وہ معبود برحق تغیرات اور عروض حوادث سے بری ہے۔ اسمیں وہ صفتیں بالکل نہیں ہیں۔ جو اسکے علاوہ اور مخلوقات میں پائی جاتی ہیں وہ جسم و جسمانیات کے لوازم سے بالکل مبرا ہے جیسے نیند اور اونگھنا۔ جوکہ لوازم حیوانیت سے ہے اسمیں ان لوگوں کی رد ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے لئے مثل آدمیوں کے جسم و جسمانیات ثابت کرتے ہیں اور پھر بھی اپنے تئیں اسلام میں داخل سمجھتے ہیں!! ایک مطلب اس جملہ کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُسے سہو اور غفلت عارض نہیں ہوتی۔ جسطرح سونے کی حالت میں حیوانات پر غفلت عارض ہو جاتی ہے۔ وہ ہر وقت اپنی مخلوقات کے امور کی اصلاح و تدبیر میں مصروف ہے اُسے بالکل کسی فعل

یا قول یا حرکت سے اپنی مخلوقات کی غفلت نہیں ہے۔ عالم بمافی الضمیر ہے اور خبیر بمافی البطون ہے
لہ مافی السماوات ومافی الارض۔ اوسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں یعنی کہ وہی
مالک یکتا ہے۔ اُسکے سوا عالم کی مخلوقات میں کسی کو شرکت نہیں ہے۔ جیسا کہ مجوسی کہتے ہیں کہ عالم سفلی
اہرمن کے قبضہ میں ہے۔ اور عالم علوی یزداں کے۔ بلکہ جو کچھ بھی زمین و آسمان میں ہے۔ سب اُسی
معبود حقیقی وحدہٗ لاشریک کا ہے۔ اور اُسی کے قبضہ میں ہے۔ اُسی کو اُنمیں تصرف کرنیکا حق ہے اس
کلام میں ان لوگونکی بھی رد ہے۔ جو عقول کو خالق مانتے ہیں۔ یہ کلام صاف بتا رہا ہے کہ مخلوقات سماویہ
وارضیہ سب خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور اسی کی مملوک ہیں من ذا الذی یشفع عندہٗ الا
باذنہ۔ کوئی شخص بغیر اُس (معبود حقیقی) کی اجازت کے اُس کے نزدیک سفارش نہیں کرسکتا
اس کلام میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ جو بعض کفار عرب کہتے تھے۔ کہ ہم بتونکی اس لئے عبادت
کرتے ہیں۔ تاکہ وہ ہماری سفارش خدا تعالیٰ کے حضور میں کردیں۔ غلط ہے۔ بلکہ کسی کو اُسکے
نزدیک سفارش کرنیکا حق بغیر اُسکی اجازت کے حاصل نہ ہوگا۔ اس چھوٹے سے فقرے نے جہاں اپنی
حکومت وغلبہ وسلطنت اور جلال کو ظاہر کیا ہے۔ وہاں قیامت کے آنے کو بھی بیان فرمادیا ہے۔
کیونکہ موقع سفارش خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی دن ہوگا۔ جبکہ تمام مخلوقات اپنے اعمال کا بدلہ پانیکے
لئے موقع حشر میں بلائی جائیگی۔ اور اسی جملہ سے مسئلہ عدالت خدا تعالیٰ پر بھی روشنی پڑتی ہے کیونکہ
قیامت کا ثبوت موقوف ہے۔ ثبوت عدل پروردگار عالم پر۔ ورنہ اگر اسکو عادل نہ مانا جائے تو سزا وجزا
عذاب وثواب۔ بعث وحشر۔ حساب وکتاب کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ کما یحکم بہ البداہۃ الفطریۃ
یعلم مابین ایدیھم وما خلفھم وہ معبود برحق جانتا ہے اُن چیزوں کو جو آدمیونکے سامنے
موجود ہیں اور جو انکی آنکھوں سے مخفی ہیں۔ یعنی حاضر وغائب ہر شئے کو جانتا ہے اُس سے کوئی شے
مخفی نہیں (لہ غیب السماوات والارض۔ وھو بکل شیٔ شھید) بعضوں نے مابین
ایدیھم سے مراد۔ گذشتہ اور آیندہ امور لئے ہیں۔ یعنی کہ تمام وہ گذشتہ اور آیندہ امور جو انسانوں کی نظر سے
مخفی ہیں سب خدا تعالیٰ کے سامنے ظاہر ہیں لا یحیطون بشیٔ من علمہ الا بما شاء لوگ
اُسکے علم کو احاطہ نہیں کرسکتے مگر اسیقدر جتنا وہ چاہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی معلومات کی کوئی حد
نہیں ہے۔ انسان ہرگز ان معلومات کو جان نہیں سکتا۔ مگر اتنا ہی جتنا انکے لئے تمدن میں ضروری
ہے اور جسے خدا تعالیٰ نے انکی مصلحت کے لئے بتایا ہے!! اس سے پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ خدا تعالیٰ
کے علوم دو قسم کے ہیں ایک مخزون جنپر کسی غیر کو اطلاع نہیں ہے۔ دوسرے مبذول جسے اوروں کو
بھی بتادیا ہے تاکہ مصلحت میں فرق نہ آئے۔ وسع کرسیہ السماوات والارض کرسی
سے مراد اس آیت میں یا تو آٹھواں آسمان ہے جو تحت عرش (فلک الافلاک) ہے یا اس سے مراد علم

خدایتعالیٰ ہے۔ جیساکہ جناب صادق علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے یا اس سے مراد سلطنت اور ملک ہے۔ پس بنابر اول کے یہ معنی ہونگے کہ اسکا پیدا کیا ہوا آٹھواں آسمان۔ باقی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ کیونکہ مجموعہ عالم مثل کرے کے ہے۔ اور بنابر ثانی کے یہ مطلب ہوگا۔ کہ اس کا علم آسمان و زمین کی تمام چیزوں کو محیط ہے۔ کوئی شے اُسکے علم سے باہر نہیں ہے اور بنابر ثالث کے یہ مطلب ہوگا کہ اُسی کی سلطنت اور اُسی کا ملک ہے۔ خواہ زمین ہو یا آسمان۔ دنیاوی بادشاہ فرضی مالک ہیں۔ اور مالک حقیقی صرف خدایتعالیٰ ہی ہے۔ وَلَا یَؤُدُہٗ حِفْظُھُمَا ان آسمانوں اور زمین کی حفاظت میں اُس (معبود حقیقی) کو کوئی مشقت نہیں ہے کیونکہ وہی اقدر القادرین ہے۔ اور قوی الاقویا ہے۔ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ اور وہی تمام چیزوں سے برتر۔ مثل و نظیر و شریک سے بالاتر ہے۔ اسمیں کوئی نقص و عیب نہیں۔ صفت حدوث سے برتر و منزہ ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ علی کے معنی۔ قدرت و سلطنت و علوی شان کے ہیں۔ اور عظیم سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسا قادر ہے جسے کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی اور ایسا عالم ہے کہ اسپر کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ اُسکے مقدورات کی کوئی انتہا نہیں اور نہ اُسکے معلومات کی کوئی حد ہے۔

یہ ہے خلص تفسیر اس آیت کا جسمیں توحید باریتعالیٰ۔ اور اُسکے صفات جلالیہ اور جمالیہ کا ذکر بطور اکمل کیا گیا ہے کلمہ لا الٰہ الا اللہ نے تو نفی شریک اور نفی اضداد بیان کی اور کلمہ حی نے اُسکی صفت حیات کو جو صفات حقیقیہ میں سے ہے اور قیوم نے اُسکے انتظام و تدبیر و صفت خالقیت و رازقیت کو اور جملہ لا تاخذہ سنۃ ولا نوم نے اُسکے تنزہ کو جسم و جسمانیات سے اور لہ ما فی السماوات وما فی الارض نے اُسکے عموم ملک و قبضہ کو اور من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ نے اسکے جبروت و سطوت کو اور یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم نے اُسکے وسعت علم کو۔ اور لا یؤدہ حفظھما نے اُسکی قدرت کو اور علی نے اُسکے علوی شان کو۔ اور عظیم نے اُسکی عظمت و جلال اور جملہ نقائص سے اُسکی برائت و تنزہ کو ثابت کیا۔ فتعالی اللہ الملک الحق المبین۔

آیۂ ثانیہ۔ الٓمّٓ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (آل عمران)

الٓمّٓ۔ یہ حروف مقطعات ہیں جنکی تفسیر آج تک کسی سے یقینی طور پر نہ ہو سکی۔ اگر کسی نے کچھ اسکی نسبت کہا بھی ہے تو ظن و تخمین کی بنا پر نہ تحقیق اور یقین کے رو سے چنانچہ کسی نے کہا ہے کہ ان حروف سے مراد انکے اعداد ہیں اور وہ دلالت کرتے ہیں۔ اس امر پر کہ بقدر ان کے عدد

کے امت محمدیہ کا بقاو قیام رہیگا۔ کسی نے یہ فرمایا کہ ان مفردات کو مرکب کرنے سے خدا تعالیٰ کے اسمائے عظمیٰ معلوم ہوتے ہیں مثلاً الر۔ حم۔ ن۔ جب انکو ترکیب دو تو الرحمان نکلتا ہے اور علیٰ ہذا القیاس۔ کسی نے ہر حروف کے معنی علیحدہ بیان کئے ہیں۔ چنانچہ الم کے معنی یہ کہے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا اللہ اعلم گویا الم اس جملہ کا مخفف ہے کسی نے فرمایا ہے۔ کہ عرب جو قرآن کو سنتے نہ تھے بلکہ سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے۔ اُنکو چپ کرنیکے لیئے ابتداء میں سورتوں کے یہ حروف مفردہ لائے گئے۔ غرض اسی طرح اور بھی بیانات ہیں جنمیں سے کسی کی بابت صحیح رائے دینے کا کسی کو استحقاق نہیں ہے اور بیشک یہ کہنا نامناسب نہیں ہے کہ لا یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم۔ صرف خدا تعالیٰ اور اُسکی تعلیم کئے ہوئے علم میں پختہ کار حضرات ہی اسکی تاویل کو جان سکتے ہیں اللہ لا الٰہ الا ھو الحیّ القیوم اس کے متعلق ابھی آیۃ الکرسی کی تفسیر میں تشریح کیگئی۔ نزل علیک الکتاب بالحق یعنی وہی معبود برحق وحدہٗ لاشریک لہٗ ایسا ہے جس نے تمپر اس کتاب (قرآن) کو حق کے ساتھ نازل کیا۔ جسکے بیانات سچے اور صحیح ہیں۔ یا یہ کہ جو کچھ اسمیں بیان کیا گیا ہے۔ وہ حکمت اور راستی پر مبنی ہے اور فی الواقع بھی ایسا ہی ہے۔ کیونکہ جس قدر حکم اور عبرتیں اور مواعظ اور تعلیمات قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ وہ کسی ایک کتاب میں مجموعۃً مذکور نہیں۔ اس جملہ سے خدا تعالیٰ نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب رسول اللہؐ کی مجعول اور تصنیف کی ہوئی نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہے۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ یہ کتاب معجز ہے اور مثبت رسالت جناب رسولخداؐ ہے۔ اسکی تحدی ہر وقت موجود ہے کہ فاتوا بمثلہ ان کنتم صادقین اے تکذیب کرنیوالو ہماری کتاب کی اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو۔ تو ایسی ہی کوئی کتاب تم بھی پیش کرو۔ جس سے معلوم ہو کہ یہ کتاب من جانب اللہ نہیں ہے بلکہ آدمی کی بنائی اور تصنیف کی ہوئی ہے مصدقا لما بین یدیہ یہ اس کتاب میں ایک یہ بھی صفت ہے کہ اُن تمام کتابوں اور پیغامبروں کی بھی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آچکے ہیں (کیونکہ یہ کتاب جہاں محمد مصطفےٰؐ کی رسالت کو بیان کرتی ہے۔ وہاں دیگر انبیا علیہم السلام کی نبوت کو بھی ثابت کرتی ہے اور کتب منزلہ من اللہ کی تصدیق کرتی ہے) وانزل التوراۃ والانجیل اُسی معبود حقیقی نے توارت کو (موسےؑ پر) اور انجیل کو (عیسےؑ پر) نازل کیا من قبل اس سے پہلے کہ یہ قرآن نازل ہو۔ ھدی للناس (کیوں نازل کیا؟) اس لئے کہ یہ کتابیں آدمیونکو سیدھے راہ بتائیں۔ جسپر چلکر لوگ قربِ خدا حاصل کریں۔ اور عذاب خدا سے بچیں۔ وانزل الفرقان اور اُسی معبود برحق نے ایسی دلیل بھی نازل کی۔ جو حق اور باطل میں تفرقہ کرنیوالی ہے (بعضوں نے فرقان سے مراد نصرت لی ہے یعنی کہ خدا تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر نصرت اور فتح نازل کی۔ جس سے وہ عیسائیوں پر غالب آئے) ان الذین کفروا لھم عذاب شدید بیشک جن لوگوں نے آیات خدا کا انکار کیا

اور اسکی حجتوں اور دلیلوں کو نہ ماننے انکے لیے سخت عذاب ہے کیوں انہوں نے اپنے منعم حقیقی کی نعمتوں کا کفران کیا جو عقلاً موجب عقاب ہے واللہ عزیز اور خدا تعالیٰ قادر ہے کوئی اُسپر غالب آکر اُسے روک نہیں سکتا۔ کہ جسے وہ چاہے عذاب نہ کرسکے۔ بلکہ اسکی قدرت سب پر غالب ہے ذوانتقام یعنی اسمیں کافروں سے انتقام لینے کی قدرت ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ گناہوں کی سزا نہیں دے سکتا تو یہ خیال غلط ہے بلکہ قادر وعادل ہونے کے سبب ضرور بدلہ دے سکتا ہے اور دیگا۔ اِنَّ اللہ لا یخفٰی علیہ شیئ فی الارض ولا فی السماء بیشک خدا تعالیٰ پر کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ بلکہ جہاں کہیں کوئی شے ہے وہ اُسے جانتا ہے۔ اس بیان سے غرض تنبیہ اور تخویف ہے یعنی کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میرا فعل وقول چھپا رہجائیگا۔ بلکہ وہ عالم الغیوب ہے۔ جو دل کے خطرات اور دماغ کے خیالات کو بھی جاننے والا ہے۔ ہر شے کی خبر رکھتا ہے اگر کوئی شخص عمل خیر کریگا۔ اُسکا علم بھی اُسے ہے اور اُسپر جزا دیگا۔ اور جو کوئی عمل بد کریگا اسکا معاوضہ بھی اُس کے پاس سے پاجائیگا ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء وہی ایسا معبود وخالق یکتا ہے کہ رحم کے تنگ وتاریک مقام میں جہاں نہ کوئی آلہ جاسکتا ہے جس سے عمل تصویر ہوسکے۔ اور نہ کوئی تدبیر ظاہر کارگر ہوسکتی ہے۔ تمہاری تصویریں بناتا ہے جسطرح اسکی مشیت کا مقتضا ہوتا ہے۔ کسی کو بدصورت کسی کو خوبصورت کسی کو مرد کسی کو عورت کسی کو طویل کسی کو قصیر وغیر ذالک لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم۔ نہیں ہے کوئی قابل عبادت مگر وہی۔ غالب ہے اپنی سلطنت میں۔ اور حکیم ہے۔ یعنی کہ ہر فعل اُسکا اُسکی حکمت اور اُسکے کامل صانع ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اُسکے سوا کسی اور سے ممکن نہیں کہ ایک مچھر تک کو پانی سے یا کیڑے کو مٹی سے پیدا کردے۔ چہ جائیکہ رحم کے اندر صورت انسان وحیوانات بنانی اور اُس میں داخل کرنی اور پھر عجائب حکم ومصالح پر اُسکے ہر جوڑ بند کو قائم کرنا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

آیۃ ثالثہ۔ قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیئ قدیر۔ تولج اللیل فی النھار وتولج النھار فی اللیل وتخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی وترزق من تشاء بغیر حساب" (آل عمران)

یہ آیت بھی قرآن مجید کی اعظم آیات سے ہے اور اسکے متعلق احادیث امامیہ میں بہت کچھ مزیت اور فضیلت وارد ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار سے اور انہوں نے اپنے آبائے طاہرین سے روایت فرمائی ہے۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور آیہ شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو اور آیۃ قل اللھم مالک الملک الی قولہ بغیر حساب

کو نازل فرمایا ہے تو ان آیتوں نے عرض کی کہ خدایا تو ہمکو گناہوں کے گھر (دنیا) میں اور گناہگاروں کے پاس بھیجتا ہے تو فرمایا پروردگار عالم نے کہ قسم ہے مجھے اپنی عزت وجلالت کی کہ جو بندہ تمکو ہر نماز فریضہ کے بعد پڑھیگا۔ اُسکو میں حظیرۂ قدس میں جگہ دونگا مع اُن تمام چیزوں کے جو وہاں ہیں۔ اُسپر ہر روز ستر مرتبہ اپنی نظر مکنوں سے دیکھونگا اور اسکی ستر حاجتیں پوری کرونگا جنمیں ادنی مغفرت ہے اور اُسے ہر دشمن سے محفوظ رکھونگا۔ اور اُسے اُسپر نصرت دونگا اور اُسکو جنت میں داخل ہونے سے سوائے موت کے کوئی شے مانع نہ ہوگی۔ قل کہو اے محمد اللھم مالک الملک اے اللہ جو کہ ہر ملک کا مالک ہے (یا امر دنیا و آخرت کا مالک ہے۔ یا نبوت اور امامت کا مالک) تؤتی الملک من تشاء تو عطا کرتا ہے ملک جسکو چاہتا ہے وتنزع الملک ممن تشاء اور لے لیتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے وتعز من تشاء اور عزت دیتا ہے ایمان اور اطاعت سے جسکو چاہتا ہے۔ وتذل من تشاء اور کفر و معصیت کیوجہ سے جسکو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے بیدک الخیر تیرے ہی ہاتھ (اختیار) میں خیر دنیا و آخرت ہے۔ انک علی کل شیء قدیر بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے کوئی شے تجھکو عاجز نہیں کر سکتی۔ تو ہی معدوم کے موجود کرنے اور موجود کے معدوم کرنے پر قدرت رکھتا ہے تولج الیل فی النھار و تولج النھار فی الیل راتکو دنمیں داخل کرتا ہے اور دنکو رات میں۔ اس طرح پر کہ ایک کی جگہ دوسرے کو قائم کرتا یا یہ کہ رات کا حصہ گھٹا کر دنمیں بڑھا دیتا ہے اور دن کا حصہ گھٹا کر رات میں داخل کر دیتا ہے۔ وتخرج الحی من المیت یعنی نطفہ سے جو کہ بیجان ہے۔ انسان زندہ پیدا کرتا ہے وتخرج المیت من الحی اور نطفہ بیجان زندہ انسان سے پیدا کرتا ہے یا یہ کہ مومن سے کافر اور کافر سے مومن کو نکالتا ہے وترزق من تشاء بغیر حساب اور جسے تو مصلحت سمجھتا ہے بے حساب دیتا ہے یا یہ کہ بغیر خوف کمی کے دیتا ہے کیونکہ اُسے کسی کا ڈر نہیں کہ اگر بخشش زیادہ کرونگا۔ تو میرے پاس کمی واقع ہوگی۔ بعض لوگونکا یہ خیال ہے کہ من یشاء سے مراد اہل جنت ہیں۔ کیونکہ خدا تعالی انکو بلا حساب مرحمت فرمائیگا جسے نہ شمار کرنیوالا شمار کر سکیگا۔ اور نہ احصا کرنیوالا اُسکا احاطہ کر سکیگا۔ اس مطلب پر یہ آیت دلالت کرتی ہے فاولئک یدخلون الجنۃ یرزقون فیھا بغیر حساب یعنی یہ لوگ جنت میں داخل ہونگے۔ اور وہاں انکو بے حساب عطا کیا جائیگا۔

اس آیت نے بھی خدا تعالی کی خالقیت۔ رازقیت قادریت غالبیۃ اور رحمت اور وسعت اختیار کو ثابت کیا اور یہی مراد یہاں کمال توحید سے ہے۔ وللہ ما فی السماوات وما فی الارض والی اللہ ترجع الامور (آل عمران) وللہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض اور اللہ ہی کیواسطے ہے یا اللہ تعالی ہی کا ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ خواہ وہ خود آسمان ہو یا وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں مثل ستاروں اور روحانیات اور قوتہائے فلکیہ وملکیہ کے وہ سب اُسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اسمیں کسی کی شرکت

نہیں ہے اور علیٰ ہذا القیاس جو کچھ زمین پر ہے یا زمین کے نیچے۔ وہ بھی اُسی کی ایجاد کا اثر ہے اور سب اسی کی مملوک ہیں والیہ ترجع الامور اور اُسی کی طرف تمام امور کی رجوع ہے اس کا مطلب کسی نے یوں بیان کیا ہے کہ تمام امور فنا ہو جائینگے اور پھر جزا اور عوض دینے کیلئے بروز قیامت سب کو زندہ کرکے اپنے حضور میں طلب کریگا۔ جس سے علاوہ صفت خالقیت و ملک کے قیامت کے آنے کا بھی ثبوت ہے جو صفت عدالت پروردگار عالم پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ اگر پروردگار کے لئے یہ صفت ثابت نہ کیجائے۔ تو قیامت کا ہونا فضول ہوگا۔

اور بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا میں بہت سی چیزوں کا بظاہر مالک کردیا ہے مگر بروز آخرت ان سب کی ملکیت ساقط و خارج ہو جائیگی اور صرف قبضہ خدا تعالیٰ جل مجدہٗ باقی رہیگا۔ جیسا کہ خود ہی فرماتا ہے لمن الملک الیوم۔ آج یعنی قیامت کے روز کس کے لئے ملک ہے؟ (یا کس کا ملک) جب کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا۔ تو خود ہی فرمائیگا۔ للہ الواحد القہار آج تمام عالم پر اللہ واحد غالب ہی کا قبضہ ہے۔ کوئی اُسکے ساتھ ملک و ملک میں شریک نہیں۔ اگرچہ ظاہری ہی طور پر کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ اس دن تو تمام لوگ نفسی نفسی پکارتے ہونگے۔ کسی کو اپنے ملک و ملک کا خیال نہ ہوسکیگا اور اگر ہو بھی تو موقف حساب میں اُنکو کسی امر پر اختیار ہی کب باقی ہوگا۔ پس جسطرح کہ باطناً اسوقت تمام چیزیں خدا تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں اور بظاہر اور لوگ بھی مالک نظر آتے ہیں۔ اُس دن ظاہر و باطن ہر طرح خدا تعالیٰ ہی مالک دکھائی دیگا۔ اور سب اُسی کی مملوک نظر آئینگے

٥ واللہ یحیی و یمیت واللہ بما تعملون بصیر" (آل عمران) واللہ یحیی و یمیت

اور اللہ زندہ کرتا اور مار ڈالتا ہے۔ یعنی مارنا جلانا اُسی کے اختیار میں ہے۔ خواہ سفر میں ہو یا حضر میں جب موت کا وقت آجاتا ہے۔ ہرگز اُسکو کوئی ٹال نہیں سکتا کیونکہ جس چیز کو خدا تعالیٰ نے مقدم فرمایا ہے اُسکا موخر کرنیوالا یا جسے موخر کیا ہے اُسکا مقدم کرنیوالا سوائے اُسکے کوئی نہیں اس آیت میں پروردگار عالم نے جہاد سے پیچھے رہجانیکی ممانعت فرمائی ہے یعنی کہ جہاد میں جانا باعث ہلاکت نہیں بلکہ جب موت کا وقت آجاتا ہے تو خواہ جہاد میں جاؤ یا نہ جاؤ بہر حال مر جاؤگے۔ واللہ بما تعملون بصیر اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم عمل میں لاتے ہو۔ خواہ معصیت کا امر ہو یا طاعت کا۔ اُس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے اس جملہ میں ترغیب و ترہیب دونوں ہی موجود ہیں

٦ الحمد للہ الذی خلق السماوات والارض وجعل الظلمات والنور ثم الذین کفروا بربہم یعدلون هو الذی خلقکم من طین ثم قضے اجلاً واجل مسمی عندہ ثم انتم تمترون وهو اللہ فی السماوات وفی الارض یعلم سرکم وجہرکم ویعلم ما تکسبون (انعام) الحمد للہ الذی خلق السماوات والارض۔ تمام تعریفیں اُس معبود حقیقی کے لئے ثابت ہیں۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا مع تمام اُن عجائب چیزوں کے جو انکے اندر

ہیں۔ اور اُسکی وحدانیت و کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ یہ جملہ خبریہ معنی میں امر کے ہے یعنی کہ ایہا الناس تم حمد ادا کرو اُس خدائے واحد کی جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس کلام سے مقصود اظہار کمال قدرت ہے اور یہ کہ اُسکی صنعت میں کوئی اُسکا شریک نہیں ہے وجعل الظلمات والنور اور پیدا کیں تاریکیاں اور روشنی۔ اس سے مقصود رد ہے اُن لوگوں پر جو کہتے ہیں کہ نور و ظلمت یہی دونوں خدا ہیں۔ نیک کاموں کا فاعل نور ہے اور بد کاموں کا ظلمت (اس فرقہ کو ثنویہ کہتے ہیں) اور ممکن ہے کہ اس سے مراد جنت و دوزخ ہو۔ یعنی کہ ان دونوں کا بھی وہی فاعل و جاعل ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس بیان سے اپنا احسان ظاہر کرنا ہو جو ان دونوں یعنی نور و ظلمت کے پیدا کرنیسے اس نے اپنے بندوں پر کیا۔ کیونکہ جسقدر فوائد روشنی اور تاریکی سے اُسکے بندوں کو پہنچتے ہیں وہ بیشمار ہیں اور انہیں سے بعض کا بیان پہلے آچکا بھی ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کفار و منکرین پر تعجب کرتے ہوئے کہ باوجود اتنی دلائل اور اتنی نشانیوں کے بھی لوگ خدائے واحد کی توحید کا اقرار نہیں کرتے اور شرک میں مبتلا ہوتے ہیں فرماتا ہے ثم الذین کفروا بربھم یعدلون "پھر بھی وہ لوگ جو منکر خدائے واحد ہیں اپنے پالنے والے کے ساتھ اوروں کو برابر سمجھتے ہیں اور اصلی معبود کو چھوڑ کر یا اُسکے ساتھ مخلوقات کی بھی عبادت کرتے ہیں ھو الذی خلقکم من طین وہ خالق یکتا ہے۔ جس نے تمکو مٹی سے پیدا کیا۔ باوجودیکہ مٹی ایک بیجان چیز ہے اُسمیں خود قوت نمو نہیں ہے مگر اسے اسطرح کی ترکیب دی کہ اُسمیں قوت نمو بھی پیدا ہو گئی قوت حرکت بھی اسے حاصل ہو گئی اور وہ ترکیب کے بعد ایک عجیب زندہ مصنوع بنگئی جسکی حکمتوں کا احصا ناممکن ہے!! اگرچہ دراصل مٹی سے بلاواسطہ حضرت آدمؑ ہی پیدا ہوئے تھے۔ مگر چونکہ مخاطب انسانوں کی لئے وہی اصل ہیں اور انہیں کی نسل سے یہ انسان ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے سب کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ تمکو خدا نے مٹی سے پیدا کیا یعنی ابتدا اور اصل تمہاری مٹی سے ہے ثم قضی اجلا واجل مسمی عندہ پھر اُسنے ایک مدت زندگی مقرر کر دی (کہ اتنے دنوں تک دُنیا میں ہوگے) اور ایک مدت اُسکے نزدیک مقرر ہے!! ان دونوں مدتوں کے متعلق بعض کا تو یہ خیال ہے کہ ایک سے مراد مدت زندگی زمانہ تک ہے اور دوسرے سے موت سے لیکر روز بعث و نشر تک۔ اور بعض کی یہ رائے ہے کہ اول سے مراد زندگانی دنیا ہے اور دوسرے سے مراد زندگانی آخرت ہے۔ جو دائم ہے اور اُسکے لئے فنا و زوال نہیں۔ اور بعض کا یہ خیال ہے کہ اول سے مراد اجل نوم ہے کیونکہ اس حالت میں انسان کی ایک روح قبض ہو جاتی ہے مگر پھر عود کر آتی ہے اور دوسرے سے مراد اجل موت ہے ثم انتم تمترون۔ پھر بھی اے کفار تم شک ہی کرتے ہو کہ ہمارا بعث و حشر و نشر نہ ہوگا۔ باوجودیکہ پیدا ہونا اور مرنا اپنا دیکھتے ہو جو کافی دلیل اس امر کی ہے کہ جو اول امر میں پیدا کرنے اور مار ڈالنے پر قادر ہے وہ دوبارہ بھی مرنے کے بعد زندہ کرسکتا ہے۔

قُل لمن ما فی السماوات والارض قُل للہ کتب علےٰ نفسہ الرحمۃ لیجمعنکم
الیٰ یوم القیامۃ لا ریب فیہ الذین خسروا انفسہم فہم لا یومنون ولہ ما سکن
فی اللیل والنہار وھو السمیع العلیم قل اغیر اللہ اتخذ ولیا فاطر السماوات
والارض وھو یطعم ولا یطعم قل انی امرت ان اکون اول من اسلم ولا تکونن
من المشرکین" (انعام)

قل لمن ما فی السماوات والارض - اے محمدؐ ان مشرکین سے کہو - کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کا ہے اور کس نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے؟ پس اگر وہ کہیں یہ سب کچھ اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے قل للہ تو تم بھی کہو کہ ہاں اللہ تعالیٰ کی ملک میں سب چیزیں ہیں - اسی کو انہیں تصرف کا حق حاصل ہے - کتب علےٰ نفسہ الرحمۃ اس نے لکھ لی ہے اپنے اوپر رحمت یعنی اپنے نفس پر اُسنے رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ باوجود گناہ دیکھنے کے بندوں کو مہلت دیتا ہے تاکہ اب بھی توبہ کریں اور اپنے افعال سے باز آئیں - یا یہ کہ امت محمدیہ کے لئے اس نے رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ ان پر مثل امم سابقہ کے عذاب نہ کریگا - لیجمعنکم الی یوم القیامۃ ضرور تمکو قیامت کے دن جمع کریگا - اور اُس روز زندہ کر کے تم سے حساب سمجھیگا - یا کہ قیامت تک تمکو مہلت دی ہے اور تمہارے جمع کرنے کی تاخیر اُسوقت تک کیجائیگی لا ریب فیہ اسمیں کچھ شک نہیں ہے - اس کے بعد فرماتا ہے کہ الذین خسروا انفسہم فہم لا یومنون - جن لوگوں نے اپنے نفس کو نقصان پہنچایا - یعنی کفر اور معصیت کیوجہ سے اپنی جانوں کو تباہی میں ڈالا ہے - وہ ایمان نہ لائینگے - چاہو کتنے ہی دلائل و براہین انکے سامنے بیان کرو! اسکے بعد پھر اپنی مالکیت اور دیگر صفات کو بیان فرماتا ہے ولہ ما سکن فی اللیل والنہار اُسی کیلئے ہے جو رات اور دن میں داخل ہوتا ہے یعنی جس شے پر رات اور دن کا مرور ہوتا ہے وہ خدا ہی کی پیدا کی ہوئی اور اسی کی مملوک ہے اس سے پہلے تو خدا تعالیٰ نے آسمان اور زمین کی چیزوں کو اپنا مملوک بنایا اور یہاں رات اور دن کی چیزوں کو جس سے یہ بات سمجھی گئی کہ عالم کی تمام چیزیں دو ہی حالتیں رکھتی ہیں - ایک مکانیت اور دوسری زمانیت تو خواہ اشیائے عالم مکانی ہوں - یا زمانی ہوں - دونوں ہی مالک مطلق پروردگار عالم کی ہیں - اس بیان سے تمام ممکنات کا حصر ہو گیا - بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی مملوک ہے وہ شے جو رات میں ساکن اور دن میں متحرک ہو - (یہ اس لحاظ سے کہ دن طلب قوت و معاش کا وقت ہے اور رات آرام کا) مگر لفظ متحرک یا تحرک کو بقرینہ ذکر ضد چھوڑ دیا گیا ہے - واللہ اعلم

قل اغیر اللہ اتخذ ولیا - کہو اے محمدؐ کہ سوائے اللہ کے کسی اور کو میں اپنا مالک اور مولیٰ قرار دوں - جیسے تم بتوں کو اپنا مالک اور مولےٰ بتلاتے ہو؟ فاطر السماوات والارض جو آسمانوں

اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے یعنی ایسے معبود حقیقی کو جسکی یہ صفت ہو چھوڑ کر اوروں کو اپنا مالک سمجھوں؟
ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ وھو یطعم ولا یطعم وہی روزی دیتا ہے اور اسے کسی سے روزی لینے کی ضرورت
نہیں ہے وہ مستغنی بالذات ہے۔ اسی کے سب محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں پس کیونکر
اسکے سوا کوئی قابل پرستش ہو سکتا ہے قل انی امرت ان اکون اول من اسلم کہدو اے
محمد کہ مجھے خدا کا حکم ملا ہے کہ میں پہلا وہ شخص ہوں۔ جسنے حکم خدا کی اطاعت کی اور اس کے احکام
پر راضی ہوا۔ ولا تکونن من المشرکین اور یہ بھی مجھے حکم خدا ملا ہے کہ ہرگز میں مشرکین میں داخل نہ
ہوں۔ بلکہ ان سے الگ رہوں۔

وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یمسسک بخیر فھو علی
کل شیء قدیر وھو القاھر فوق عبادہ وھو الحکیم الخبیر۔

وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو۔ اس آیت میں خدا تعالی اپنے اختیار
اور کمال قدرت کو ظاہر فرماتا ہے اور اسی کے ساتھ اپنی حکمت اپنے علم اور اپنے غلبہ و اقتدار کو بیان
کرتا ہے۔ فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالی تمکو کسی قسم کی تکلیف بیماری۔ فقر۔ یا مصیبت پہنچائے تو اسکا دور
کرنے اور ہٹانے والا سوائے اسکے کوئی نہیں۔ کیونکہ کسی دوسرے کو یہ اقتدار نہیں کہ خدائی حکم کو ٹال
سکے یا اسکا مقابلہ کرکے اسکی بلا کو روک دے۔ وان یمسسک بخیر اور اگر تمکو کسی قسم کی بھلائی
پہنچائے۔ مثلاً روزی میں وسعت کردے یا بدن میں صحت عطا کرے۔ یا آسائش دنیا کو تمہیں
عنایت فرمائے تو اسمیں اسکے لئے کوئی دشواری نہیں اور نہ اسے کوئی روک ہی سکتا بلکہ فھو
علی کل شیء قدیر۔ وہی ہر شے پر قادر ہے چاہے بمصلحت کسی کو تکلیف پہنچائے یا بحکمت کسی
کو آرام۔ وھو القاھر فوق عبادہ۔ اور وہی معبود حقیقی اپنے بندوں پر غالب اور قادر ہے
اور وہ سب اس کے تحت حکم ہیں وھو الحکیم الخبیر اور باوجود اسکے جو کچھ وہ کرتا ہے حکمت و
تدبیر کے ساتھ کرتا ہے نہ یہ کہ قدرت حاصل ہونے کی وجہ سے جا و بیجا جسے چاہے نفع پہنچائے یا جسے
چاہے نقصان پہنچائے۔ بلکہ وہ واقعیت امر پر مطلع ہے اور ہر قسم کی حکمت و تدبیر سے باخبر ہے۔
اس لئے تمام کام با حکمت و تدبیر ہی کرتا ہے نہ کہ اسکے برخلاف۔

ان اللہ فالق الحب والنوی یخرج الحی من المیت ومخرج المیت من الحی
ذلکم اللہ فانی تؤفکون فالق الاصباح وجعل اللیل سکنا والشمس والقمر حسبانا
ذلک تقدیر العزیز العلیم وھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمات
البر والبحر قد فصلنا الآیات لقوم یعلمون وھو الذی انشاکم من نفس واحدۃ
فمستقر ومستودع قد فصلنا الآیات لقوم یفقھون۔ وھو الذی انزل
من السماء ماء فاخرجنا بہ نبات کل شیء فاخرجنا منہ خضرا نخرج منہ حبا متراکبا

ومن النخل من طلعها قنوان دانية وجنات من اعناب والزيتون والرمان مشتبها وغير متشابه انظروا الی ثمره اذا اثمر وينعه۔ ان فی ذلک لایات لقوم يومنون وجعلوا للہ شرکاء الجن وخلقهم وخرقوا له بنين وبنات بغير علم سبحانه وتعالیٰ عما يصفون بديع السماوات والارض انی يکون له ولد ولم تکن له صاحبة وخلق کل شئ وهو بکل شئ عليم۔ ذالکم الله ربکم لا الٰه الا هو خالق کل شئ فاعبدوه وهو علیٰ کل شئ وکيل۔ (انعام) ان الله فالق الحب والنوی

بیشک خدا تعالیٰ دانے اور گٹھلی کا شگافتہ کرنے اور انمیں سے نباتات اور اشجار پیدا کرنیوالا ہے۔ حالانکہ دانہ اور گٹھلی خشک ہوتی ہے پھر بھی اپنی قدرت کاملہ سے انمیں قوت نامیہ مرحمت فرماتا ہے۔ جس سے سبز سبز پتیوں اور تر و تازہ شاخوں والے نباتات اُن سے ظاہر ہوں جو اُسکی کمال صنعت پر دلالت کرتے ہیں یخرج الحی من المیت ومخرج المیت من الحی۔ زندہ یعنی نباتات کو مُردہ یعنی خشک دانوں اور گٹھلیوں سے پیدا کرتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے یعنی پھر انہیں نباتات سبز و شاداب سے خشک اور بیجان دانے پیدا کرتا ہے یا یہ کہ جیسا سابق میں بیان ہوا۔ نطفہ سے حیوانات اور حیوانات سے نطفہ پیدا کرتا ہے یا کافر سے مومن اور مومن سے کافر کو نکالتا ہے فذالکم اللہ فانی تؤفکون۔ پس وہی تمہارا اللہ ہے پھر تم کدھر بھٹکے جاتے ہو۔ اور کیوں ایسے ایسے براہین و دلائل کے دیکھنے کے بعد بھی گمراہی اختیار کرتے ہو۔ فالق الاصباح تاریکی شب سے صبح کی عمود کو نکالتا ہے اگر وہ چاہتا۔ تو ہمیشہ رات ہی رہتی۔ وجعل اللیل سکنا اور رات کو سکون و آرام کے لئے بنایا تاکہ دن کے کاموں سے جو تھکن پیدا ہوئی ہے۔ اُسے رات میں آرام لیکر دفع کرو۔ والشمس والقمر حسبانا اور سورج اور چاند کو بحساب و اندازہ معین جاری کیا ہے اور انہیں پر رات اور دن کا مدار رکھا ہے چاند کیلئے ۲۸ روز کی تقریباً سیر مقرر کی ہے اور سورج کے لئے تقریباً تین سو پینسٹھ ۳۶۵ دن کی وذالک تقدیر العزیز العلیم اور صبح کا روشن کرنا اور رات کو محل سکون و آرام قرار دینا اور آفتاب و ماہتاب کو بحساب مقرر چلانا ایک غالب قادر اور علم والے کی تقدیر ہے جو مصالح خلق سے بخوبی واقف ہے هو الذی جعل لکم النجوم لتهتدوا بها فی ظلمات البر والبحر۔ اسی نے تمہاری نفع کے لئے۔ ستارے پیدا کئے تاکہ تم انکی روشنی سے میدان اور دریا کی تاریکیوں میں ہدایت پاسکو۔ کیونکہ یہ ستارے بعضے مشرق میں ہیں بعضے مغرب میں۔ بعض چلنے والے کے سامنے ہوتے ہیں۔ اور بعض دائیں یا بائیں بہر صورت اُن سے آدمی راہوں کا پتہ چلا سکتا ہے۔ جیسا کہ لوگ جدی۔ شعری عیّوق۔ ثریا سہیل یمنی وغیرہ سے راہ چلنے میں بہت کچھ مدد لیتے ہیں قد فصلنا الایات لقوم یعلمون بیشک ہم نے نشانیاں اپنے وجود اور اپنی قدرت کی بہ تفصیل بیان کردیں ان لوگوں

کے لیئے جو جانتے اور فکر کرتے ہیں (تخصیص صرف اس لیئے ہے کہ بیان و تفصیل انہیں لوگونکو مفید ہوتی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں نہ غافلونکو) وھو الذی انشا کم من نفسٍ واحدۃٍ وہی وہ خالق و صانع ہے جس نے تم سب کو ایک ہی نفس یعنی آدمؑ سے پیدا کیا ہے۔ کیونکہ اول مخلوق انسانی حضرت آدم ہیں انکے بعد جناب حوا پیدا کیگئی ہیں اور ان سے باقی انسان فمستقرٌ و مستودعٌ پس بعض تو تم میں سے رحم میں ٹھیرائے ہوئے ہیں یا روئے زمین پر اور بعض زیر زمین سپرد کر دیئے گئے ہیں تاکہ قیامت کے دن نکالے جائیں قد فصّلنا الآیات لقوم یفقھون بیشک ہم نے تفصیل سے اپنے وجود و قدرت کی دلیلیں سمجھنے والوں کے لیئے بیان کر دیں۔ وھو الذی انزل من السّماء ماءً فاخرجنا بہ نبات کلّ شیٔ وہی ایسا ہے جس نے بلندی سے مینہ برسایا! (پھر غائب سے متکلم کیطرف التفات فرما کے کہتا ہے کہ) پس ہمنے اس سے ہر قسم کے نباتات پیدا کئے یعنی اُسی مینہ کے ذریعے سے ہر چیز اوگائی جو حیوانات وحوش و طیور و انسان و حشرات الارض وغیرہ کے لیئے غذا بن سکے فاخرجنا منہ خضرا پھر ہم نے اُسی مینہ سے سبز نبات اور تر و تازہ پیدا کی (خضر سے مراد وہ نبات ہے جو دانہ سے پھوٹ کر پیدا ہوتی ہے) نخرج منہ حبًّا متراکبًا جس سے ہم تہ بتہ دانے نکالتے ہیں یعنی اسی سبز نبات سے جو پہلے دانے سے اوگی ہے۔ بالیاں پیدا کرتے ہیں جنمیں تہ بتہ دانے ہوتے ہیں و من النخل من طلعھا قنوانٌ اور پیدا کرتا ہے درخت خرمے اسکے خوشے سے گچھے دانیۃ جنکا لینا اور حاصل کرنا آسان ہوتا ہے۔ و جنّات من اعناب اور باغ ہیں انگور کے یعنی ہم نے اُسی مینہ سے انگور کے باغ پیدا کیئے والزیتون والرّمّان اور ہم نے اُسی مینہ سے زیتون اور انار پیدا کیئے جو تم لوگوں کی نہایت عمدہ غذا اور دوا ہیں مشتبھا و غیر متشابہ جو درخت کے لحاظ سے متشابہ الصورت ہیں اور ذائقہ کے لحاظ سے مختلف ہیں یا یہ کہ ہم جنس او رغیر جنس یعنی ہر ایک صنف ان دونوں کی آپسمیں متشابہ اور ہم صورت اور دوسری صنف سے مخالف ہے یا یہ کہ بعض انہیں سے ہیئتہ و صورت اور لذت و ذائقہ میں متشابہ ہیں اور بعض غیر متشابہ۔ انظروا الی ثمرہٖ تمکو لازم ہے کہ دیکھو کہ کسطرح ان درختوں میں پھل لگتے ہیں و ینعہ اور کسطرح پختہ ہوتے ہیں اور کیا کیا انتظامات انکے واسطے معین کئے گئے ہیں حاصل یہ ہے کہ ان کی حالتونکو اول سے آخر تک دیکھو اور ان سے عبرت حاصل کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ کیسی کیسی حکمتیں انمیں ودیعت کیگئی ہیں اور کیسی قدرت کاملہ کا ظہور ان سے ہوتا ہے کیونکہ یہی وہ حالتیں اور تغیرات ہیں جو تمکو اس امر کے اقرار پر مجبور کرینگے کہ انکا کوئی نہ کوئی خالق و مدبر ضرور ہے انّ فی ذٰلک لآیاتٍ لقومٍ یؤمنون بیشک ان تمام چیزوں میں ایمان لانے والوں کے لیئے نشانیاں ہیں جنہیں دیکھکر اُن لوگوں کے دلوں میں ایمان اور یقین داخل

ہوتا ہے وجعلوا للہ شرکاء الجن وخلقہم (دیکھو تو کیسی عجیب بات ہے کہ) ان مشرکین نے جنوں کو یعنی فرشتوں کو خدا کا شریک ٹھیرایا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے انکو پیدا کیا ہے اور وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے۔ پھر کیونکر وہ خدا تعالیٰ کے شریک ہو سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں جو کہ مخلوق ہے وہ خالق کے درجے میں کیونکر آسکتا ہے۔ وخرقوا له بنین وبنات بغیر علم اور ان مشرکین نے اسکے لئے افترا و بہتان کے طور پر بے جانے بوجھے بیٹے اور بیٹیوں کی بھی تجویز کر دی سبحانه وتعالیٰ عما یصفون پاک ہے اور برتر ہے خدا تعالیٰ ان امور سے جنہیں یہ لوگ بیان کرتے ہیں یعنی ہرگز اسکے بیٹے یا بیٹیاں نہیں ہیں بدیع السماوات والارض وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے انی یکون له ولد ولم تکن له صاحبة کہاں اسکے اولاد ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں وخلق کل شیء اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے وهو بکل شیء علیم اور اسی کو ہر شے کا علم ہے ذالکم اللہ ربکم وہی اللہ تمہارا رب اور خالق ہے۔ جس نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے لا الٰہ الا ھو اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے خالق کل شیء پھر تاکید فرمایا کہ وہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے۔ خواہ جسم ہو یا جسمانی۔ مکان ہو یا مکانی فاعبدوہ پس تم لوگ اسی کی عبادت کرو اور بتوں اور ستاروں کی عبادت کو چھوڑ دو کیونکہ استحقاق عبادت اسی کو ہے وھو علی کل شیء وکیل اور وہی ہر شے کا حافظ و مدبر و نگہبان ہے۔ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ نے دلیلیں اور عبرتیں اور نصیحتیں اور اپنی قدرت کے آثار۔ اور حکمت کے نمونے سب کچھ بیان فرما دیئے ہیں۔ کاش اہل دنیا غور کریں۔

قل من یرزقکم من السماء والارض ام من یملک السمع والابصار ۱۰
ومن یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ومن یدبر الامر فسیقولون
اللہ فقل افلا تتقون فذٰلکم اللہ ربکم الحق فماذا بعد الحق الا الضلال فانی
تصرفون" (یونس) قل من یرزقکم من السماء والارض اس آیت میں خدا تعالیٰ

دلائل توحید و بعثت و حشر کو بیان فرماتا ہے اور نہایت نرم لہجے میں سمجھاتا ہے کہ ایسے معبود و خالق کے ہوتے ہوئے دوسرا کوئی قابل پرستش نہیں ہو سکتا خواہ علویات سے ہو یا سفلیات سے۔ روحانیات سے ہو یا جسمانیات سے اور نیز یہ اسی کو اختیار پھر زندہ کرنیکا ہے۔ جس نے اول مرتبہ پیدا کیا اور پھر مار ڈالا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ کہو اے محمد ان کفار و مشرکین سے کہ تمکو آسمان سے مینہ برسا کر اور زمین سے غلہ اور میوہ اور نباتات اگا کے روزی کون پہنچاتا ہے کیا یہ تمہارے مصنوعی معبود ایسا کرتے ہیں یا اللہ تعالیٰ؟ ام من یملک السمع والابصار اور کون کان اور آنکھ کا مالک ہے کہ انمیں قوت سامعہ اور قوت باصرہ پیدا کرتا ہے؟ ومن یخرج الحی من المیت اور کون مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے یعنی کافر سے مومن پیدا کرتا ہے۔ یا یہ

کہ مردہ شے سے زندہ کو پیدا کرتا ہے۔ مثلاً نطفہ سے یا مٹّی سے انسان وحیوانات کو خلق فرماتا ہے؟ ومن یخرج المیت من الحیّ اور کون زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے یعنی زندگی سے موت دیتا ہے یا مومن سے کافر پیدا کرتا ہے؟ ومن یدبّر الامر اور کون آسمان وزمین کے کاموں کا انتظام کرتا ہے؟ کیا کسی اور میں بھی یہ قوتیں ہیں؟ فسیقولون اللّٰہ پس تمہارے اس سوال پر عنقریب یہ لوگ یہی جواب دینگے کہ اللہ تعالیٰ ہی یہ سب کام کرتا ہے اور اسی میں یہ قوتیں ہیں فقل افلا تتقون تو کہو (اے محمدؐ) کہ کیا تم اسقدر سمجھنے پر بھی خدا سے ڈرتے نہیں اور اس کے ساتھ اور ونکو شریک عبادت کرتے ہو اور قیامت کے آنے کے منکر ہو۔ فذٰلکم اللّٰہ ربّکم وہی تمہارا پروردگار ہے جو آسمان وزمین سے روزی اُتارتا اور کان اور آنکھ کا مالک اور مدبّر عالم اور مُردہ سے زندہ اور زندہ سے مُردہ کو نکالتا ہے فماذا بعد الحق الا الضلال۔ پس حق کو چھوڑ ملنے کے بعد سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے یعنی تملوگ حق کو چھوڑ کر گمراہی میں پڑتے جاتے ہو۔ فانّٰی تصرفون تو کس طرف حق سے عدول کرکے جاتے ہو۔ اور باوجود دلائل توحید کے کیوں ان سے مُنہ موڑتے ہو۔ سمجھو اور راہ حق اختیار کرو۔

الم یروا الی ما خلق اللّٰہ من شیٔ یتفیؤ ظلالہ عن الیمین والشمائل سجّدًا للّٰہ وھم داخرون وللّٰہ یسجد ما فی السمٰوات وما فی الارض من دابّۃ والملٰئکۃ وھم لا یستکبرون یخافون ربّھم من فوقھم ویفعلون ما یؤمرون" (نحل)

الم یروا الی ما خلق اللّٰہ من شیٔ۔ جو لوگ کہ وحدانیت خدا تعالیٰ کا انکار کرتے اور اُس کے نبی کو جھٹلاتے ہیں کیا انہوں نے دیکھا نہیں جو خدا تعالیٰ نے سایہ دار چیزیں پیدا کیں یتفیؤ ظلالہ عن الیمین والشمائل سجّدًا للّٰہ جنکے سائے جھکتے ہیں دائیں اور بائیں در انحالیکہ خدا تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہوتے ہیں۔ یعنی کہ جب آفتاب بلند ہوتا ہے تو ہر چیز کا سایہ دائیں طرف پڑتا ہے پھر پیچھے کیطرف آجاتا ہے اور جب غروب کا آفتاب آتا ہے تو بائیں طرف سایہ پڑنے لگتا ہے اور اس گردش و دوران میں سایہ مطیع خداوند تعالیٰ ہے اور مسخر ہے کہ جدھر چاہتا ہے اسیطرف اسکو پھیرتا ہے اور یہی اطاعت و انقیاد اُسکی سجدہ ہے کیونکہ جسطرح ہر شے کی تسبیح اُسکے مناسب ہوتی ہے کسی کی تسبیح زبانی ہے اور کسی کی تسبیح شانی۔ اُسیطرح سجدہ بھی ہر ایک کا مختلف ہے کسی کا سجدہ سر سے ہے۔ اور کسی کا اُس حالت کے ظہور سے جو اطاعت انقیاد پر دلالت کرتی ہے اس لئے کہ سجدہ دراصل اظہار اطاعت ہی کا نام ہے وھم داخرون اور سب کے سب خدا تعالیٰ کی جناب میں ذلت اور عاجزی کے ساتھ کھڑے ہیں یعنی کہ وہ جناب ایسی ہے جسمیں ہر ایک کو اپنی عاجزی ظاہر کئے ہوئے بغیر چارہ نہیں کیونکہ وہی سلطان السلاطین۔ رب الارباب اور ملک الملوک ہے۔ اور

انکا عاجزی ظاہر کرنا صرف اُنکی حالتوں سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ انمیں سے کوئی ایسا نہیں جو اپنا
محتاج ہونا کسی خالق اور مدبر کیطرف نہ بتاتا ہو۔ جس کے بغیر انکا وجود و بقا نہیں ہو سکتا وللّٰہ
یسجد ما فی السماوات وما فی الارض من دابۃ اور خدا ہی کو سجدہ کرتے ہیں
تمام وہ موجودات جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین پر چلنے والے ہیں والملٰئکۃ اور فرشتے تمک
بھی اسکو سجدہ کرتے ہیں۔ باوجودیکہ انکی عظمت بہ نسبت باقی مخلوقات کے بسبب تجرد اور عدم تعلقات
جسمانیہ کے زیادہ ہے لیکن اُنکو بھی خدا تعالیٰ کی جناب میں سجدہ کرنیسے چارہ نہیں کیونکہ وہ
بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے اور اسی کے محتاج ہیں۔ وھم لا یستکبرون اور وہ سجدہ کرنے اور
خدا تعالےٰ کی عبادت سے تکبر بھی نہیں کرتے بلکہ نہایت خضوع و خشوع سے اُسکی بندگی میں
مصروف ہیں!! اسمیں اشارہ اسبات کی طرف ہے کہ حضرت انسان جو بہمہ وجوہ ذلیل و خوار
ہیں گندیدہ نطفے سے بنائے گئے ہیں۔ خون حیض انکی غذا ہوا ہے۔ نو مہینے تک ماں کے
رحم میں بند رہے ہیں۔ پھر نہایت ذلت کے ساتھ متولد ہوئے اور خون مستحیل دو سال تک
پیتے رہے اُسپر بھی وہ نخوت ہے کہ اللہ اکبر نیچے زمین پر ٹکتے ہی نہیں۔ نہ عبادت سے کام ہے
نہ طاعت سے۔ اور فرشتے جو ان تمام باتوں سے مبرا ہیں انکو کسیقدر زیبا تھا۔ اگر عبادت سے
استنکاف و انکار کرتے لیکن وہ ہمہ دم سربسجود و مطیع فرمان الٰہی ہیں۔ افسوس ہے اس انسان خاکی
کی حالت پر۔ یخافون ربھم من فوقھم وہ فرشتے خُدا سے ڈرتے بھی ہیں جو ان سے
عالی و متعالی ہے یا یہ کہ وہ فرشتے جو اہل زمین سے بدرجہا فوقیت رکھتے ہیں خدا تعالیٰ سے ڈرتے
رہتے ہیں بخلاف حضرت انسان کے۔ ویفعلون ما یؤمرون اور وہی کرتے ہیں جو اُنکو
حکم دیا جاتا ہے۔ بخلاف حضرت انسان کے کہ ہر دم مخالفت خُدا پر تلے رہتے ہیں اس آیت میں
آدمیونکو نہایت عمدہ پیرایہ میں خُدا تعالیٰ نے نصیحت فرمائی ہے۔ کاش یہ اُسے سمجھیں بھی۔ یہی
تنزیلا ممن خلق الارض والسماوات العلیٰ۔ الرحمان علے العرش استویٰ
لہ ما فی السماوات وما فی الارض وما بینھما وما تحت الثریٰ وان تجھر بالقول
فانہ یعلم السر واخفے اللہ لا الٰہ الا ھو لہ الاسماء الحسنیٰ (طٰہٰ) تنزیلا ممن
خلق الارض والسماوات العلےٰ یہ قرآن اسکا نازل کیا ہوا ہے جسنے زمین کو پیدا
کیا اور بلند آسمانوں کو۔ کسی آدمی کا بنایا ہوا نہیں ہے الرحمان علے العرش استویٰ
وہی بڑا رحم کرنیوالا ہے اور عرش پر غالب ہے۔ یعنی اپنے ملک و سلطنت پر۔ اور اگر عرش سے
مراد علم ہو تو یہ مطلب ہوگا۔ کہ اُسی کو تمام چیزوں کا علم حاصل ہے لہ ما فی السماوات وما فی
الارض وما بینھما وما تحت الثریٰ۔ اُسی کے ملک اور قبضہ میں ہے اور اسی کا مخلوق
ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین پر ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین

کے اندر ہے خزانوں اور اموات وغیرہ سے - وان تجھر بالقول فانہ یعلم السر واخفی
اے رسول ہمارے اگر تم بلند آواز سے بولو - یا پست آواز سے خدا تعالیٰ تو اُسے بھی جانتا ہے -
جو آہستہ کوئی بات کسی سے کہی جائے اور اُسے بھی جسے صرف دل میں لایا جائے مطلب یہ ہے
کہ صرف بلند آواز ہی سے بات کرنیکو خدا تعالیٰ نہیں جانتا - بلکہ آہستہ سے آہستہ اور مخفی سے مخفی راز
کو بھی جانتا ہے اللہ لا الٰہ الا ھو لہ الاسماء الحسنیٰ اللہ کے سوا کوئی قابل عبادت
نہیں ہے اُسی کیلئے اسماء حسنیٰ ہیں جو اسکی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں یا یہ کہ جو اچھے معنوں والے
ہیں - رسول خدا صلعم سے منقول ہے کہ خدا تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو انکو احصا کریگا جنت میں داخل
ہوگا - جنکا ذکر سابق میں آچکا ہے -

اِنَّ اللہ لعفوٌّ غفور - ذٰلک بانّ اللہ یولج اللیل فی النھار و یولج النھار
فی اللیل وان اللہ سمیع بصیر ذٰلک بانّ اللہ ھو الحق و ان ما یدعون
من دونہ ھو الباطل و ان اللہ ھو العلی الکبیر الم تر ان اللہ انزل من السماء
ماء فتصبح الارض مخضرۃ ان اللہ لطیف خبیر لہ ما فی السماوات وما فی
الارض و ان اللہ لھو الغنی الحمید الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی الارض
والفلک تجری فی البحر بامرہ ویمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ
ان اللہ بالناس لرؤف رحیم وھو الذی احیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ان
الانسان لکفور (سورہ حج) اِنَّ اللہ لعفوٌّ غفور بیشک خدا تعالیٰ معاف کرنیوالا
اور بخشدینے والا ہے - جبکہ آدمی بعد معصیت کے اُسکی طرف رجوع کرے - اس آیت میں خدا تعالیٰ
اپنی رحمت کا ذکر فرماتا ہے اور گناہگاروں کو امید دلاتا ہے کہ اگر وہ معافی چاہینگے تو انکی بخشش
ہوسکیگی ذٰلک بان اللہ یولج اللیل فی النھار و یولج النھار فی اللیل اس آیت
میں اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے اس امر پر دلیل پیش کرتا ہے جیسے پہلے بیان کیا ہے مطلب
آیت کا یہ ہے کہ یہ اسوجہ سے کہ خدا تعالیٰ ہی رات کو دن میں اور دنکو رات میں داخل کرتا ہے -
یعنی کبھی دنکو گھٹا کر رات کا حصہ طولانی کردیتا ہے اور کبھی رات کو گھٹا کر دن کا حصہ طولانی کردیتا
ہے وان اللہ سمیع بصیر - اور بیشک خدا تعالیٰ سمیع و بصیر ہے - ایمان والوں کی دعاؤں
کو سنتا اور انکی حالتوں کو جانتا ہے یا یہ کہ ہر امر کی اُسی کو اطلاع ہے ذٰلک بان اللہ ھو الحق
یہ اسوجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق والا اور اپنے قول و فعل میں سچا ہے یا یہ کہ وہی صفات تعظیم
میں یکتا ہے اور جو کوئی اُن صفات کا اعتقاد رکھتا ہے - وہ حق پر ہے وان ما یدعون من دونہ
ھو الباطل اور یہ کہ جسے یہ کفار اپنا معبود کہتے ہیں باطل ہے کیونکہ نہ وہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان
وان اللہ ھو العلی الکبیر اور یہ کہ بیشک خدا تعالیٰ تمام چیزوں سے بالاتر اور بزرگ ہے سب

چیزیں اُنکے مقابلہ میں حقیر و صغیر ہیں۔ الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء کیا تمہیں معلوم نہیں
کہ خدا تعالیٰ ہی نے بلندی سے مینہ برسایا۔ نہ کسی اور نے جسے کفار اپنا معبود کہتے ہیں فتصبح الارض
مخضرۃ جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے اور نباتات پیدا ہو جاتے ہیں ان اللہ لطیف خبیر
بیشک خدا تعالیٰ ہی لطیف و خبیر ہے۔ یعنی اپنے افعال میں لطیف ہے۔ یا یہ روزی پہنچانے میں
مہربان ہے اور لوگوں کے حالات کی خبر رکھنے والا ہے لہ ما فی السماوات و ما فی الارض
آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اُسیکا ہے اور وہی انمیں تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔
وان اللہ لھو الغنی الحمید اور بیشک خدا تعالیٰ ہی کسی کا محتاج نہیں اور اپنے افعال
وصفات کے سبب سے قابل حمد و ستائش ہے۔ الم تر ان اللہ سخر لکم ما فی الارض جمیعًا کیا
تمہیں معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ ہی نے تم لوگوں کے لیئے زمین کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے حیوانات
ہوں خواہ نباتات اور خواہ جمادات عناصر ہوں یا مرکبات۔ جن سے تم اپنی غرضیں نہایت
آسانی کے ساتھ پوری کر سکتے ہو۔ والفلک تجری فی البحر بامرہ اور دریا میں کشتی بھی اُسی کے
حکم سے چلتی ہے اگر وہ پانی کی طاقت روک لے جس سے وہ کشتی کو اٹھائے رہتا ہے یا لکڑی میں
زیادہ وزن پیدا کر دے جس سے وہ پانی پر نہ ٹھیر سکے تو کیا کسی میں اتنا اختیار ہے کہ پھر بھی پانی
پر کشتی کو چلا سکے ویمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ اور آسمان کو بھی زمین
پر گرنے سے روکے ہوئے ہے۔ مگر یہ کہ جب وہی چاہے تو پھر ایسا ہو گا کہ آسمان ریزہ ریزہ ہو کر
فنا ہو جائیں یا زمین پر پھٹ کے گر پڑیں ان اللہ بالناس لرءوف رحیم بیشک خدا تعالیٰ
آدمیوں پر رافت اور رحم کرنیوالا ہے اسی سبب سے وہ باتیں کی ہیں جنسے انکو آرام پہنچے وھو الذی
احیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ان الانسان لکفور۔ اسی نے اے آدمیو تمکو زندہ کیا
جبکہ مردہ خاک تھے پھر تمہیں موت دیگا پھر قیامت کے قریب تمکو زندہ کریگا۔ تاکہ اعمال نیک و بد
کی سزا و جزا پاؤ۔ مگر چونکہ انسان خدا تعالیٰ کی نعمتوں اور اُسکے احسانات کو کم یاد کرتا ہے بلکہ بسا اوقات
بالکل نہیں یاد کرتا اور انکار پر تل جاتا ہے اسلیئے فرمایا کہ بیشک آدمی ناشکرا ہے ہماری نعمتوں
کی قدر نہیں کرتا بلکہ اصل خالق ہی سے انکار کر بیٹھتا ہے ✦

وربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالیٰ
عما یشرکون وربک یعلم ما تکن صدورھم وما یعلنون وھو اللہ لا الٰہ
الا ھو لہ الحمد فی الاولیٰ والاخرۃ ولہ الحکم و الیہ ترجعون (سورۃ قصص)
وربک یخلق ما یشاء و یختار اور تیرا پروردگار اپنے مخلوقات میں سے جو چاہتا ہے پیدا
کرتا ہے اور اپنے مخلوق کی تدبیر میں جو بات قرین مصلحت دیکھتا ہے اسے اختیار کرتا ہے کسی

اور کو خلق و اختیار کا اختیار نہیں ہے اور اگر مختار کے معنی انتخاب کے لئے جائیں تو مطلب
یہ ہوگا۔ کہ جسے وہ پسند کرتا ہے اُسی کو صیغہ رسالت عطا کرتا ہے۔ رسالت کا عہدہ دینا مخصوص
ہے۔ خدا تعالیٰ کیلئے کیونکہ قلوب کی حالت سے وہی واقف ہے اُسی کو خبر ہے کہ کون اس کام کو
اچھی طرح پورا کر سکتا ہے!! اسی سے نائب رسول صلعم کے اختیار و انتخاب کا بھی مسئلہ حل ہو جاتا ہے
کیونکہ منصب رسالت و امامت کا فرض ایک ہی ہے۔ اور وہ ہدایت خلق اور تبلیغ احکام الٰہیہ ہے۔
پس اگر رسول صلعم کا انتخاب خُدا کا فرض ہے تو امام کا انتخاب بھی اُسی کا فرض ہونا چاہیئے۔ نہ کہ امت
کا۔ اسی لحاظ سے شیعہ پارٹی خدا کے منتخب کئے ہوؤنکو امام جانتی ہے۔ کیونکہ یہ امر خدا تعالیٰ
کے ارشاد کے مطابق ہے اور سُنی جماعت اپنے منتخب کئے ہوؤنکو پیشوا سمجھتی ہے۔ تاکہ خدائی رائے
سے اپنی رائے بڑھی رہے سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ پاک ہے اللہ اور برتر
ہے مشرکین کے شرک سے یعنی کہ انتخاب رسول ص یا امام میں جو لوگ خُدا کے شرکا رہنا چاہتے ہیں
یہ امر حد شرک و کفر تک پہنچا ہُوا ہے۔ ہرگز یہ لوگ خُدا کے ساتھ اس انتخاب میں شریک نہیں ہو سکتے
اور وہ اس شرکت سے منزہ اور مقدس ہے!! اب خدا تعالیٰ اُس امر کی دلیل بتاتا ہے۔ جیسے
پہلے فرما چکا ہے کہ کسی اور کو انتخاب و اختیار میں دخل نہیں ہے کہ وربک یعلم ما تکن صدورھم
وما یعلنون تیرا پروردگار ہی جانتا ہے جو کچھ انسانوں کے سینہ یعنی دلوں میں باتیں مخفی ہیں۔ اور جسے
یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ظاہر و باطن کا حال اُسی کو معلوم ہے۔ اس لئے اسی کا انتخاب صحیح
اور سچا ہو سکتا ہے پھر تاکید آ فرمایا کہ وھو اللہ لا الٰہ الا ھو وہی معبود برحق ہے اسکے سوا کوئی سچا
معبود نہیں لہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ اُسی کے واسطے دنیا و آخرت میں حمد و ثنا ہے لہ الحکم
اور اسی کو فیصلہ کا اختیار ہے۔ وہی صحیح و سقیم۔ خود پرست اور خدا پرست کو پہچان کر حکم لگا سکتا ہے
والیہ ترجعون (اگر تم اسکے کہنے کو نہ مانوگے۔ تو یاد رکھو کہ) اسی کیطرف تمہاری بازگشت ہے۔
یعنی کہ روز قیامت سزا و جزا کا اختیار اُسی کے ہاتھ میں ہے اس دن معلوم ہو جائیگا کہ تم نے
کیا کارروائی کی ہے اور حکم کو کیوں نہ مانے۔

یُعذب من یشآء و یرحم من یشآء و الیہ تُقلبون وما انتم لہ بمعجزین
فی الارض ولا فی السمآء وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر (عنکبوت)

یُعذب من یشآء خدا تعالیٰ ہی مالک عذاب و ثواب ہے۔ جو بدکار بندے ہیں انہیں معذب
کریگا۔ ویرحم من یشآء اور جو نیکوکار ہیں اُنپر رحم کریگا (اس آیت میں اگرچہ یہ فرمایا گیا ہے کہ
جسے چاہیگا معذب کریگا اور جسپر چاہیگا رحم کریگا لیکن چونکہ وہ حکیم ہے اور عادل۔ اسلیئے وہ وہی چاہیگا
جو انصاف کا مقتضا ہو۔ اور مقتضائے انصاف وہی ہے۔ جو بیان کیا گیا) والیہ تقلبون

تم سب لوگ اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ تاکہ بروز قیامت سزا و جزا کے مستحق ہو سکو۔ وما انتم
لہ بمعجزین فی الارض ولا فی السماء۔ اور تم لوگ ہرگز اسکو زمین میں اور نہ آسمان پر
عاجز کرنیوالے نہیں ہو یعنی کہ تم خواہ زمین پر ہو یا آسمان پر میرے قبضہ اختیار سے نکل جانے کی طاقت
نہیں رکھتے ہو۔ اور یہ کہ آسمان پر یا زمین پر رہنے کی حالت میں خدا تعالیٰ تمکو سزا دہی سے عاجز ہو جائیگا
بلکہ زندگی دنیا اور زندگی آخرت تمہاری اُسکے نزدیک مساوی ہے اور ہر حال میں وہ تم پر غالب
اور قادر ہے۔ اس کلام سے مقصود تخویف و تہدید ہے جو مدبر بادشاہوں کا طریقہ اپنی رعایا کے
ساتھ ہوتا ہے تاکہ اُنمیں سرکشی نہ پیدا ہو جائے وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر
اور سوائے اللہ کے کوئی تمہارا مدبر و مالک اور مددگار نہیں ہے لہذا تمکو اپنے بتوں پر بھروسا نہ کرنا
چاہیئے وہ ہرگز تمہاری مدد کرنے پر قادر نہیں ہیں (ولی تو اُسے کہتے ہیں جو بنفس خود مدد کرے
اور نصیر اس سے عام ہے کہ خود مدد کرے یا کسی دوسرے کو حکم دے کہ وہ کسی کی مدد کرے۔ یہ
دونوں ہی صفتیں خدا تعالیٰ میں موجود ہیں

الیس اللہ بکاف عبدہٗ ویخوفونک بالذین من دونہ ومن یضلل اللہ ۱۶
فمالہٗ من ھاد ومن یھد اللہ فمالہٗ من مضل الیس اللہ بعزیز ذی انتقام

(زمر) اس آیت میں خدا تعالیٰ اس امر کو ظاہر فرماتا ہے۔ کہ مصیبت اور سختی کے وقت میں اگر
کوئی مدد کرنیوالا ہے۔ تو وہ میں ہی ہوں۔ میرے سوا کسی کو یہ اختیار نہیں ہے اور یہ کہ میں
ہی بادشاہ غالب و قادر اور سیاست کنندہ ہوں۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ الیس اللہ بکاف عبدہٗ
کیا نہیں ہے۔ اللہ اپنے بندے کی مدد کرنیوالا یعنی کہ ضرور وہ اپنے بندے کی مدد کرنیوالا ہے۔ ویخوفونک
بالذین من دونہ۔ اور اے محمد تمکو اُنسے ڈراتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کے علاوہ معبود بنا لیے گئے ہیں
مثلاً کہتے ہیں کہ اے محمد اگر تم بتوں کو بُرا کہو گے۔ تو یہ ہمارے بُت تمکو سخت نقصان پہنچائینگے۔ (پہلے ہی
کیا فائدہ پہنچاتے تھے۔ جواب نقصان پہنچا سکینگے) ومن یضلل اللہ فمالہٗ من ھاد جسے
خدا تعالیٰ نے اُسکے کفر اور نافرمانی کیوجہ سے جنت کے رستے سے علیحدہ کر دیا ہے۔ اسے کوئی
راہ بتلانے والا نہیں یعنی کہ ہرگز کفار کو جنت کی راہ نہ ملیگی ومن یھد اللہ فمالہٗ من مضل
اور جسے ایمان کیوجہ سے اللہ نے راہ راست دکھلادی اور جنت کا رستہ بتا دیا ہے اُسے کوئی بھٹکانے
والا نہیں ہے الیس اللہ بعزیز ذی انتقام۔ کیا یہ کفار اس امر کو جانتے نہیں کہ خدا تعالیٰ قادر و غالب
اور کافروں کو سزا دینے والا ہے!!

ھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہٖ ویعفوا عن السیّات ویعلم ما تفعلون ۱۷
ویستجیب الذین آمنوا وعملوا الصالحات ویزیدھم من فضلہٖ والکافرون
لھم عذاب شدید ولو بسط اللہ الرزق لعبادہٖ لبغوا فی الارض ولکن

يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ (دمعسق) هُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وہی (معبود) ایسا ہے جو اپنے بندونکی توبہ اور رجوع کو قبول کرتا ہے!! گویا پروردگار عالم اس آیت میں اپنی وسعت رحمت اور انتہائے تفضل کو ارشاد فرماتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ اگر گناہگار بندہ میرا میری طرف رجوع کرے۔ تو میں اُسکے رجوع کو قبول کر لیتا ہوں۔ اور اپنے خالص بندونمیں داخل کرتا ہوں۔ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ اور بدیونکو معاف کرتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ اور جو کچھ تم کرتے ہو اُسے بھی جانتا ہے اور اسکے مطابق جزا و سزا دیگا۔ وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور ایمان والے اور نیکوکار جو کچھ اس سے سوال کرتے ہیں اُسے عطا بھی کرتا ہے یا یہ کہ ان لوگونکی طاعات و عبادات کو قبول کرتا ہے وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ اور اپنا فضل انہیں زیادہ دیتا ہے وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ اور کافروں کیلئے سخت عذاب ہے وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ۔ اس آیت میں خدا تعالےٰ اپنی حکمت اور علم اور کمال معرفت طرق انتظام کو ظاہر فرماتا ہے۔ جسکا محصل یہ ہے کہ اگر خدا تعالےٰ وسیع کردے۔ اپنے بندوں کے لئے روزی کو تو زمین میں فساد و بغاوت پھیلادیں۔ اور ظلم و غلبہ و نفسانیت و تکبر کرنے لگیں۔ اور طاعت و فرمانبرداری سے نکلجائیں۔ چنانچہ ایسا تجربہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جنکو خدا تعالیٰ نے دنیا میں تھوڑا سا بھی آسودہ حال کردیا ہے وہ اُن لوگونکی بہ نسبت جو تنگ حال اور مفلس ہیں بہت مغرور نافرمان اور گناہگار ہیں پس اگر سب کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا تو یقیناً یہی امور واقع ہوتے۔ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ لیکن جسقدر چاہتا ہے اُسیقدر روزی نازل فرماتا ہے۔ تاکہ تمدن میں خلل نہ واقع ہو۔ اور ہر شخص اُس حالت میں جسمیں خدا تعالےٰ نے اُسے رکھا ہے۔ طاعت الٰہیہ میں مصروف رہے اور اُسکی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے اس مضمونکو ایک حدیث میں رسولؐ سے روایت کیا گیا ہے کہ جبرئیل فرشتے نے بیان کیا کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ میرے بندونمیں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ بیماری ہی انکو ٹھیک رکھ سکتی ہے۔ اور اگر انکو صحت و تندرستی دیدی جائے تو انکی حالت فاسد و خراب ہو جائے۔ یعنی شر و فساد اُنکی ذات سے ہونے لگے۔ اور بعض بندونمیں سے ایسے بھی ہیں کہ اُنکی اصلاح سوائے صحت کے اور کوئی شے نہیں کر سکتی۔ پس اگر میں اُنکو بیمار ڈالدوں۔ تو وہ بیماری انکو فاسد و تباہ کردے۔ (مثلاً بیماری کا تحمل نہ کرنے کی وجہ سے کلمات کفر زبان سے کہنے لگیں اور ایمان کے دائرے سے نکلجائیں) اور بعض بندونمیں سے ایسے بھی ہیں کہ انکو سوائے مفلسی اور فقر کوئی شے ٹھیک نہیں کر سکتی۔ اگر میں انکو توانگر کردوں تو انکی توانگری انہیں فاسد و تباہ کردے۔ لہذا میں دلوں کے اندرونی حالات کے مطابق اپنے بندونکی تدبیر کرتا ہوں۔ کیونکہ مجھے انکے دلکی خبر ہے

(مجمع البیان)

وانہ بعبادہ خبیر بصیر اور وہ اپنے بندونکے حالات جاننے والا اور اُنکے صلاح وفساد کو
اچھی طرح معلوم کرنیوالا ہے اس کے بعد پروردگار اپنا نہایت کرم اور غایت توجہ اپنے بندوں کے
ساتھ بیان کرتا ہے کہ وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا اور وہی ایسا
کریم ورحیم وحکیم خدا ہے جو مینہ برساتا ہے بعد اسکے کہ لوگ اُسکے برسنے سے ناامید ہوگئے ہوتے ہیں
حالانکہ مینہ کا رُکا رہنا ضرور کسی نہ کسی مصلحت خفیہ پر مبنی ہوگا۔ لیکن اس حالت میں جبکہ لوگونکو
یاس ہوگیا ہوتا ہے۔ مینہ برسانا زیادہ تر شکرگزاری کیطرف لوگونکو مائل کرتا ہے وینشر رحمتہ اور
اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے۔ اور اپنی نعمت کو متفرق طور سے منتشر کرتا ہے تاکہ لوگ اُس سے فائدہ اٹھائیں
مثلاً نباتات اور پھل زمین کے اطراف میں پیدا کردیتا ہے تاکہ ہر جگہ کے لوگ بقدر حصص اُس سے
منتفع ہوسکیں وھو الولی اور وہی اپنے بندونکی تدبیر کا متولی اور مالک ہے الحمید اور قابل
حمد وستائش ہے۔ نہ لنگر پتھر وغیرہ جو بلاوجہ معبود بنالئے گئے ہیں!!
لِلّٰہِ مُلکُ السماوات والارض یخلق ما یشاء ویھب لمن یشاء الذکور ١٨
اویزوجھم ذکرانا واناثا ویجعل من یشاء عقیما انہ علیم قدیر (رحمتی) اس
آیت میں خدا تعالیٰ اپنی وسعت ملک اور وسعت قدرت کو ارشاد فرماتا ہے اور ظاہر فرماتا ہے
کہ جو کہ دُنیا میں فرق مذکر و مونث کا ہے۔ یا ولود اور عقیم کا وہ سب ہماری ہی طرف سے ہے۔
خود ہم نے بمصلحت وحکمت ایسا کیا ہے لِلّٰہ ملک السماوات والارض خدا تعالےٰ
ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا۔ اسی کو اختیار ہے کہ جسطرح چاہے انمیں تصرف کرے
اس مضمون کو پروردگار عالم نے بہت سے مقامات پر ارشاد فرمایا ہے۔ اور غرض اس سے صرف
تنبیہ ہے انکی جو کہتے ہیں کہ عالم کا کوئی خالق نہیں یخلق ما یشاء پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور
جسطرح کی خلقت کا ارادہ فرماتا ہے خواہ نباتی ہو۔ یا حیوانی یا جمادی۔ اسکے بعد بالتخصیص فرماتا
ہے کہ یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے
اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔ یہ دونوں ہی اُسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اُسی کے علم و
قدرت سے موجود ہوئے ہیں ممکن ہے کہ کسی کے ہاں صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوں اور کسی کے ہاں
صرف لڑکے ہی۔ اویزوجھم ذکرانا واناثا یا لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہی مرحمت فرماتا ہے۔
یا یہ کہ ایک ہی رحم میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں پیدا کردیتا ہے ویجعل من یشاء عقیما اور جسے
چاہتا ہے لاولد بانجھ کردیتا ہے تو اس سے بچے ہی نہیں پیدا ہوتے انہ علیم قدیر بیشک وہی
اپنی مخلوقات کو جاننے والا اور ہر شئے پر قدرت رکھنے والا ہے" فتبارک اللہ احسن الخالقین
وان الیٰ ربک المنتھیٰ وانہ ھو اضحک وابکیٰ وانہ ھو امات

واحیا وانہ خلق الزوجین الذکر والانثیٰ من نطفۃ اذا تمنیٰ وان علیہ النشاۃ الاخریٰ وانہ ھو اغنیٰ واقنیٰ وانہ ھو رب الشعریٰ ۵ رکوع ۷
وان الیٰ ربک المنتھیٰ اور بیشک تیرے رب کیطرف یعنی ثواب یا عقاب کیطرف انتہا ہی اگر آدمی نیکوکار ہے تو اُسکی انتہا ثواب تک ہوگی۔ اگر بدکار ہے تو اُسکی انتہا عقاب تک۔ وانہ ھو اضحک وابکیٰ اور اُسی نے ہنسایا اور اُسی نے رولایا یعنی ہنسنے کے اسباب بھی وہی پیدا کرتا ہے اور رونے کے بھی وہی۔ یا یہ کہ اہل جنت کو جنت میں داخل کرکے اور اہل دوزخ کو دوزخ میں پہنچا کر ہنسانے اور رولانے والا وہی ہے۔ آدمیونکو سمجھہ رکھنا چاہیے کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں۔ آیا اُس طرف جہاں سوائے رونے کے اور کچھہ نہ بن پڑیگی۔ یا اُس طرف جہاں خوشی ہی خوشی ہے) وانہ ھو امات واحییٰ اور بیشک اُسی نے مارا اور اُسی نے جلایا کیونکہ موت کا اختیار سوائے اس کے کسی کو نہیں ہے اور نہ جلانے کا اختیار۔ بلکہ اُسکے اسباب اُسی کی طرف کے مخلوق ہیں۔ اور ممکن ہے کہ اس سے مطلب یہ ہو۔ کہ خدا تعالیٰ دُنیا میں موت دیتا ہے اور پھر جزا و سزا کیواسطے جلائیگا وانہ خلق الذکر والانثیٰ اور بیشک اُسی نے مذکر و مونث پیدا کئے ہیں تاکہ آیندہ سلسلہ نسل اُنکے ذریعہ سے قائم رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو باقاعدہ بقائے نوع نہ رہ سکتا من نطفۃ اذا تمنیٰ (اور کیونکر پیدا کیا؟) نطفہ سے پیدا کیا۔ جبکہ وہ خارج ہوتا ہے مذکر کی صلب سے اور مونث کے رحم تک پہنچتا ہے اور ممکن ہے کہ تمنیٰ سے باندازہ معین نطفہ کا رحم میں پہنچنا مراد ہو وان علیہ النشاۃ الاخریٰ اور بیشک اُسی پر لازم ہے کہ بعد مرنے کے دوبارہ لوگونکو جزا و سزا دہی کیلئے پیدا کرے۔ کیونکہ اُس نے اپنے بندونکو مکلف کیا ہے اور احکام انکے متعلق فرمائے ہیں اور ہر ایک کیلئے وعدہ اور وعید بھی ارشاد کر دیا ہے لہذا لازم ہے کہ وہ اپنے ارشاد کو پورا کرے اور نیز یہ کہ اگر دوبارہ زندگی دیکر افعال نیک و بد کا معاوضہ نہ دیا جائے۔ تو تکلیفات شرعیہ کا عبث ہونا لازم آتا ہے اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اسلام کی پانچویں اصل یعنی قیامت کے آنے کو ظاہر فرمایا ہی اسلام کا دعویٰ ہے کہ پروردگار عالم نے اپنے بندونکے لئے ایک خاص دن مقرر کیا ہے جس میں باقاعدہ عدالت ہوگی اور حقدارونکو انکے حقوق ملینگے اور از بسکہ خدا تعالیٰ سے بڑا کوئی بادشاہ نہیں اس لئے اُسکی طاعت اور اُسکی معصیت سے بڑی کوئی طاعت اور کوئی معصیت نہیں ہو سکتی۔ لہذا اُسکا معاوضہ بھی ویسا ہی ہونا چاہیے جو خود اُسکی شان کے موافق اور اُس طاعت یا معصیت کے مطابق ہو۔ اس لئے نہایت عظیم ثواب یا نہایت عظیم عذاب اُسکی طاعت یا معصیت کے مقابلہ میں تجویز ہوا ہے اور وہ اُسی روز دیا جائیگا جسکا نام روز قیامت ہے پس یا تو جنت کی طرف بازگشت ہوگی یا دوزخ ہوگی۔ وانہ ھو اغنیٰ واقنیٰ اور بیشک اُسی نے جسکو چاہا

غنی کیا اور جسکو چاہا فقیر کیا۔ یعنی کہ جیسی حالت جس کے لئے مناسب جانی وہی حالت اُس کے لئے قرار دی۔ بعضوں کا خیال ہے کہ اقنی کے معنی ارضی کے ہیں۔ یعنی اسی نے غنی کر کے اہل غنا کو اپنے عطا و بخشش پر راضی کر دیا اور بعضونکی یہ رائے ہے کہ اقنی کے معنی یہ ہیں کہ اُسی نے اصول مال لوگونکو عطا کئے جسے وہ بعد خرچ سے بچنے کے جمع کر سکیں۔ وانّہ ھو رب الشعریٰ شعریٰ ایک ستارہ کا نام ہے جسکے نام کے بُت کو عرب پوجتے تھے۔ تو پروردگار عالم ایسے لوگونکو ہدایت فرماتے ہوئے یہ ارشاد کرتا ہے کہ بیشک خدا تعالیٰ شعریٰ کا بھی خالق اور مربّی اور پالنے والا ہے پس کب زیبا ہے کہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی پرستش کرو۔

سبّح للّٰہ مافی السماوات والارض وھو العزیز الحکیم لہٗ ملک السماوات والارض یحیی ویمیت وھو علیٰ کلّ شیٍٔ قدیر ھو الاوّل والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیٍٔ علیم ھو الذی خلق السماوات والارض فی ستّۃ ایّام۔ ثمّ استویٰ علی العرش یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا وھو معکم اینما کنتم واللّٰہ بما تعملون بصیر لہٗ ملک السماوات والارض والی اللّٰہ ترجع الامور یولج اللیل فی النھار ویولج النھار فی اللیل وھو علیم بذات الصدور (حدید)

سبّح للّٰہ مافی السماوات ومافی الارض تسبیح وتقدیس کی اور پاکی بیان کی اللہ تعالیٰ کی اُن چیزوں نے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین پر۔ خواہ ذی روح ہوں یا غیر ذی روح۔ جو ذی روح اور ذی عقل ہیں وہ تو زبان سے تعریف و تسبیح و تقدیس خدا کی بجا لاتے ہیں اور جو غیر ذی روح ہیں اُنکی تسبیح شانی ہے یعنی اُنکا اس حالت میں ہونا کہ جو اُنکے مخلوق ہونے کو بتا رہا ہے اور کمال صنعت و حکمت خدا تعالیٰ کو ظاہر کر رہا ہے یہی اُنکی تسبیح ہے۔ تسبیح کے واسطے یہی ضروری نہیں کہ زبان سے ادا کیجائے۔ بلکہ تسبیح کے معنی اظہار تنزیہ کے ہیں۔ اور وہ بغیر زبان کے بھی ممکن ہے۔ صرف حالت سے اسکا ثبوت ہو سکتا ہے پس چونکہ تمام موجودات عالم جو ممکن الوجود ہیں انمیں ہزاروں ہی قسم کی حکمتیں اور منافع و اغراض ودیعت کئے گئے ہیں اس لئے وہ اپنی زبان بے زبانی سے صاف کہ رہے ہیں کہ ہمارا خالق بڑا صناع بڑا حکیم اور بڑا قادر ہے اس کی مانند کوئی نہیں اور وہی ہر شئے پر قادر ہے کوئی اُسکا شریک و مثل نہیں اسی کا نام تسبیح ہے بلکہ یہ تسبیح زبانی تسبیح سے زیادہ با وقعت اور قابل توجہ ہے وھو العزیز الحکیم اور وہی غالب قادر وہ اپنے افعال کو احکام و اتقان سے کرنیوالا ہے اور تدبیر کی تمام اچھی راہیں جاننے والا ہے لہ ملک السماوات والارض۔ زمین اور سب آسمان اُسی کی ملک میں ہیں اور جو کچھ اُنکے درمیان ہے وہ اُسی کی مملوک اور اُسی کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ یحیی ویمیت

زندہ کرتاہے اور مار ڈالتاہے یعنی معدوم سے موجود کرنا اور موجود کو معدوم کرنا اسی کا فعل ہے جیسا کسی دوسرے
کو ہرگز قدرت نہیں ہے اور جو کچھ بادشاہ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہاتھا - کہ انا احیی و امیت
وہ ظاہری فریب تھا وھو علی کل شئی قدیر اور وہی ہر شئے پر قدرت رکھنے والاہے جسے
چاہے جلائے اور جسے چاہے فنا کرے - جسے چاہے قوت دے اور جس سے چاہے قوت سلب کرلے -
ھو الاول وہی سب سے وجود میں سابق ہے اُس سے سابق کوئی نہیں اور نہ اُسکی خاص ابتداء
ہے - والاٰخر اور وہی سب چیزوں کے فنا ہونے کے بعد بھی موجود رہیگا - وہی ازلی بھی ہے -
اور وہی ابدی بھی والظاھر اور وہی غالب ہے ہر شئے پر اور سب چیزیں اُس سے پست ہیں
والباطن اور وہی ہر شئے کا علم رکھنے والاہے اُس سے زیادہ کوئی عالم نہیں یا یہ کہ ظاہر سے مراد
یہ ہے کہ اُسکی ہستی بسبب دلائل و شواہد کے تو ظاہر ہے مگر اُسکی کنہ حقیقت سب سے مخفی ہے کسی کو
اسپر اطلاع ممکن نہیں وھو بکل شئی علیم اور وہی تمام چیزوں کا علم رکھتاہے ھو الذی
خلق السماوات والارض فی ستۃ ایام اُسی نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو
پیدا کیا تاکہ اس تدریج سے فرشتوں پر اُسکی حکمت و صنعت کا راز کھلتا جائے اور انکو اور زیادہ
یقین حاصل ہو - ورنہ وہ تو ایک دم میں بھی پیدا کردینے پر قادر تھا - کیونکہ انما امرہ اذا
اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون ثم استوی علی العرش پھر اس نے عرش کو
پیدا کیا یا یہ کہ ملک پر اپنا غلبہ و قدرت ظاہر فرمایا یا یہ کہ ہر شئے کے علم پر اپنا غالب ہونا ظاہر کیا
اور بظاہر یہ مطلب اقرب ہو کیونکہ اسکے بعد فرمایا ہے یعلم مایلج فی الارض ومایخرج
منھا - وہ جانتاہے جو زمین کے اندر پوشیدہ ہے اور جو زمین سے پیدا ہوتی ہے مثل نباتات وغیرہ
کے - وماینزل من السماء ومایعرج فیھا اور اسے بھی جانتاہے جو بلندی سے مینہ برستا
ہے اُسکے تمام قطرات اُسکے شمار میں ہیں اور جو فرشتے یا اعمال خیر بندوں کے وہاں تک جاتے
ہیں اُسکی بھی خبر رکھتاہے وھو معکم این ما کنتم اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں ہو -
تمہارا کوئی فعل کوئی قول اس سے مخفی نہیں ہے اس معیت سے مراد جسمی معیت نہیں ہے
بلکہ علمی معیت مراد ہے کیونکہ وہ جسم و جسمانیات سے منزہ ہے جیساکہ سابق میں معلوم ہو چکاہے
واللہ بما تعملون بصیر اور جو کچھ تم کرتے ہو اُسکی اُسے خبر ہے خواہ ظاہر بظاہر کرو یا پوشیدہ -
لہ ملک السماوات والارض والیہ ترجع الامور آسمان و زمین سب اُسی کا
ملک ہے اور تمام امور کی رجوع اُسی کی طرف ہوتی ہے کیونکہ بواسطہ یا بلاواسطہ سب کا مالک و خالق
وہی ہے یا یہ کہ قیامت کے دن سب کی رجوع اُسی کی طرف ہوگی یولج اللیل فی النھار و
یولج النھار فی اللیل وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتاہے اسکی تفسیر بیان
ہوچکی وھو علیم بذات الصدور اور وہی دلوں کی باتوں کا عالم ہے خواہ ارادے ہوں -

یا اعتقادات - ہرگز کوئی شخص اپنا راز اس سے مخفی نہیں رکھ سکتا۔
وللہ خزائن السماوات والارض (سورہ منافقون) اور اللہ ہی کے لئے ہیں
آسمانوں اور زمین کے خزانے - یعنی خزانہ ہائے آسمان و زمین از قسم رزق و مال و دفائن
سب اُسی کے مملوک ہیں - جسے چاہے اس کے ذریعے سے غنی کرے لیکن اسکے تمام کام بحسب مصلحت
ہوا کرتے ہیں اسیوجہ سے کبھی کسی کو فقر میں مبتلا کرتا ہے اور صبر سے اُنسے عبادت لیتا ہے۔
تاکہ کامل ثواب پانے کے مستحق ہو سکیں اور اس تکلیف اُٹھانے کیوجہ سے رحمت خدا سے قریب ہوں
ان تقرضوا اللہ قرضاً حسناً یضاعفہ لکم ویغفر لکم واللہ شکور حلیم عالم الغیب
والشہادۃ العزیز الحکیم ٥ (تغابن) ان تقرضوا اللہ قرضاً حسناً - اگر تم خدا تعالے
کو قرض حسن دو" واضح ہو کہ خدا تعالےٰ نے نہایت تلطف و غائت عنایت کی وجہ سے فقراء و مساکین
کو کچھ دینے یا کسی صاحب کے تئیں بلا سود قرض دینے کا نام قرض حسن رکھا ہے اور اسکو اپنی
طرف منسوب کیا ہے گویا کسی ضرورت والے کو قرض دینا خدا کو قرض دینا ہے اور اس ارشاد
سے غرض فقط رغبت دلانی ہے ہمدردی پر جو تعلیم کے موقع میں نہایت ہی مناسب طریقہ ہے
اور از بسکہ اس عطیہ کا ثواب خود اسنے اپنے ذمہ پر رکھا ہے اس بخشش کا قرضدار بھی اپنے تئیں ظاہر
فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ ہرگز ہمارا عمل ضائع نہ ہوگا - بلکہ یقیناً اسکا بدلہ ملیگا - چنانچہ
خود ہی فرماتا ہے یضاعفہ لکم تو تمکو اُسکے بدلہ میں دگنا دیگا - بلکہ ضعف کی چونکہ کوئی حد نہیں ہے
اس لئے ممکن ہے کہ ایک کے عوض میں سات سو اور چودہ سو ملجائے - چنانچہ خود ہی فرماتا ہے -
مثل الذین ینفقون فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ
حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء" ویغفر لکم اور تمہارے گناہوں کو بخشدیگا - واللہ شکور
اور اللہ تعالیٰ شکر کا قبول کرنیوالا اور اُسکا بدلہ دینے والا ہے حلیم بردبار ہے اپنے غایت کرم سے
عذاب کرنے میں تعجیل نہیں کرتا عالم الغیب والشہادۃ غائب و حاضر - پوشیدہ و ظاہر کا
جاننے والا ہے - وھو العزیز الحکیم اور وہی قادر و غالب اور اپنے افعال کو نہایت
احکام و اتقان کے ساتھ کرنیوالا ہے۔
ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیء قدراً (طلاق) ان اللہ بالغ
امرہ بیشک خدا تعالیٰ جس کام کا ارادہ کرے اس تک پہنچ سکتا ہے اور اسے کوئی اسکے ارادہ
سے روک نہیں سکتا. قد جعل اللہ لکل شیء قدراً - ہر شئے کے واسطے اس نے ایک اندازہ
مقرر کر دیا ہے - جسکے مطابق وہ شئے عالم میں ہوتی رہتی ہے - نہ اُس سے زیادہ ہو سکتی ہے اور نہ
اُس اندازہ سے کم یا یہ کہ ہر شئے کی اُس نے ایک مقدار بیان کر دی ہے کہ فلاں شئے مباح

ہے یا واجب ہے۔ فلاں شے قابل خوف ہے یا قابل رغبت ہے۔ یا یہ کہ ہر سختی اور آسانی کی ایک مقدار مقرر کردی ہے کہ فلاں وقت تک ایک شخص بآرام زندگی بسر کر سکیگا اور فلاں وقت بہ تکلیف تاکہ شدت آرام کیوجہ سے نخوت و تکبر میں نہ مبتلا ہو جائے۔ اور نہ کثرت تکلیف سے رحمت خدا سے ناامید ہو جائے بلکہ دونوں حالتیں طاری ہوتی رہیں۔ تاکہ نہ تو نظام عالم میں فرق آئے اور نہ غرض خلقت فوت ہو۔

تبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شئ قدیر الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا وھو العزیز الغفور (سورہ ملک) تبارک بزرگ و برتر ہے ان تمام چیزوں سے جو اسکی ذات کے لئے شایاں نہیں ہیں۔ مثل صفات سلبیہ اور نقص و عیب کے یا یہ کہ دائمی ازلی و ابدی ہے یا یہ کہ تمام برکتیں اسی کی طرف سے ہیں الذی بیدہ الملک وہ (معبود حقیقی) جسکے قبضہ میں ملک ہے۔ اسے جسے پورا اختیار سیاست و تدبیر کا ہے۔ اسی کو اختیار ہے کہ جسکو چاہے ملک دے اور اسی کو اختیار ہے کہ جس سے چاہے ملک کو چھین لے۔ وھو علی کل شئ قدیر اور وہی ہر شے پر انعام و انتقام سے قادر ہے یا یہ کہ ہر وہ شے جس سے قدرت متعلق ہوسکتی ہے۔ اسپر قادر ہے الذی خلق الموت والحیوۃ ایسا ہے جسنے موت اور زندگی کو پیدا کردیا لیبلوکم ایکم احسن عملا تاکہ تم سے وہ معاملہ کرے جو کوئی ممتحن کرتا ہے اور تمپر اپنے اوامر و نواہی کو وارد کرے جسکی مخالفت یا موافقت سے تم سزا یا جزا کے مستحق ہو سکو۔ اور معلوم ہو کہ تم سے کون نیکو کار ہے وھو العزیز الغفور اور وہ غالب ہے اسپر جو اسکی مخالفت کرے اور بخشدینے والا ہے اسے جو اسکے فضل کا ارادہ کرکے عمل خیر بجالائے۔

ان بطش ربک لشدید انہ ھو یبدئ و یعید وھو الغفور الودود ذو العرش المجید فعال لما یرید (سورہ بروج) ان آیتوں میں خدا تعالی اپنی صفات کو بیان فرماتا ہے۔ کہ وہ صاحب غضب بھی ہے۔ جس سے گناہگاروں پر عذاب کریگا۔ وہی خالق بھی اور وہی مرنیکے بعد دوبارہ اپنی مخلوقات کو میدان حساب میں لانیوالا بھی۔ وہ معاف کرنیوالا بھی ہے۔ اور اپنے بندوں پر مہربان بھی وہی مالک عرش بھی ہے اور صاحب مجد و بزرگی بھی۔ اور اسی کے ہاتھ میں کامل قدرت ہے۔ جس سے اسے اختیار ہے کہ جو چاہے کرے۔ اسکو کوئی شے عاجز کرنیوالی نہیں ہے۔ ان بطش ربک لشدید بلا شبہ اے ہمارے رسول تمہارے پروردگار کا بطش۔ یعنی مواخذہ بالعذاب بہت سخت ہے۔ جبکہ وہ ظالموں اور جباروں کو انکے اعمال بد کے عوض میں سزا دیگا تو کوئی بھی انکو اس سے بچا نہ سکیگا۔ انہ ھو یبدئ و یعید بیشک وہی اول ایجاد بھی کرتا ہے اور وہی آخر میں واپس بھی لائیگا۔ ایسا نہیں ہے کہ جو لوگ مر چکے وہ مواخذہ الہیہ سے چھوٹ گئے بلکہ جب وہ وقت آئیگا جسمیں نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا دیجائے۔ تو بیشک اپنی مخلوق کو وہ پھر زندہ فرمائیگا۔ وھو الغفور الودود مگر یہی نہیں کہ اس کا غضب اور بطش

ہی بہت سخت ہے بلکہ وہ غفور یعنی بڑا مغفرت کرنے اور معافی دینے والا ہے۔ پھر اُسکے ساتھ اپنے بندوں سے محبت بھی رکھتا ہے اس آیت میں خدا تعالیٰ نے خوف و رجا دونوں حالتوں کی طرف ہدایت فرمادی ہے یعنی کہ جیسا کہ تمکو اُسکے عذاب سے ڈرنا چاہیئے اُسیطرح اُسکی رحمت کا امیدوار رہنا لازم ہے کہ اُس سے خوف بھی رکھیں اور امید بھی۔ نہ اسقدر ڈریں جیسے کوئی کسی ظالم بادشاہ سے ڈرتا ہے اور نہ اسقدر اُسکی رحمت پر بھروسہ کرلیں کہ گناہونکے کرگذرنے میں کوئی باک ہی نہ ہو۔ بلکہ دونوں حالتوں میں مساوات رکھنی ضروری ہے۔ ذو العرش المجیدُ وہ عرش کا مالک اور صاحب مجد و بزرگی ہے عرش سے مراد یا تو اُسکا علم ہے جیسا کہ سابق میں بیان ہوا یا فلک الافلاک ہے جو تمام آسمانونکو محیط ہے فعال لما یرید وہ جو چاہے کرسکتا ہے اُسے کوئی شے روک نہیں سکتی اور نہ اُسے ممکن الوجود اور ممکن الحصول کاموں میں عجز ہے بلکہ وہی اقدر القادرین ہے۔

سبح اسم ربک الاعلیٰ الذی خلق فسوّیٰ والذی قدر فھدیٰ والذی اخرج المرعیٰ فجعلہ غثاء احویٰ (سورہ اعلیٰ) سبح اسم ربک الاعلیٰ اے ہمارے رسولؐ دمگر یہ کہ مراد تمام امت ہے۔ بطور کنایہ کے یاد کرو ایاک اعنی فاسمعی یا جارہ کو) کہو سبحان ربی الاعلیٰ یعنی پاک ہے میرا پروردگار بلند مرتبے والا۔ یا یہ کہ اے رسولؐ ہمارے پاکی بیان کرو۔ اپنے رب کی تمام ان چیزوں سے جو اُسکی شان کے موافق نہیں ہیں۔ مثلاً اسکا جسم ہونا اُسکا کسی جہتہ میں قائم ہونا اُس کے لیئے مکان کا ہونا۔ اسکا محل حوادث ہونا اُسکے لئے کسی شریک کا ہونا اُسکا ظالم ہونا وغیرہ۔ کہ ان سب اوصاف سلبیہ سے اسکی تنزیہ اور پاکی بیان کرو۔ اگرچہ اس آیت میں لفظ اسم کہا گیا ہے مگر مراد خود ذات اور مسمیٰ ہے جیسا کہ لبید کہتا ہے ؎ الی الحول ثم اسم السلام علیکما

کیونکہ اس مصرع میں اسم سلام نہیں مراد ہے بلکہ دونوں مخاطبوں پر سلام کرنا مقصود ہے۔ اور اعلیٰ سے مراد یہ ہو کہ اُس سے بڑا کوئی قادر نہیں ہے وہی سب سے اعلیٰ اور بلند مرتبہ و بلند قدرت ہے الذی خلق فسوّیٰ جس نے مخلوقات کو پیدا کیا اور انہیں احکام کا معاملہ یکساں قرار دیا۔ یا یہ کہ مخلوقات کو پیدا کرکے تمام اُنکی ضروریات بقائے نوع اور لوازم بقائے شخص کو پورا کردیا مثلاً قوت۔ قدرت۔ سمجھ۔ ادراک اور ہاتھ پاؤں آنکھ کان ناک وغیرہ۔ یا یہ کہ سوّیٰ سے مراد معتدل القامہ ہو۔ اور خلق سے مراد صرف انسان کی خلقت ہو یعنی کہ انسان کو پیدا کرکے اُسے معتدل القامہ بنایا نہ مثل اور حیوانات کے اوندھا ہُوا۔ لیکن یہ مطلب کسیقدر کمزور معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ تخصیص بلا ضرورت ہے والذی قدر فھدیٰ اور جس نے اپنی مخلوقات کو باندازۂ معین خلق فرمایا خاص خاص اندازے سے ان کی صورتیں شکلیں۔ قد و قامت۔ اور دیگر اسباب معیشت و رزق پیدا کئے اسکے بعد ان کو لینے دین کیطرف ہدایت کی اور وہ یہ کہ اُسی ایک کو یہ لوگ اپنا خالق مالک اور معبود سمجھیں۔ یا یہ کہ قدّر سے مراد یہ ہو کہ اس نے اپنی تمام مخلوقات کیواسطے رزق باندازۂ معین خلق فرمایا۔ پھر انکو ہدایت

کی اُن طریقوں کی طرف جنسے وہ اپنے رزق کو حاصل کرسکیں۔ مثلاً انسان کے بچہ کو اپنی ماں کے پستانوں کی طرف پیدا ہوتے ہی میل کرنیکی ہدایت کی اور طیور کے بچوں کو اپنے ماں باپ سے باصرار تمام مانگنے کی ہدایت کی اور بعد بڑے ہوتے سب کو وہ راہیں قدرتاً بتادیں جنسے انہیں روزی ملسکتی ہے یا یہ کہ قدّر سے مراد یہ ہو کہ نو مہینے تک انسانی بچوں کو رکھا اور اُسے باہر آنے کی ہدایت کی۔ وَالَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی ۪ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰی اور جس نے زمین سے گھاس اُگائی۔ تاکہ حیوانات اپنی غذا اُس سے بنا سکیں۔

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰی پھر اسے دو حالتوں پر تقسیم کر دیا کبھی تو سبز اور تر رکھا اور کبھی خشک جو باختلاف فصول حیوانات کے لئے غذا دہی میں مدد پہنچا سکیں۔ فسبحان اللہ و بحمدہٖ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِکِ النَّاسِ ۙ اِلٰہِ النَّاسِ (سورہ ناس) قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ کہدو اے ہمارے حبیب کہ وسواس خناس کے شر سے میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے پروردگار سے مَلِکِ النَّاسِ جو انسانوں کا مدبّر و سردار اور انپر قادر ہے اِلٰہِ النَّاسِ جو انسانوں کا معبود ہے۔ ان آیتوں میں خدا تعالٰی نے یہ تعلیم دی ہے کہ ہم خدائے عز و جل کو ربّ یعنی پالنے والا پیدا کرنیوالا جانیں۔ اور یہ کہ اُسی کو مدبّر و سید و قادر سمجھیں اور یہ کہ اُسی کو معبود حقیقی یقین کریں۔ نہ کسی دوسرے کو۔ ان آیتوں میں لفظ ناس کے ساتھ جو بمعنی انسان ہے۔ تین صفتیں خدا تعالٰی نے ارشاد فرمائی ہیں جو اس امر کو مقتضی ہیں کہ ناس کی تین حالتیں مراد ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کے لئے تین حالتیں بدو خلقت سے آخر عمر تک طاری ہوتی ہیں۔ ایک زمانہ جنین رہنے کا جبکہ انسان ماں کے رحم میں رہتا ہے اور جو نہایت کمزوری اور بے اختیاری کا زمانہ ہے۔ جسمیں بچہ خود اپنے لئے کوئی تدبیر آپ نہیں کر سکتا۔ اور نہ ماں باپ ہی کو امکان ہے کہ اسوقت بچہ کی کچھ مدد کر سکیں کیونکہ وہاں تک دسترس نہیں۔ پھر بھی بچہ نہایت تیزی کے ساتھ نشو و نما کرتا ہوتا ہے اور اُسکے تمام اسباب زندگانی اور اسباب آسائش مہیا ہوتے ہیں۔ اُسکی حفاظت خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ دوسری حالت طفولیت کی ہے جسمیں کسیقدر تو وہ خود بھی احساس و حرکت کر سکتا ہے لیکن پھر بھی اُسے بہت کچھ اصلاح و تدبیر کی ضرورت ہے جو کسی اور شخص کے متعلق ہونی چاہیئے۔ تیسری حالت عقل و شعور کے زمانے کی ہے۔ جو بلوغ سے آخر عمر تک ہے۔ جسمیں آدمی آزادی سے اپنی ضروریات آپ مہیا کر سکتا ہے۔ بس معلوم ہوا کہ صفات کا اختلاف انہیں حالتوں کے اختلاف کے لحاظ سے ہے۔ جیسا کہ جامع العلوم نے بیان کیا ہے۔ پہلی حالت کے لحاظ سے فرمایا ربّ الناس کیونکہ اسوقت خلق و تربیت صرف کی ضرورت ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اُس حالت میں سوائے خدا تعالٰی کے کوئی مربی نہیں۔ کیونکہ اُسوقت ماں باپ اُسکے کچھ نہیں کر سکتے اور دوسری حالت کے لحاظ سے فرمایا مَلِکِ النَّاسِ کیونکہ آدمی کو اس حالت میں اصلاح و تدبیر کی بہت ضرورت ہے۔ جس کے لئے خدا تعالٰی نے اُسکے ماں باپ کے دلمیں اُسکی محبت ڈالی تاکہ وہ اُسکی پرداخت کر سکیں۔ وَاللّٰهُ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ حَفِیۡظٌ اور تیسری

حالت کے لحاظ سے فرمایا اِلٰہِ النّاس کیونکہ اس حالت میں آکر آدمی اپنے کاموں کو خود پورا کر سکتا ہے۔ اسوقت عقل و شعور کا بھی بہت کچھ حصہ اُسکو مل چکتا ہے اور نیک و بد کی تمیز کیواسطے کسی باقاعدہ معلم کی ضرورت نہیں رہتی۔ سوائے یاددہانی اور معمولی نگرانی کے۔ لہذا یہ وقت ہے جسمیں اُسکی طرف باقاعدہ تکلیفات الٰہیہ یعنی عبادات متوجہ ہو سکیں اور وہ خدا تعالیٰ کو الٰہ حق یعنی معبود حقیقی سمجھکر اُسکی طاعت میں سر تعظیم جھکائے۔

اور ممکن ہے اختلاف اوصاف اس لئے کیا گیا ہو۔ کہ بہت سے آدمی اسوقت اس قسم کے بھی گذرے ہیں جو اپنے تئیں خدا کہتے تھے۔ اور بہت سے ایسے بھی جو اپنی مخلوق خُدا ہونے سے انکار کرتے تھے۔ بلکہ آپ سے آپ پیدا ہوا اپنے تئیں جانتے تھے۔ نہیں! بلکہ اب بھی ایسے خبطی بہت سے موجود ہیں تو انکے جتانے کیواسطے ضرورت تھی۔ کہ انہیں بتایا جائے۔ کہ تم بھی مربوب ہو۔ اور تمہارا رب کوئی اور ہے۔ جو نہایت ہی عظیم الشان اور قادر و خالق اور مربی ہے۔ پھر چونکہ آدمیوں میں بادشاہ و مدبر ملک و سلطنت بھی ہوتے ہیں جو بسبب اپنے اقتدار و جاہ و جلال کے انتہا درجہ کے متکبر و مغرور ہو جاتے ہیں۔ اُنکو بھی جتانے کی ضرورت تھی کہ تم سے بھی بڑا کوئی اور ہے جو تمہارا بھی مدبر و مصلح ہے لہذا فرمایا ملکِ النّاس پھر چونکہ یہ آدمی باوجود عقل و تمیز رکھنے کے بے عقل و ادراک چیزوں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ جو انکو کچھ فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ لہذا انہیں اس امر کی غلطی بھی بتا دینی ضروری ہوئی۔ تو فرمایا کہ اِلٰہِ النّاس یعنی کہ تمہارے معبود حقیقی یہ سنگ و خشت و ہیاکل مصنوعہ نہیں ہیں۔ بلکہ مستحق عبادت وہ ہے۔ جس نے تمہیں پالا اور جس نے تمہاری اصلاح و تدبیر کی۔ اس اخیر کے میرے فقرے نے اس آیت کا ایک اور لطیف مطلب ظاہر کر دیا۔ جو اہل تمیز پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ اور وہ وجہ ترتیب صفت ربوبیہ و ملکیہ اور الٰہیہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب و عندہ الہام و الیہ المعاد ؛

تمت تمام شد۔

الحمد للہ و المنتہ کہ بتاریخ ۱۴ جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۰۷ء اس کتاب کے مسودہ سے فراغ حاصل ہوا تقریباً تین ماہ میں اسکا مسودہ تیار ہوا۔ خدا تعالیٰ اسے مقبول فرمائے اور مفید خلائق ثابت کرے۔ و ھو المجیب القریب ؛

عبدہ محمد ہارون عفی عنہ۔

کتبہ خاکسار نتھو خاں کاتب میرپوری (جالندھر)

محمد الدین پریمین (لاہوری)

اطلاع

رسالہ البرہان: جسمیں اسلام کی حقیت وحقیقت - اسکی سچی تعلیم حقیقت وضرورت نبوت تعلیم انبیاء - انکے علوم وفضائل وکمالات - انکا طریق تعلیم بالخصوص آنحضرت صلعم اور انکے اوصیاء کرام علیہم السلام کے علوم وکمالات - انکا طریق ہدایت - اور اخلاق حسنہ - ودیگر جملہ اصول اسلام اتفاق واتحاد کی ضرورت - اسلام کے برخلاف جملہ ایرادات واعتراضات کا رد - جدید اکتشافات - اصول تمدن وغیرہ وغیرہ مطالب پر براہین عقلیہ مع مطابقت بآیات واحادیث بحث کیجاتی ہی - اور اسمیں بڑے بڑے علماء وفضلاء وگریجوایٹ صاحبان کے اعلے ومفید مضامین درج ہوتے ہیں - ہر انگریزی مہینے میں ایکدفعہ بازار حکیماں لاہور سے شائع ہوتا ہے - یہ اپنی وضع کا پہلا رسالہ ہے اسکی خوبی دیکھنے ہی پر موقوف ہے اہل علم نے جیسی اسکی قدر کی ہے قابل رشک ہے لکھائی چھپائی نہایت عمدہ - عام سالانہ قیمت عا ؎ فی پرچہ ۳ ؍

تحفۃ الاتقیاء: یعنی فخر العلماء والفقہاء جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ کی کتاب مستطاب تنزیہ الانبیاء کا **اردو ترجمہ** - کتاب مذکور **تخطیئۃ الانبیاء** کا جواب ہے - جبکے مصنف نے جملہ انبیاء پر تہمت والزام لگانے وایرادات واعتراضات کرنیمیں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا - حضرت آدمؑ سے لیکر جناب خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اکثر انبیاء علیہ السلام پر بیجا اعتراض کئے ہیں - **سید علیہ الرحمہ** نے عصمت انبیاء پر دلائل وبراہین عقلیہ قائم کرنیکے بعد ہر ایک ایراد اور شبہے کا جواب نہایت خوش اسلوبی سے دیا ہے اور ہر ایک حیثیت سے بحث کی ہے اس کتاب کی قدر ومنزلت دیکھنے ہی پر موقوف ہے اصل کتاب پر اور بھی بہت سی آیات واحادیث اڈیٹر البرہان کیطرف سے اضافہ کیگئی ہیں اور بعض ضروری مقامات کی شرح بھی کیگئی ہے جنکو سید علیہ الرحمہ نے اجمالاً بیان کیا تھا جس سے کتاب کی خوبی دوبالا ہوگئی ہی - ہر ایک مومن کے واسطے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے یہ کتاب دفتر البرہان لاہور سے عہ قیمت پر ملسکتی ہے ؂

طریقۃ الصلوٰۃ: جسمیں جملہ واجب نمازوں کے طریق اور انکے احکام کو اس طرز سے نہایت سلیس بامحاورہ اردو میں بیان کیا گیا ہے کہ معمولی لیاقت کا آدمی بھی بلا کسی کی امداد کے سیکھ سکتا ہے گویا یہ مختصر رسالہ استاد کا کام دیتا ہے نماز سیکھنے کیواسطے اس سے بہتر رسالہ دیکھنے میں نہیں آیا - ۲؍ قیمت پر دفتر البرہان سے طلب کرنا چاہیئے ؂

الہیئۃ والاسلام: - اس کتاب میں ہیئت جدید کو تعلیم اسلام کی موافق ثابت کیا گیا ہی اور دکھلایا گیا ہے کہ اسلام ان علوم کی تحقیق سے تیرہ سو برس قبل ان علوم کو بیان کرچکا ہے جو اسلام کی صداقت وحقیقت کی روشن دلیل ہے یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہی ہی اور اس مضمون کی پہلی کتاب ہے اسکا اردو ترجمہ زیر طبع ہے عنقریب دفتر البرہان سے شائع ہوگا ؂

المشتہر: منیجر رسالہ البرہان لاہور

اِعلان

حق تصنیف بالکل محفوظ ہے۔ لہذا کوئی صاحب
بلا اجازت جناب سید ناظر حسین خان صاحب
ناظم ایڈیٹر و پروپرائیٹر اخبار ناظم الہند
سفیر گورنمنٹ لاہور۔ اس کتاب کے چھاپنے کا قصد
نہ فرمائیں۔ جس قدر جلدیں مطلوب ہوں۔ دفتر
ناظم الہند بازار حکیماں لاہور سے طلب فرمائیں؁

منیجر ناظم الہند پریس
لاہور